۱۷۵- احمدی شعراء

۳۲- احمدی شاعرات کے

سوانح حیات و منتخبہ کلام

مرتب

سلیم شاہجہانپوری

شعرائے احمدیت

۱۷۵ ــــ احمدی شعراء

۳۲ ــــ احمدی شاعرات کے

سوانح حیات و منتخبہ کلام

مرتبہ

سلیم شاہجہانپوری

نام کتاب ———— شعرائے احمدیت

مرتبہ ———— ابوالعارف سیّد سلیم شاہجہانپوری

کتابت ———— خالد محمود اعوان

طبع ———— اوّل

تعداد ———— ایک ہزار

ناشر ———— ابوالعارف

مطبع ———— شریف سنز کراچی

قیمت ———— اندرونِ ملک ۵۰۰/ روپے / بیرون ملک ۵ پاؤنڈ اسٹرلنگ، ۸ امریکن ڈالر، ۱۰ کینیڈین ڈالر

ملنے کا پتہ ———— بی ۲۹ ، بلاک نمبر ۵ (غربی) گلشن اقبال کراچی

انتساب

"میں اپنی اس ضخیم اہم اور تاریخی کتاب "شعرائے احمدیت" کو اپنے صاحبزادے سید خالد جمیل اور ان کی شریک حیات قمر آرا خانم کے نام منسوب کرنے میں دلی مسرت محسوس کرتا ہوں۔ ان کی ترغیب اور تعاون نے اور مسلسل اصرار نے اس کی تکمیل کو انتہا تک پہنچانے میں امداد جاری رکھی۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کی عمروں اور صحت میں بے اندازہ برکت ڈالے آمین یا رب العالمین

شکریہ احباب

اس کتاب کے اختتام سے پہلے میں اپنے اُن چند احباب کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کی تکمیل میں کسی نہ کسی رنگ میں تعاون کیا اور برابر تاکید کرتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی عمروں اور صحت میں بے اندازہ برکت ڈالے اور ان کی اولاد کو صحت و عافیت کے ساتھ لمبی عمریں عطا فرمائے۔ اور اسی فراخی کے ساتھ خدمات کی توفیق دیتا رہے۔

۱۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے خالد محمود اعوان کا نام سرفہرست ہے جن کی خوش نویسی نے کتاب کی افادیت اور خوبصورتی میں چار چاند لگا دیئے اور دلی لگن کے ساتھ اس کام میں بھرپور مدد فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان کی صحت و عافیت اور جملہ اہل خانہ کی مدد فرماتا رہے تاکہ یہ اپنے فن کی مزید خوبیوں سے استفادہ پہنچاتے رہیں۔

اس سلسلے میں میرے گرانقدر بھائی کرنل شریف صاحب اور ان کے خوش سیرت اور با اخلاق بیٹے میجر شاہد احمد کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں جس دلی لگن کے ساتھ دونوں عظیم المرتبت باپ بیٹوں نے میری مدد فرمائی وہ ناقابلِ فراموش ہے۔

۲۔ میجر صاحب کا میں دلی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس ضخیم کتاب کی خوبصورت طباعت میں بڑی تندہی سے کام کیا۔ تاکہ یہ مفید کتاب جلد سے جلد آپ کے ہاتھوں میں پہنچ جائے۔ ان کی پریس کے سب کارکنان کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے کتاب کی خوبصورت جلد بندی اور دیگر امور میں اپنی مہارت کا ثبوت دیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی عمر اور صحت میں برکت ڈالے اور اپنے فن میں کامل مہارت عطا فرمائے۔

۴۔ بڑی ناشکری ہوگی اگر میں بڑی صاحبزادی صغریٰ سلّمہا ایم اے بی ٹی ریٹائرڈ ہیڈ مسٹریس گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے قریبًا روزانہ کتاب کی پروف ریڈنگ اور تدوین کے سلسلے میں بڑی تندہی سے کام لیا اور کتاب کو خوبصورت اور مفید سے مفید تر بنانے میں اپنا کافی وقت صرف کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی صحت وعافیت میں بھی بے اندازہ برکت ڈالے اور ان کے بچوں کو دین و دنیا کی خوشیاں نصیب کرے اور فراخ روزی سے نوازتا رہے۔ آمین

خاکسار

سلیم شاہجہانپوری

سلیم شاہجہانپوری کے منظوم کلام پر

امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا طاہر احمدؒ خلیفۃ المسیح الرابع کا

اظہار خوشنودی و پسندیدگی

ایک جمعہ میں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا :-

"میں نے گزشتہ جمعہ کو اپنے خطبہ میں یہ کہا تھا کہ یہاں چودھری محمد علی صاحب اور عبید اللہ علیم صاحب آئے ہوئے ہیں اُن سے بھرپور آفادہ کیا جائے اور اُن کے ساتھ مجلسیں سجائی جائیں لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ اس طرح دوسرے احمدی شعراء کی دل شکنی ہوئی ہوگی تو میں آج دیگر احمدی شعراء کے حالات بھی بیان کروں گا۔

حضور نے سب سے پہلے تو مکرم جناب نسیم سیفی صاحب کا تذکرہ تحسین الفاظ میں کیا پھر فرمایا "دوسرے نمبر پر سلیم شاہجہانپوری ہیں جو بہت شستہ کلام کہتے ہیں اور محاورے استعمال کرتے ہیں۔ محاوروں کے بارے میں تو ان کا یہ حال ہے کہ گویا وہ اُنکے گھر کی لونڈی ہیں اُن پر بھی بہت اچھی وڈیو بنائی جاسکتی ہے۔

مکتوب گرامی مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۹۸۳ء (ربوہ)

"مکرم محترم سلیم شاہجہانپوری صاحب۔ اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ "الفضل" میں محترم مولانا عبدالمالک خان صاحب کے بارے میں آپ کی نظم پڑھی ہے

آپ نے بہت عمدہ نظم کہی ہے جو فصاحت و بلاغت کے

لحاظ سے بھی، اور اظہار جذبات

میں گہری سچائی کے لحاظ سے
بھی بہت اعلیٰ پایہ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ذہن کو جلا بخشے،
اپنی رضا کی راہوں پر چلائے اور دین و دنیا کی حسنات عطا فرمائے۔ آمین

مکتوب گرامی مورخہ ۵ فروری ۱۹۸۵ء (لندن)

"آپ کا پُرخلوص خط ملا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء آپ کی خواب مبارک ہے۔ نظم بہت اچھی کہی ہے۔ اُردو تو آپ کے گھر کی لونڈی ہے۔ شاعری کا ذوق بھی وراثت میں پایا ہے۔ اس لئے حالات کو موثر رنگ میں قلم بند کرتے رہیں۔"

مکتوب گرامی مورخہ ۱۵ جولائی ۱۹۸۵ء (لندن) بدستِ خاص

"آپ کا خط ملا جو خوشیوں کی خبر بھی لایا، الحمد للہ۔ اور درد میں ڈوبے ہوئے آپ کے فصیح و بلیغ کلام کے چند نمونے بھی۔ سارا کلام ہی دلگداز و دلربا پایا ہے۔ مگر بھائی عقیل (-) کے زندہ جاوید ذکر پرمشتمل اشعار نے جو دل کا حال کیا وہ دفعۃً آنکھوں سے بہنے لگا۔ دل میں ایک ہوک اُٹھی کہ

اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے

ڈاک کا انبار ایک طرف رکھ کر کچھ عرصہ کے لئے لذتِ درد میں کھو گیا۔ ہوش آنے پر آنسو اس طرح جاری تھے جو اپنے لئے استغفار اور اپنوں کے لئے دعائے خیر کی لڑیاں پرو رہے تھے۔"

مکتوب گرامی مورخہ ۱۸ جون ۱۹۸۷ء (لندن)

"آپ کا خط موصول ہوا۔ آپ کی پہلی نظم بھی مِل گئی تھی۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔ موجودہ نظم بھی بہت اعلیٰ پایہ کی ہے۔ بعد میں اشاعت کے لئے بھجوا دیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فصاحت و بلاغت اور قوت کلام عطا فرمائی ہے ـــــــ چشم بد دور۔
اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو قبول فرمائے اور عمر میں برکت دے۔"

مکتوب گرامی مورخہ ۹ مارچ ۱۹۸۸ء (لندن)

"آپ کی غزل "گھر کے جس گوشے میں پہنچوں تری خوشبو آئے" پڑھی ہے۔ بہت اچھی ہے۔ پہلے تو نہیں دیکھی تھی۔ اب پڑھی ہے تو بہت لطف آیا ہے۔ اللھم زد وبارک۔ آپ ــــ مجھے ہوئے قادر الکلام شاعر ہیں۔ بڑی پُر تاثیر غزل ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی شاعری اور حسنِ طبیعت میں اور نکھار پیدا کرے۔"

مکتوب گرامی مورخہ ۹ جولائی ۱۹۹۳ء (لندن)

"پیارے مکرم سلیم شاہجہانپوری صاحب ــــ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اخبار احمدیہ جرمنی کے ایک سالنامہ میں آپ کی نظم "اسیرانِ راہِ مولا" پڑھ کر لطف آگیا ہے۔ اس میں آپ کی طبیعت رواں ہوئی ہے کہ ــــ موج در موج چل رہی ہے۔ بہت ہی اعلیٰ اور کلاسیکل کلام ہے۔ اس کے یہ تین شعر تو بہت ہی چوٹی کے ہیں۔ ؎

چمک رہے ہیں کفِ پا کے نقش راہوں میں ــــ جلا گئے ہیں وہ شمعیں جہاں سے گزرے ہیں

زمینِ کشتِ اطاعت کو کر دیا سیراب ــــ ستارے جڑ دیئے جس آسماں سے گزرے ہیں

وہ جس مقام کی حسرت میں مر گئے اسلاف ــــ اُسی مقام ولایت نشاں سے گزرے ہیں

آخری سے تیسرے شعر کے پہلے مصرعہ میں مجھے یقین ہے کہ کتابت کی کوئی غلطی ہوئی ہوگی جیسا کہ عموماً کر جاتے ہیں۔ ان کو توجہ دلا دیں کہ اس میں "کوئی خشل نہیں ......" کی بجائے "کوئی خشل نہیں ......" کر دیں۔ اللہ آپ کو عمر اور صحت میں برکت دے اور ہمیشہ اپنے پیار سے نوازے۔

اللہ آپ کے ساتھ ہو۔"

دیگر آراء

ڈاکٹر جمیل جالبی

۲۲ دسمبر ۱۹۸۷ء

محترمی! سلام مسنون ـــــ گرامی نامہ ملا جس کے لئے انتہائی شکر گزار ہوں۔ نفاذِ اردو کے سلسلے میں میری اور آپ کی رائے اور نقطۂ نظر یقیناً ایک ہے۔ میں اپنے طور پر اس کام کو کر رہا ہوں اور کروں گا اور ضروری ہے کہ آپ بھی اپنے اپنے حلقے اور علاقے میں اس کام کو اپنے طور پر انجام دیں تاکہ نفاذِ اُردو کے لئے مؤثر و سازگار فضا بن سکے۔ آپ کی دُعائیں میرے لئے روشنی کا درجہ رکھتی ہیں۔

اُمید ہے آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔ آپ کا مخلص جمیل جالبی

پروفیسر پریشان خٹک

محترمی سلام مسنون آپکا گرامی نامہ اور شاعری کے چند اوراق موصول ہوئے ہیں ادب کا طالبعلم ہوں۔ اسلئے آپ جیسے عالم فاضل کی شاعری پر کیا رائے دے سکوں گا۔ البتہ مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ آپکی شاعری فکری اور فنی ہر دو اعتبار سے جس پختہ کاری کا اظہار ہے وہ ہر شاعر کا انتہائے مقصود ہے۔

آپکی نعت جس عقیدے اور احترام کے ساتھ سامنے آئی ہے۔ نعت گوئی کا حق ادا ہو جاتا ہے۔ غزل میں رنگِ تغزل آپ کے حسنِ نظر اور ہنر کاری کا ثبوت بھی ہے۔

خدا کرے آپ مع الخیر ہوں۔

والسلام مخلص

پریشان خٹک

فہرست شعرائے احمدیت

صفحہ نمبر

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد (المصلح الموعود) کا دل آویز و شیریں کلام ۱۲۵

حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع کا دل آویز و شیریں کلام ۱۳۷

حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد (اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب (اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو)

حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب (اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو)

صاحبزادہ مرزا خلیل احمد

صاحبزادہ مرزا حنیف احمد

اسمائے شعرائے کرام بلحاظ حروف تہجی دیئے گئے ہیں۔ جن شعرائے کرام کی سوانح حیات میسر ہوئی ان کو ایک جگہ اور جن کی سوانح حیات بصد کوشش کے نہیں مل سکیں اور ایک جگہ رکھا گیا ہے۔

۲۔ اکمل ۔ حضرت قاضی ظہور الدین اکمل صاحب

۳۔ اثر ۔ جناب عزیز اللہ خاں صاحب اثر شاہجہانپوری

۴۔ اسلم ۔ ماسٹر محمد شفیع صاحب لدھیانوی

حافظ۔ جناب حافظ سلیم احمد صاحب اٹاوی

خلیل۔ جناب حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری

تنویر۔ روشن دین تنویر

سرور۔ جناب علی محمد صاحب سرور لدھیانوی

دورِ اوّل (بغیر سوانح حیات)

دور دوم

بسمل۔ جناب فضل الرحمٰن صاحب بھیروی

چوہدری بشیر احمد خاں صاحب

بابر۔ ظہور الدین بابر ایم اے

(پ) پرویز پروازی۔ جناب ناصر احمد صاحب قادیانی

(ت) تبسم۔ جناب عبدالرشید صاحب تبسم

تسنیم۔ میر اللہ بخش صاحب تسنیم

(ث) ثاقب۔ جناب محمد صدیق صاحب زیدی

خ۔ خلیل۔ قریشی خلیل احمد خلیل

سجاد۔ سید سجاد احمد صاحب قادیانی

ش۔ جناب حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس

شوق۔ عبدالحمید خان صاحب شوق گورداسپوری (حال سیالکوٹی)

شمس۔ شمس الاطباء جناب حکیم محمد صدیق صاحب

شاد۔ جناب ماسٹر محمد ابراہیم صاحب شاد

دور دوم (بغیر سوانح حیات

(الف) ادیب۔ جناب حنیف ادیب صاحب راولپنڈی

احمد۔ جناب بشیر احمد خاں صاحب لاہور

جناب بابو احمد علی خاں صاحب از زمک

اختر۔ جناب اختر گوبندپوری صاحب

جناب اکرم سرحدی صاحب

اکمل ۔ جناب عبدالحکیم صاحب

جناب اللہ دتہ صاحب آف گکھڑ

اویس ۔ جناب تصور حسین صاحب اویس

احمد ۔ جناب بشیر احمد صاحب ابن جناب حقانی مرحوم

انور ۔ جناب انور نظامی صاحب

آزاد ۔ جناب شیخ محمد بشیر صاحب آزاد

آفاقی ۔ جناب خالد آفاقی صاحب

اسلم۔ جناب فیض اسلم صاحب

احسن۔ جناب احسن اسمٰعیل صاحب گوجرہ

(ت) ترکی۔ جناب محمد افضل صاحب

(ج) جوگی۔ حکیم مرزا اللہ یار جوگی

جناب جنید ہاشمی صاحب

(ح) جناب شیخ حسن شریف صاحب از حیدرآباد دکن

جناب حمید الحامد صاحب

احمدی شاعرات

پروفیسر سیدہ منیرہ بخاری

ن محترمہ نجمہ عبدالرزاق صاحبہ

محترمہ نزہت آرا بیگم صاحبہ

عرضِ حال

شعرائے احمدیت کی تدوین و ترتیب کا خیال میرے دل میں اس وقت سے قائم ہو چکا تھا جب کسی سخن ناشناس نے اپنی نادانی، کم علمی اور تعصب کی بنا پر احمدی شعراء کے کلام پر "قادیانی" شاعری کی پھبتی کسی تھی اور حضرت اقدس سیدنا مرزا غلام احمد صاحب (آپ پر سلامتی ہو) کی ایک طویل تبلیغی، اصلاحی اور انذاری نظم کے شعر ؎

آئے گا قہرِ خدا سے خلق پر اک انقلاب
اک برہنہ سے نہ یہ ہوگا کہ تا باندھے ازار

کو ہدفِ تنقید بنا کر اپنے خُبثِ باطن اور کور ذوقی کا مظاہرہ کیا تھا۔ جس کے جواب میں باوجود پیرانہ سالی، ناطاقتی، ضعف و اضمحلال اور عرصہ دراز سے صاحبِ فراش ہونے کے استاذی المحترم حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب مختار شاہجہانپوری، ارشد تلامذہ و جانشین امیر احمد صاحب امیر مینائی ؒ نے جو حضرت اقدس کے کلام نظم و نثر کے رموز و غوامض کے رازدان ہونے اور کلام امام کے محاسنِ لفظی و معنوی کو نقادانہ نظر سے پرکھنے اور اس کی افادیت، معنویت اور تاثرات کی گہرائی و گیرائی کو ماہرانہ انداز سے ناپنے کی بے نظیر صلاحیت رکھتے تھے، غیرت دینی اور حضرت اقدس مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) سے والہانہ عقیدت و محبت کے جذبہ کا اظہار کرتے ہوئے متعدد اقساط میں جو سلسلہ عالیہ احمدیہ کے مقتدر ماہنامہ "الفرقان" ربوہ میں اُسی وقت شائع ہو گئی تھیں۔ اُس کج فہم کے اوہام باطلہ کی دھجیاں بکھیر دی تھیں اور فارسی زبان کے مستند و نامور اساتذہ مثلاً عنصری، عسجدی، فردوسی، نظامی، جامی، سعدی، خاقانی، قاآنی، طالب آملی

وغیرہ کے کلام سے صدہا مثالیں دے کر یہ ثابت کر دیا تھا کہ اگر "کرتا" کو ایک جگہ نظم کرنا قادیانی شاعری سے مختص ہے تو ماننا پڑے گا کہ مندرجہ بالا تمام فارسی اساتذہ قادیانی تھے حضرت حافظ صاحب نے فارسی زبان پر اکتفا نہ کرتے ہوئے اردو زبان کے نامور اساتذۂ فن یعنی شعراء متقدمین، متوسطین، متاخرین بلکہ شعراء دورِ جدید کے کلام سے لاتعداد مثالیں پیش فرما کر معترض کی زبانِ بے لگام کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا تھا۔

اس کام کی ابتداء سلسلہ کے اخبارات و رسائل سے احمدی شعراء کے کلام جمع کرنے سے ہوئی۔ بعد ازاں ان شعراء کے سوانح حیات حاصل کرنے کی فکر دامن گیر ہوئی چنانچہ ایک مطبوعہ مکتوب کے ذریعہ جو بک پوسٹ روانہ کئے گئے کچھ احمدی شعراء تک رسائی حاصل کی پھر ایک مطبوعہ اعلان کے ذریعہ جو سلسلہ کے آرگن روزنامہ الفضل کی اشاعت مورخہ میں شائع ہوا۔ تمام احمدی شعراء کو توجہ دلائی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے میری ناچیز مساعی میں اپنے فضل سے برکت ڈالی اور اکثر بزرگوں نے اپنی پہلی فرصت میں میری درخواست کو شرفِ قبولیت عطا فرماتے ہوئے نہ صرف اپنے سوانح حیات ہی روانہ فرمائے بلکہ اپنا مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کلام بھی عنایت فرمایا اس طرح کام میں وسعت پیدا ہوتی گئی اور کشود کار کی شکلیں واضح سے واضح تر ہوگئیں جس سے راقم الحروف کی بڑی حوصلہ افزائی ہوئی۔

ان سابقون الاولون شعرائے احمدیت میں سرفہرست نام مخدومی و معظمی جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر کا ہے جو نہ صرف اردو بلکہ فارسی زبان کے بھی ایک مستند شاعر ہونے کے علاوہ سلسلہ کے پرانے خدام میں سے ہیں اور امیر جماعت احمدیہ فیصل آباد ہیں۔ جناب نے ازراہِ شفقت اپنے فارسی مجموعہ کلام "درد و درمان" کی ایک جلد بذریعہ ڈاک روانہ فرمائی اور مختصر حالات بھی تحریر فرمائے۔ اس کے علاوہ آپ نے نہایت قیمتی مشوروں سے بھی میری قابل قدر مدد فرمائی۔ آپ کے ساتھ سلسلہ مکاتبت قائم ہونے سے اب سے قریباً پینتالیس سال پیشتر کی یادیں بھی تازہ ہوگئیں جب کہ آپ بیت الصلوٰۃ احمدیہ شاہجہانپور کے مقدمہ کی پیروی کے سلسلہ میں کئی ماہ مسلسل شاہجہانپور میں مقیم رہے تھے۔ آپ کے کچھ حالات آپ کی نشاندہی پر "اصحاب احمد" جلد چہارم اور کچھ "تذکرہ

شعرائے پنجاب سے لئے ہیں جو خواجہ عبدالرشید صاحب نے ۱۹۷۱ء میں شہنشاہ ایران کے جشنِ تاجپوشی کے موقعہ پر پاکستان کے فارسی گو شعراء کے سوانح حیات اور مجموعہ کلام پر مشتمل ایک ارمغان کی صورت میں شائع کیا تھا۔

ربوہ سے محترم جناب عبدالسلام صاحب اختر (مرحوم و مغفور) نے فوراً توجہ کی اور اپنے حالاتِ زندگی معہ نمونہ کلام روانہ فرمائے۔ محترم نور محمد صاحب نسیم سیفی (سابق رئیس التبلیغ بلادِ افریقہ) نے اپنا مطبوعہ کلام بذریعہ ڈاک روانہ فرما کر ممنون کیا۔ ربوہ کے دیگر شعراء مثلاً شمس الاطباء جناب حکیم محمد صدیق صاحب فاضل، جناب مولانا محمد صدیق صاحب امرتسری (سابق مبلغ افریقہ و جزائر فجی) جناب حافظ محمد معلم صاحب اٹاوی۔ محترم جناب شبیر احمد صاحب شبیر وکیل المال اول تحریک جدید ربوہ اپنے سوانح حیات اور نمونہ کلام عنایت فرما چکے ہیں۔ لیکن باوجود کوشش بسیار میں تعلیم الاسلام کالج کے پروفیسر صاحبان سے ان کے کلام حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا ہوں باوجود مسلسل معروضات اور پیہم یاد دہانیوں کے انہوں نے میرے خطوط کا جواب تک دینے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی جس کا مجھے افسوس افسوس ہے۔ اگر میری یہ تحریر محترم جناب چودھری علی محمد صاحب مضطر عارفی اور پروفیسر نصیر احمد خاں صاحب کی نظروں سے گذرے تو آپ توجہ فرمائیں۔ تعلیم الاسلام کالج کے جوان العمر پروفیسر ناصر احمد صاحب پرویز پروازی سے جو جماعت کے ہونہار نوجوانوں میں سے ہیں، مجلسِ مشاورت ۱۹۷۱ء کے اختتام پر بالمشافہ گفتگو ہوئی۔ پروازی صاحب بڑے خلیق، ملنسار اور شگفتہ مزاج انسان ہیں۔ آپ سے مکان پر بھی ملاقات ہوئی اور دوسرے روز آپ کی دعوت پر کالج گیا۔ وہاں آپ نے قلم برداشتہ چند سطور اپنے حالات کے متعلق اور دو شعر میرے حوالے کئے ہیں میں نے دل میں خیال کیا کہ اینہم غنیمت است۔

کراچی کے حلقہ سے جس سراپا اخلاق ہستی نے میری آواز پر لبیک کہا وہ مکرم جناب آفتاب احمد صاحب بسمل کی ذات ہے جن سے میں اوّلاً مخزمی جناب مولوی عبدالمجید صاحب دہلوی حال کراچی کے دولت کدہ پر مل چکا تھا۔ بعد ازاں کئی بار آپ کی قیام گاہ پر حاضر ہو کر شرف نیاز حاصل کرتا رہا۔ آپ نے نہ صرف اپنے حالات ہی لکھوائے بلکہ اپنے کلام کا ایک حصہ خود پڑھ کر سنایا

بعدازاں میرے انتخاب کے مطابق کلام کو نقل کر کے نواب شاہ روانہ کرنے کی زحمت بھی گوارا فرمائی ہیں آپ کے اخلاقِ کریمانہ سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ بسمل صاحب نے علاوہ روایتی شاعری کے سلسلہ کے متعلق بے شمار واقعاتی نظمیں بھی قلم بند فرمائی ہیں جس سے آپ کی خوش گوئی، پختگی اور قادر الکلامی کے علاوہ سلسلہ سے قلبی محبت و تعلق کی بھی عکاسی ہوتی ہے۔ آپ کو بارہا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے سامنے بھی اپنا کلام سنانے اور حضور کی خوشنودی حاصل کرنے کی سعادت بھی نصیب ہوئی ہے۔ حتیٰ کہ ایک بار حضور نے بسمل صاحب کو ایک قلم بھی انعام کے طور پر عطا فرمایا۔ جس پر آپ نے ایک نظم حضور کو پیش کی جس میں اپنے جذباتِ تشکر و عقیدت کا اظہار کیا۔

کراچی سے دیگر شعرائے احمدیت میں جناب شیخ محمد رفیع صاحب (مرحوم و مغفور) کا نام بھی شاملِ فہرست ہے۔ جن کے دولت کدہ واقع سوسائٹی پر حاضری دینے کا موقع مل گیا۔ آپ نے بطورِ انٹرویو اپنے حالات تحریر کرا کے اور اپنا مجموعہ کلام "دیوانِ رفیع" اور فنِ عروض پر ایک کتاب "رموزِ شعر و شاعری" مرحمت فرمائی۔ شیخ صاحب سے میری واقفیت بہت پرانی ہے۔ یعنی ابتدائے قیام پاکستان سے جبکہ شیخ صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کے معزز عہدہ پر متعین تھے۔ آپ نے اس وقت تک میدانِ شاعری میں قدم نہ رکھا تھا۔ نواب شاہ سے تبدیل ہو کر چلے جانے کے بعد عرصہ دراز تک آپ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ لیکن ایک مرتبہ ماہنامہ "مصباح" کا ایک پرانا پرچہ نظر سے گزرا جس میں آپ کی ایک نظم شائع ہوئی تھی اس وقت پتہ چلا کہ شیخ صاحب کو بھی اللہ تعالیٰ نے ملکۂ شعری سے وافر حصہ عطا فرمایا ہے۔

جناب اکبر خان صاحب اصغر نے جو مسلم آباد کراچی میں قیام پذیر ہیں احمدیہ ہال کراچی میں مجلسِ مشاورت ۱۹۷۶ء سے قبل وعدہ فرمایا تھا کہ میں اپنے سوانح حیات اور کلام ضرور دوں گا لیکن اس کام کے لیے انہوں نے اپنے دولت کدہ پر حاضری کی ہدایت فرمائی۔ مئی کے پہلے ہفتہ میں دورانِ قیام کراچی میں نے خان صاحب موصوف سے ملاقات کا پروگرام بنایا۔ اور بعد از تلاشِ بسیار اُن کی قیام گاہ کا پتہ نکال لیا۔ حُسنِ اتفاق سے محترم خان صاحب اُس وقت

مکان ہی پر موجود تھے۔ چونکہ ایک ہی بار ملاقات کا موقعہ ملا تھا۔ اس لیے شناخت میں کچھ تامل ہوا۔ لیکن جب میں نے نام بتایا تو بڑی خندہ پیشانی سے ملے اور اپنے ڈرائنگ روم میں لے گئے۔ آپ نے اپنے کلام سے نوازا اور دورانِ گفتگو اس بات کا انکشاف ہوا کہ آپ کی دو مثنویاں اور ایک مجموعہ غزلیات مرتب ہو چکے ہیں اور اس سلسلہ میں ناشرین سے بات چیت ہو رہی ہے۔ آپ کی مثنویات جو خالصتہً مذہبی اور صوفیانہ رنگ رکھتی ہیں کئی ہزار اشعار پر مشتمل ہیں آپ نے جستہ جستہ مقامات سے اشعار سنا کر بے حد محظوظ فرمایا۔ مثنویات میں جو زبان استعمال کی گئی ہے وہ نہایت سادہ، عام فہم، سلیس اور سہل ممتنع کا بہترین نمونہ ہے اور بعض مقامات پر تو اس بلا کی روانی ہے کہ مولانا حالیؔ کے مسدس کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ آپ کا دیگر کلام بھی نہایت اعلیٰ اور پاکیزہ جذبات کا آئینہ دار ہے۔

کراچی کے ایک پرانے بزرگ جناب قیس مینائی سے بھی بالمشافہ گفتگو ہو چکی ہے۔ آپ نے ابھی تک اپنا کلام عنایت نہیں فرمایا۔ لیکن مجھے آپ کے سوانح حیات اسی قلمی مسودہ سے حاصل ہو چکے ہیں جو جناب امین اللہ خاں صاحب سالک نے تحریر فرمایا تھا جو جامعہ احمدیہ کی لائبریری میں محفوظ ہے۔ آپ کے کلام کا نمونہ بھی حاصل ہو چکا ہے۔ آپ کو حضرت امیر مینائیؒ سے تلمذ کا شرف حاصل ہے اور ایک کہنہ مشق شاعر ہونے کے علاوہ آپ ایک پرانے تجربہ کار صحافی بھی رہ چکے ہیں۔

کراچی میں آج کل سلسلہ کے ایک دیرینہ خادم جناب حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری بھی قیام فرما ہیں۔ جن کی ساری عمر تبلیغی مہمات اور سلسلہ کی دیگر خدمات بجالانے میں صرف ہوئی ہے۔ اُن کے صاحبزادے عزیز مکرم جمیل احمد صاحب سے دورانِ قیام سکھر میں تعارف ہو چکا تھا۔ وہ اکثر احمدیہ ہال کراچی میں ملتے رہے۔ اُن سے پتہ معلوم کر کے ایک شام میں ان کی قیام گاہ واقع فیڈرل بی ایریا پہنچ گیا۔ بڑے ہی خلوص اور انتہائی شفقت و محبت سے پیش آئے۔ حکیم صاحب موصوف سے یہ میری پہلی ملاقات تھی۔ لیکن اس پہلی ملاقات ہی نے دلوں کو اتنا قریب کر دیا کہ حکیم صاحب بار بار یہ فرماتے تھے کہ بھئی آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی۔ یہی

حال میرا تھا کہ حکیم صاحب قبلہ کی ملاقات میرے لیے بڑے ہی ازدیادِ ایمان کا باعث ہوئی۔
حکیم صاحب نے ازراہِ شفقت اپنی بیاض سے چیدہ چیدہ کلام بھی سُنایا اور کچھ ابتدائی حالات بھی سُنائے جن کو میں نے بعدازاں قلم بند کر لیا۔ حکیم صاحب قبلہ کی زندگی میں لاتعداد ایسے واقعات ہیں جن کو سُن کر ہر مومن کا دل بشاشت سے لبریز اور اللہ تعالیٰ کی نہاں در نہاں طاقتوں اور اُس کی نصرت کے یقین سے پُر ہو جاتا ہے۔ آپ کا ارادہ ہے کہ اپنے سوانح حیات اپنی زندگی ہی میں مرتب کرا دیں اور کلام کا انتخاب بھی شائع کرا دیں۔ میں نے بھی باصرار درخواست کی ہے کہ اس کام کو جس قدر جلد ممکن ہو پورا کر دیں۔ اللہ تعالیٰ حکیم صاحب کو اتنی طاقت اور صحت دے کہ وہ جلد اِدھر توجہ فرما سکیں کہ وہ جلد ادھر توجہ فرما سکیں تاکہ اس مجاہدِ احمدیت کی خدمات اور کلام محفوظ ہو جائیں اور آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوں۔

جناب سیٹھ معین الدین صاحب عشرت آبادی سے جو مربیٔ سلسلہ (حال ناظر صاحب اصلاح وارشاد) جناب عبدالمالک خاں صاحب کے برادرِ نسبتی ہیں جمعہ کے روز احمدیہ ہال میں ملاقات ہو گئی تھی اُن کو مطبوعہ مکتوب بھی دیا اور زبانی بھی عرضِ حال کیا۔ وعدہ فرمایا تھا لیکن ابھی تک ایفائے وعدہ کی صورت پیدا نہیں ہو سکی۔ باوجود کوشش اُن کی قیام گاہ کا پتہ بھی نہیں مِل سکا ہے۔ ہاں اس قدر معلوم ہوا ہے کہ وہ سوسائٹی ہی میں کسی جگہ سکونت پذیر ہیں اور شاید اکبر خاں صاحب اصغر کے نزدیک رہتے ہیں۔ بہر حال کوشش جاری ہے۔

شیدا صاحب گجراتی بھی پرانے شاعر ہیں۔ میں کئی مواقع پر اُن کا کلام سُن چکا ہوں۔ اُن کو احمدیہ ہال کے پتہ پر خط لکھا تھا لیکن کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ اب معلوم ہوا ہے کہ وہ ناظم آباد میں برادرم محمد شریف صاحب کانپوری کے قریب ہی رہتے ہیں۔ اب شریف صاحب کی معرفت اُن سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کروں گا۔

عبیداللہ صاحب عَلیم اور شاہد منصور صاحبان کا کلام بعض رسائل سے حاصل ہو چکا ہے لیکن ہر دو حضرات سے بالمشافہ گفتگو کی نوبت نہیں آئی۔ شاہد منصور صاحب کا پتہ عزیز مکرم پرویز پروازی صاحب نے ربوہ میں تحریر کرایا تھا اور یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ یہ اچھا کہنے

والوں میں سے ہیں اور ان کے کلام سے ترقی کے آثار ہویدا ہیں ۔

کراچی کے شعراء میں ایک جانے پہچانے شاعر جناب فیض عالم خان صاحب فیض چنگوی بھی ہیں جن سے میرا غائبانہ تعارف تو اخبار "المصلح" کراچی کی ادارت کے زمانے سے تھا لیکن یہ تعارف صرف اُن کے نام اور کلام کی نسبت سے تھا ۔ لیکن اس مرتبہ جب بطور نمائندہ جماعت نواب شاہ مجلسِ مشاورت کے موقع پر ربوہ حاضر ہوا تو فارغ اوقات میں اور مجلسِ مشاورت کے بعد بھی ربوہ کے اہلِ علم بزرگوں اور دوستوں سے انفرادی ملاقاتوں کا موقعہ ملا ۔ ایک ملاقات کے دوران برادر مکرم جناب پرویز پروازی صاحب سے فیض صاحب کا پتہ بھی مل گیا ۔ ربوہ سے واپسی کے بعد ماہ اپریل کے آخری ہفتہ میں کراچی پہنچا اور ابھی فیض صاحب سے ملنے اور اُن کے کلام سے مستفید ہونے کے پروگرام بنا ہی رہا تھا کہ ایک اور دوران ملاقات برادرِ محترم جناب مولوی عبدالمجید صاحب نے ارشاد فرمایا کہ کل بروز اتوار آپ بھائی عبدالحمید صاحب کے مکان بر واقع عزیز آباد تشریف لائیں اور کھانا بھی وہیں تناول فرمائیں ۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ جماعت کراچی میں یہ تحریک جاری ہے کہ ہر ہفتہ کوئی دوست اپنے سے قریب رہنے والے چند احباب کی دعوت کر دیتے ہیں اور اس طرح مل بیٹھ کر کھانا کھانے اور تبادلہ خیالات اور پرسش احوال کا موقعہ مل جاتا ہے اور تفصیلی طور سے ایک دوسرے کی ضروریات کا علم ہو کر خدمت کا موقعہ فراہم ہو جاتا ہے ۔ بہرحال میں وقت مقررہ یعنی ساڑھے بجے مولوی صاحب موصوف کے دولتکدہ پر جو بیت العزیز عزیز آباد کے عین متقابل واقع ہے پہنچ گیا ۔ چند دوست جن میں سے محترم عبدالرحمٰن صاحب سابق اکاؤنٹنٹ جنرل بلوچستان ۔ چودھری عبدالمجید صاحب جنرل سیکرٹری جماعت احمدیہ کراچی اور مولوی صاحبان کے علاوہ میں کسی سے واقف نہیں تھا وہاں پیشتر سے موجود تھے ۔ وہاں کھانے سے قبل یہ ذکر بھی ہوا کہ فیض عالم خاں صاحب کی طبیعت علیل ہے وہ تشریف نہیں لاسکے ورنہ بعد طعام کچھ دعوتِ کلام سے لُطف اندوز ہونے کا موقع بھی پیدا ہو جاتا ۔ اس پر برادرِ محترم مولوی عبدالمجید صاحب نے فرمایا کہ ان کی کمی ہمارے سید صاحب (یہ خاکسار) پوری کر دیں گے جو نہ صرف خود شاعر ہیں بلکہ ایک بلند پایہ شاعر حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب

مختار شاہجہانپوری کے شاگردِ خاص بھی ہیں۔ بہرحال اس گفتگو سے مجھے پتہ چل گیا کہ فیض صاحب بھی یہیں قریب ہی رہتے ہیں۔ دوسرے دن حاضرِ خدمت ہوا اتفاقاً گھر پر موجود تھے تشریف لے آئے۔ سلام و جواب۔ سلام کے بعد اندر لے گئے اور پھر جو گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا تو وقت کے پر لگ گئے۔ کئی گھنٹے یہ پُرخلوص گفتگو ہوتی رہی۔ میں نے اپنا مقصد ظاہر کیا تو ارشاد فرمایا کہ میں عرصے سے بعارضہِ قلب صاحبِ فراش ہوں۔ ڈاکٹروں نے سخت تاکید کی ہوئی ہے چلنے پھرنے اور کام کرنے سے روکا ہوا ہے۔ لیکن میں آپ کے کام میں بلکلی تعاون کروں گا۔ دوسری ملاقات میں آپ نے اپنے سوانح جو ایک کتاب میں جمع کئے ہوئے ہیں پڑھنے کو دیئے۔ اسی کتاب میں آپ کا جملہ کلام بھی موجود ہے۔ آپ نے بکمال مہربانی وہ مسودہ خاکسار کے حوالے کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ میں سوانحِ حیات میں سے جو حصہ اپنی کتاب کے لئے مناسب خیال کریں نقل کرلیں اور منظومات میں یہ اجازت دی کہ جن نظموں کو پسند کروں اُن پر نشان لگا دوں۔ تاکہ بعد میں نقل کر کے ربوہ بھیج دی جائیں۔ یہ اتنی بڑی پیشکش تھی جو عام حالات میں کسی صاحبِ کلام سے غیر متوقع تھی لیکن میں نے اسی بات سے اندازہ لگا لیا کہ صرف ایک ملاقات میں ہم دونوں ایک دوسرے سے کتنے قریب آ چکے ہیں اور فیض صاحب کو اس ناچیز کی خاطر کس حد تک منظور ہو چکی ہے۔ میں نے دو تین ملاقاتوں ہی میں فیض صاحب کی وسعتِ اخلاق، منکسر المزاجی، سلسلے سے والہانہ عقیدت اور حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) اور حضور کے خلفاء سے عشق کا اندازہ اچھی طرح لگا لیا۔ اللہ تعالیٰ ایسے خدامِ دین کو عرصہ دراز تک باصحت و عافیت اپنے حفظ و امان میں رکھے اور اُن پر اپنی رحمتوں کا سایہ ہمیشہ قائم۔ خدا کرے کہ فیض صاحب کو اپنے حالات مرتب کرنے اور شائع کرانے کا موقع مل جائے۔ تاکہ قارئین کے ازدیادِ ایمان کا باعث ہو۔ آپ کی زندگی میں نصرتِ خداوندی کے بے شمار واقعات پیش آئے جن کو سُن کر قادر و توانا خدا کی قدرت پر یقینِ کامل پیدا ہوتا ہے۔

لاہور کے شعرائے احمدیت میں جناب عبدالرشید صاحب تبسم اور جناب محمد صدیق صاحب ثاقب زیروی کے اسمائے گرامی سرِفہرست ہیں۔ ان دونوں قادرالکلام شعراء نے

نہ صرف اپنے سوانح حیات اور کلام ہی ارسال فرمایا بلکہ بعض مطبوعہ کتب کے ذریعہ بھی گراں قدر امداد فراہم فرمائی۔ جناب تبسم صاحب نے ازراہِ نوازش "یارانِ نو" کی ایک جلد ارسال فرمائی جس میں علاوہ دیگر شعرائے لاہور کے متعدد احمدی شعراء و شاعرات کے حالات و نمونہ کلام سے اپنی کتاب کے لئے مواد فراہم کرنے کا زریں موقع ہاتھ آیا۔ تبسم صاحب سے ذاتی تعارف حاصل کرنے کی سعادت ابھی تک حاصل نہیں ہو سکی۔ لیکن غائبانہ طور سے اُن کے حُسنِ اخلاق سے بے حد متاثر ہوا ہوں۔ اُنھوں نے مجھے نہ صرف اپنی سوسائٹی کا ممبر ہی بنایا بلکہ وقتاً فوقتاً لٹریچر فاؤنڈیشن کے قیمتی مطبوعات سے بھی نوازتے رہے ہیں۔

برادر گرامی قدر ثاقب زیروی صاحب سے ذاتی تعارف حاصل ہے۔ اُنھوں نے ازراہِ محبت کافی مقدار میں اپنا دلکش کلام فراہم کیا اور سوانحِ حیات بھی ارسال کئے۔ علاوہ ازیں آپ نے اپنی ایک پرانی تصنیف "دورِ خسروی" کا بھی ایک نسخہ عاریۃً عنایت فرمایا جس کے توسط سے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالےٰ کے ارشاداتِ گرامی دربارۂ شعر و شاعری سے آگاہ ہو کر چند مفید اقتباسات کو زینتِ کتاب بنانے کی سعادت نصیب ہوئی۔

میجر عبد الحمید صاحب (ربوہ) امین اللہ خاں صاحب سالک (ربوہ) ماسٹر محمد ابراہیم صاحب شاد (سانگلہ ہل) شیخ اللہ بخش صاحب تسنیم (راہوالی ضلع گوجرانوالہ) عبد المنان صاحب ناہید (مزنگ لاہور) سعید احمد صاحب اعجاز اور حکیم سید عبد الہادی صاحب بہاری نے بھی اپنے سوانح حیات اور کلام کا نمونہ ارسال فرمایا۔ ان حضرات میں سے صرف ماسٹر محمد ابراہیم صاحب شاد سے ذاتی تعارف حاصل ہوا۔ دیگر اصحاب سے ملاقات کا موقع ابھی تک میسر نہیں ہوا حکیم سید عبد الہادی صاحب کی قیام گاہ واقع دار الصدر ربوہ پر کئی بار گیا لیکن سوءِ اتفاق سے ایک بار بھی ملاقات نہ ہو سکی تا آنکہ وہ اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔

میری یہ گذارش احوال تشنہ رہ جائے گی اگر میں جناب سیٹھ محمد اعظم صاحب (مرحوم) سے اپنی اس ملاقات کا ذکر نہ کروں جو موصوف سے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے دفتر میں ہوئی۔ یہ مرحوم سے میری پہلی اور آخری ملاقات تھی۔ مرحوم میرے ذاتی تاثرات

کی بناء پر ایک خوش پوشاک، وضعدار اور خوش کلام انسان تھے جو پہلی ملاقات ہی میں بے حد خلیق وشفیق نظر آئے۔ ذاتی وجاہت کا مجسمہ اور خاندانی شرافت کے پیکر تھے۔ آپ نے اس مختصر ملاقات میں دکن کے چند احمدی شعراء کی نشان دہی فرمائی اور ضروری معلومات فراہم فرمائیں۔ آپ کے بتائے ہوئے پتوں پر میں نے براہ راست بھی مکتوب ارسال کئے اور اپنے برادرِ حقیقی سیّد احمد میاں پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ لکھنؤ (یوپی۔ بھارت) کی معرفت بھی کوشش کی لیکن ہماری سعی رائیگاں گئی اور آج تک سیّد حسین صاحب ذوقی مرحوم اور ابوالحمید صاحب آزاد دہلوی ناظم عدالت حیدرآباد دکن کے نہ تو حالات ہی فراہم ہو سکے اور نہ کلام دستیاب ہوا۔ سیّد صاحب کے متعلق معلوم ہوا کہ آپ کی کتاب شاہنامہ احمدیت شائع ہو چکی ہے۔ آزاد صاحب حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کے ۳۱۳ صحابہ میں شامل اور اول بیعت کنندگان میں سے تھے۔

مقدمہ

کسی ملک کے انتظامی، سیاسی، تعلیمی اور تمدنی امور کسی عام زبان کے بغیر تکمیل پا سکیں۔ انگریزی ہندوستان کی عام زبان نہیں بن سکتی۔ یہ ناممکن ہے۔ اس لئے عام زبان کا فخر کسی ایسی زبان کو ملنا چاہیئے ...... اردو تمام ہندوستان کی عام زبان ہے اور یہی ہندوستان کی لینگوا فرینکا ہے۔ کیونکہ یہی وہ زبان ہے جسے ہندوستان کا ہر طبقہ، تمام ادنیٰ و اعلیٰ حتیٰ کہ ہندوستان میں رہنے والے انگریز بھی بولتے ہیں۔ اردو میں ایک ایسی خوبی ہے جو دُنیا کی کسی دوسری زبان میں نہیں ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اُردو دوسری زبانوں کے مناسب الفاظ بغیر کسی تغیر کے یا کچھ سے تبدل کے بعد اپنے میں جذب کر لیتی ہے اور وہ الفاظ اس کی ملکیت بن جاتے ہیں۔

اور اب آخر میں ہسٹری آف انڈیا (HISTORY OF INDIA) کے مصنف ونسنٹ اسمتھ کے خیالات دربارہ اُردو زبان بھی ملاحظہ فرمائیے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"اردو زبان اپنی سادگی، قواعد صرف و نحو کی نرمی اور کثرتِ الفاظ کی بنا پر ہماری زبان انگریزی سے بہت قریب ہے۔ اس زبان میں یہ صلاحیت ہے کہ تمام موضوعات و مطالب کو خواہ وہ ادبی اور فلسفیانہ ہوں یا سائنٹفک آسانی اور کامیابی سے ادا کر سکتی ہے۔"

(منقول از ہفت روزہ قومی زبان مورخہ یکم نومبر ۱۹۴۰ء صفحہ ۴
مرتبہ جناب ابوالخیر کشفی صاحب)

ادبی نقطہ نگاہ

ادبی نقطہ نگاہ سے اگر ایک سرسری جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح آشکار ہو جاتی ہے کہ ہمارے شعراء اور اہل قلم حضرات دُنیائے ادب میں اپنا سکہ جما چکے اور دیگر اہلِ اہلِ زبان سے اپنا لوہا منوا چکے ہیں۔ ہمارے دو شاعر غالبؔ اور اقبالؔ دُنیائے ادب سے خراجِ عقیدت وصول کر چکے ہیں۔ اُن کے افکار کو دُنیا کی مختلف زبانوں میں منتقل کیا جا چکا ہے اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ ابھی حال ہی میں دُنیا کے گوشہ گوشہ میں غالبؔ کی صد سالہ برسی منائی گئی اور اُردو زبان کے اس خدمت گذار کو جوش و خروش کے ساتھ منایا جاتا ہے اور اُردو زبان کے اس عظیم شاعر اور مفکر کو نذرانہ عقیدت پیش کیا جاتا ہے۔ موجودہ دور میں جوشؔ ملیح آبادی اور فیض احمد فیضؔ عالمگیر شہرت کے مالک ہیں اور یہ مرتبہ اِن شعراءِ عظام کو اپنی انقلاب انگیز اُردو نظموں کے ذریعہ ہی حاصل ہوا ہے۔

مذہبی نقطہ نظر

مذہبی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو اُردو زبان کی ارتقائی منازل کے ساتھ ہی ساتھ علماء کرام، صوفیائے عظام اور مشائخ ذوی الاحترام نے ہر دور میں اپنا ذریعہ اظہار خیال بنا کر اس کی افادیت کو چار چاند لگا دیئے اگر آپ کو بابائے اُردو ڈاکٹر عبدالحق مرحوم کی بیحد مفید کتاب "قاموس الکتب" کے مطالعہ کا موقعہ مِل جائے جس میں انھوں نے بڑی کدوکاوش اور اَن تھک محنت سے زبان اُردو میں شائع ہونے والی صرف مذہبی کتابوں کی ایک فہرست شائع کر دی ہے تو آپ کو مذہبی نقطہ نگاہ سے اُردو زبان کی افادیت کا اقرار کرنا ناگزیر ہو جائے گا۔ شاہ رفیع الدین صاحب کا تحت اللفظ ترجمہ قرآن شریف ہو یا شمس العلماء ڈاکٹر نظیر احمد کا بامحاورہ ترجمۃ القرآن یا دیگر تراجم۔ یا علماءِ اسلام کی اُردو تفاسیر قرآن سب اُردو زبان کی مذہبی افادیت کا جیتا جاگتا

ثبوت ہیں۔ علاوہ تراجم وتفاسیر قرآنِ پاک کے، احادیث رسول اللہ کے ترجمے یا دیگر اولیاء اللہ کے ملفوظات کے اُردو تراجم یا دیگر مصنفین اُردو کے اخلاقی، واعظانہ اور حکیمانہ پند و نصائح سے لبریز منثورات و منظومات سب اس بات کا روشن ثبوت ہیں کہ مذہبی دنیا میں بھی اُردو نے اپنا بھرپور کردار ادا کر کے مومنین کے قلوب میں بھی اپنا گھر پیدا کر لیا ہے۔

آیئے اب ہم ایک اور نقطۂ نگاہ سے جو دراصل مذہبی اور روحانی نقطۂ نگاہ کا ہی ایک لطیف و دل آویز زاویہ ہے، اُردو زبان کی افادیت اور اہمیت کا جائزہ لیں۔

اس زمانہ کے مامور من اللہ سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود و مہدی موعود (آپ پر سلامتی ہو) نے بھی اپنا پیغام دوسروں تک پہنچانے کے لیے جس زبان کا انتخاب فرمایا وہ یہی اپنوں اور پرایوں کی ٹھکرائی ہوئی مقہور و مغضوب کم مایہ زبان اُردو ہی تھی۔ حضور کا وہ تمام محیر العقول علم کلام جس نے دُنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا اس کا اکثر حصہ اسی زبان میں ضبطِ تحریر میں آیا۔ حضور نے اپنی مدۃ العمر میں ۸۰ کتب تحریر فرمائیں جن میں سے صرف ۲۰ عربی میں   فارسی میں اور بقیہ کل تصنیفات اُردو زبان میں ہیں۔ بے موقعہ نہ ہوگا اگر ہم حضور کے علم کلام کی اہمیت و افادیت کے متعلق اکابرین ملّت کی چند آراء یہاں درج کر دیں جس سے بالواسطہ اُردو زبان کی اہمیت و افادیت بھی نمایاں ہو جاتا ہے۔

۱۔ حضرت پیر صوفی احمد جان صاحب لدھیانہ کے رہنے والے پاک باطن اور روحانی بصیرت رکھنے والے بزرگ تھے اور آپ کے مریدوں کا حلقہ بھی کافی وسیع تھا۔ ملک میں آپ کی عزت تھی۔ اگرچہ آپ حضرت اقدس کے دعویٰ ماموریت اور سلسلہ بیعت کے شروع ہونے سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے مگر اپنی خداداد روحانی بصیرت کی وجہ سے حضور کے مرتبہ اور مقام سے خوب واقف تھے اور حضور سے نہایت اخلاص و محبت رکھتے تھے۔ جب حضور نے براہین احمدیہ شائع کرنا شروع کی تو اس وقت اس کتاب کا پبلک سے تعارف کروانے اور اس کی اشاعت کی تحریک کرنے کے لئے ایک مفصل اشتہار بھی بعنوان (اشتہار واجب الاظہار) شائع فرمایا تھا جس میں اپنے ذاتی مشاہدے اور مطالعے کے بعد یہ رائے دی۔

"عالی جناب فیض رساں عالم، معدنِ جود و کرم، حجۃ الاسلام، برگزیدہ خاص و عام حضرت مرزا غلام احمد صاحب دام برکاتہم رئیس اعظم قادیان ضلع گورداسپور پنجاب نے ایک کتاب مسمیٰ براہین احمدیہ سلیس اردو زبان میں جس کی ضخامت قریب تین سو جز کے ہے۔ چاروں دفتر جو کر تقریباً ۳۵ جز ہیں نہایت خوشخط چھپ بھی گئے ہیں اور باقی وقتاً فوقتاً چھپتے جائیں گے اور خریداروں کے پاس پہنچتے رہیں گے۔ یہ کتاب دین اسلام اور نبوت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن شریف کی حقانیت کو تین سو مضبوط دلائل عقلی و نقلی سے ثابت کرتی ہے اور عیسائی، آریہ، نیچریہ، یہود اور برہمو سماج وغیرہ جمیع مذاہب مخالف اسلام کو از روئے قرآن رد کرتی ہے۔ حضرت مصنف نے دس ہزار روپیہ کا اشتہار دیا ہے کہ اگر کوئی مخالف اسلام یا مکذب اسلام تمام دلائل یا نصف یا خمس تک بھی رد کر دے تو مصنف صاحب اپنی جائیداد دس ہزار روپیہ کی اس کے نام منتقل کر دیں گے۔ چنانچہ یہ اشتہار براہین احمدیہ کے حصہ اول میں درج ہے۔ یہ کتاب مشرکین و مخالفین کی بیخ و بنیاد کو اکھاڑتی ہے اور اہلِ اسلام کے اعتقادات کو ایسی قوت بخشتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اور اسلام کیا نعمتِ عظمیٰ ہے اور قرآن شریف کیا دولت ہے اور دینِ محمدی کیا صداقت ہے اور آیاتِ قرآن مجید کا اس کتاب میں اپنے اپنے موقعوں پر حوالہ دیا گیا ہے۔ ۲۰ سپارہ کے قریب ہیں۔ منکروں کو معتقد اور سست اعتقادوں کو چست، اور غافلوں کو آگاہ، مومنوں کو عارفِ کامل بناتی ہے اور اعتقاداتِ قویہ اسلامیہ کی جڑ قائم کرتی ہے اور جو وساوس مخالف پھیلاتے ہیں ان کو نیست و نابود کرتی ہے۔ اس چودہویں صدی کے زمانہ میں جبکہ ہر ایک مذہب و ملت میں ایک طوفان بے تمیزی برپا ہے ایک ایسی کتاب اور ایک ایسے مجدد کی بے شک ضرورت تھی جیسی کہ کتاب براہینِ احمدیہ اور اس کے مؤلف جناب مخدومنا و مولانا میرزا غلام احمد صاحب دام فیوضہم ہیں۔"

(اشتہار واجب الاظہار بحوالہ تاثرات قادیان صـ۹۵ و صـ۹۶)

۲ ...... اُن کی آریہ سماج کے مقابلہ کی تحریروں سے اس دعویٰ پر صاف روشنی پڑتی ہے کہ آئندہ ہماری مدافعت کا سلسلہ خواہ کسی درجہ تک وسیع ہو جائے ناممکن ہے کہ یہ تحریریں نظر انداز کی جاسکیں۔"

(اخبار وکیل امرتسر بحوالہ "تاثراتِ قادیان" صفحہ ۱۲۱-۱۲۲)

ایڈیٹر صاحب صادق اخبار ریواڑی کے تاثرات

"چونکہ مرزا صاحب نے اپنی پُرزور تقریروں اور شاندار تصانیف سے مخالفینِ اسلام کے اُن لچر اعتراضات کے دندان شکن جواب دے کر ہمیشہ کے لئے ساکت کر دکھایا ہے کہ حق حق ہی ہے اور واقعی مرزا صاحب نے حق حمایت اسلام کما حقہ ادا کر کے خدمت دینِ اسلام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔"

(صادق الاخبار ریواڑی بحوالہ تاثرات قادیان صفحہ ۱۲۶)

ایڈیٹر صاحب علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے تاثرات

"مرحوم (حضرت اقدس سیدنا مرزا صاحب۔ ناقل) ایک مانے ہوئے مصنف اور مرزائی فرقہ کے بانی تھے ...... ۱۸۷۴ء سے ۱۸۷۶ء تک شمشیر قلم عیسائیوں آریوں اور برہمو صاحبان کے خلاف خوب چلائی۔ آپ نے ۱۸۸۰ء میں تصنیف کا کام شروع کیا۔ آپ کی پہلی کتاب اسلام کے ڈیفنس میں تھی جس کے جواب کے لئے آپ نے دس ہزار روپیہ انعام رکھا تھا۔ آپ نے اپنی تصنیف کردہ اسّی کتابیں پیچھے چھوڑی ہیں۔ جن میں بیس عربی زبان میں ہیں۔ بے شک مرحوم اسلام کا ایک بڑا پہلوان تھا۔"

(تاثرات قادیان صفحہ ۱۲۶ بحوالہ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ)

ناظرین کرام آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ سطور بالا میں ہم نے جو مختصر اقتباسات مسلم اکابر کی تحریرات سے پیش کئے ہیں اُن سے بڑی شد و مد کے ساتھ یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ حضرت اقدس مرزا صاحب (آپ پر سلامتی ہو) نے جو علم کلام پیدا کیا اور جس کا بیشتر حصہ اردو زبان پر مشتمل ہے اس کی نظیر تیرہ سو برس کے اسلامی علم کلام میں اور کہیں نظر نہیں آتی۔ آپ کی کتب "براہین احمدیہ" سرمہ چشم آریہ، چشمہ معرفت، آئینہ کمالات اسلام، نور القرآن، چشمہ مسیحی، ہندوؤں، آریوں، برہمو سماجیوں، عیسائیوں اور نیچریوں وغیرہ جمیع مذاہب مخالف اسلام کے عقائد باطلہ کو از روئے تحقیق رد کرتی ہیں اور مشرکین و مخالفین اسلام کی بیخ و بنیاد اکھاڑتی ہیں اور اسلام کا رعب تمام ادیانِ باطلہ پر قائم کرتی ہیں۔ حضور کو اللہ تعالیٰ کی وحی نے "سلطان القلم" کا خطاب دیا تو واقعی حضور مخالف و موافق کی شہادت کے مطابق سلطان القلم تھے اور حضور کے قلم میں اس قدر قوت تھی کہ سارے پنجاب بلکہ بلندی ہند میں بھی اس قوت کا لکھنے والا موجود نہیں تھا۔ آپ کا پُر زور لٹریچر اپنی شان میں بالکل نرالا ہے۔ اور قبول عام کی سند حاصل کر چکا ہے۔ آئندہ مدافعتِ اسلام کا سلسلہ خواہ کسی حد تک وسیع نہ ہو جائے حضور کی تحریرات نظر انداز نہیں کی جا سکتیں۔

اب آخر میں ہم صرف تین حوالہ جات اور نقل کرتے ہیں جن میں سے ایک تو دنیائے ادب کی جانی پہچانی شخصیت علامہ نیاز فتح پوری کی ہے دوسری بزرگ و ممتاز شخصیت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مفسر قرآن کے ایک دیباچہ نگار کی ہے۔ تیسری نادرہ روزگار شخصیت دُنیائے صحافت کے درخشندہ ستارے سید حبیب مدیر ماہنامہ "سیاست" دہلی کی ہے۔

۱۔ علامہ نیاز فتح پوری اپنے ماہنامہ "نگار" لکھنؤ میں رقم طراز ہیں:۔

"آج سے تقریباً ساٹھ سال پہلے کی بات ہے جب مناظرہ کی ایک کتاب "سرمہ چشم آریہ" میری نگاہ سے گذری اور یہ تھا میرا اولین غائبانہ تعارف۔ اس کتاب کے مصنف مرزا غلام احمد صاحب (بانی جماعت احمدیہ۔ ناقل) سے میرے والد کو اس فن سے خاص دلچسپی تھی اور یہ کتاب انہیں کے اشارے سے میں نے پڑھی تھی۔۔۔۔ یہ کتاب مرزا صاحب کے وسعتِ مطالعہ اور قوتِ استدلال کا بڑا گہرا اثر میرے

ذہن و فکر پر چھوڑ گئی اور عرصہ تک میں اس سے متاثر رہا :

(رسالہ الفرقان بابت ماہ   بحوالہ رسالہ "نگار" لکھنو بابت ماہ

۲۔ تفسیر القرآن کے دیباچہ کی عبارت یہ ہے۔

"اس زمانے میں ایک پادری نصرانی پادریوں کی ایک بڑی جماعت لے کر اور حلف اٹھا کر ولایت سے چلا کہ تھوڑے عرصہ میں تمام ہندوستان کو عیسائی بنا لوں گا۔ ولایت کے انگریزوں نے روپیہ کی بہت بڑی مدد کی اور آیندہ کی مدد کے وعدوں کا اقرار لے کر ہندوستان میں داخل ہو کر بڑا طلاطم برپا کیا۔ اسلام کی سیرۃ و احکام پر جو اس کا حملہ ہوا وہ تو ناکام ثابت ہوا کیونکہ احکام اسلام اور سیرۃ رسول اور احکام انبیاء بنی اسرائیل اور ان کی سیرۃ جن پر اُن کا ایمان تھا یکساں تھے ..... مگر حضرت عیسیٰ کے آسمان پر بجسمِ خاکی زندہ موجود ہونے اور دوسرے انبیاء کے زمین میں مدفون ہونے کا حملہ عوام کے لئے اُن کے خیال میں کارگر ثابت ہوا۔ تب مولوی غلام احمد قادیانی کھڑے ہو گئے۔ پادری اور اس کی جماعت سے کہا کہ عیسیٰ جس کا تم نام لیتے ہو دوسرے انسانوں کی طرح فوت ہو چکے ہیں اور جس عیسیٰ کے آنے کی خبر ہے وہ میں ہوں۔ پس اگر تم سعادتمند ہو تو مجھ کو قبول کر لو اور اس ترکیب سے اس نے ہندوستان سے لے کر ولایت تک کے پادریوں کو شکست دی۔"

(منقول از دیباچہ تفسیر القرآن مولانا اشرف علی تھانوی ص۳۰)

مندرجہ بالا اقتباس جو ایک مفسرِ قرآن اور جید عالمِ دین کا بے لاگ تبصرہ ہے جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ سیدنا حضرت مرزا صاحب نے نرالا علم کلام پیدا کیا وہ اپنی معنویت کے لحاظ سے بے نظیر اور عیسائیت کے قلعہ کو مسمار اور منہدم کرنے کی بے پناہ ڈائنامیٹک طاقت اپنے اندر پوشیدہ رکھتا ہے اور یہ سب بے مثل علم کلام اردو زبان ہی کے ذریعہ موافقین و مخالفین اسلام تک پہنچایا گیا اور جس زبان میں ایسا نادر و نایاب علم کلام موجود ہو اس کی اہمیت و افادیت سے کون انکار کرنے کی جرأت کر سکتا ہے۔

اور اب آخر میں ایک حوالہ سابق مدیر اخبار "ریاست" دہلی کے قلم سے بھی ملاحظہ فرمائیے۔
آپ اپنی کتاب "تحریکِ قادیان" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اُس وقت آریہ اور مسیحی مبلغ اسلام پر بے پناہ حملے کر رہے تھے۔ اِکّے دُکّے جو عالمِ دین بھی کہیں موجود تھے وہ ناموس شریعت حقّہ کے تحفظ میں مصروف ہو گئے مگر کوئی زیادہ کامیاب نہ ہوا۔ اُس وقت مرزا غلام احمد صاحب میدان میں اُترے اور انہوں نے مسیحی پادریوں اور آریہ اپدیشکوں کے مقابلہ میں اسلام کی طرف سے سینہ سپر ہونے کا تہیہ کر لیا...... مجھے یہ کہنے میں ذرا باک نہیں کہ مرزا صاحب نے اس فرض کو نہایت خوش اسلوبی سے ادا کیا اور مخالفینِ اسلام کے دانت کھٹے کر دیئے۔ اسلام کے متعلق اُن کے بعض مضامین لاجواب ہیں اور میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر اپنی کامیابی سے متاثر ہو کر نبوت کا دعویٰ نہ کرتے تو ہم زمانہ حال میں انہیں مسلمانوں کا سب سے بڑا خادم مانتے۔" (تحریکِ قادیان ص۲۰۸ سے ص۲۱۰)

حضرت مسیح موعود کی کتاب کا نام قطبی رکھا گیا

اُردو زبان کی اہمیت حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کے الہامات سے بھی واضح ہوتی ہے ملاحظہ فرمائیے۔

"اس احقر نے ۱۸۶۴ء یا ۱۸۶۵ء میں یعنی اس زمانہ کے قریب جب یہ ضعیف اپنی عمر کے پہلے حصّہ میں ہنوز تحصیلِ علم میں مشغول تھا جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم کو خواب میں دیکھا اور اُس وقت اس عاجز کے ہاتھ میں ایک دینی کتاب تھی کہ جو خود اس عاجز کی تالیف معلوم ہوتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس کتاب کو دیکھ کر عربی زبان میں پوچھا کہ تو نے اِس کتاب کا کیا نام رکھا ہے۔ خاکسار نے عرض کیا کہ اس کتاب کا نام میں نے قطبی رکھا ہے۔ جس نام کی تعبیر اب اس اشتہاری کتاب کے تالیف ہونے پر یہ کھلی کہ وہ ایسی کتاب ہے کہ جو قطب ستارہ کی طرح غیر متزلزل

اور مستحکم ہے۔ جس کے کامل استحکام کو پیش کر کے دس ہزار روپیہ کا اشتہار دیا گیا ہے۔ غرض وہ کتاب آنحضرتؐ نے مجھ سے لی اور جب وہ کتاب حضرت مقدس نبوی کے ہاتھ میں آئی تو آنجنابؐ کا ہاتھ مبارک لگتے ہی ایک نہایت خوش رنگ اور خوبصورت میوہ بن گئی کہ جو امرود سے مشابہ تھا مگر بقدر تربوز تھا۔ آنحضرتؐ نے جب اس میوہ کو تقسیم کرنے کے لیے قاش قاش کرنا چاہا تو اس قدر اُس میں سے شہد نکلا کہ آنجنابؐ کا ہاتھ مبارک مرفق تک شہد سے بھر گیا۔ تب ایک مُردہ جو کہ دروازے سے باہر پڑا تھا آنحضرتؐ کے معجزہ سے زندہ ہو کر اس عاجز کے پیچھے آکھڑا ہوا۔ اور یہ عاجز آنحضرتؐ کے سامنے کھڑا تھا جیسے ایک مستغیث حاکم کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اور آنحضرتؐ بڑے جاہ و جلال اور حاکمانہ شان سے ایک زبردست پہلوان کی طرح کرسی پر جلوس فرما تھے۔ پھر خلاصہ کلام یہ کہ ایک قاش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اس غرض سے دی کہ تا میں اس شخص کو دوں جو نئے سر سے زندہ ہوا۔ اور باقی قاشیں میرے دامن میں ڈال دیں۔ اور وہ ایک قاش میں نے نئے زندہ کو دے دی اور اُس نے وہیں کھا لی پھر جب وہ نیا زندہ اپنی قاش کھا چکا تو میں نے دیکھا کہ آنحضرتؐ کی کرسی مبارک اپنے پہلے مکان سے بہت اونچی ہو گئی اور جیسے آفتاب کی کرنیں چھوٹتی ہیں۔ ایسا ہی آنحضرتؐ کی پیشانی مبارک متواتر چمکنے لگی کہ جو دین اسلام کی تازگی اور ترقی کی طرف اشارت تھی۔ تب اُس نور کے مشاہدہ کرتے کرتے آنکھ کھل گئی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔"

(براہین احمدیہ حصہ سوم ص ۲۴۸-۲۴۹ حاشیہ در حاشیہ ملا)

سطور بالا میں حضرت مرزا صاحب کے جس خواب کا ذکر کیا گیا اور اس خواب میں جس کتاب کی طرف اشارہ ہے وہ "براہین احمدیہ" ہے جس کی اشاعت پر دُنیا کے مذاہب میں ایک تہلکہ مچ گیا تھا اور جس کی صفات کا تھوڑا سا عکس مخالفین احمدیت کی قلم سے سطور بالا میں درج کیا جا چکا ہے۔ یہ کتاب فصیح اور سلیس اُردو زبان میں لکھی گئی ہے اور اپنوں اور پرایوں سب میں یکساں طور

مقبول ہوئی۔ آپ اس خواب سے بھی اُردو زبان کی اہمیت کا کچھ اندازہ لگا سکتے ہیں۔
۲۔ حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کا اسی کتاب براہین احمدیہ کے متعلق ایک الہام بھی ہے۔

"کِتَابُ الْوَلِیِّ ذُوالْفِقَارِ عَلِیٍّ

ترجمہ:۔ ولی کی کتاب علیؓ کی تلوار ہے۔ یعنی مخالف کو نیست و نابود کرنے والی ہے۔ اور جیسے علیؓ کی تلوار نے بڑے بڑے خطرناک معرکوں میں نمایاں کار دکھائے تھے ایسا ہی یہ بھی دکھلائے گی اور یہ بھی ایک پیشگوئی ہے جو کتاب کی تاثیرات عظیمہ اور برکات عمیمہ پر دلالت کرتی ہے۔" (براہین احمدیہ حصہ چہارم ص۴۹۷)

حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) اپنی ایک دوسری تصنیف "نشانِ آسمانی" میں اس الہام کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں۔

"ایک زمانہ ذوالفقار کا وہ گزر گیا کہ جب ذوالفقار علی کرم اللہ وجہہٗ کے ہاتھ میں تھی۔ مگر خدا تعالےٰ پھر ذوالفقار اس امام کو دیدے گا۔ اس طرح پر کہ اس کا چمکنے والا ہاتھ وہ کام کرے گا جو پہلے زمانہ میں ذوالفقار کرتی تھی۔ سو وہ ایسا ہاتھ ہوگا کہ گویا وہ ذوالفقار علی کرم اللہ وجہہ ہے جو پھر ظاہر ہوگئی ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ سلطان القلم ہوگا اور اس کی قلم ذوالفقار کا کام دے گی۔ نعمت اللہ ولی کی یہ پیشگوئی[1] بعینہٖ اس عاجز کے اس الہام کا ترجمہ ہے جو اس وقت سے دس برس پہلے براہین احمدیہ میں چھپ چکا ہے اور وہ یہ ہے "کِتَابُ الْوَلِیِّ ذُوالْفِقَارِ عَلِیٍّ۔ یعنی کتاب اس ولی کی ذوالفقار علی کی ہے۔ یہ اس عاجز کی طرف اشارہ ہے۔ اسی بنا پر اس عاجز کا نام مکاشفات میں غازی رکھا گیا چنانچہ براہین احمدیہ کے بعض دیگر مقامات میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔" (نشانِ آسمانی ص۱۵)

---

[1] ید بیضا کہ تا او تابندہ ۔۔۔ باز با ذوالفقار می بینم
یہ حضرت نعمت اللہ ولی کی الہامیہ نظم کا ایک شعر ہے جس کی طرف حضرت مسیح موعود نے اپنی اس تحریر میں اشارہ فرمایا ہے

پھر ایک دوسرے موقعہ پر فرمایا:۔

یہ مقام دارالحرب ہے۔ پادریوں کے مقابلہ میں۔ اس لئے ہم کو چاہیے کہ ہرگز بیکار نہ بیٹھیں۔ مگر یاد رکھو کہ ہماری حرب ان کے ہم رنگ ہے۔ جس قسم کے ہتھیار لے کر میدان میں وہ آئے ہیں اُسی طرز کے ہتھیار ہم کو لے کر نکلنا چاہیئے۔ اور وہ ہتھیار ہے قلم۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اس عاجز کا نام سلطان القلم رکھا اور میرے قلم کو ذوالفقار علی فرمایا۔"

(الحکم جلد ۵ ۲۲ مورخہ ۱۷ جون ۱۹۰۱ء ص۳)

حضرت اقدس سید نا مرزا صاحب کی ایک دوسری گرانقدر اُردو تصنیف "آئینہ کمالات اسلام" کے متعلق بھی ایک رویا ہے جو اس جگہ درج کرنا مناسب ہوگا۔ حضرت اقدس فرماتے ہیں۔

"جب یہ عاجز۔ نور افشاں کے جواب میں اِس بات کو دلائل شافیہ کے ساتھ لکھ چکا کہ درحقیقت روحانی قیامت کے مصداق ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور کسی قدر نعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو درحقیقت احاطہ بیان سے خارج ہے۔ اِن عبارات میں درج کر چکا اور نیز بطور نمونہ کچھ مناقب و محامد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسی ثبوت کے ذیل میں تحریر کر چکا تو وہ ۱۷ اکتوبر ۱۸۹۲ء کا دن تھا۔ پھر جب میں رات کو بعد تحریر نعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مناقب و محامد صحابہ رضی اللہ عنہم سویا تو مجھے ایک نہایت مبارک اور پاک رویا دکھایا گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میں ایک وسیع مکان میں ہوں جس کے نہایت کشادہ اور وسیع دالان ہیں اور نہایت مکلّف فرش ہو رہے ہیں اور اوپر کی منزل ہے اور میں ایک جماعت کثیر کو زبانی حقائق و معارف سُنا رہا ہوں...... تب میں نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جناب رسول اللہ علیہ وسلم ہماری جماعت کے قریب ایک وسیع چبوترے پر کھڑے ہیں اور یہ گمان گزرتا ہے کہ چہل قدمی کر رہے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ جب مولوی صاحب کو نکالا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ کے قریب ہی کھڑے تھے مگر اس وقت

نظر اٹھا کر دیکھا نہیں۔ اب جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں آئینۂ کمالاتِ اسلام ہے یعنی یہی کتاب اور یہ مقام جو اُس وقت چھپا ہوا معلوم ہوا معلوم ہوتا ہے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشت مبارک اُس مقام پر رکھی ہوئی ہے کہ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد مبارکہ کا ذکر اور آپ کی پاک اور پُراثر اور اعلیٰ تعلیم کا بیان ہے اور ایک انگشت اُس مقام پر رکھی ہوئی ہے کہ جہاں صحابہ رضی اللہ عنہم کے کمالات اور صدق وصفا کا بیان ہے۔ اور آپ تبسم فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ:

هٰذَا لِي وَهٰذَا لِأَصْحَابِي

یعنی یہ تعریف میرے لیے ہے اور یہ میرے اصحاب کے لئے اور پھر بعد اس کے خواب سے الہام کی طرف میری طبیعت متنزل ہوئی اور کشفی حالت پیدا ہوگئی تو کشفاً میرے پر ظاہر کیا گیا کہ اس مقام میں جو خدا تعالےٰ کی تعریف ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رضامندی ظاہر کی اور پھر اس کی نسبت یہ الہام ہوا کہ

هٰذَا الثَّنَاءُ لِي

اور یہ رات منگل کی تھی اور تین بجے پر پندرہ منٹ گزرے تھے۔

(آئینہ کمالاتِ اسلام صہ ۲۱۵ تا صہ ۲۱۷ حاشیہ)

آئینۂ کمالاتِ اسلام بھی حضرت اقدس مسیح موعود کی ایک بلند پایہ تصنیف ہے جس کی تحریرات کی مقبولیت مندرجہ بالا رویا سے بدرجہ اتم ثابت ہوتی ہے اور جس کتاب کو دربار نبوی اور بارگاہ الوہیت سے سندِ خوشنودی حاصل ہو جائے اُس کی افادیت، اہمیت اور بابرکت ہونے سے کون مومن انکار کرسکتا ہے اور یہ شرف بھی زبان اُردو کو حاصل ہے کہ اللہ جل شانہٗ اور اُس کے حبیب حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مقبول کتاب کا اکثر حصہ اسی زبان میں لکھا گیا ہے۔

اب آخر میں ہم حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کے ایک نہایت اہم اور مہتم بالشان

مضمون کا تذکرہ ناظرین تک پہنچانا نہایت ضروری خیال کرتے ہیں اور یہ ظاہر کئے دیتے ہیں کہ حضور کا یہ مضمون بھی اُردو زبان میں تحریر کیا گیا تھا جس نے تمام سامعین کو مبہوت بنا کر ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا اور موافق و مخالف سب بیک زبان پکار اٹھے تھے کہ یہ مضمون معرفت کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے جس کو ایک کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔ حضرت اقدس کا اس مضمون کے متعلق بیان ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں :۔

"جلسہ اعظم مذاہب جو لاہور میں ۲۶، ۲۷، ۲۸ دسمبر ۱۸۹۶ء کو ہوگا اس میں اس عاجز کا ایک مضمون قرآن شریف کے کمالات اور معجزات کے بارے میں پڑھا جاوے گا۔ یہ مضمون وہ ہے جو انسانی طاقتوں سے برتر اور خدا کے نشانوں میں سے ایک نشان اور خاص اُس کی تائید سے لکھا گیا ہے ..... مجھے خدائے علیم نے الہام سے مطلع فرمایا ہے کہ یہ وہ مضمون ہے جو سب پر غالب آئے گا۔ اور اس میں سچائی اور حکمت اور معرفت کا وہ نُور ہے جو دوسری قومیں بشرطیکہ حاضر ہوں اور اس کو اوّل سے آخر تک سنیں شرمندہ ہو جائیں گی اور ہرگز قادر نہیں ہوں گی کہ اپنی کتابوں کے یہ کمال دکھلا سکیں۔ خواہ وہ عیسائی ہوں خواہ آریہ خواہ سناتن دھرم والے یا کوئی اور کیونکہ خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ اس روز اِس پاک کتاب کا جلوہ ظاہر ہو۔ میں نے عالم کشف میں اس کے متعلق دیکھا کہ میرے محل پر غیب سے ایک ہاتھ مارا گیا اور اس ہاتھ کے چھونے سے اس محل میں سے ایک نور ساطعہ نکلا جو اردگرد پھیل گیا اور میرے ہاتھ پر بھی اس کی روشنی پڑی تب ایک شخص جو میرے پاس کھڑا تھا وہ بلند آواز سے بولا کہ

اَللّٰهُ اَکْبَرُ خَرِبَتْ خَیْبَرُ

اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس سے میرا دل مراد ہے جو جائے نزول و حلول انوار ہے اور وہ نور قرآنی معارف ہیں اور خیبر سے مراد تمام خراب مذاہب ہیں جن میں شرک اور باطل کی ملونی ہے اور انسان کو خدا کی جگہ دی گئی ہے یا خدا کی صفات کو اپنے کامل محل

سے نیچے گرا دیا ہے۔ سو مجھے جتلایا گیا کہ اس مضمون کے خوب پھیلنے کے بعد جھوٹے مذہبوں کا جھوٹ کھل جائے گا اور قرآنی سچائی دن بہ دن زمین پر پھیلتی جائے گی جب تک کہ اپنا دائرہ پورا نہ کرے۔ پھر میں اس کشفی حالت سے الہام کی طرف منتقل کیا گیا اور مجھے یہ الہام ہوا۔

اِنَّ اللّٰهَ مَعَكَ۔ اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْمُ اَيْنَمَا قُمْتَ

یعنی خدا تیرے ساتھ ہے۔ خدا وہیں کھڑا ہوتا ہے جہاں تو کھڑا ہو۔ یہ حمایت الٰہی کے لئے ایک استعارہ ہے۔"

(اشتہار مورخہ ۲۱ دسمبر ۱۸۹۶ء زیر عنوان "سچائی کے طالبوں کے لئے ایک عظیم الشان خوشخبری)

اس مضمون کے تعلق میں حضور کا ایک نوٹ مندرجہ "نزول المسیح" بھی ملاحظہ ہو۔

"یہ مضمون بذریعہ ایک چھپے ہوئے اشتہار مورخہ ۲۱ دسمبر کے قبل جلسہ مذاہب دور و نزدیک شائع کیا گیا اور سب لوگوں کو اس بات سے آگاہی دی گئی کہ ہمارا ہی مضمون غالب رہے گا۔ پس ایسا ہی ہوا کہ اس جلسہ میں جس قدر مضامین پڑھے گئے تھے اُن سب پر ہمارا مضمون غالب اور فائق رہا۔ اور خود اس جلسہ میں غیر مذاہب کے وکلاء نے بھی پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر گواہیاں دیں کہ مرزا صاحب کا مضمون سب پر غالب رہا اور انگریزی اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" اور "پنجاب آبزرور" اور دیگر اخباروں نے بڑے زور سے گواہی دی کہ ہمارا مضمون سب مضامین پر غالب رہا۔"

(نزول المسیح صفحہ ۱۹۵)

اس بارے میں ذیل میں ایک شہادت نقل کی جاتی ہے جو جلسہ مذکور کے پریذیڈنٹ نے حضور کے اس مہتم بالشان مضمون کے بارے میں دی۔

"پنڈت گوردھن داس صاحب کی تقریر کے بعد نصف گھنٹہ کا وقفہ تھا لیکن چونکہ بعد از وقفہ ایک نامی وکیل اسلام کی طرف سے تقریر کا پیش ہونا تھا۔ اس لئے اکثر شائقین نے اپنی جگہ کو نہ چھوڑا۔ ڈیڑھ بجنے میں ابھی بہت سا وقت رہتا تھا

کہ اسلامیہ کالج کا وسیع مکان جلد جلد بھرنے لگا اور چند ہی منٹوں میں تمام مکان پُر ہو گیا۔ اُس وقت کوئی سات اور آٹھ ہزار کے درمیان مجمع تھا۔ مختلف مذاہب و ملل اور مختلف سوسائٹیوں کے معتدبہ اور ذی علم آدمی موجود تھے۔ اگرچہ کرسیاں اور میزیں اور فرش نہایت ہی وسعت کے ساتھ مہیا کیا گیا لیکن صدہا آدمیوں کو کھڑا ہونے کے سوا کچھ بن نہ پڑا۔ اور ان کھڑے ہوئے شائقین میں بڑے بڑے رؤسا و عمائد پنجاب، علماء، تحصیلدار، بیرسٹر، وکیل، پروفیسر، اکسٹرا اسسٹنٹ، ڈاکٹر غرضیکہ اعلیٰ طبقہ کے مختلف برانچوں کے ہر قسم کے آدمی موجود تھے۔ نہایت صبر و تحمل کے ساتھ جوش سے برابر چار یا پانچ گھنٹے اُس وقت ایک ٹانگ پر کھڑا رہنا پڑا۔ اس مضمون کے لئے اگرچہ کمیٹی کی طرف سے صرف دو گھنٹے ہی تھے لیکن حاضرین جلسہ کو عام طور پر اس سے کچھ ایسی دلچسپی پیدا ہو گئی کہ ماڈریٹر صاحبان نے نہایت جوش اور خوشی کے ساتھ اجازت دی کہ جب تک یہ مضمون ختم نہ ہو تب تک کارروائی جلسہ کو ختم نہ کیا جائے۔ ان کا ایسا فرمانا عین اہل جلسہ اور حاضرین جلسہ کی منشاء کے مطابق تھا کیونکہ جب مقررہ وقت کے گزرنے پر مولوی ابو یوسف مبارک علی صاحب نے اپنا وقت بھی اس مضمون کے ختم ہونے کے لیے دیدیا تو حاضرین اور ماڈریٹر صاحبان نے ایک نعرہ خوشی سے مولوی صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ یہ مضمون شروع ہونے سے اخیر تک یکساں دلچسپی و قبولیت اپنے ساتھ رکھتا تھا۔"

(رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب ص ۷۹)

ہمارا یہ حصہ مضمون تشنہ رہ جائے گا اگر ہم اس شاندار مضمون کے متعلق کلکتہ کے ایک قدیم اخبار کے ایک بے مثال اور طویل تبصرے کے چند اقتباسات یہاں درج نہ کریں "جلسہ اعظم مذاہب منعقدہ لاہور" اور "فتح اسلام" کے دوہرے عنوان کے ساتھ کلکتہ کے قدیم اسلامی اخبار جنرل و گوہر آصفی نے اپنی ۲۴ جنوری ۱۸۹۷ء میں یہ نایاب و قیمتی شذرہ شائع کیا تھا۔

"حق تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر اس جلسہ میں حضرت مرزا صاحب کا مضمون نہ ہوتا تو اسلامیوں پر غیر مذاہب والوں کے روبرو ذلت و ندامت کا قشقہ لگتا۔ مگر خدا کے زبردست ہاتھ نے مقدس اسلام کو گرنے سے بچا لیا بلکہ اس مضمون کی بدولت ایسی فتح نصیب فرمائی کہ موافقین تو موافقین، مخالفین بھی سچی فطرتی جوش سے کہہ اُٹھے کہ یہ مضمون سب پر بالا ہے بالا ہے۔ صرف اسی قدر نہیں بلکہ اختتام مضمون پر حق الامر معاندین کی زبانوں پر جاری ہو چکا کہ اب اسلام کی حقیقت کھلی اور اسلام کو فتح نصیب ہوئی جو انتخاب تیر بہدف کی طرح روز روشن میں ٹھیک نکلا۔ اب اس کی مخالفت میں دم زدنی کی گنجائش ہے ہی نہیں۔ بلکہ وہ ہمارے فخر و ناز کا موجب ہے اس لیے کہ اس میں اسلامی شوکت ہے اور اسی میں اسلامی عظمت اور حق بھی یہی ہے۔"

(اخبار جنرل و گوہر آصفی کلکتہ ۲۴ جنوری ۱۸۹۷ء صفحہ ۲ بحوالہ تاریخ احمدیت حصہ دوم ضمیمہ صفحہ ۴۸۴ - ۴۸۸)

یہ معرفت و عرفانِ الٰہی کا بحرِ بے کراں جس بے مثل و بے نظیر مضمون کے کاغذی کوزے میں بکمال فیض ایزدی و تائید محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم بند کیا گیا ہے۔ وہ "اسلامی اصول کی فلاسفی" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ ناظرین کرام سے مخفی نہ رہے کہ یہ مہتم بالشان مضمون بھی جس خوش نصیب زبان میں تحریر کیا گیا وہ زبان اُردو زبان کے سوا کوئی دوسری زبان نہیں ہے اور اس مضمون کی عظمت، اہمیت اور مفید خلائق ہونے کے پیش نظر دنیا کی مختلف اہم زبانوں میں اس کا ترجمہ شائع ہو چکا ہے اب آپ ہی انصاف فرمائیں کہ جس زبان کا دامن ایسے ایسے نوادر اور جواہر پاروں سے پُر ہو اُس کی اہمیت اور عظمت سے کون انکار کر سکتا ہے۔

احمدی نقطۂ نگاہ سے ہم نے اُردو زبان کی اہمیت، عظمت، افادیت اور ہمہ گیری ثابت کرنے کے لئے بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود و مہدی معہود کے رؤیا و کشوف اور الہامات نقل کر کے اس اہم فریضہ سے سبکدوشی حاصل کی۔ اب ہم حضرت مسیح موعود کے

حسن واحسان میں نظیر اولی العزم فرزند مصلح موعود حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی (اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو) کے ارشادات گرامی بھی ہدیہ ناظرین کرتے ہیں جن میں بڑی شدومد کے ساتھ جماعت کے نوجوانوں کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ اردو زبان کو اتنا رائج کریں کہ آہستہ آہستہ یہ ان کی مادری زبان بن جائے ۔

زبان اُردو کی ترویج کے متعلق حضرت مصلح موعود کے ارشادات گرامی

۲۹ جولائی ۱۹۴۹ء ، ساڑھے چھ بجے شام مجلس خدام الاحمدیہ کوئٹہ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کرنے کے لیے پارک ہاؤس (کوئٹہ) میں ایک دعوتِ عصرانہ کا انتظام کیا جس میں جماعت کے دوستوں کے علاوہ کئی غیر احمدی معززین نے بھی شرکت کی ۔ اکل وشرب کے بعد اجلاس کی کارروائی شروع ہوئی ۔ قائد مجلس نے ایڈریس پیش کرتے ہوئے مجلس کی کارگزاری کی مختصر رپورٹ بھی پیش کی اور حضور سے درخواست کی کہ جملہ ممبرانِ مجلس کو اپنے زریں نصائح سے مستفیض فرمائیں ۔ اس کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی ۔

" جیسا کہ احباب کو معلوم ہے چند دن سے مجھے درد نقرس دوبارہ شروع ہوگیا ہے جس کی وجہ سے میں زیادہ دیر بیٹھ نہیں سکتا اس لئے زیادہ لمبی باتیں نہیں کرسکوں گا مگر پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ اس تقریب میں کچھ باتیں بیان کر دوں ۔ سب سے پہلی بات جو ایڈریس کے ساتھ تعلق تو نہیں رکھتی لیکن نہایت اہم ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان میں مختلف قوموں اور زبانوں کے اختلاط سے ایک زبان پیدا ہوئی جس کو اردو کہتے ہیں ۔ اس زبان کی طرف ہندوستان میں بہت کم توجہ رہ گئی ہے بلکہ یہ کوشش جاری ہے کہ اسے بالکل مٹا دیا جائے ۔ پنجاب کا شہری طبقہ اس کا بہت شائق چلا آتا ہے اور اس نے علامہ اقبال اور حفیظ جالندھری جیسے بڑے بڑے شاعر پیدا کئے جنہوں نے اردو زبان کی بہت خدمت کی ہے اور ان کی وجہ سے ہندوستان اور اس کے باہر اردو زبان بہت مقبول ہوگئی ہے ۔ مگر پنجاب کے عوام اور غیر تعلیم یافتہ اشخاص بھی اس سے بہت

دُور ہیں اور انھیں اس میں کلام کرنا دوبھر معلوم ہوتا ہے۔ اگر وہ اس میں بات کریں تو طریق گفتگو غیر زبان والوں کا سا معلوم ہوتا ہے۔ یوں تو خیر غیر مادری زبان میں گفتگو کرتے وقت ہمیشہ ہی مشکلات پیش آتی ہیں اور لازمی طور پر لہجہ میں فرق معلوم ہوتا ہے تاہم اگر آپس میں اُردو زبان ہی میں گفتگو کی جائے تو اس میں مہارت حاصل کر لینا کوئی مشکل امر نہیں۔ میری مادری زبان اگرچہ اردو ہے مگر میں نے پنجاب میں پرورش پائی ہے کہ اس لیے میں یہ نہیں کہہ سکتا بلکہ یہ کہنا لغو ہوگا کہ میرا لہجہ دہلی والوں کا سا ہے...... ہماری مادری زبان اُردو ہے اور ہمارا خون دہلی والوں کا ہے بلکہ اُن کا خون ہے جن کے خون سے اُردو بنی ہے۔ جیسے میر درد اور مرزا غالب لیکن بوجہ پنجاب میں پرورش پانے کے ہم میں ایسی علامات پائی جائیں گی جن سے صاف معلوم ہوگا کہ ہم پورے ہندوستانی نہیں بعض وقت محاوروں کا اثر نہیں پڑ جاتا ہے بوجہ پنجابی ماحول ہونے کے بغیر خیال کئے کوئی نہ کوئی پنجابی محاورہ مُنہ سے نکل جاتا ہے۔ ہم گھر میں عموماً بچوں سے مذاق کرتے ہیں۔ وہ بات کرتے ہوئے بعض دفعہ پنجابی کے الفاظ بول جاتے ہیں۔ وہ بھی جانتے ہیں کہ وہ الفاظ اُردو زبان کے نہیں بلکہ غیر ارادی طور پر اُن کے مُنہ سے نکل جاتے ہیں۔ میں ایک دفعہ دہلی گیا۔ خواجہ حسن نظامی صاحب نے میری دعوت کی۔ مولوی نظیر احمد صاحب کے پوتے جو ساقی رسالہ نکالتے ہیں ان کے ماموں میرے پاس آئے انہوں نے میری کوئی تقریر سُنی ہوئی تھی۔ انہوں نے میرے لحاظ یا تکلف کی وجہ سے کہا کہ خواجہ صاحب میں نے ان کی تقریر سُنی ہوئی ہے۔ اِن کا لہجہ بالکل دہلی والوں کا سا ہے

اور یہ بالکل پنجابی معلوم نہیں ہوتے۔ مگر خواجہ صاحب اپنے رنگ کے آدمی ہیں انہیں یہ بات بُری لگی۔ انہوں نے کہا میں تو یہ بات نہیں مان سکتا میں نے ان کی کتابیں پڑھی ہیں۔ ان میں بعض مقامات پر پنجابی محاورات استعمال ہوئے ہیں۔ لیکن آخر وہ بھی دہلوی تھے۔ انہوں نے فوراً کہا۔ خواجہ صاحب میں نے تقریر کا ذکر کیا تھا کتاب

کا نہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہم تقریر میں بھی بعض پنجابی محاورات غیر ارادی طور پر استعمال کر جاتے ہیں تاہم متواتر بولنے اور ہمیشہ اردو میں ہی گفتگو ہونے کی وجہ سے عادت ہو جاتی ہے۔ پس میں آپ کو ایک نصیحت تو یہ کروں گا کہ

اُردو زبان کو نئی زندگی دو

اور ایک نیا لباس پہنا دو۔ آپ لوگوں کو چاہیئے کہ ہمیشہ اسی زبان میں گفتگو کیا کریں۔ جب ہم اُردو ہی میں گفتگو کریں گے تو لازمی بات ہے کہ بعض الفاظ کے متعلق ہمیں یہ پتہ نہیں لگے گا کہ ان کو اُردو زبان میں کس طرح ادا کرتے ہیں۔ اس پر ہم دوسروں سے پوچھیں گے اور اس طرح ہمارے علم میں ترقی ہوگی۔ بعض چھوٹی چھوٹی باتیں ہوتی ہیں لیکن انسان کو بڑی عمر میں بھی ان کی سمجھ نہیں آتی۔ لیکن جب وہ ایک زبان میں گفتگو کرنا کرنا شروع کر دے تو ان پر عبور حاصل کر لیتا ہے۔ پس ہمارے نوجوانوں کو چاہیئے کہ وہ پنجابی زبان چھوڑ دیں اور اُردو کو جو اَب بے وطن ہوگئی ہے اپنائیں۔ یہ بھی ایک بڑا مہاجر ہے جس طرح مہاجروں کو زمینیں مل رہی ہیں چاہیئے کہ اسے بھی اپنے ملک میں جگہ دی جائے اور اسے اتنا رائج کر دیا جائے کہ آہستہ آہستہ یہ ہماری مادری زبان بن جائے۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جن کے خیال میں پنجابی زبان کو زندہ رکھنا ضروری ہے۔ میرے نزدیک

اُردو زبان کو ہی ہمیں اپنی زبان بنا لینا چاہیئے

اور اسے رواج دینا چاہیئے۔ ملک کے کناروں پر اور پہاڑوں پر کہیں کہیں پنجابی زبان باقی رہ جائے تو حرج نہیں۔ اگر کسی کو پنجابی زبان سننے یا بولنے کا شوق ہوگا تو وہ وہاں جا کر سُن یا بول لیا کرے گا۔ پس میری پہلی نصیحت تو یہ ہے کہ تم اُردو زبان کو اپناؤ اس کو اتنا رائج کرو کہ تمہاری مادری زبان بن جائے۔"

(روزنامہ الفضل مورخہ ۱۲ اگست ۱۹۶۰ء صفحہ ۳-۴)

حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث کا ارشاد مبارک

۱۸ اکتوبر ۱۹۶۳ء کو تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں پہلی کل پاکستان اُردو کانفرنس انعقاد پذیر ہوئی جس میں ملک کے بعض نامور ادباء اور شعراء نے شرکت فرمائی۔ اس کانفرنس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالٰی نے بحیثیت پرنسپل تعلیم الاسلام کالج ربوہ جو خطبہ استقبالیہ ارشاد فرمایا اس کا ایک اقتباس یہاں درج کرنا ضروری ہے تاکہ ناظرین کرام کو اُردو زبان کے متعلق حضور کے ارشاد گرامی کا بھی علم ہو جائے حضور فرماتے ہیں:۔

"...... اس جگہ اس امر کا اظہار بھی غیر مناسب نہ ہوگا کہ اُردو کے ساتھ جماعت احمدیہ کا ایک پائیدار اور روحانی رشتہ بھی ہے۔ حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی اکثر تصنیفات اردو میں ہی ہیں۔ اس لئے اُردو زبان عربی کے بعد ہماری محبوب ترین زبان ہے۔ اسی لئے ساری دنیا میں جہاں جہاں احمدیہ مشن یا احمدی مسلمان موجود ہیں وہاں اُردو سیکھی اور سکھائی جا رہی ہے۔ زبان اردو کی یہ وہ ٹھوس اور خاموش خدمت ہے۔ جو جماعت احمدیہ دُنیا کے گوشے گوشے میں کر رہی ہے۔ اُردو ہماری مذہبی زبان ہے۔ یہ ہماری قومی زبان ہے۔ یہ ہماری آئندہ نسلوں کی زبان ہے۔ یہ وہ قیمتی متاع ہے جو ہمیں ہمارے اسلاف سے ورثہ میں ملی ہے۔ اسے اس قابل بنائیں کہ ہماری آئندہ نسلیں اس ورثہ کو سرمایۂ افتخار تصور کریں اور اس پر بجا طور پر ناز کر سکیں اور ہماری طرح گونگی اور بے زبان ہو کر نہ رہ جائیں۔

اُردو ایک زندہ قوم کی زبان ہے۔ ادبیات کی اہمیت مسلم لیکن یہ نہ بھولئے کہ اُردو زبان کا یہ بھی حق ہے کہ شعر و ادب کے روایتی اور محدود دائرے سے نکل کر زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہو جاوے۔ ساری دنیا کے دلوں پر اس کی حکومت ہو۔ قومیں اسے لکھیں بولیں اور اس پر فخر کریں اور بین الاقوامی زبانوں کی محفل میں اُردو

بھی عزت کے بلند مقام پر سرفراز ہو۔ "

(منقول از ذکر اردو صد۶۶)

زبانِ اُردو کے بارے میں حضرت میر درد علیہ الرحمۃ کی ایک پیشگوئی

حضرت میر دردؔ اُردو زبان کے مایۂ ناز صوفی شاعر ہیں۔ وہ اردو زبان کو مخاطب کرتے ہوئے اس طرح رطب اللسان ہیں۔

" اُردو گھبراتا نہیں۔ تو فقیروں کا لگایا ہوا پودا ہے۔ خوب پھلے پھولے گی تو پروان چڑھے گی اور ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ قرآن و حدیث تیری آغوش میں آکر آرام کریں گے۔ بادشاہی قانون اور حکیموں کی طبابت تجھ میں آجائے گی اور سارے ہندوستان کی زبان مانی جائے گی۔ "

(میخانہ درد صد۱۵۳)

ہم نے اب تک اُردو زبان کی عظمت، اس کی اہمیت اور افادیت کو لسانی، ادبی، مذہبی اور روحانی اقدار کی روشنی میں اختصار کے طور پر ناظرین کے ذہن نشین کرانے کی سعی مشکور کی ہے تفصیل کے لئے ہماری دوسری کتاب "زبانِ اردو" کا انتظار کیجئے جس میں تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور سیاسی نقطۂ نگاہ سے بھی اس کی افادیت کا جائزہ لیا گیا ہے۔

احمدی ادباء و شعراء کا امتیازی نشان مقصدیت

ہمیں ابتداء ہی میں اس امر کو واضح کر دینا چاہیئے کہ حضرت اقدس سیّد نا مرزا صاحب (آپ پر سلامتی ہو) آپ کے خلفاء یا دیگر احمدی ادباء و شعراء کے رشحاتِ قلم کا ایک خالص مذہبی وافادی پسِ منظر اور ارشاد و ہدایت کا ایک منفرد و ممتاز تبلیغی ماحول ہے جس میں یہ تمام تحریرات خواہ نثر کی صورت میں ہوں یا نظم کی پروان چڑھتی نظر آتی ہیں اور ہمیں ہر انصاف پسند ناقدِ ادب سے یہی توقع رکھنی چاہیئے کہ وہ حضرت مرزا صاحب، آپ کے خلفاء یا دیگر احمدی ادیبوں اور

شاعروں کے کلام پر تنقیدی نظر ڈالنے سے بیشتر اُس خالص مذہبی رجحان اور اس مستحکم تبلیغی نظام کا جائزہ لینا ضروری خیال کرے گا جس کے پَر تو نے ان تحریرات میں گہرائی گیرائی، روانی، جلا بلندی اور وزن پیدا کیا ہے۔ لیکن ہمارے بیان کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ احمدی شعراء نے خالص ادبی رنگ میں کچھ نہیں کہا بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ مشق سخن کے ابتدائی دور میں بعض احمدی شعراء نے خالص ادبی رنگ میں بھی اشعار کہے ہیں لیکن ایسے ابتدائی کلام میں بھی ابتذال اور لغویات سے بلکل پرہیز کیا گیا ہے اور بڑے ہی لطیف پیرائے میں وارداتِ قلب کا بیان کیا گیا ہے جس کا محور حُسنِ مطلق کے سوا اور کچھ نہیں۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی شاعری کا مقصد

جہاں تک شعر و شاعری کا تعلق ہے خود بانی سلسلہ نے اس کی وضاحت اس شعر میں کر دی ہے۔ ؎

کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلق
اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

آپ کے عربی فارسی اور اُردو کے اشعار حقائق و معارفِ قرآنیہ سے لبریز ہیں۔ آپ کا مقصد شعر کہنے سے تبلیغ حق کے سوا کچھ نہ تھا۔ آپ ایک جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں فرماتے ہیں۔ ؎

ہم تھے دلوں کے اندھے سو سو دلوں پہ پھندے
پھر کھولے جس نے جندے وہ رہنما یہی ہے

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) نے اپنے اس شعر کی تعریف میں فرمایا :۔

"جندے سے مراد اس جگہ قفل ہے کیونکہ اس جگہ کوئی شاعری دکھانا مقصود نہیں اور نہ میں اپنے لئے یہ نام پسند کرتا ہوں۔ اس لئے بعض جگہ میں نے پنجابی لفظ استعمال کئے ہیں اور ہمیں صرف اُردو سے کوئی غرض نہیں۔ اصل مطلب امر حق کو دلوں

میں ڈالتا ہے۔ شاعری سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ "

(قادیان کے آریہ اور ہم ص۴۳ مطبوعہ ۱۹۰۷ء)

لیکن آپ کو تعجب ہوگا کہ باوجود اس خالص مقصدیت کے جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔ حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) اور حضرت مصلح موعود کے کلام میں جملہ محاسن شعری اپنی پوری شان کے ساتھ جلوہ گر ہیں جس کا تاثر قاری کے ذہن سے کسی مرحلہ پر جدا نہیں ہوتا اور جب تک وہ اس پُر بہار وادی کی سیر کرتا رہتا ہے اُس کا مشام جان اس معطر و مُعنبر کلام کی بھینی بھینی اور دل آویز خوشبو سے مہکتا رہتا ہے۔

حضرت مسیح موعود کی شاعری ادب اُردو میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ حضور کے انفاس قدسیہ نے اُردو ادب اور خصوصاً اُردو شاعری میں جو آپ کے زمانہ میں جسد بے جان کی حیثیت رکھتی تھی ہر دو وادی اور احمدی شعراء اور ادیبوں کے لیے ایسا راستہ ہموار کر دیا جس پر چل کر وہ رضائے الٰہی کی منزل تک بآسانی پہنچ سکتے ہیں۔ حضور کی شاعری کے اس افادی پہلو سے متاثر ہو کر راقم الحروف نے یہ شعر کہا تھا۔ ؎

خود یہ منزل نہ تھی منزل کا نشاں تھی پہلے
آج جس شان کی اُردو ہے کہاں تھی پہلے

یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہ ہوگا کہ اگر حضور اقدس کی شاعری یا حضور کے فرزند ارجمند موعود خلیفہ کی شاعری کو نظر انداز کر دیا جائے تو مروجہ اُردو شاعری کے لئے کوئی وجہ جواز باقی نہیں رہ جاتی۔

آخر میں ہم اپنے ناظرین کی ازدیاد معلومات کے لئے تاریخ احمدیت کے چند چیدہ واقعات ہدیہ ناظرین کرتے ہیں جن سے بالواسطہ طور سے شعر و شاعری کے متعلق حضور انور کے پاکیزہ خیالات و تاثرات کا اندازہ لگانا نہایت آسان ہو جاتا ہے۔

"نظم حامد" کی سماعت پر اظہار خوشنودی

میر حامد شاہ صاحب سیالکوٹی کی ایک نظم مولوی عبدالکریم صاحب نے پڑھی جو میر صاحب

نے اپنے خط میں لکھی تھی اور اس کے ساتھ ایک عزیز کے واسطے دُعا کی درخواست تھی۔ نظم کو سن کر حضرت اقدس مع جماعت بہت خوش ہوئے اور حضرت نے فرمایا کہ اس کو کہیں چھپوا دینا چاہیئے لہٰذا وہ الحکم میں چھپنے کے لئے دی گئی۔ اس نظم کے دو تین شعر درج ذیل ہیں سے

ڈنکا بجا جہاں میں مسیحا کے نام کا ؛ خادم ہے دینِ پاک رسولِ انام کا
لٹتا ہے قادیان میں زر و مالِ احمدی ؛ لنگر لگا ہوا ہے وہاں فیض عام کا
نورِ محمدی سے چمکتا ہے وہ مکان ؛ کچھ رنگ ہی جدا ہے وہاں صبح و شام کا

حضور کی مجلس میں تنقید شعری

ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب جو بعد میں مرتد ہو گئے۔ انھوں نے ایک دفعہ اپنی ایک نظم سنائی جو غلط تھی اور اس میں بے جا طور پر وزن پورا کرنے کے لئے بعض حروف پر تشدید کی گئی تھی۔ اس پر مولوی عبدالکریم صاحب نے نفرت کا اظہار کیا تو حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) نے تبسم کرتے ہوئے فرمایا:۔

"مولوی صاحب کیا آپ نے یہ کبھی نہیں سنا۔

ضروریاتِ شعری جو ضرور شد ؛ تشدید حروف چرا باشد

(ذکر حبیب صـ۳۴ - ۳۵)

مضمون آفرینی کی تلاش میں سرگرانی اور معارف قرآن کے حصول کی طرف سے روگردانی پر اظہار افسوس

۱۰ دسمبر ۱۹۰۲ء فرمایا

"افسوس ہے کہ لوگ جوش اور سرگرمی کے ساتھ قرآن شریف کی طرف توجہ نہیں کرتے جیسا کہ دنیا دار یا ایک شاعر اپنے اشعار پر غور کرتا ہے ویسا غور قرآن شریف پر نہیں کیا جاتا۔ بٹالہ میں ایک شاعر تھا۔ اس کا ایک دیوان ہے اُس نے ایک

دفعہ ایک مصرعہ کہا ؎

صبا شرمندہ می گردد بہ روئے گل نگہ کردن

مگر دوسرا مصرعہ اس کو نہ آیا۔ اور دوسرے مصرعہ کی تلاش میں برابر چھ مہینے سرگرداں و حیراں پھرتا رہا۔ بالآخر ایک دن ایک بزاز کی دکان پر کپڑا خریدنے گیا۔ بزاز نے کئی تھان کپڑوں کے نکالے پر اس کو کوئی پسند نہ آیا۔ آخر بغیر کچھ خریدنے کے جب اُٹھ کھڑا ہوا تو بزاز ناراض ہوا اور بولا کہ تم نے اتنے تھان کھلوائے اور بے فائدہ۔ تب اس کو دوسرا مصرعہ سوجھ گیا اور شعر کو اس طرح سے پورا کیا ؎

صبا شرمندہ می گردد بہ روئے گل نگہ کردن
کہ رختِ غنچہ را وا کرد و نتوانست تہ کردن

اُس نے کس زحمت ایک مصرعہ کے لیے اُٹھائی۔ اتنی محنت اب لوگ ایک آیت قرآنی کے لئے نہیں کرتے۔ قرآن جواہرات کی تھیلی ہے اور لوگ اس سے بے خبر ہیں۔۔

(ذکرِ حبیب صہ ۳۸۹-۳۹۰)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل اور اُردو شاعری

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کے پہلے خلیفہ حضرت حکیم الامت مولانا نورالدین (اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو) کا کوئی منظوم کلام راقم الحروف کی نظر سے نہیں گزرا البتہ مورخ احمدیت جناب دوست محمد صاحب شاہد نے ایک موقعہ پر حضرت کے چند پنجابی شعر کہنے کا تذکرہ تاریخ احمدیت جلد   میں کیا ہے جو ناظرین کی ازدیادِ معلومات کے لیے درج کیا جاتا ہے۔

(نوٹ) اس سلسلے میں حضرت مولانا دوست محمد شاہد مورخ احمدیت سے رابطہ کیا گیا تو انہوں نے یہ انکشاف کیا کہ اِن اشعار کی اشاعت پر پابندی ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کن حالات میں شعر کہتے تھے

جہاں تک حضرت اقدس مرزا صاحب کے دوسرے خلیفہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد (اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو) کے منظوم کلام کا تعلق ہے آپ نے بھی اس کے متعلق یہی ارشاد فرمایا کہ:

"میں کسی نظم کو شاعری کے شوق میں نہیں کہتا ہوں بلکہ جب تک ایک خاص جوش پیدا نہ ہو نظم کہنا مکروہ سمجھتا ہوں۔ اس لیے اسے دردِ دل سے نکلا ہوا کلام کہنا چاہیئے۔ بعض دفعہ نظم نامکمل صورت میں پیش کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ تا لوگ دیکھیں کہ شاعری کو بطور پیشہ اختیار نہیں کیا گیا بلکہ جب کبھی قلب پر خاص کیفیت ظاہر ہوتی ہے تو اس کا اظہار کر دیا جاتا ہے اور پھر یہ خیال نہیں ہوتا کہ اس کو مکمل بھی کیا جائے۔ چونکہ میں تکلف سے شعر نہیں کہتا۔ ٹوٹے ہوئے دل کی صدا ہے۔ پڑھو اور غور کرو۔ خدا کرے یہ درد بھرے کلمات کسی سعید روح کے لیے مفید و بابرکت ثابت ہوں۔" (الفضل مورخہ ۲۸ دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۲۴)

شعر و شاعری کے متعلق سلسلہ احمدیہ کے تیسرے خلیفہ حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحبؒ کے فرمودات

مناسب ہوگا اگر ہم اس جگہ بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے تیسرے خلیفہ ناصر الملت والدین حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا وہ جامع و مانع تبصرہ بھی نقل کر دیں جو حضور انور نے زمانہ قبل از خلافت میں بحیثیت صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ برادر گرامی جناب ثاقب زیروی کی کتاب "مدد خسروی" کے دیباچہ کی صورت میں رقم فرمایا تھا اور جس سے شعر و شاعری کے متعلق آپ کا نقطۂ نظر بھی واضح ہو جاتا ہے۔ حضور فرماتے ہیں۔

"اسلامی شریعت بوجہ کامل اور اکمل ہونے کے ہر شعبۂ زندگی کے متعلق ہمیں ہدایت دیتی اور ایک سیدھی راہ کا دروازہ کھولتی ہے۔ اگر ایک طرف خدائی نقل نے

انسانی فطرت میں "موزونیت" ودیعت کی تو دوسری طرف اس کی شریعت نے ہمیں یہ بتایا کہ اس "موزونیت" کا فلاں استعمال صحیح اور فلاں غلط ہے۔ فرمایا۔

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُنَ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ۝ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا ..... الخ

(سورۃ الشعراء آیت ۲۲۴ تا ۲۲۷)

یعنی شعراء میں سے وہ بھی ہیں جن کی پیروی کرنے والے گمراہی اور جہالت میں پڑ کر گمراہ اور تباہ ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ شعراء ہیں جو فنونِ کلام کی متعدد اور متنوع وادیوں میں حد سے تجاوز کرتے ہیں۔ اگر کسی کی مدح کریں گے تو ممدوح میں دُنیا جہاں کی خوبیاں (جن کا ہزارواں حصہ بھی ان میں پایا نہ جاتا ہوگا) دکھائیں گے۔ کسی کی مذمت شروع کریں گے تو اس کی تمام خوبیوں سے آنکھیں بند کرتے ہوئے شیطانِ مجسّم بنا کر اسے ہمارے سامنے لا کھڑا کریں گے۔ فحش کلامی پر آئیں گے تو اتنا گند بولیں گے کہ خود شیطان کی آنکھیں نیچی ہو جائیں۔ افتراء کی طرف طبیعت مائل ہو گی تو تیزیٔ طبع انہیں اندھیروں کی اتھاہ گہرائیوں تک لے جائے گی۔ تکبّر جوش مارنے گا تو خدائے واحد قہار پر حملہ کرنے سے بھی نہ چوکیں گے۔ جذباتِ انتقام جوش ماریں گے تو تمام حدود نظروں سے پوشیدہ ہو جائیں گی جن سے آگے انتقام بُرائی ہی بُرائی بن کر رہ جاتا ہے جس کے ہوتے عفو کے لیے دُنیا میں کوئی جگہ نہیں۔ قصّہ مختصر یہ کہ وہ تمام اخلاقِ رذیلہ کو اچھا کر کے دُنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں اور مخلوقِ خدا میں سے بہتوں کو گمراہی کی طرف لے جاتے ہیں۔ اُن کی طبائع میں قرار بھی نہیں ہوتا۔ طبیعت انتہائی بزدلی سے انتہائی شجاعت کی طرف، حد سے بڑھے ہوئے عفو سے حد سے بڑھے ہوئے انتقام کی طرف، ذلیل کن منکسر المزاجی سے شیطانی تکبّر عُجب اور ریا کی طرف پلٹا کھاتی ہے وعلیٰ ھذا القیاس۔ اور اسی آتار چڑھاؤ کے مطابق کلام موزوں چنگاریاں بن کر اُن کے منہ

سے جھڑتا ہے۔ ایسے شعراء کتنے کچھ ہیں۔ بخل کی مذمت کر رہے ہوں گے اور خود بخیل ہوں گے۔ اوروں کو صداقت کے قبول کرنے کے لیے اکسا رہے ہوں گے اور خود صداقت کے جانی دشمن ہوں گے۔ غرضیکہ ایسے شعراء کے خیالات کذب و صداقت ہر دو کا معجون ہوتے ہیں اور اعمال صالحہ کے بجا لانے کی توفیق انہیں نہیں ملتی۔ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور بہتوں کو گمراہی کی طرف لے جانے والے بھی۔ مگر دُنیا میں اسی ایک قسم کے شعراء نہیں پائے جاتے۔ ان کے برعکس ایسے شعراء بھی ہیں (جن کا ذکر الّا کے بعد شروع ہوتا ہے) جن کے خیالات کی بنیاد ایمانیات پر ہے۔ جن کے جذبات فطرت صحیحہ کا آئینہ ہوتے ہیں۔ جو مدح و ذم، عفو و انتقام، انکسار و خودداری اور خودی وغیرہ کو اپنے اپنے حدود کے اندر رکھتے ہوئے ان کی تعریف کرتے اور اُن پر دُنیا کو ابھارتے ہیں۔ یہ وہ شعراء ہیں جو اعمال صالحہ بجا لاتے ہیں اور ایسے ہی اعمال بجا لانے کی دوسروں کو تلقین کرتے ہیں اور شعراء کا یہی وہ گروہ ہے جو کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے۔ جس طرح آسمانوں کے ثوابت اور سیارے، زمین کے سمندر اور پہاڑ، درختوں کے پتے، روشنی کی شعاعیں ہوا اور ایتھر کی لہریں اپنے اندرونی نظام کی "موزونیت" اور "نظم" سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید میں مشغول ہیں۔ اُسی طرح یہ شعراء ایمانیات کو منظوم کرتے ہوئے اور اعمالِ صالحہ پر ابھارتے ہوئے بھی ذکرِ الٰہی میں ہمہ تن مصروف ہیں۔

احمدیت کی تاریخ کے بعض اوراق کو منظوم کر کے ثاقب زیروی شعراء کے اُس دوسرے گروہ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ جن کا ذکر اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ...... الخ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور اُن کے کلام کو تاثیر بخشے وہ بہتوں کو ہدایت کی طرف لانے والے اور گمراہی اور ہلاکت سے بچانے والے ہوں۔"

(دورِ خسروی - دیباچہ)

شعر و شاعری کے بارے میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے زرّیں ارشادات جو حضور نے عزیزہ امۃ الباری ناصر کو ایک مکتوب میں ارشاد فرمائے۔

لندن

عزیزہ امۃ الباری ناصر صاحبہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے مجھے کئی مسودات بھجوائے ہیں جن سے متعلق آپ میرے تبصرہ کی منتظر ہیں۔ ان میں سے ایک مسودہ میرے کلام کے بشیر۔حقہ کی کتابت اور اس پر نظرِ ثانی کے دوران اصلاح سے متعلق مشوروں پر مشتمل ہے۔ آپ نے اور مکرم و محترم سلیم شاہجہانپوری صاحب نے بہت اخلاص سے اور بہت محنت سے کام کیا اور بہت اچھے مشورے دیئے ہیں۔ میں اردو زبان پر آپ دونوں کی دسترس کا قائل اور معترف ہوں لیکن شعر کی دُنیا اس سے زیادہ وسیع ہے کہ زبان درست ہو اور غلطیوں سے پاک ہو اور محاورہ ٹکسالی ہو اور اوزان کے لحاظ سے اور لفظوں کے استعمال کے لحاظ سے کلام نوکِ زبان پر بھاری نہ ہو۔ بعض اوقات صحتِ زبان اور صحت محاورہ کے تقاضے جذبات کی شدت کے اظہار اور اظہارِ حق سے محروم متصادم ہو جاتے ہیں۔ یعنی اظہارِ حق جس زبان میں ممکن ہو اس سے بہتر مرصع زبان میں مگر حق سے ہٹ کر ایک بات کی جا سکتی ہے۔ بعض دفعہ ممکن نہیں رہتا کہ بیک وقت کوئی اپنے متموج جذبات اور سچائی اور گہرے درد کے تقاضے پورے کرتے ہوئے زبان کی صحت اور قاعدے قانون کی پابندی کا بھی حق ادا کر سکے۔ ایسی صورت میں کبھی کبھی کچھ نہ کچھ مروّج قاعدوں کو توڑنا بھی پڑتا ہے اور استشناد کی نئی کھڑکیاں کھول جاتی ہیں۔ دُنیا کے تمام چوٹی کے شعراء نے کیفیات کے اعلیٰ تقاضوں پہ بارہا زبان

دافی کی قیود کو قربان کیا ہے۔ شیکسپیئر میں بھی یہ بات ملتی ہے اور غالب میں بھی اور دیگر شعراء میں بھی اپنے اپنے مرتبہ اور اسلوب کے اعتبار سے کچھ نہ کچھ ایسی مثالیں دکھائی دیتی ہیں۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اردو اور عربی کلام میں بھی یہی بالا اصول کارفرما ہے کہ شوکتِ مضمون اور کیفیات کی لطافت پر زبان دانی کے نسبتاً ادنیٰ تقاضوں کو قربان کیا جائے پس اس پہلو سے اگر میں بھی کہیں غلطی پر مُصر ہوں تو مجھے معذور رکھیں۔

محترم سلیم شاہجہانپوری صاحب کے متعلق میں تجربہ سے جانتا ہوں کہ شاذ ہی ایسا ہوتا ہے کہ جو لفظ انہوں نے جہاں رکھ دیا اُسے اٹھا کر کہیں اور رکھنے سے کلام کا حُسن زیادہ نکھرتا ہو۔ پھر بھی کہیں نہ کہیں کوئی گنجائش نکل ہی آتی ہے۔ (میرے کلام کے متعلق اُن کے فنی اعتبار سے اعلیٰ پائے کے مشورے میرے لئے بہت قابلِ قدر ہیں) لیکن ان کے ان مشوروں اور تبصروں کی دو صورتیں ہیں۔ کہیں تو انہوں نے محض سبحان اللہ کہہ کر توجہ دلائی ہے اور مجھ پر چھوڑ دیا ہے کہ غلطی میں خود درست کر لوں اور کہیں معیّن مشورہ دیا ہے کہ اس طرح غلطی درست کر لی جائے تو شاید بہتر ہو۔ افسوس ہے کہ مؤخر الذکر میں اکثر میں اُن سے اتفاق نہیں کر سکا۔ کیونکہ میرے نزدیک ان کی مجوزہ تصحیح قابلِ قبول نہیں تھی۔ ہاں بعض جگہ تصحیح کی ضرورت تسلیم کرتے ہوئے خود ہی ایسا متبادل مصرعہ یا شعر کہہ دیا ہے جو میرے مزاج کے اور مضمون کے قریب تر ہے جو میں کہنا چاہتا ہوں۔

مکرم و محترم سلیم شاہجہانپوری صاحب نے خوب لکھا ہے کہ آئینِ سخن میں اصلاح تجویز کرنا گستاخی شمار نہیں ہوتا، یہ بالکل درست ہے۔ اسی سے حوصلہ پاکر میں ان کی خدمت میں یہ بھی گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ آئینِ سخن میں اصلاح قبول نہ کرنا بھی غالباً گستاخی شمار نہیں ہوگا خصوصاً جبکہ پاسِ ادب رکھتے ہوئے احترام اور معذرت کے ساتھ ایسا کیا جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آئینِ سخن ہی کی بات نہیں، آئینِ حق یعنی سچائی کے آئین میں بھی تو ازل سے یہی دستور چلا آرہا ہے کہ تصحیح گستاخی شمار نہیں ہوتی۔ نماز باجماعت میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہی سبق ہمیں دیا ہے۔ سبحان اللہ! کیا پاکیزہ طریق اصلاح کا سکھایا۔ سبحان صرف اللہ ہی کی ذات ہے۔ پس آپ دونوں میں کسی سے ہرگز کوئی شکوہ نہیں بلکہ بہت ممنون ہوں۔ آپ نے خواہ مخواہ اتنی معذرتیں کیں۔ درحقیقت آپ کا تو بطورِ

خاص ممنونِ احسان ہوں ۔کیونکہ جو کام سالہا سال سے کرنے کو پڑا تھا مگر نہ وقت ملتا تھا نہ دماغ میسر آتا تھا وہ آپ نے آسان کر دیا۔ نشان لگا کر بھیج دیئے اور پیچھے پڑ کر مجبور کر دیا کہ اب مزید اس کام کو نہ ٹالوں۔ حسن اتفاق سے مسودہ ملنے کا وقت بھی نہایت موزوں ثابت ہوا۔ چنانچہ کینیڈا سے واپسی پر ہالینڈ کے قیام کے دوران کچھ فرصت میسر آگئی اور اللہ کے فضل سے دو دن کے اندر ہی ان مقامات کی تصحیح کی توفیق مل گئی جن کے متعلق دیرینہ خلش تو تھی مگر وقت کے ہاتھوں مجبور تھا۔ یہی روک تھی کہ کبھی کسی کو کلام شائع کرنے کی اجازت نہیں دی اور جنہوں نے بلا اجازت شائع کیا انہوں نے نہ صرف اس حصے کو اسی طرح غلط شائع کر دیا جس پر میں نظر ثانی کرنا چاہتا تھا بلکہ سہو کتابت کی وجہ سے یا سوء فہم کی بناء پر کلام میں مزید بہت سے سقم پیدا کر دیئے۔ مثلاً اضافت کا غلط استعمال۔ الفاظ کی بے جا تکرار وغیرہ جس نے مضمون بھی بگاڑا اور وزن بھی توڑا۔ علاوہ ازیں بعض الفاظ کا چھُٹ جانا وغیرہ وغیرہ۔ آپ نے بھی جہاں سے میرا کلام نقل کیا ہے وہ غلطیاں اسی طرح آپ کے مسودہ میں بھی راہ پا گئی ہیں۔ پس بہت سی ایسی غلطیاں ہیں جو اس قبیل سے تعلق رکھتی ہیں جس کا ذکر کر رہا ہوں۔ اب ان سب جگہوں پر میں نے درستی کر دی ہے مگر یہ غلطیاں نہیں تھیں بلکہ کتابت یا ناشر کے فہم کا قصور تھا لیکن اس قبیل کے قابلِ اصلاح شعروں کے علاوہ بھی متعدد ایسے اشعار تھے جو کئی طرح کے سقم رکھتے تھے جن کے لئے دماغ اور وقت کا میسر آنا ایک مسئلہ بنا ہوا تھا۔ مدت سے ذہن یہی بات سوچتا اور ٹالتا رہا کہ کسی وقت تسلی سے ٹھیک کر کے زبان کے تقاضے قربان کئے بغیر مضمون کا حق ادا کرنے کی کوشش کروں گا اور اگر آپ اس طرح مستقل مزاجی اور صبر کے ساتھ مجھے بار بار تنگ نہ کرتیں تو شاید یہ کام کبھی بھی نہ ہوتا بس آپ کا شکر مجھ پر واجب ہے۔

رہا فلسفۂ اصلاح تو میرے نزدیک ہر قادر الکلام استاد کا یہ حق تو ہے کہ کسی دوسرے کے شعر کی اصلاح کرے لیکن اصلاح کا حق صرف اتنا ہی ہے کہ اس مضمون کو تبدیل کئے بغیر جو شاعر بیان کرنا چاہتا ہے بہتر الفاظ میں (زبان کے سقم کو دُور کر کے) بیان کرنے میں اس کی مدد کرے یا اگر طرزِ بیان بے جان ہے تو الفاظ کے تغیر و تبدل سے اسی مضمون میں جان ڈال

دے مگر نیا مضمون داخل کرنے کو میں اصلاح نہیں سمجھتا۔ نہ ہی زبان کی اصلاح کرتے کرتے مضمون کا حلیہ بگاڑ دینا میرے نزدیک اصلاح میں داخل ہے۔

حضرت مسیح موعود کے ایک قدیم اور بزرگ اور رفیق
حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپور تھلوی کے تاثراتِ شعری

اب آخر میں ہم حضرت اقدس سیدنا مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کے دیرینہ اور صفِ اوّل کے صحابی حضرت منشی ظفر احمد صاحب (اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو) کے پاکیزہ خیالات دربارہ شعر گوئی یہاں نقل کر کے آگے چلتے ہیں۔ محترم جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر اصحاب احمد کی جلد چہارم میں ترک شعر گوئی کا عنوان قائم کر کے فرماتے ہیں :۔

"والد صاحب کے متعلق ذکر شعر و سخن تھا۔ مندرجہ بالا اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ طبیعت رسا تھی لیکن دو چار نظموں کے سوا اور وہ بھی نو عمری میں۔ آپ نے مسلسل مشق سخن نہیں کی۔ بلکہ حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کی خدمت میں باریاب ہونے کے بعد شعر گوئی کو ترک کر دیا۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل واقعہ سے ظاہر ہے۔

خاکسار کی بہت چھوٹی عمر تھی اور میں ساتویں جماعت میں پڑھتا تھا کہ میں نے تُک بندی کے طور پر ایک غزل لکھی اور جیسا کہ بچوں کا شوق ہوتا ہے والد صاحب کے ایک دوست کو سُنائی۔ اُس دوست نے والد صاحب کے پاس شکایت کے رنگ میں یہ بات پہنچائی کہ اس لڑکے کو شعر کہنے سے باز رکھا جائے۔ اس وقت والد صاحب نے مجھے کچھ نہیں کہا لیکن کچھ عرصہ بعد چلتے چلتے ایک تبسم ہو کر میرے چہرے پر نظر ڈالی اور فرمایا۔ "تم شعر کہا کرتے ہو۔" میں نے شرم سے آنکھیں نیچی کر لیں۔ پھر خود ہی فرمانے لگے کہ ہم تو اسے (یعنی شعر گوئی کو) لغو کام سمجھ کر چھوڑ

بچے ہیں تمہیں اگر شوق ہو تو سلسلہ احمدیہ کی خدمت کے لیے شعر کہہ لیا کرو۔ یہ بات میرے دل میں گھر کر گئی اور میں نے بعد میں جب اُردو اور فارسی میں شعر کہنے شروع کئے تو والد صاحب کی یہ نصیحت شمع راہ اور مشعل ہدایت تھی۔ میں مشاعروں میں بھی شریک ہوا اور طرحی اور غیر طرحی نظمیں لکھیں لیکن مروجہ رنگِ تغزّل سے بفضلِ خدا ہمیشہ مجتنب رہا اور سلسلہ حقہ کی تائید میں لکھنے کی توفیق اسی نصیحت کی بدولت ملی۔ (الحمد للّٰہ علیٰ احسانہ

(اصحاب احمد جلد چہارم صـ۱۱)

اُردو شاعری کے متعلق سر سید احمد خاں صاحب بانی دارالعلوم علی گڑھ کے زرّیں خیالات

مولانا الطاف حسین حالی کی نظم ختم ہونے پر سر سید احمد خاں کے ریمارکس۔

"اے دوستو آج یہ نظم[۱] مولانا حالی نے پڑھی ایک عجیب نظم ہے کہ شاید ایسی نظم فارسی اور عربی میں بھی کسی شاعر نے نہیں لکھی۔ یہ نظم نصیحت دیتی ہے ان لوگوں کو جن کے دل اس دنیا کی دولت اور ترقی میں پھنسے رہتے ہیں اور متوسط درجہ کے لوگوں کو ایک نتیجہ بتاتی ہے کہ وہ باتیں جو ان کو نصیب ہوئیں وہ اعلیٰ سے اعلیٰ دولت مندوں کو بھی نصیب نہیں شاعری جو مدت سے ہندوستان میں جاری ہے وہ سب لوگ یقین کریں گے کہ ان کے مضامین کے بیان کرنے سے کوئی خوشی شاید کانوں کو ہوتی ہو مگر دل میں اثر کرنے والی نہیں ہوتی لیکن جو طریقہ ہمارے مخدوم[۲] نے اختیار

---

۱ مولانا حالی کا مشہور و معروف مسدس "مد و جزر اسلام" مراد ہے

۲ مراد مولانا حالی

کیا وہ ایسا مشکل ہے کہ اس کو اختیار کرنا ہر ایک کا کام نہیں ہے۔ جذباتِ انسانی کو سہل الفاظ میں بیان کرنا اس طرح کہ لوگوں کے کان میں پڑتے ہی دل میں اُتر جائے مولانا حالیؔ ہی کا کام ہے۔ ہم کو خدا کا شکر کرنا چاہیئے اور فخر کرنا چاہیئے کہ ہماری قوم میں ایک ایسا شخص پیدا ہوا۔ آئندہ زمانہ میں جو کہلائے گا "فخرِ قوم" فخرِ شعراء، فخرِ علماء اور زندہ کرنے والا۔ اُمید ہے کہ مولانا حالیؔ کی بہت بڑی عمر ہوگی اور وہ لوگوں کو فائدہ پہنچائیں گے۔" (مکمل مجموعہ لیکچرز و مطبوعہ سنہ ۱۹۰۰ء)

کیا شعر فی نفسہٖ منافیِ عصمتِ صلحاء و اتقیاء ہے

یہاں یہ نکتہ بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ جو لوگ شاعری کو کلیتہً معصیت قرار دیتے ہیں وہ نہ تو آیاتِ قرآنیہ پر تدبر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور نہ حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سند اپنے اس خیال کی تائید میں پیش کر سکتے ہیں بلکہ ان کے اس مفروضہ کی بنیاد اردو شاعری کے اس طغوبہ پر قائم ہے جو فی الواقع مذموم، مردود اور لائق صد نفرین و ملامت ہے اس میں شک نہیں کہ خلفائے راشدین کے تیس سالہ مبارک دور کے بعد جب ملوکیت نے سر نکالا اور خلیفہ برحق کی جگہ جابر اور مطلق العنان سلاطین نے لے لی تو دیگر اخلاقی اقدار کی پامالی کے دوش بدوش شاعری کی اقدار بھی روبہ زوال ہونا شروع ہوئیں۔ اور ابتداً عربی میں اور بعد ازاں فارسی اور اُردو زبان میں سعدیؔ شیرازی، اکبرؔ الٰہ آبادی، حالیؔ، شبلیؔ، آزادؔ، اقبالؔ اور مولوی محمد اسمٰعیل میرٹھی جیسے اُصلاح پسند شاعروں کے دوش بدوش حافظؔ، خیامؔ، فردوسیؔ، حاتمؔ، آبروؔ، ولیؔ، میرؔ، سوداؔ، غالبؔ، مومنؔ، آتشؔ، ناسخؔ، صباؔ، وزیرؔ، رندؔ، اکبرؔ، جلالؔ، داغؔ، جوشؔ، یاسؔ یگانہ، نظیرؔ آبادی وغیرہم شعراء بھی پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے منظوم کلام میں کوئی ناگفتنی بات ایسی نہ تھی جو کہہ نہ ڈالی ہو اور انہیں کی دیکھا دیکھی متقدمین، متوسطین، متاخرین اور دورِ جدید میں ایسے شعراء سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں پیدا ہوتے رہے جنہوں نے اسی قبیل کے ہزاروں لاکھوں اشعار

کہہ کر خوب خوب داد فصاحت دی اور اس سلسلہ میں اپنے ہم مذاق مداحین سے جی کھول کر داد وصول کی۔ اُس دور کے شعراء کا کلام دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس حمام میں سب ہی برہنہ ہو گئے ہیں اور ؎

نہ تنہا من دریں میخانہ مستم
جنید و شبلی و عطار ہم مست

والا نظارہ ہر طرف نظر آتا ہے۔ اگر اسلامی نقطہ نگاہ سے ان منظومات کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح آشکارا ہو جائے گی کہ شعراء نے اپنے شہ پاروں میں نہ صرف تمام اوامر الٰہی کی نفی کی ہے بلکہ تمام منہیات کا جواز پیدا کر کے انھیں مستحسن قرار دینے کی سعی نامشکور سے بھی گریز نہیں کیا۔ اگر خوف طوالت مانع نہ ہوتا تو اپنے قارئین کو اس قول کی تائید میں ہر دور کے مستند شعراء کی سینکڑوں مثالیں پیش کر کے اپنا ہم خیال بنا لیتے۔ تاہم قارئین سے یہ سفارش کرتے ہیں کہ وہ اس سلسلہ میں "ڈاکٹر اعجاز حسین کی کتاب "مذہب و شاعری" اور ڈاکٹر ہارون الرشید کی کتاب" اردو ادب کا اسلامی جائزہ" ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں ہم نمونۃً اور ضرورت کے طور پر چند جستہ جستہ موضوعات کے ضمن میں اردو کے مستند شعراء کے چند اشعار نقل کئے دیتے ہیں اور یہ بھی ظاہر کئے دیتے ہیں کہ ہم نے فحش اور مخرب اخلاق اشعار کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے تاکہ ہماری اس تالیف کا دامن کثافت سے آلودہ نہ ہو۔ صرف انہیں اشعار پر اکتفا کیا ہے جو ہمارے خیال میں درج کتاب کئے جانے کے قابل نظر آئے اور وہ بھی بتقاضائے ضرورت۔

۱۔ مذہب سے بیزاری

سوداؔ:۔

عاشقوں کو شیخ دین و کفر سے کیا کام ہے
دل نہیں وابستہ اپنا سبحہ و زنار کا

دیر و حرم کی پوچ چکا ہے وہ سنگ و خشت
جس کو ہے تیرے سایۂ دیوار کی ہوس

مومنؔ دہلوی:۔

چھوڑ بت خانے کو مومنؔ سجدہ کعبے میں نہ کر
خاک میں ظالم نہ یوں قدر جبیں سائی ملا

دیر و کعبہ یکساں ہے عاشقوں کو اے مومنؔ
ہو رہے وہیں کے ہم جی لگا جہاں اپنا

میر تقی میرؔ:۔

کس کا کعبہ، کیسا کعبہ کون حرم ہے کیا احرام
کوچے کے اس کے باشندوں نے سب کو یہیں سے سلام کیا

میرؔ کے دین و مذہب کو اب پوچھتے کیا ہو ان نے تو
قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

یاسؔ یگانہ چنگیزی

ہم نہ کہتے تھے کہ مت دیر و حرم کی راہ پہ چل
اب یہ جھگڑا حشر تک شیخ و برہمن میں رہا

ہے اور بھی ایک راہ مذہب کے سوا ✿ معلق کے سوا علم تذبذب کے سوا
باز آ گئے منزل سے کہاں کی منزل ✿ مطلب نہیں کوئی ترک مطلب کے سوا

جوشؔ ملیح آبادی:۔

ڈال دوں گا طرح نو اجمیر اور پریاگ میں ✿ پھونک دوں گا کفر دایماں کو دہکتی آگ میں
کوثر و گنگا کو اک مرکز پہ لانے کے لیے ✿ اک نیا سنگم بناؤں گا زمانے کے لئے

۲. خانۂ خدا کی بے حرمتی

میر تقی میر

مسجد ایسی بھری بھری ہے کیا ؛ میکدہ اک جہاں ہے گویا

دیر و حرم کو دیکھا اللہ رسے فضول ؛ یہ کیا ضرور تھا جب دل کا مکاں بنایا

لاعلم:۔ زاہد شراب پینے دے مسجد میں بیٹھ کر

یا وہ جگہ بتا کر جہاں پر خدا نہ ہو

۳. واعظ و زاہد پر پھبتیاں

سودا:۔ عمامہ کو اُتار کے پڑھو نماز شیخ ؛ سجدے سے ورنہ سر کو اُٹھایا نہ جائے گا

ذوق:۔

یہ شیخ نے افطاریوں کے تر نوالے کھائے خوب ؛ ہے مگر روزوں کی گرمی سے چھوارہ بن گیا

ریش سفید شیخ میں ہے ظلمت فریب ؛ اس مکر چاندنی پہ نہ کرنا گمان صبح

زاہد یہ کیا کہا کہ نہ مل ان بتوں سے تو ؛ دیتا ہے کوئی ایسی بھی مرد خدا صلاح

مسواک نے بڑھایا ہے زاہد کا اعتبار ؛ ہے یہ بھی اُسکے اک شجر مکر و فن کی شاخ

واعظا چھوڑ ذکر نعمت خلد ؛ کہ شراب و کباب کی.... باتیں

جام کو لب سے لے لگا.... اپنے ؛ چھوڑ شرم و حجاب کی باتیں

جوش ملیح آبادی

کیا شیخ کی خشک زندگانی گذری

بے چارے کی اک شب نہ سہانی گذری

دوزخ کے تخیل میں بڑھاپا بیتا

جنت کی دعاؤں میں جوانی گذری

زاہد نے بھی کیا حیات فسانی کاٹی
آغوش لحد میں زندگانی کاٹی

طاؤس کی خدمت میں لڑکپن کھویا
پیروں کی ولایت میں جوانی کاٹی

حامد شاہجہانپوری

نزدیک کی کہو تو سمجھتے ہیں دور کی ؛ کچھ مت سی کٹ گئی ہے ہمارے حضور کی
ریش سفید، ہاتھ میں رعشہ کمر میں خم ؛ یہ ٹھاٹھ ہیں اور اس پہ تمنا ہے حور کی

۴۔ پروردگار عالم کی شان میں گستاخیاں

فارغ بخاری

پیٹ بھرنے کو کچھ تو پا جائے ؛ کاش قدرت کو شرم آ جائے
(نظم بھکارن کا ایک شعر منقول از اخبار حکومت ۳ مارچ ۱۹۳۹ء)

جوش ملیح آبادی

خنجر سینوں میں چل رہے ہیں یارب ؛ چشمے خون کے اُبل رہے ہیں یارب
تجھ کو بھی خبر ہے کہ تری دنیا میں چھوٹوں کو بڑے نگل رہے ہیں یارب

یگانہ چنگیزی

دیکھوں کب تک گلوں کی تشنہ لبی ؛ فطرت کا گلہ کروں تو ہے بے ادبی
پیاسے تو ہیں جاں بلب مگر ابرِ کرم دریا پہ برستا ہے زہے بوالعجبی

اقبال

ترے شیشے میں مے باقی نہیں ہے ؛ بتا کیا تو مرا ساقی نہیں ہے
سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے

۵ خمریات

میرؔ:۔ شب کو وہ لئے شراب نکلا ؛ جانا یہ کہ آفتاب نکلا
قربان پیالۂ مے ناب ؛ جس سے کہ ترا حجاب نکلا

غالبؔ:۔
کیا رد و قدح کرے ہے زاہد ؛ مے ہے یہ مگس کی قے نہیں ہے

جوشؔ ملیح آبادی
تو قبل اجل سرد ہوا جاتا ہے ؛ کیا بات ہے کیوں زرد ہوا جاتا ہے
اک گھونٹ شراب ناب پی لے زاہد ؛ نامرد ابھی مرد ..... ہوا جاتا ہے

مذہب سے استہزاء وتمسخر

سوداؔ:۔ واعظا سوزِ جہنم سے ڈراتا ہے کسے
داب چھوڑتے ہیں بغل میں دل کا آتش خانہ ہم

میکدے اور کعبہ میں ہے کیا تفاوت شیخ جی ؛ شیشہ ہے پتھر کی ہر اک مثل میں سمجھو تو کہوں

غالبؔ:۔
ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن ؛ دل کے خوش رکھنے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے
خدا کے واسطے پردہ نہ کعبہ سے اٹھا ظالم ؛ کہیں ایسا نہ ہو یاں بھی وہی کافر صنم نکلے
واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو ؛ کیا بات ہے تمہاری شراب طہور کی

ہم نے ازروئے اخلاق صرف انھیں موضوعات اور ان موضوعات کے تحت بھی صرف معدودے چند انہی اشعار کو نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے جو فسق و فجور یا الحاد پرستی کے دائرہ میں تو آتے ہیں لیکن اصطلاح عام میں اُن کو فحش یا مخرب اخلاق نہیں سمجھا جاتا۔ ہاں اگر اخلاقیات کی حدود مذہب اسلام کے وسیع تر دائرہ اخلاق کی روشنی میں متعین کی جائیں تو پھر ان اشعار کو بھی منظوم کلام کی اُسی فہرست میں شامل کرنا پڑے گا جس میں مندرج شدہ اشعار اسلامی اخلاقیات کی روح سے متصادم قرار دیئے گئے ہیں۔ لیکن اگر ذرا زیادہ تفصیل سے جائزہ لیا جائے تو ہوسناکی، کام جوئی، بے حیائی، عریانی، ابتذال اور فحشیات جیسے مخرب اخلاق اور سوقیانہ موضوعات اور اُن موضوعات کے ضمن میں ہزاروں، لاکھوں اشعار ایسے تلاش کئے جا سکتے ہیں جن کو سُن کر شرافت اپنا سر پیٹتی اور شرم و حیا ندامت کے دامن میں اپنا مُنہ چھپا لیتی ہے۔

میر حسن دہلوی کی مشہور زمانہ مثنوی "سحر البیان" ہو یا نواب مرزا شوقؔ کی "زہر عشق"۔ پنڈت دیا شنکر نسیم کی "گلزار نسیم" ہو یا دیگر اساتذہ فن بشمول میر تقی میرؔ، میر سوزؔ، مومنؔ دہلوی کی مثنویات سب ایک ہی رنگ میں رنگین نظر آتی ہیں۔ غزلیات کے دیوان کھنگا لیے تو وہاں بھی یہی منظر نظر آتا ہے۔ ولی دکنی ہوں یا حاتم و آبروؔ۔ میر تقی میرؔ ہوں یا مرزا سوداؔ، غالبؔ و مومنؔ ہوں یا ناسخؔ، واتش، امیرؔ و داغؔ ہوں یا اُن کے ہمعصر جلالؔ لکھنوی سارے اساتذہ فن اور اُن کے لاتعداد ہمعصر شعراء کے کلیات و دواوین متذکرہ بالا فحش موضوعات اور مخرب اخلاق اشعار سے بھرے پڑے ہیں۔ اب ناظرین کرام خود ہی انصاف فرمائیں کہ مذکورہ بالا خصوصیات کے حامل اشعار کی موجودگی میں اگر کوئی سلیم الطبع، سنجیدہ و لطیف الطبع انسان فن شعر سے بکلی متنفر ہو جائے تو اس کے اس تنفر اور اساتذہ فن کے اس کمال شاعری کو جس کی سماعت کے نتیجہ میں وہ تنفر پیدا ہوا کس تناسب سے مورد الزام قرار دیا جانا چاہیئے۔ لیکن اس موقعہ پر اس حقیقت کی نشاندہی بھی نہایت ضروری ہے کہ جس طرح مسلمانان عالم کے عالمگیر اخلاقی و روحانی تنزل کو اسلام کی حقانیت کے بطلان کے طور پر پیش کرنا نادانی اور جہالت کی نشانی ہے۔ اُسی طرح شعراء اُردو کا ملکۂ شعری کو غلط طریقہ سے استعمال کرنا بھی فن شعر کو

فی نفسہٖ قبیح و مردود نہیں بنا سکتا۔

مندرجہ بالا تشریحات سے یہ امر عقلاً تو متحقق ہو گیا کہ شاعری کا ملکہ جو فطرتِ انسانی میں ودلیعت کیا گیا ہے فی نفسہٖ تعالیٰ تقویٰ و طہارت نہیں بلکہ اس کا صحیح یا غلط استعمال ہی اس کو محبوب یا مردود بنا دیتا ہے۔ ہم نے منقولی طور سے بھی جواز و عدم جواز شعر پر بحث کی تھی لیکن طوالت کے خوف سے اس کو کتابی صورت میں علیحدہ تیار کر دیا ہے۔ شائقین ہماری کتاب "جواز و عدم جواز شعر آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبوی کی روشنی میں" کا انتظار فرمائیں۔

اُردو زبان کی اہمیت، عظمت کو لسانی، علمی، ادبی اور مذہبی نقطۂ نگاہ سے واضح کر دینے جواز و عدم جواز شعر پر ایک اجمالی نظر بد ڈالنے کے بعد اور شعرائے احمدیت کا تذکرہ شروع کرنے سے پیشتر ہم تیمناً و تبرکاً حضرت اقدس مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کا پاکیزہ و پُرمعرفت کلام ہدیہ ناظرین کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد المصلح موعود، حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد، اور حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے پُرمعرفت کلام کو بھی زینت کتاب بناتے ہیں وباللہ التوفیق۔

مقدمہ کتاب ہٰذا کے ابتدائی حصہ میں یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کا شعر و شاعری سے اسی قدر تعلق تھا کہ آپ نے اس کو دعوت الی اللہ اور تلقین عمل کے لیے مفید مطلب پا کر ایک آلہ کے طور پر استعمال کیا جس کے نتائج حسب دلخواہ برآمد ہوئے۔ مؤلف تاریخ احمدیت حضور (آپ پر سلامتی ہو) کے شعری کلام اور دیوان کی تسوید کے متعلق تاریخ احمدیت کی جلد اوّل کے صفحہ ۱۴۹ پر مندرجہ ذیل انکشاف فرماتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود کے شعری کلام اور دیوان کی تسوید

حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) چونکہ دینِ حق کی قلمی جنگ میں ایک فتح نصیب جرنیل کی حیثیت سے دُنیا میں آئے تھے۔ اس لئے قدرت نے ابتدا ہی سے قلم کی لازوال قوتوں سے مسلح کر کے بھیجا تھا۔ اور نہ صرف نثر نگاری کے وسیع و عریض میدان کے آپ شہسوار تھے بلکہ اقلیم

سخن کو بھی آپ کی تاجداری پر ناز تھا۔ حضور نے اپنے ہم عصر مسلمان شعراء کی طرح شعر و شاعری کو بطور پیشہ اختیار نہیں کیا بلکہ اُسے ذکرِ الٰہی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و فدائیت کے اظہار کا ایک موثر ذریعہ قرار دیا اور پھر اپنی خداداد روحانی و اخلاقی صلاحیتوں کی بدولت اُس میں اپنے مسیحائی انفاس سے وہ روح پھونکی کہ الفاظ گویا اسلام کی ایک پُرشوکت فوج میں بدل گئے اور تخیلات و تصورات زبردست روحانی اسلحہ خانوں میں ڈھل گئے جو قیامت تک کفر و ضلالت کے فولادی قلعوں کو پاش پاش کرتے رہیں گے۔

حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) ایک عالی خاندان کے فرد تھے جسے بجا طور پر سخن وری کا گہوارہ قرار دیا جانا چاہیئے۔ آپ کے والد ماجد نے بھی طبیعت رسا پائی تھی۔ وہ فارسی میں نہایت عمدہ شعر کہتے تھے اور تحسینؔ تخلص کرتے تھے۔ مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم نے ایک دفعہ ان کا کلام بلاغت نظام حافظ عمر دراز صاحب ایڈیٹر "پنجابی اخبار" کو دیا تھا مگر وہ فوت ہو گئے اور ان کے ساتھ یہ قیمتی خزانہ بھی معدوم ہو گیا۔ ایک ایرانی شاعر نے اس امر کا اظہار کیا تھا کہ ان کا فارسی کلام ایرانی شعراء کی طرح فصیح و بلیغ ہے۔ اسی طرح حضور کے بڑے بھائی مرزا غلام قادر صاحب کو بھی ذوقِ سخن تھا اور وہ مفتوںؔ یا محزوںؔ تخلص کرتے تھے۔

حضرت مسیح موعود کے شعری کلام کی ابتداء کس سنہ میں ہوئی

حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کے شعری کلام کی ابتداء کس سنہ سے ہوئی؟ اس بارے میں احمدی مورخین کوئی قطعی رائے قائم نہیں کر سکے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کو خلافتِ ثانیہ کی ابتداء میں مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم سے شعروں کی ایک کاپی ملی تھی جس میں حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) نے اپنے دستِ مبارک سے شعر درج کئے تھے۔ اس کاپی میں کئی شعر نامکمل اور بعض نامکمل چھوٹے ہوئے تھے۔ یہ کاپی حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے بیان کے مطابق بہت پرانی معلوم ہوتی ہے جو غالباً جوانی کا کلام تھا۔ اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود نے جوانی میں کلام کہنا شروع کیا تھا۔ اور جوانی کے زمانہ کا سب سے

ابتدائی کلام جو معین تاریخ کے ساتھ ملتا ہے وہ ۱۸۵۳ء کا فارسی کلام ہے جس کا تذکرہ اوپر کے صفحات میں کیا جا چکا ہے۔ آپ ابتداء میں فرخ تخلص کیا کرتے تھے جسے زمانہ ماموریت کے چند سال بعد ترک کر دیا۔ ان دنوں آپ اگرچہ اردو اور عربی شعروں میں اپنے خیالات کا اظہار فرماتے لیکن آپ کی زیادہ تر توجہ اپنی خاندانی زبان فارسی کی طرف تھی۔ یہ تو ابتدائی زمانہ کی بات ہے ورنہ منصب ماموریت پر فائز ہونے کے بعد آپ نے اردو، عربی، فارسی تینوں زبانوں کو دین حق کی منادی کا ذریعہ بنایا۔ آپ کا کلام الگ الگ تینوں زبانوں میں "درثمین" کے نام سے چھپا ہے جس کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کی زندگی بھر کے اہم واقعات، دعاوی اور علم کلام اس میں پوری شانِ جامعیت کے ساتھ موجود ہیں۔

ملک کے بعض اخبارات میں حضرت مسیح موعود کے ابتدائی کلام کی اشاعت

۱۸۸۰ء سے پہلے جبکہ آپ کی مستقل تصانیف کی اشاعت شروع نہ ہوئی تھی۔ آپ کبھی کبھی اپنا کلام ملک کے بعض اخبارات میں بھی بھجوا دیتے تھے۔ چنانچہ "منشور محمدی" میں ایک اردو نظم جو حضور نے قادیان سے ۸ محرم ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۲ جنوری ۱۸۷۸ء کو رقم فرمائی اور نیاز نامہ متعلقہ "جواب الجواب" کے عنوان سے بھی شائع ہوئی۔ (یہ نظم "الحکم" جلد ۴۴ نمبر ۸ تا ۱۱ ماہ مئی کے صفحہ ۴ پر دوبارہ شائع ہوئی۔

"درِ مکنون" کی اشاعت

حضرت اقدس (آپ پر سلامتی ہو) نے دعویٰ مسیحیت سے قبل "دیوان فرخ قادیانی" کے نام سے اپنی غزلیات و قطعات کا ایک مجموعہ بھی مرتب فرمایا تھا جو آپ کی وفات کے آٹھ سال بعد دسمبر ۱۹۱۶ء میں "درمکنون" کے نام سے پہلی دفعہ منظر عام پر آیا۔ اس مجموعہ کلام میں "حمد الٰہی، شانِ مصطفےٰ، غیر مذاہب کے رد، اسلام کی حقانیت، اصلاح نفس، ذکر اولیاء

شانِ اولیاء، علاماتِ اولیاء، اخراج نبوت از یہود، ترکِ دنیا، دُعا، ایمان، مذمتِ کبر، نفسِ امارہ، مرتبہ سلوک، مذمتِ شرک اور مذمت گور پرستی وغیرہ۔ علمی و روحانی مسائل اور تصوف کے قیمتی اسرار و نکات بیان کئے گئے تھے۔ اس دیوان کے زمانۂ تصنیف کا تعین اس وقت تک نہیں کیا جا سکا۔ سلسلہ احمدیہ کے پہلے مورخ جناب شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کے نزدیک اس کا زمانہ قیام سیالکوٹ کے دور سے شروع ہوتا ہے اور بعض کے نزدیک سیالکوٹ سے واپسی کے بعد۔ خود مجموعہ میں چار مقامات پر، ۱۰ اکتوبر ۱۸۷۳ء، ۳۱ اگست ۱۸۷۶ء، ۱۲ ستمبر ۱۸۷۲ء اور ۱۸۸۴ء کی تاریخیں درج ہیں۔ لہٰذا قیاسات اور تخمینوں سے اُلجھے بغیر علی وجہ البصیرت کہا جا سکتا ہے کہ یہ مجموعہ ۱۸۷۳ء سے ۱۸۸۸ء تک کے پندرہ سالہ عرصہ کو محیط ہے۔

(تاریخ احمدیت حصہ اول صفحہ ۱۴۹ تا صفحہ ۱۵۱)

"درِ ثمین اُردو"

"درِ ثمین اُردو" آپ کے اردو کلام کا مجموعہ ہے جو آپ نے اپنی مختلف تصانیف میں تحریر فرمائے۔ ان نظموں میں آپ کو اسلام کی صداقت، خدا تعالیٰ کی اُلفت، قرآن کریم کی محبت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عقیدت کے عجیب نمونے ملیں گے جن کی تمام اردو لٹریچر میں کوئی نظیر موجود نہیں۔ تبلیغی لحاظ سے یہ مجموعہ ایک مختصر انسائیکلوپیڈیا ہے جس میں عیسائیوں، آریوں، ساتن دھرمیوں، سکھوں اور دہریوں وغیرہ کو بے نظیر دلائل کے ساتھ حق کا پیغام پہنچایا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اخلاقی نصائح، دینی نکات اور پُر معارف کلمات کا بھی یہ کتاب ایسا حسین گلدستہ ہے جس کی بھینی بھینی خوشبو دل و دماغ کو حیاتِ تازہ بخشتی اور روح کو فرحت پہنچاتی ہے۔

(پیش لفظ از جناب شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی مطبوعہ درِ ثمین اردو)

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے اپنی کتاب "حیاتِ احمد" میں حضور کے ابتدائی مقدمات کی یادداشتوں میں ایک منظوم دعا حضور ہی کے رسم الخط میں شائع کی جو مئی ۱۸۶۸ء کی ہے۔

(حیات احمد جلد اول صفحہ ۵)

اسی طرح اس کتاب میں مولوی اللہ دتا صاحب کے نام حضور کا ایک منظوم خط بعنوان "مکتوب در مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم" بھی درج ہے جو ۸ر ستمبر ۱۸۷۲ء کا ہے حضرت عرفانی صاحب دُرِّ مکنون کے کلام کو ۱۸۶۵ء سے لے کر ۱۸۷۶ء تک کے کلام پر مشتمل قرار دیتے ہیں۔ (حیات احمدؑ جلد ۱ صـ۳۹)

براہین احمدیہ حصہ دوم (جو ۱۸۸۰ء میں طبع ہوئی) سے اُردو منظومات حضور کی کتابوں میں شامل ہونا شروع ہو گئیں تھیں جن کا سلسلہ آخر تک قائم رہا۔

تبرکات

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی (آپ پر سلامتی ہو)

مسیح موعود و مہدی معہود

کا پُر معارف، دل آویز و شیریں کلام

انتخاب از دُرِّ ثمین

حمدِ ربُّ العالمین

کس قدر ظاہر ہے نور اس مبدءُ الانوار کا
بن رہا ہے سارا عالم آئینہ اَبصار کا

چاند کو کل دیکھ کر میں سخت بے کل ہو گیا
کیونکہ کچھ کچھ تھا نشاں اس میں جمالِ یار کا

اُس بہارِ حُسن کا دِل میں ہمارے جوش ہے
مَت کرو کچھ ذکر ہم سے تُرک یا تاتار کا

ہے عجب جلوہ تری قدرت کا پیارے ہر طرف
جس طرف دیکھیں وُہی رہ ہے ترے دیدار کا

چشمۂ خورشید میں موجیں تری مشہود ہیں
ہر ستارے میں تماشا ہے تری چمکار کا

تُو نے خود رُوحوں پہ اپنے ہاتھ سے چھڑکا نمک
اُس سے ہے شورِ محبّت عاشقانِ زار کا

کیا عجب تُو نے ہر اک ذرّہ میں رکھے ہیں خواص
کون پڑھ سکتا ہے سارا دفتر اُن اسرار کا

تیری قدرت کا کوئی بھی انتہا پاتا نہیں
کس سے کھل سکتا ہے پیچ اس عُقدۂ دشوار کا

خوبرویوں میں ملاحت ہے ترے اُس حُسن کی
ہر گل و گلشن میں ہے رنگ اُس ترے گلزار کا

چشمِ مستِ ہر حسیں ہر دم دکھاتی ہے تجھے
ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خمدار کا

آنکھ کے اندھوں کو حائل ہو گئے سَو سَو حجاب
ورنہ تھا قبلہ ترا رُخ کافر و دیندار کا

ہیں تری پیاری نگاہیں دلبرا اِک تیغِ تیز
جن سے کٹ جاتا ہے سب جھگڑا غمِ اغیار کا

تیرے ملنے کے لیے ہم مل گئے ہیں خاک میں
تا مگر درماں ہو کچھ اُس ہجر کے آزار کا

ایک دم بھی کل نہیں پڑتی مجھے تیرے سوا
جاں گھٹی جاتی ہے جیسے دِل گھٹے بیمار کا

شور کیسا ہے ترے کُوچہ میں لے جلدی خبر
خوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وار کا

(منقول از براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۲۷۴ مطبوعہ ۱۸۸۲ء)

مُناجات اور تبلیغِ حق

اے خُدا اے کارساز و عیب پوش و کردگار
اے مرے پیارے مرے محسن مرے پروردگار

کس طرح تیرا کروں اے ذوالمنن شکر و سپاس
وہ زباں لاؤں کہاں سے جس سے ہو یہ کاروبار

بدگمانوں سے بچایا مجھ کو خود بن کر گواہ
کر دیا دشمن کو اک حملہ سے مغلوب اور خوار

کام جو کرتے ہیں تیری رہ میں پاتے ہیں جزا
مُجھ سے کیا دیکھا کہ یہ لُطف و کرم ہے بار بار

تیرے کاموں سے مجھے حیرت ہے اے میرے کریم!
کس عمل پر مجھ کو دی ہے خلعتِ قرب و جوار

یہ سراسر فضل و احساں ہے کہ میں آیا پسند
ورنہ درگہ میں تری کچھ کم نہ تھے خدمت گزار

دوستی کا دم جو بھرتے تھے وہ دشمن ہوئے
پر نہ چھوڑا ساتھ تو نے اے مرے حاجت برار

میں تو مر کر خاک ہوتا گر نہ ہوتا تیرا لُطف
پھر خدا جانے کہاں یہ پھینک دی جاتی غبار

اے فدا ہو تیری رہ میں میرا جسم و جان و دل
مَیں نہیں پاتا کہ تجھ سا کوئی کرتا ہو پیار

ابتلا سے تیرے ہی سایہ میں میرے دن کٹے
گود میں تیری رہا میں مثلِ طفلِ شیر خوار

لوگ کہتے ہیں کہ نالائق نہیں ہوتا قبول
میں تو نالائق بھی ہو کر پا گیا درگہ میں بار

قوم میں فسق و فجور و معصیت کا زور ہے
چھا رہا ہے ابرِ یاس اور رات ہے تاریک و تار

یا الٰہی فضل کر اسلام پر اور خود بچا
اس شکستہ ناؤ کے بندوں کی اب سُن لے پکار

دیکھ سکتا ہی نہیں میں ضعفِ دینِ مصطفےٰؐ
مجھ کو کر اے میرے سُلطاں کامیاب و کامگار

میرے زخموں پر لگا مرہم کہ میں رنجور ہوں
میری فریادوں کو سُن میں ہو گیا زار و نزار

ایک عالم مر گیا ہے تیرے پانی کے بغیر
پھیر دے اب میرے مولیٰ اِس طرف دریا کی دھار

کیوں عجب کرتے ہو گر میں آگیا ہو کر مسیح   خود مسیحائی کا دم بھرتی ہے یہ بادِ بہار

آسماں پر دعوتِ حق کے لیے اِک جوش ہے   ہو رہا ہے نیک طبعوں پر فرشتوں کا اُتار

آ رہا ہے اِس طرف احرارِ یورپ کا مزاج   نبض پھر چلنے لگی مُردوں کی ناگہ زندہ وار

کہتے ہیں تثلیث کو اب اہلِ دانش الوداع   پھر ہوئے ہیں چشمۂ توحید پر از جاں نثار

باغ میں مِلّت کے ہے کوئی گلِ رعنا کھلا   آئی ہے بادِ صبا گلزار سے مستانہ وار

آ رہی ہے اب تو خوشبو میرے یوسف کی مجھے   گو کہو دیوانہ مَیں کرتا ہوں اُس کا انتظار

اِسْمَعُوا صَوْتَ السَّمَاءِ جَاءَ الْمَسِیْح جَاءَ الْمَسِیْح   نیز بشنو از زمیں آمد امامِ کامگار

آسماں بارد نشاں الوقت می گوید زمیں   ایں دو شاہد از پئے من نعرہ زن چوں بیقرار

اِک زماں کے بعد اب آئی ہے یہ ٹھنڈی ہوا   پھر خدا جانے کہ کب آویں یہ دن اور یہ بہار

تِشنہ بیٹھے ہو کنارِ جوئے شیریں حیف ہے   سرزمینِ ہند میں جاری ہے نہرِ خوشگوار

شانِ اسلام

(منقول از آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۲۲۴ مطبوعہ ۱۸۹۳ء)

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے   کوئی دیں دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے

کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشاں دکھلائے   یہ ثمر باغِ محمدؐ سے ہی کھایا ہم نے

ہم نے اسلام کو خود تجربہ کرکے دیکھا   نور ہے نور اٹھو دیکھو سنایا ہم نے

اور دینوں کو جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا   کوئی دکھلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے

آزمائش کے لیے کوئی نہ آیا ہر چند   ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے

یونہی غفلت کے لحافوں میں پڑے سوتے ہیں   وہ نہیں جاگتے سو بار جگایا ہم نے

آؤ لوگو! کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے   لو تمہیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

آج اُن نوروں کا اِک زور ہے اِس عاجز میں   دل کو اِن نوروں کا ہر رنگ دلایا ہم نے

جب سے یہ نُور ملا نُورِ پیمبرؐ سے ہمیں
ذات سے حق کی وجود اپنا ملایا ہم نے

مصطفیٰؐ پر ترا بے حد ہو سلام اور رحمت
اُس سے یہ نُور لیا بارِ خدایا ہم نے

ربط ہے جانِ محمدؐ سے مری جاں کو مدام
دل کو وہ جام لبالب ہے پلایا ہم نے

اُس سے بہتر نظر آیا نہ کوئی عالَم میں
لاجرم غیروں سے دل اپنا چھڑایا ہم نے

موردِ قہر ہوئے آنکھ میں اغیار کی ہم
جب سے عشق اس کا تہِ دل میں بٹھایا ہم نے

زعم میں اُن کی مسیحائی کا دعویٰ میرا
افترا ہے جسے از خود ہی بنایا ہم نے

کافر و مُلحد و دجال ہمیں کہتے ہیں!
نام کیا کیا غمِ ملّت میں رکھایا ہم نے

گالیاں سُن کے دُعا دیتا ہوں ان لوگوں کو
رحم ہے جوش میں اور غیظ گھٹایا ہم نے

تیرے مُنہ کی ہی قسم میرے پیارے احمدؐ
تیری خاطر سے یہ سب بار اٹھایا ہم نے

تیری اُلفت سے ہے معمور مرا ہر ذرہ
اپنے سینہ میں یہ اک شہر بسایا ہم نے

صفِ دشمن کو کیا ہم نے بحجّت پامال
سیف کا کام قلم سے ہی دکھایا ہم نے

نور دِکھلا کے ترا سب کو کیا مُلزم و خوار
سب کا دِل آتشِ سوزاں میں جلایا ہم نے

نقشِ ہستی تری اُلفت سے مٹایا ہم نے
اپنا ہر ذرہ تری رہ میں اُڑایا ہم نے

تیرا مے خانہ جو اِک مرجعِ عالم دیکھا
خُم کا خُم منہ سے بصد حرص لگایا ہم نے

شانِ حق تیرے شمائل میں نظر آتی ہے
تیرے پانے سے ہی اُس ذات کو پایا ہم نے

چھو کے دامن ترا ہر دام سے ملتی ہے نجات
لاجرم در پہ ترے سر کو جھکایا ہم نے

دلبرا مجھ کو قسم ہے تری یکتائی کی
آپ کو تیری محبت میں بھلایا ہم نے

بخدا دل سے مرے مٹ گئے سب غیروں کے نقش
جب سے دل میں یہ ترا نقش جمایا ہم نے

ہم ہوئے خیرِ اُمم تجھ سے ہی اے خیرِ رُسل
تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے

اِنذارِ نذیر

(منقول از چشمۂ مسیحی سرورق مطبوعہ ۱۹۰۶ء)

دوستو جاگو کہ اب پھر زلزلہ آنے کو ہے
پھر خدا قدرت کو اپنی جلد دکھلانے کو ہے

آنکھ کے پانی سے یارو کچھ کرو اس کا علاج
آسماں اے غافلو اب آگ برسانے کو ہے

کیوں نہ آویں زلزلے تقویٰ کی رہ گم ہوگئی
اک مسلماں بھی مسلماں صرف کہلانے کو ہے

یا تو اِک عالَم تھا قرباں اُس پہ یا آئے یہ دن
ایک عبدالعبد بھی اس دیں کے جھٹلانے کو ہے

ہجُومِ مشکلات سے نجات حاصل کرنے کا طریق

(منقول از اخبار الفضل جلد ۱۵ نمبر ۵۵ مورخہ ۱۳ جنوری ۱۹۲۸ء)

اِک نہ اِک دن پیش ہوگا تو فنا کے سامنے
چل نہیں سکتی کسی کی کچھ قضا کے سامنے

چھوڑنی ہوگی تجھے دُنیائے فانی ایک دن
ہر کوئی مجبُور ہے حُکمِ خُدا کے سامنے

مستقل رہنا ہے لازم اے بشر تجھ کو سدا
رنج و غم، یاس و اَلم فکر و بلا کے سامنے

بارگاہِ ایزدی سے تُو نہ یوں مایوس ہو
مشکلیں کیا چیز ہیں مشکل کُشا کے سامنے

حاجتیں پوری کریں گے کیا تری عاجز بشر
کر بیاں سب حاجتیں حاجت روا کے سامنے

چاہیئے تجھ کو مٹانا قلب سے نقشِ دوئی
سر جھکا بس مالکِ ارض و سما کے سامنے

چاہیئے نفرت بدی سے اور نیکی سے پیار
ایک دن جانا ہے تجھ کو بھی خدا کے سامنے

راستی کے سامنے کب جھوٹ چلتا ہے بھلا
قدر کیا پتھر کی لعلِ بے بہا کے سامنے

الہامی اشعار

(منقول از ٹائیٹل پیج فتح اسلام مطبوعہ ۱۸۹۱ء)

کیا شک ہے ماننے میں تمہیں اس مسیح کے
جس کی مماثلت کو خدا نے بتا دیا

حاذق طبیب پاتے ہیں تم سے یہی خطاب
خوبوں کو بھی تم نے مسیحا بنا دیا

لعلِ بے بدل

(منقول از ازالہ اوہام حصہ دوم صفحہ ۶۹۵ مطبوعہ ۱۸۹۱ء)

جو ہمارا تھا وہ اب دلبر کا سارا ہو گیا
آج ہم دلبر کے اور دلبر ہمارا ہو گیا

شکر للہ مل گیا ہم کو وہ لعلِ بے بدل
کیا ہوا گر قوم کا دِل سنگ خارا ہو گیا

وفاتِ مسیح ناصری علیہ السلام

(منقول از ازالہ اوہام حصہ دوم ص۴۲۳ مطبوعہ ۱۸۹۱ء)

ابنِ مریمؑ مرگیا حق کی قسم — داخلِ جنت ہوا وہ محترم

مارتا ہے اُس کو فُرقاں سربسر — اُس کے مرجانے کی دیتا ہے خبر

وہ نہیں باہر رہا اموات سے — ہوگیا ثابت یہ تیس آیات سے

کوئی مردوں سے کبھی آیا نہیں — یہ تو فُرقاں نے بھی بتلایا نہیں

اے عزیزو! سوچ کر دیکھو ذرا — موت سے بچتا کوئی دیکھا بھلا؟

یہ تو رہنے کا نہیں پیارو مکاں — چل بسے سب انبیاء و راستاں

عقیدہ

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں — دل سے ہیں خدامِ ختم المرسلیں

شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں — خاکِ راہِ احمدِ مختار ہیں

سارے حکموں پر ہمیں ایمان ہے — جان و دل اس راہ پر قربان ہے

دے چکے دل اب تنِ خاکی رہا — ہے یہی خواہش کہ ہو وہ بھی فدا

تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب — کیوں نہیں لوگو تمہیں خوفِ عتاب

شانِ احمدؐ

(منقول از: فتح البلاغ صہ ۲۰ مطبوعہ ۱۹۰۲ء)

زندگی بخش جامِ احمدؐ ہے
کیا ہی پیارا یہ نامِ احمدؐ ہے

لاکھوں ہوں انبیاء مگر بخدا
سب سے بڑھ کر مقامِ احمدؐ ہے

باغِ احمدؐ سے ہم نے پھل کھایا
میرا بُستان کلامِ احمدؐ ہے

ابنِ مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلامِ احمدؐ ہے

(۲)

اسلام سے نہ بھاگو راہِ ہدیٰ یہی ہے
اے سونے والو جاگو شمس الضحیٰ یہی ہے

مجھ کو قسم خدا کی جس نے ہمیں بنایا
اب آسماں کے نیچے دینِ خُدا یہی ہے

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا
نام اس کا ہے محمدؐ دلبر میرا یہی ہے

سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر
لیک از خدائے برتر خیرالوریٰ یہی ہے

پہلوں سے خوب تر ہے خوبی میں اک قمر ہے
اُس پر ہر اک نظر ہے بدرالدجیٰ یہی ہے

وہ یار لامکانی وہ دلبرِ نہانی
دیکھا ہے ہم نے اس سے بس رہنما یہی ہے

وہ آج شاہِ دیں ہے وہ تاجِ مرسلیں ہے
وہ طیب وامیں ہے اُس کی ثنا یہی ہے

آنکھ اس کی دُوربیں ہے دل یار سے قریں ہے
ہاتھوں میں شمعِ دیں ہے عین الضیا یہی ہے

اس نور پہ فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں
وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

وہ دلبرِ یگانہ علموں کا ہے خزانہ
باقی ہے سب فسانہ سچ بے خطا یہی ہے

سب ہم نے اس سے پایا شاہد ہے تو خدایا
وہ جس نے حق دکھایا وہ مہ لقا یہی ہے

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
قرآں کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے
(منقول از قادیان کے آریہ اور ہم ص۵۴ مطبوعہ ۱۹۰۷ء)

فضائل قرآن مجید

(منقول از براہین احمدیہ حصہ سوم ص۱۸۳ مطبوعہ ۱۸۸۲ء)

جمال و حسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

نظیر اس کی نہیں جمتی نظر میں فکر کر دیکھا
بھلا کیونکر نہ ہو یکتا کلامِ پاک رحماں ہے

بہارِ جاوداں پیدا ہے اُس کی ہر عبارت میں
نہ وہ خوبی چمن میں ہے نہ اس سا کوئی بستاں ہے

کلامِ پاک یزداں کا کوئی ثانی نہیں ہرگز
اگر لولوئے عماں ہے وگر لعلِ بدخشاں ہے

بنا سکتا نہیں اک پاؤں کیڑے کا بشر ہرگز
تو پھر کیونکر بنانا نورِ حق کا اس پہ آساں ہے

خدا کے قول سے قولِ بشر کیونکر برابر ہو
وہاں قدرت یہاں درماندگی فرق نمایاں ہے

اوصاف قرآنِ کریم

(منقول از براہین احمدیہ حصہ سوم ص۲۷۴ مطبوعہ ۱۸۸۲ء)

نور فرقاں ہے جو سب نوروں سے اجلیٰ نکلا
پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا

حق کی توحید کا مُرجھا ہی چلا تھا پودا
ناگہاں غیب سے یہ چشمۂ اصفیٰ نکلا

یا الٰہی ترا فرقاں ہے کہ اک عالم ہے
جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا

سب جہاں چھان چکے ساری دکانیں دیکھیں
مئے عرفاں کا یہی ایک ہی شیشہ نکلا

کس سے اُس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ
وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نکلا

پہلے سمجھے تھے کہ موسیٰ کا عصا ہے فرقاں
پھر جو سوچا تو ہر اک لفظ مسیحا نکلا

ہے قصور اپنی ہی آنکھوں کا وگرنہ وہ نور
ایسا چمکا ہے کہ صد نیّرِ بیضا نکلا

قربِ الٰہی کا راستہ

(منقول از ضمیمہ تریاق القلوب نمبر ۵ مطبوعہ ۱۹۰۲ء)

کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولا سے گندوں کو
کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو

وہی اُس کے مقرب ہیں جو اپنا آپ کھوتے ہیں
نہیں رہ اُس کی عالی بارگہ تک خود پسندوں کو

یہی تدبیر ہے پیارو کہ مانگو اُس سے قربت کو
اُسی کے ہاتھ کو ڈھونڈو جلا دو سب کمندوں کو

ایک زلزلہ عظیمہ کی پیشگوئی

(اشتہار الندا من وحی السماء مطبوعہ اخبار بدر مئی ۱۹۰۵ء)

سونے والو! جلد جاگو یہ نہ وقتِ خواب ہے
جو خبر دی وحیِ حق نے اُس سے دل بیتاب ہے

زلزلہ سے دیکھتا ہوں میں زمین زیر و زبر
وقت اب نزدیک ہے آیا کھڑا سیلاب ہے

ہے سرِ رہ پر کھڑا نیکوں کی وہ مولیٰ کریم
نیک کو کچھ غم نہیں ہے گو بڑا گرداب ہے

کوئی کشتی اب بچا سکتی نہیں اس سیل سے
حیلے سب جاتے رہے اک حضرتِ توّاب ہے

ارشاداتِ عالیہ

کلامِ محمود

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد المصلح الموعود

کا دل آویز و شیریں کلام

انتخاب از کلام محمود

یہ میرا خدا ہے، یہ میرا خدا ہے

مری رات دن بس یہی اِک صدا ہے
کہ اس عالم کون کا اک خدا ہے

اسی نے پیدا کیا اس جہاں کو
ستاروں کو سورج کو اور آسماں کو

وہ ہے ایک اُس کا نہیں کوئی ہمسر
وہ مالک ہے سب کا وہ حاکم ہے سب پر

نہ ہے باپ اُس کا نہ ہے کوئی بیٹا
ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا

نہیں اُس کو حاجت کوئی بیویوں کی
ضرورت نہیں اس کو کچھ ساتھیوں کی

ہر اک چیز پر اُس کو قدرت ہے حاصل
ہر اک کام کی اس کو طاقت ہے حاصل

پہاڑوں کو اس نے ہی اُونچا کیا ہے
سمندر کو اُس نے ہی پانی دیا ہے

یہ دریا جو چاروں طرف بہہ رہے ہیں
اُسی نے تو قدرت سے پیدا کئے ہیں

سمندر کی مچھلی، ہوا کے پرندے
گھریلو چرندے، بنوں کے درندے

سبھوں کو وہی رزق پہنچا رہا ہے
ہر اک اپنے مطلب کی شے کھا رہا ہے

ہر اک شے کو روزی وہ دیتا ہے ہر دم
خزانے کبھی اس کے ہوتے نہیں کم

وہ زندہ ہے اور زندگی بخشتا ہے
وہ قائم ہے ہر ایک کا آسرا ہے

کوئی شے نظر سے نہیں اُس کے مخفی
بڑی سے بڑی ہو کہ چھوٹی سے چھوٹی

دلوں کی چھپی بات بھی جانتا ہے
بُروں اور نیکوں کو پہچانتا ہے

وہ دیتا ہے بندوں کو اپنے ہدایت
دکھاتا ہے ہاتھوں پہ اُن کے کرامت

ہے فریاد مظلوم کی سننے والا
صداقت کا کرتا ہے وہ بول بالا

گناہوں کو بخشش سے ہے ڈھانپ دیتا
غریبوں کو رحمت سے ہے تھام لیتا

یہی رات دن اب تو میری صدا ہے
یہ میرا خدا ہے، یہ میرا خدا ہے

نعت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

محمد پر ہماری جان فدا ہے
کہ وہ کوئے صنم کا رہنما ہے

مرا دل اس نے روشن کر دیا ہے
اندھیرے گھر کا میرے وہ دیا ہے

مرا ہر ذرہ ہو قربانِ احمدؐ
مرے دل کا یہی اک مدعا ہے

اُسی کے عشق میں نکلے مری جاں
کہ یادِ یار میں بھی اک مزا ہے

مجھے اس بات پر ہے فخر محمودؔ
میرا معشوق محبوبِ خدا ہے

محمدؐ جو ہمارا پیشوا ہے
محمدؐ جو کہ محبوبِ خدا ہے

ہو اُس کے نام پر قربان سب کچھ
کہ وہ شاہنشہِ ہر دوسرا ہے

اُسی سے میرا دل پاتا ہے تسکیں
وہی آرام میری روح کا ہے

خدا کو اس سے مل کر ہم نے پایا
وہی اک راہ دین کا رہنما ہے

محمدؐ عربی کی ہو آل میں برکت

محمدؐ عربی کی ہو آل میں برکت
ہو اس کے حسن میں برکت جمال میں برکت

ہو اس کی قدر میں برکت کمال میں برکت
ہو اُس کی شان میں برکت جلال میں برکت

حلال کھا کہ ہے رزق حلال میں برکت
زکوٰۃ دے کہ بڑھے تیرے مال میں برکت

ہر ایک کام کو تو سوچ اور بچار کے کرکے
ہمیشہ پائے گا اس دیکھ بھال میں برکت

خدا کی راہ میں دے جس قدر بھی ممکن ہو
کہ اُس کے فضل سے ہو تیرے مال میں برکت

ہے عیش و عشرتِ دنیا تو ایک فانی شے
خدا کرے کہ ہو تیرے مآل میں برکت

نہ چپ رہو کہ خموشی دلیل نخوت ہے
دُعائیں مانگو کہ ہے عرضِ حال میں برکت

رہِ سداد نہ تفریط ہے نہ ہے افراط
خدا نے رکھی ہے بس اعتدال میں برکت

وہ دل میں روئیں ہیں سما جائے عشقِ خالقِ حسن
ظہور جس کے کرے بال بال میں برکت

چڑھے تو نام نہ لے ڈوبنے کا پھر وہ کبھی
کچھ ایسی ہو مرے یوم الوصال میں برکت

دُعائے حصولِ قرآں

ایمان مجھ کو دیدے عرفان مجھ کو دیدے
قربان جاؤں تیرے قرآن مجھ کو دیدے

دل پاک کر دے میرا آلائشِ جہاں سے
سُبّوحیت سے حصّہ سبحان مجھ کو دیدے

ہم کو تری رفاقت حاصل رہے ہمیشہ
ایسا نہ ہو کہ دھوکہ شیطان مجھ کو دیدے

وہ دل مجھے عطا کر جو ہو نثارِ جاناں
جو ہو فدائے دلبر وہ جان مجھ کو دیدے

جن پر پڑیں فرشتوں کی رشک سے نگاہیں
اے میرے محسن ایسے انسان مجھ کو دیدے

دجّال کی بڑائی کو خاک میں ملا دوں
قوت مجھے عطا کر سلطان مجھ کو دیدے

ہو جائیں جس سے ڈھیلی سب فلسفہ کی چولیں
میرے حکیم ایسا بُرہان مجھ کو دیدے

خطاب بہ مُسلم

اللہ کے پیاروں کو تم کیسے بُرا سمجھے
خاک ایسی سمجھ پہ ہے سمجھے بھی تو کیا سمجھے

شاگرد نے جو پایا اُستاد کی دولت ہے
احمدؐ کو محمدؐ سے تم کیسے جدا سمجھے

جو چال چلے ٹیڑھی، جو بات کہے اُلٹی
بیماری اگر آئی تم اس کو دوا سمجھے

لعنت کو پکڑ بیٹھے انعام سمجھ کر تم
حق نے جو ردا بھیجی تم اس کو ردی سمجھے

کیوں قعرِ مذلت میں گرتے نہ چلے جاتے
تم بوم کے سائے کو جب ظلِ ہما سمجھے

انصاف کی کیا اس سے اُمید کرے کوئی
بیداد کو جو ظالم آئینِ وفا سمجھے

غفلت تری اے مُسلم کب تک چلی جائے گی
یا فرض کو تو سمجھے یا تجھ کو خدا سمجھے

نونہالانِ جماعت سے خطاب

نونہالانِ جماعت مجھے کچھ کہنا ہے
پر یہ ہے شرط کہ ضائع مرا پیغام نہ ہو

چاہتا ہوں کہ کروں چند نصائح تم کو
تا کہ پھر بعد میں مجھ پر کوئی الزام نہ ہو

جب گزر جائیں گے ہم تم پہ پڑے گا سب بار
سستیاں ترک کرو طالبِ آرام نہ ہو

خدمتِ دین کو اِک فضلِ الٰہی جانو
اس کے بدلے میں کبھی طالبِ انعام نہ ہو

دل میں ہو سوز تو آنکھوں سے رواں ہوں آنسو
تم میں اسلام کا ہو مغز فقط نام نہ ہو

رغبتِ دل سے ہو پابند نماز و روزہ
نظر انداز کوئی حصہ احکام نہ ہو

حُسن اس کا نہیں کھلتا تمہیں یہ یاد رہے
دوشِ مُسلم پہ اگر چادرِ احرام نہ ہو

عادتِ ذکر بھی ڈالو کہ یہ ممکن ہی نہیں
دل میں ہو عشقِ صنم لب پہ مگر نام نہ ہو

عقل کو دین پہ حاکم نہ بناؤ ہرگز
یہ تو خود اندھی ہے گر نیّرِ الہام نہ ہو

تم مدبر ہو کہ جرنیل ہو یا عالم ہو
ہم نہ خوش ہوں گے کبھی تم میں گر اسلام نہ ہو

بھولیو مت کہ نزاکت ہے نصیبِ نسواں
مرد وہ ہے جو جفاکش ہو گل اندام نہ ہو

یاد رکھنا کہ وہ عزت نہیں پاتا ہرگز
یار کی راہ میں جب تک کوئی بدنام نہ ہو

کام مشکل ہے بہت منزلِ مقصود ہے دور
اے مرے اہلِ وفا سست کبھی گام نہ ہو

حشر کے روز نہ کرنا ہمیں رسوا و خراب
پیارو آموختۂ درسِ وفا خام نہ ہو

ہم تو جس طرح بنے کام کئے جاتے ہیں
آپ کے وقت میں یہ سلسلہ بدنام نہ ہو

میری تو حق میں تمہارے یہ دعا ہے پیارو
سر پہ اللہ کا سایہ رہے ناکام نہ ہو

ظلمتِ رنج و غم و درد سے محفوظ رہو
مہرِ انوار درخشندہ رہے شام نہ ہو

تعریف کے قابل ہیں یارب ترے دیوانے

تعریف کے قابل ہیں یارب ترے دیوانے
آباد ہوئے جن سے دنیا کے یہ ویرانے

کب پیٹ کے دھندوں سے مسلم کو بھلا فرصت
ہے دین کی کیا حالت یہ اُس کی بلا جانے

جو جلنے کی باتیں تھیں اُن کو بھلایا ہے
جب پوچھیں سبب کیا ہے کہتے ہیں خدا جانے

سرمستی سے خالی ہے دل عشق سے عاری ہے
بیکار گئے ان کے سب ساغر و پیمانے

خاموشی سی طاری ہے مجلس کی فضاؤں پر
فانوس ہی اندھا ہے یا اندھے ہیں پروانے

فرزانوں نے دنیا کے شہروں کو اجاڑا ہے
آباد کریں گے اب دیوانے یہ ویرانے

ہوتی نہ اگر روشن وہ شمعِ رخِ انور
کیوں جمع یہاں ہوتے سب دنیا کے پروانے

ہے ساعتِ سعد آئی اسلام کی جنگوں کی
آغاز تو میں کر دوں انجام خدا جانے

دُعائیہ اشعار

بڑھتی رہے خدا کی محبت خدا کرے
حاصل ہو تم کو دید کی لذت خدا کرے

توحید کی ہو لب پہ شہادت خدا کرے
ایمان کی ہو دل میں حلاوت خدا کرے

حاکم رہے دلوں پہ شریعت خدا کرے
حاصل ہو مصطفےٰؐ کی رفاقت خدا کرے

مِل جائیں تم کو زہد و امانت خدا کرے
مشہور ہو تمہاری دیانت خدا کرے

مِل جائے تم کو دین کی دولت خدا کرے
چمکے فلک پہ تارہ قسمت خدا کرے

ٹل جائے جو بھی آئے مصیبت خُدا کرے
پہنچے نہ تم کو کوئی اذیت خدا کرے

منظور ہو تمہاری اطاعت خدا کرے
مقبول ہو تمہاری عبادت خدا کرے

سُن لے ندائے حق کو یہ اُمت خدا کرے
پکڑے بزور دامن مِلت خدا کرے

سُننے لگے وہ بات تمہاری بذوق و شوق
دُنیا کے دل سے دور ہو نفرت خدا کرے

پھیلاؤ سب جہاں میں قول رسولؐ کو
حاصل ہو شرق و غرب میں سطوت خدا کرے

پایاب ہو تمہارے لئے بحر معرفت
کُھل جائے تم پہ رازِ حقیقت خدا کرے

تبلیغِ دین و نشرِ ہدایت کے کام پر
مائل رہے تمہاری طبیعت خدا کرے

سو سو حجاب میں بھی نظر آئے اُس کی شان
تم کو عطا ہو ایسی بصیرت خدا کرے

ہر گام پہ فرشتوں کا لشکر ہو ساتھ ساتھ
ہر ملک میں تمہاری حفاظت خدا کرے

بطحٰی کی وادیوں سے جو نکلا تھا آفتاب
بڑھتا رہے وہ نورِ نبوت خدا کرے

قائم ہو پھر سے حکمِ محمدؐ جہاں میں
ضائع نہ ہو تمہاری یہ محنت خدا کرے

تم ہو خدا کے ساتھ خدا ہو تمہارے ساتھ
ہوں تم سے ایسے وقت میں رخصت خدا کرے

اِک وقت آئے گا کہ کہیں گے تمام لوگ
مِلت کے اس فدائی پہ رحمت خدا کرے

مناجات بدرگاہِ قاضی الحاجات

اپنے کرم سے بخش دے میرے خدا مجھے
بیمارِ عشق ہوں ترا دے تو شفا مجھے

جب تک کہ دم میں دم ہے اسی دین پر رہوں
اسلام پر ہی آئے جب آئے قضا مجھے

بے کس نواز ذات ہے تیری ہی اے خدا
آتا نہیں نظر کوئی تیرے سوا مجھے

ہاں ہاں نگاہِ رحم ذرا اس طرف بھی ہو
بحرِ گنہ میں ڈوب رہا ہوں بچا مجھے

سجدہ کناں ہوں در پہ ترے میں اے خدا
اٹھوں گا جب اٹھائے گی یاں سے قضا مجھے

ڈوبا ہوں بحرِ عشقِ الٰہی میں شادؔ میں
کیا دے گا خاک فائدہ آبِ بقا مجھے

ملتِ احمدؐ کے ہمدردوں میں غم خواروں میں ہوں
بیوفاؤں میں نہیں ہوں میں وفاداروں میں ہوں

فخر ہے مجھ کو کہ میں ہوں خدمتِ سرکار میں
ناز ہے مجھ کو کہ اُس کے ناز برداروں میں ہوں

سر میں ہے جوشِ جنوں دل میں بھرا ہے نورِ علم
میں نہ دیوانوں میں شامل ہوں نہ ہشیاروں میں ہوں

شاہدوں کی کیا ضرورت ہے کسے انکار ہے
میں تو خود کہتا ہوں مولا میں گنہگاروں میں ہوں

ہو رہا ہوں مست دیدِ چشمِ مستِ یار میں
لوگ یہ سمجھے ہوئے بیٹھے ہیں میخواروں میں ہوں

جانتا ہے کس پہ تیرا وار پڑتا ہے عدو
کیا تجھے معلوم ہے کس کے جگر پاروں میں ہوں

ساری دنیا چھوڑ دے پر میں نہ چھوڑوں گا تجھے
درد کہتا ہے کہ میں تیرے وفاداروں میں ہوں

گو مرا دل مخزنِ تیرِ نگاہِ یار ہے
پر یہ کیا کم ہے کہ اُس کے تیر برداروں میں ہوں

تلقینِ عمل

عہد شکنی نہ کرو اہلِ وفا ہو جاؤ
اہلِ شیطاں نہ بنو اہلِ خدا ہو جاؤ

گرتے پڑتے درِ مولیٰ پہ رسا ہو جاؤ
اور پروانے کی مانند فِدا ہو جاؤ

جو ہیں خالق سے خفا اُن سے خفا ہو جاؤ
جو ہیں اُس در سے جُدا اُن سے جُدا ہو جاؤ

حق کے پیاسوں کے لئے آبِ بقا ہو جاؤ
خشک کھیتوں کے لیے کالی گھٹا ہو جاؤ

غنچۂ دیں کے لئے بادِ صبا ہو جاؤ
کفر و بدعت کے لیے دستِ قضا ہو جاؤ

سُرخرو رُوبروئے داورِ محشر جاؤ
کاش تم حشر کے دن عہدہ برآ ہو جاؤ

بادشاہی کی تمنا نہ کرو ہرگز تم
کوچۂ یارِ یگانہ کے گدا ہو جاؤ

بحرِ عرفان میں تم غوطے لگاؤ ہر دم
بانیٔ کعبہ کی تم کاش دُعا ہو جاؤ

وصلِ مولا کے جو بھوکے ہیں انہیں سیر کرو
وہ کرو کام کہ تم خوانِ ہُدیٰ ہو جاؤ

قطب کا کام دو تم ظلمت و تاریکی میں
بھولے بھٹکوں کے لیے راہ نما ہو جاؤ

پنبۂ مرہمِ کافور ہو تم زخموں پر
دلِ بیمار کے درمان و دوا ہو جاؤ

طالبانِ رُخِ جاناں کو دکھاؤ دلبر
عاشقوں کے لئے تم قبلہ نما ہو جاؤ

امرِ معروف کو تعویذ بناؤ جاں کا
بے کسوں کے لیے تم عقدہ کشا ہو جاؤ

دمِ عیسیٰ سے بھی بڑھ کر ہو دعاؤں میں اثر
یدِ بیضا بنو موسیٰؑ کا عصا ہو جاؤ

راہِ مولا میں جو مرتے ہیں وہی جیتے ہیں
موت کے آنے سے پہلے ہی فنا ہو جاؤ

مُوردِ فضل و کرم، وارثِ ایمان و ہدیٰ
عاشقِ احمد و محبوبِ خدا ہو جاؤ

جنسِ وفا کا پیمانہ

دشمن کو ظلم کی برچھی سے تم سینہ و دل برمانے دو
یہ درد رہے گا بن کے دوا تم صبر کرو وقت آنے دو
یہ عشق و وفا کے کھیت کبھی خوں سینچے بغیر نہ پنپیں گے
اس راہ میں جان کی کیا پروا ہے جاتی ہے تو جانے دو
تم دیکھو گے کہ انہی میں سے قطراتِ محبت ٹپکیں گے
بادل آفات و مصائب کے چھاتے ہیں اگر تو چھانے دو
صادق ہے اگر تو صِدق دکھا قربانی کر ہر خواہش کی
ہیں جنسِ وفا کے ماپنے کے دُنیا میں یہی پیمانے دو
جب سونا آگ میں پڑتا ہے تو کُندن بن کے نکلتا ہے
پھر گالیوں سے کیوں ڈرتے ہو دل جلتے ہیں جل جانے دو
عاقل کا یہاں پر کام نہیں وہ لاکھوں بھی بے فائدہ ہیں
مقصود مِرا پورا ہو اگر مِل جائیں مجھے دیوانے دو
وہ اپنا سر ہی پھوڑے گا وہ اپنا خون ہی پیئے گا
دشمن حق کے پہاڑ سے گر ٹکراتا ہے ٹکرانے دو
یہ زخم تمہارے سینوں کے بن جائیں گے رشکِ چمن اِس دن
ہے قادرِ مطلق یار مرا۔ تم میرے یار کو آنے دو
جو سچے مومن بن جاتے ہیں موت بھی ان سے ڈرتی ہے
تم سچے مومن بن جاؤ اور خوف کو پاس نہ آنے دو

یا صدق محمد عربی ہے یا احمد ہندی کی ہے وفا
باقی تو پرانے قصے ہیں زندہ ہیں یہی افسانے دو

وہ تم کو حسینی بناتے ہیں اور آپ یزیدی بنتے ہیں
یہ کیا ہی سستا سودا ہے دشمن کو تیر چلانے دو

میخانہ وہی ساقی بھی وہی پھر اس میں کہاں غیرت کا محل
ہے دشمن خود بھینگا جس کو کہتے ہیں نظر خمخانے دو

محمود اگر منزل ہے کٹھن تو راہ نما بھی کامل ہے
تم اس پہ توکل کرکے چلو۔ آفات کا خیال ہی جانے دو

کلامِ طاہر

حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابعؒ

کا دل آویز و شیریں کلام

انتخاب از کلامِ طاہر

غزل آپ کے لیے

گلشن میں پھول۔ باغوں میں پھل آپ کے لئے
میری بھی آرزو ہے۔ اجازت ملے تو میں
مژگاں بنیں حکایتِ دل کے لئے قلم
ان آنسوؤں کو جڑوں پہ گرنے کا اِذن ہو
دل آپ کا ہے۔ آپ کی جان۔ آپ کا بدن
میں آپ ہی کا ہوں۔ وہ مری زندگی نہیں
اب حسرتیں بسی ہیں وہاں۔ آرزوؤں نے
گو آ رہی ہے میرے ہی گیتوں کی بازگشت
گرہیں تمام کھل گئیں جز آرزوئے وصل
کل آنے کا جو وعدہ تھا۔ آ کر تو دیکھئے
ہر لمحۂ فراق ہے عمرِ دراز غم
آ جائیے کہ سکھیاں یہ مل مل کے گائیں گیت
ہم جیسوں کے بھی دید کے سامان ہو گئے

جھیلوں پہ کھل رہے ہیں کنول آپ کے لئے
اشکوں سے اِک پروئی غزل آپ کے لئے
ہو روشنائی۔ آنکھوں کا جل آپ کے لئے
آنکھوں میں جو رہے ہیں محل آپ کے لئے
غم بھی لگا ہے جان گسل آپ کے لئے
جس زندگی کے آج نہ کل آپ کے لئے
خوابوں میں جو بنائے محل آپ کے لئے
نغمہ سرا ہیں دشت و جبل آپ کے لئے
رکھ چھوڑا ہے اس عقدے کا حل آپ کے لئے
تڑپا تھا کوئی کس طرح کل آپ کے لئے
گزرا نہ چین سے کوئی پل آپ کے لئے
موسم گئے ہیں کتنے بدل آپ کے لئے
ظاہر ہوا تھا حسنِ ازل آپ کے لئے
صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

مرا نالہ اُس کے قدموں کے غبار تک تو پہنچے

کبھی اذن ہو تو عاشق درِ یار تک تو پہنچے
یہ ذرا سی اک نگارش ہے نگار تک تو پہنچے

دلِ بے قرار قابو سے نکل چکا ہے یارب
یہ نگاہ رکھ کہ پاگل سرِ دار تک تو پہنچے

جو گلاب کے کٹوروں میں شرابِ ناب بھر دے
وہ نسیم آہ پھولوں کے نکھار تک تو پہنچے

کچھ عجب نہیں کہ کانٹوں کو بھی پھول پھل عطا ہوں
مری چاہ کی حلاوت رگِ خار تک تو پہنچے

یہ محبتوں کا لشکر جو کرے کا فتح خیبر
ذرا تیرے بغض و نفرت کے حصار تک تو پہنچے

مجھے تیری ہی قسم ہے کہ دوبارہ جی اٹھوں گا
ترا نفخِ روح میرے دلِ زار تک تو پہنچے

جو نہیں شمار اُن میں تو غراب پر شکستہ
ترے پاک صاف بندوں کی قطار تک تو پہنچے

تری بے حساب بخشش کی گلی گلی ندا دوں
یہ نوید تیرے جا کر گنہگار تک تو پہنچے

یہ شجر خزاں رسیدہ ہے مجھے عزیز یارب
یہ اک اور وصلِ تازہ کی بہار تک تو پہنچے

جنہیں اپنی جبلِ جاں میں نہ ملا سراغ تیرا
وہ خود اپنی ہی انا کے بتِ نار تک تو پہنچے

کسے فکرِ عاقبت ہے انہیں بس یہی بہت ہے
کہ رہینِ مرگ "داتا" کے مزار تک تو پہنچے

ہے عوام کے گناہوں کا بھی بوجھ اس پہ بھاری
یہ خبر کسی طریقے سے حمار تک تو پہنچے

یہ خبر ہے گرم یارب کہ سوار خواہد آمد
کروں نقد جاں نچھاور مرے سوار تک تو پہنچے

وہ جوان برق پا ہے، وہ جمیل و دلربا ہے
مرا نالہ اُس کے قدموں کے غبار تک تو پہنچے

آ رہے ہیں مری بگڑی کے بنانے والے

اے مجھے اپنا پرستار بنانے والے
جوت اِک پریت کی ہر دل میں جگانے والے

سرمدی پریم کی آشاؤں کو دھیرے دھیرے
مدھ بھرے سُر میں مدھر گیت سُنانے والے

اے محبّت کے امر دیپ جلانے والے
پیار کرنے کی مجھے ریت سکھانے والے

غمِ فُرقت میں کبھی اتنا رُلانے والے
کبھی دِلداری کے جھُولوں میں جھُلانے والے

دیکھ کر دِل کو نِکلتا ہوا ہاتھوں سے کبھی
رَس بھری لوریاں دے دے کے سُلانے والے

کیا ادا ہے مِرے خالق مِرے مالک، مرے گھر
چھُپ کے چوروں کی طرح رات کو آنے والے

راہگیروں کے بسیروں میں ٹھکانا کر کے
بے ٹھکانوں کو بنا ڈالا ٹھکانے والے

مُجھ سے بڑھ کر مِری بخشش کے بہانوں کی تلاش
کِس نے دیکھے تھے کبھی ایسے بہانے والے

تُو تو ایسا نہیں محبوب کوئی اور ہوں گے
وہ جو کہلاتے ہیں دِل توڑ کے جانے والے

تُو تو ہر بار سرِ رَہ سے پلٹ آتا ہے
دِل میں ہر سمت سے پَل پَل مِرے آنے والے

مُجھ سے بھی تُو کبھی کہہ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً
رُوح بیتاب ہے رُوحوں کو بُلانے والے

اِس طرف بھی ہو کبھی۔ کاشفِ اسرار۔ نِگاہ
ہم بھی ہیں ایک تمنّا کے چھُپانے والے

لے مِرے دَرد کو سینے میں بَسانے والے
اپنی پلکوں پہ مِرے اشک سَجانے والے

خاک آلُودہ، پراگندہ، زبُوں حالوں کو
کھینچ کر قدموں سے زانُو پہ بٹھانے والے

میں کہاں اور کہاں حرفِ شِکایت آقا
ہاں یُونہی ہَول سے اُٹھتے ہیں ستانے والے

ہو اجازت تو ترے پاؤں پہ سَر رکھ کے کہوں
کیا ہوئے دِن تیری غیرت کے دِکھانے والے

یہ نہ ہو روتے ہی رہ جائیں ترے دَر کے فقیر
اور ہنس ہنس کے رَوانہ ہوں رُلانے والے

ہم نہ ہوں گے تو ہمیں کیا؟ کوئی کل کیا دیکھے
آج دکھلا جو دکھانا ہے دکھانے والے

وقت ہے وقتِ مسیحا، نہ کسی اور کا وقت
کون ہیں یہ تری تحریر مٹانے والے

چھین لے اِن سے زمانے کی عناں، مالکِ وقت
بنے پھرتے ہیں، کم اوقات، زمانے والے

چشمِ گردوں نے کبھی پھر نہیں دیکھے وہ لوگ
آئے پہلے بھی تو تھے آ کے نہ جانے والے

سُن رہا ہوں قدمِ مالکِ تقدیر کی چاپ
آ رہے ہیں مری بگڑی کے بنانے والے

کرو تیاری! بس اب آئی تمھاری باری
یوں ہی ایام پھرا کرتے ہیں باری باری
ہم نے تو صبر و توکّل سے گزاری باری
ہاں مگر تم پہ بہت ہوگی یہ بھاری باری

الفضل کے صد سالہ جشنِ تشکر نمبر کے لیے

ہم آن ملیں گے متوالو۔ بس دیر ہے کل یا پرسوں کی
تُم دیکھو گے تو آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ دید کے ترسوں کی

ہم آمنے سامنے بیٹھیں گے۔ تو فرطِ طرب سے دونوں کی
آنکھیں ساون برسائیں گی۔ اور پیاس بجھے گی برسوں کی

تُم دُور دُور کے دیسوں سے جب قافلہ قافلہ آؤ گے
تو میرے دل کے کھیتوں میں پھولیں گی فصلیں سرسوں کی

یہ عشق و وفا کے کھیت رضا کے خوشوں سے لد جائیں گے
موسم بدلیں گے۔ رُت آئے گی ساجن۔ پیار کے دَرسوں کی

مرے بھولے بھالے حبیب مجھے۔ لکھ لکھ کر کیا سمجھاتے ہیں
کیا ایک انہی کو دکھ دیتی ہے۔ جدائی لمبے عرصوں کی؟

یہ بات نہیں وعدوں کے لمبے لیکھوں کی۔ تم دیکھو گے
ہم آئیں گے۔ جھوٹی نکلے گی۔ لاف خدا ناترسوں کی

دُور ہو گی کُلفت عرصوں کی
اور پیاس بجھے گی برسوں کی
ہم گیت ملن کے گائیں گے
پھولیں گی فصلیں سرسوں کی

حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد (اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو)

وقت

اٹھے بے وقت ہم ہوئے بیدار　　جا چکا وقت جب ہوئے بیدار
وقت گم ہو گیا تو ہوش آیا　　کیسا بے وقت دل میں جوش آیا
وقت کو مفت کھو دیا ہم نے　　اپنے ہاتھوں ڈبو دیا ہم نے
اے عزیزو سنو نصیحت یہ　　وقت کرتا ہے خود وصیت یہ

اپنے اوقات کے رہو پابند
ہے زمانے کی سود مند یہ پند

گلہ تیرا مرے منہ سے غضب ایسا نہیں ممکن
ترے حق میں برا کیونکر کہے میری زباں ہو کر

کسی پر کاش شیدا ہی نہ ہوتے
تو دل پر داغ پیدا ہی نہ ہوتے

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد (اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو)

ہائے وہ سر جو رہِ یار میں قربان نہ ہو
وائے وہ سینہ کہ جو عشق میں بریاں نہ ہو

ہاتھ گر کام میں ہو دل میں ہو ربِّ ارباب
کوئی مشکل نہیں دنیا میں کہ آساں نہ ہو

نسلِ آدم ہے تو ابلیس کے پیچھے مت جا
بندۂ رحمان کا بن بندۂ شیطاں نہ ہو

ہوں گنہگار وَ لے ہوں تو ترا ہی بندہ
مجھ سے ناراض ترے صدقے مری جان نہ ہو

یاس اک زہر ہے بچ اس سے بشیرِ عاصی
فضل ہو جائے گا اللہ کا پریشان نہ ہو

حسن اپنا ہی نظر آیا تو کیا آیا نظر
غیر کا حسن بھی دیکھے وہ نظر پیدا کر

چشمِ احباب میں گر تو نے جگہ پائی تو کیا
حسن و احساں سے دلِ خصم میں گھر پیدا کر

یہ زر و مال تو دُنیا میں ہی رہ جائیں گے
حشر کے روز جو کام آئے وہ زر پیدا کر

احمدی! اگر تجھے بننا ہے صحابہؓ کا مثیل
دست و بازو۔ وہ دل وہ سر وہ جگر پیدا کر

پھر وہی نالہ، وہی نیم شبی ان کی دُعا
پھر وہی گریہ، وہی دیدۂ تر پیدا کر

سخت مشکل ہے کہ اس چال سے منزل ہو کٹے
ہاں اگر ہو سکے پرواز کے پَر پیدا کر

حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد (اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو)

اے خدا مجھ کو تو دُنیا میں مزا آتا نہیں
اس جہاں کا کوئی بھی منظر مجھے بھاتا نہیں

کفر منزل اوج کی طے کر رہا ہے رات دن
تجھ سے اے اسلام کیوں آگے بڑھا جاتا نہیں

گو مسلمانوں نے چھوڑا احمدی تیار ہے
خدمتِ دیں میں وہ مرنے سے بھی گھبراتا نہیں

عہد کرتے ہیں کہ ہم ہر چیز سے تیار ہیں
ظلم اب اسلام پر ہم سے سہا جاتا نہیں

جان و دل حاضر ہیں تیری راہ میں پر اے خدا
بے مدد ان نیم جانوں سے لڑا جاتا نہیں

اے مسلمانو! اُٹھو غفلت کو اپنی چھوڑ دو
کیا تمہیں اسلام پر بھی رحم کچھ آتا نہیں

چاہتے ہو تم اگر اسلام پھر پھُولے پھلے
چھوڑ دو وہ راگ جس کو آسماں گاتا نہیں

صاحبزادہ مرزا خلیل احمد

باغ احمد کا آبیار گیا
احمدیت کا شہسوار گیا

تھا کرامت قلم زبان اعجاز
علم و حکمت کا آبشار گیا

تھا ازل سے یہی مقدر میں
یار کے پاس اُس کا یار گیا

رحمت حق تھا حق کے پاس گیا
بامراد آیا کامگار گیا

اک جنازے پہ اتنا جم غفیر
اک گیا ہے کہ اک ہزار گیا

وہ جو تھا باعثِ سکینت جان
چھوڑ کر ہم کو سوگوار گیا

صاحبزادہ مرزا حنیف احمد صاحب

دل اُس کو بھول تو جائے مگر مرے ہمراز
جبیں لے کے کہاں جائیں سجدہ ہائے نیاز

کہاں کا شکوہ کسے باعثِ عتاب کہیں
کہ جذبہ ہائے فزوں بن گئے مرے غماز

ترے نثار کہ اب تیرے جانثاروں میں
نہ شوقِ لالہ و گل ہے نہ عشق زلف دراز

تری نگاہ کرم گر نہیں تو کچھ بھی نہیں
حیاتِ زہد و دواع کاروبارِ ورد و نماز

ستم کشانِ درمیکدہ سے ہو نہ سکی
ہجوم رنج و بلا میں دعائے عمر دراز

حضرت صاحبزادہ مرزا رفیع احمد

دولت نہیں ہے پاس یہ دامن تہی نہیں
شکرِ خدا غنی ہوں، اگرچہ غنی نہیں

صد شکر و صد سپاس خداوندِ کردگار
از فضلِ ایزدی مجھے کوئی کمی نہیں

آ دیکھ بندگانِ خدا کی کرامتیں
در وا ہے فیضِ عام ہے لب پر نفی نہیں

کس در پہ جاؤں گا میں در یار چھوڑ کر
اس کے سوا جہاں میں مرا تو کوئی نہیں

کس میں ہے تابِ ضبط کہوں کس سے سرگزشت
ان سے کہوں گا اور کسی سے کبھی نہیں

لاکھوں قصور ہیں پہ مری جانِ جاں سنو
ہو غیر پہ نظر یہ خدا یہ کبھی نہیں

کیوں پھر نہ بابِ رحمتِ عالی کھلا رہے
سختی سہی نہیں کہ اٹھائی کڑی نہیں

سجدہ میں جو نہیں وہ مسلماں کا سر نہیں
اس کی نہیں وہ آنکھ کہ جس میں نمی نہیں

دونوں جہان پا لئے عشقِ رسولؐ میں
سچ بات ہے یہ لاف کوئی سرسری نہیں

فیضان اُس کی مہرِ نبوت کا بند ہو
یہ بات قدسیوں سے تو ہم نے سنی نہیں

چھوٹا ہے دامن شہ کونینؐ ہاتھ سے
چہروں پہ ان کے نورِ سماوی تبھی نہیں

اُمت پر کر نبی کی ترحم کی اِک نظر
کچھ نیک بھی ہیں ان میں بُرے تو سبھی نہیں

رغبت مری ہے خالقِ خوبان دہر سے
مخلوق کی ادا کوئی دل میں بچی نہیں

تر دامنی پہ مجھ کو ندامت نہ کر ندیم
کیا دیکھتا تو آنکھ میں میری نمی نہیں

رفعت رفیعؔ نہ پائے تو پائے گا اور کون
مطلوب بندگی ہے جسے سروری نہیں

دُرِّ عدن

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا پُرتاثیر کلام

(انتخاب از دُرِّ عدن)

مناجات بدرگاہ رب العزت

نہ روک راہ میں مولا شتاب جانے دے
کھلا تو ہے تری جنت کا باب جانے دے

مجھے تو دامنِ رحمت میں ڈھانپ لے یونہی
حساب مجھ سے نہ لے بے حساب جانے دے

سوال مجھ سے نہ کر اے مرے سمیع و بصیر
جواب مانگ نہ اے لاجواب جانے دے

مرے گنہ تری بخشش سے بڑھ نہیں سکتے
ترے نثار حساب و کتاب جانے دے

بلا قریب کہ یہ "خاک" پاک ہو جائے
نہ کر یہاں مری مٹی خراب جانے دے

تجھے قسم ترے ستار نام کی یا رب
بروزِ محشر سوال و جواب جانے دے

رفیق جاں مرے یار وفا شعار مرے
یہ آج پردہ دری کیسی پردہ دار مرے

طبقۂ نسواں پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات

رکھ پیشِ نظر وہ وقت بہن! جب زندہ گاڑی جاتی تھی
گھر کی دیواریں روتی تھیں جب دُنیا میں تو آتی تھی

جب باپ کی جھوٹی عزت کا خوں جوش میں آنے لگتا تھا
جس طرح جنا ہے سانپ کوئی یوں ماں تیری گھبراتی تھی

یہ خونِ جگر سے پلنے والے تیرا خون بہاتے تھے
جو نفرت تیری ذات سے تھی فطرت پہ غالب آتی تھی

کیا تیری قدر و قیمت تھی، کچھ سوچ! تری کیا عزت تھی
تھا موت سے بدتر وہ جینا قسمت سے اگر بچ جاتی تھی

عورت ہونا تھی سخت خطا تھے تجھ پر سارے جبر روا
یہ جرم نہ بخشا جاتا تھا تا عمر سزائیں پاتی تھی

گویا تو کنکر پتھر تھی، احساس نہ تھا جذبات نہ تھے
تو بن وہ اپنی یاد تو کر ترکہ میں بانٹی جاتی تھی

وہ رحمت عالمؐ آتا ہے تیرا حامی ہو جاتا ہے
تو بھی انسان کہلاتی ہے سب حق تیرے دلواتا ہے

بھیج درود اُس محسن پر تو دن میں سو سو بار
پاک محمد مصطفٰے نبیوں کا سردار
صلِ علیٰ محمد

طالبِ منتظر

ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم کی ایک نظم کے جواب میں جس کا مطلع یہ ہے ؎
کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں
حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے یہ نظم کہی تھی۔

مجھے دیکھ طالبِ منتظر مجھے دیکھ شکلِ مجاز میں
جو خلوص دل کی رمق بھی ہے ترے ادعائے نیاز میں

ترے دل میں میرا ظہور ہے ترا دل ہی خود سرِ طور ہے
تری آنکھ میں مرا نور ہے مجھے کون کہتا ہے دور ہے

مجھے دیکھتا جو نہیں ہے تو یہ تری نظر کا قصور ہے
مجھے دیکھ طالبِ منتظر مجھے دیکھ شکلِ مجاز میں

کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں تری جبین نیاز میں

مجھے دیکھ رفعتِ کوہ میں، مجھے دیکھ پستی کاہ میں
مجھے دیکھ عجزِ فقیر میں مجھے دیکھ شوکتِ شاہ میں
نہ دکھائی دوں تو یہ فکر کر کہیں فرق ہو نہ نگاہ میں

مجھے دیکھ طالبِ منتظر مجھے دیکھ شکلِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں تری جبینِ نیاز میں

مجھے دیکھ دل کی تڑپ میں تو مجھے دیکھ روئے نگار میں
کبھی بلبلوں کی صدائیں سُن کبھی دیکھ گل کے نکھار میں
مری ایک شان خزاں میں ہے مری ایک شان بہار میں

مجھے دیکھ طالبِ منتظر مجھے دیکھ شکلِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں تری جبینِ نیاز میں

مرا نور شکلِ ہلال میں مرا حُسن بدرِ کمال میں
کبھی دیکھ طرزِ جمال میں کبھی دیکھ شانِ جلال میں
رگِ جاں سے ہوں میں قریب تر ترا دل ہے کس کے خیال میں

مجھے دیکھ طالبِ منتظر مجھے دیکھ شکلِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں تری جبینِ نیاز میں

صاحبزادی امۃ القدوس بیگم صاحبہ

دختر صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب

نالۂ عندلیب

آج پھر شعلہ بداماں ہے فضائے گلشن
بلبلیں نوحہ کناں ہیں کہ چمن جلتا ہے
آج ہر سمت نظر آتا ہے آہوں کا دھواں
جانے کس آگ میں پھر میرا وطن جلتا ہے

باغباں کیسے ہیں یہ جن کو خبر تک نہ ہوئی
کہ چمن والوں کا صیاد نے کیا حال کیا
جنہیں گلشن کی سیاست کا بھی کچھ علم نہ تھا
ایسے معصوم شگوفوں کو بھی پامال کیا

ہم تو جس طرح بنے صبر کئے جاتے ہیں
"جب نہیں ہوتا بندہ تو خدا ہوتا ہے"
اُس کی خاطر جو بُرے لفظ بھی سہ جاتے ہیں
اُن پہ اپنے کرم و لطف کے در کھولتا ہے

کیسی تنظیم گلستاں ہے اسے کیا کہیے
دیکھتے ہیں جسے تضحیک سے ویرانے بھی
باغبانوں سے شگوفوں کی حفاظت نہ ہوئی
آشیاں جل گئے لوٹے گئے کاشانے بھی

اتنے پھولوں کو مسل کے بھی نہ دل شاد ہوئے
اتنی جانوں کا لہو پی کے بھی سیری نہ ہوئی
ہم کہ گرمی دھوپ سے بچنے کو یہاں آئے تھے
اپنے حق میں تو یہ چھاؤں بھی گھنیری نہ ہوئی

امتحاں آتے ہی رہتے ہیں رہِ الفت میں
جذبۂ شوق کو جو اور ہوا دیتے ہیں
اور پھر حسن کی اک چشمِ کرم کے جلوے
ہر کٹھن وقت کو، ہر غم کو بھلا دیتے ہیں

میرے امروز کو فردا یہ دکھایا کس نے
پیار کے نغمے میں ڈوبی یہ نوا کیسی ہے
آج پھر کس نے پکارا ہے محبت سے مجھے
بے مکانی میں یہ دستک کی صدا کیسی ہے

یہ وہی ذات ہے جو ہم پہ ہے سایہ افگن
وہی ہستی جو مصیبت سے بچا لیتی ہے
جس نے ہر حال میں یوں اپنی حفاظت کی ہے
جیسے ماں گود میں بچے کو چھپا لیتی ہے

قطعہ

ہو نغمہ سرا بھلا کیسے عندلیبِ چمن
کہ اس کے نغموں پہ زاغ و زغن کے پہرے ہیں
گلوں میں رنگ ہے باقی نہ باس پھولوں میں
خلوصِ دل پہ یہاں مکر و فن کے پہرے ہیں

آہ اے مادرِ وطن

اے وطن تیری قسمت کہاں کھو گئی
تیری تقدیر منھ ڈھانپ کر سو گئی
کاش کوئی تو آ کر جگائے اسے
سوچتی ہوں یہی کیا یہی دیس ہے
کیا اسی کے لئے اتنی جانیں گئیں
خون کی ندیاں بہیں
عصمتیں لُٹ گئیں، عزتیں مٹ گئیں
کیا یہی دیس ہے
آج اس دیس میں عصمتیں، عزتیں، دولتیں، ثروتیں
دین و مذہب کی تقدیس اور عظمتیں
کچھ بھی محفوظ ہے؟ یاں زباں پر عقائد کے پہرے لگیں

دشمنوں کے مظالم کا کیا تذکرہ
زخم اپنے کے ہاتھوں بھی گہرے لگیں

اے وطن میرے اجیالے پیارے وطن
تیرے کھیتوں کی خوش رنگ ہریالیاں
تیری فصلوں کی یہ جھومتی بالیاں
تیرے دریاؤں میں گو روانی بھی ہے — صاف وشفاف گو ان کا پانی بھی ہے
تیرے کہسار ہیں سربلند و حسین — جگمگاتی تری وادیوں کی زمیں
تیرے اپنے سپوتوں نے ہی اے وطن — ان کے چہروں پہ کیسی سیاہی ملی
دلکشی تیری سب خاک میں مل گئی — تیری آغوش میں جو پلے اور بڑھے
تیرے دشمن بنے تیرے درپے ہوئے — وہی تو ہیں جن کی کرامات سے اور عنایات سے
تیرے سینے کے ناسور بڑھتے رہے
تیرے چہرے کے بھی داغ بڑھتے رہے
اور یہ عیش پر عیش کرتے رہے — یا پھر آپس میں لڑتے جھگڑتے رہے
کھوکھلے نعرے اِن کا وطیرہ رہا — اور ترا صحن تاریک و تیرہ رہا
درد کس کو ترا فکر کس کو تری — منتشر کارواں ہے بے عمل رہبری
کون اُن سے کہے، کون ہے جو سُنے — اونچی اونچی عمارات بھی
کچھ نہیں لمبے چوڑے خطابات بھی کچھ نہیں
عظمت قوم ہے حُسنِ کردار سے — حُسنِ اخلاق سے حُسنِ گفتار سے
صرف اسلام کے نام سے فائدہ — کچھ عمل بھی تو ہو
سوکھی شاخوں سے پتوں سے حاصل ہے کیا
کوئی پھل بھی تو ہو

دورِ اوّل

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب

ولادت : ۲۸ جولائی ۱۸۸۱ء   وفات : ۱۸ جولائی ۱۹۴۷ء

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب عجیب و غریب قابلیتوں اور حیرت انگیز صلاحیتوں کے مالک تھے۔ وہ اگرچہ ہر لحاظ سے ایک ممتاز حیثیت اور ایک بلند شخصیت رکھتے تھے۔ لیکن انہوں نے کبھی اپنے آپ کو بڑا آدمی نہ سمجھا اور نہایت فروتنی اور بڑی خاکساری کے ساتھ اپنی زندگی گزاری۔ ان کی صورت فرشتوں جیسی اور اُن کی سیرت ولیوں جیسی تھی۔ وہ نہایت منکسر المزاج، نہایت ملنسار، نہایت خوش گفتار، نہایت بذلہ سنج اور نہایت خوش اخلاق انسان تھے۔ جو شخص ایک مرتبہ اُن سے مل لیتا تھا وہ ہمیشہ اُن کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ اُن کی باتوں میں ایسی مٹھاس اور ان کے کلام میں ایسی شیرینی تھی کہ دل بے اختیار ان کی طرف کھنچے چلے جاتے تھے۔ وہ اپنے اعلیٰ اوصاف اور اپنی بہترین عادات کے لحاظ سے سلف صالحین کا ایک بہت ہی دلکش نمونہ تھے۔ ہمدردی خلائق اور بہبودی اخوان ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ نیکی اور شرافت احسان و مروت کا وہ ایک مجسمہ تھے۔ عقل و دانش اور فہم و فراست میں وہ اس حدیث نبوی کے مصداق تھے۔ اتقوا فراست المومن فانہ ینظر بنور اللہ۔ ان کے پاس بیٹھنے اور اُن کے پُر حکمت کلمات سننے سے جو روحانی سرور حاصل ہوتا تھا اُس کی کیفیت الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتی۔ اُن کا انداز بیان نہایت دلچسپ اور اُن کی گفتگو نہایت پُر لطف ہوتی تھی۔ پارسائی اور پرہیز گاری ان کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ زہد و اتقا کی روشن کرنیں اُن کے حسین چہرہ سے پھوٹ پھوٹ کر نکلتی تھیں۔ اور ان کی شفاف پیشانی سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود کا نقشہ پیش کرتی تھی۔ طبیعت نہایت سادہ پائی تھی۔

اور غرور و تکبر، فخر و تبختر ان میں نام کو بھی نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُلفت اور قرآن کریم کی محبت اُن کی رگ رگ میں جاری تھی وہ جس والہانہ طور سے حضور علیہ السلام کا ذکر کیا کرتے تھے اور جس خوبی اور عمدگی کے ساتھ قرآن حکیم کے معارف و نکات بیان کرتے تھے انہیں سن کر دل چاہتا تھا کہ یہ سلسلہ تقریر کبھی ختم نہ ہو۔ وہ جہاں ذاتی کیرکٹر کے لحاظ سے عجیب انسان تھے وہیں بلند پایہ انشاء پرداز، فصیح البیان مقرر، شگفتہ رقم مصنف، قادر الکلام شاعر اور نہایت صوفی منش بزرگ تھے۔ ان محامد کے ساتھ وہ اپنے فن میں تمام پنجاب میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ نہایت حاذق ڈاکٹر اور نہایت ماہر سرجن تھے۔ بالخصوص آنکھوں کے آپریشن میں ان کا کوئی بھی عدیل وقسیم نہ تھا۔ وہ جب تک جئے اپنے اعلیٰ اخلاق، اپنے وسیع علم اور اپنے فنی تجربہ سے خلق خدا کو فیض پہنچاتے رہے۔

حضرت میر صاحب نے ۱۹۰۳ء سے شعر کہنے شروع کئے اور آخر وقت تک کچھ نہ کچھ کہتے رہے۔ چالیس (۴۴) برس کے اس طویل عرصہ میں آپ نے بہت تھوڑی نظمیں کہیں۔ مگر جو کچھ کہا بالعموم دین کی تائید، احمدیت کی حمایت، اسلامی قدروں کی اشاعت، اصحاب جماعت کو نصیحت، بچوں کی تربیت، نوجوانوں کی اصلاح۔ اخلاق و موعظت کی تبلیغ اور پند و نصائح کی ترویج کے لئے کہا۔ اُن کی نظمیں خدا، رسول اور حضرت مسیح موعودؑ کے عشق و محبت میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ ان کا ناصحانہ اور صوفیانہ کلام بجید دل نشین اور موثر ہوتا تھا اور جب وہ سلسلہ کے اخبارات میں چھپتا تھا تو احمدی احباب نہایت ذوق و شوق سے پڑھتے تھے۔ حضرت میر صاحب کے پرکیف کلام کی مقبولیت اور شہرت کو دیکھ کر شیخ محمد اسماعیل پانی پتی مرحوم نے جو آپ کے ہم نام تھے "بخارِ دل" کے نام سے آپ کے کلام کا مجموعہ ۱۹۲۸ء میں پانی پت سے شائع کیا جس میں بعض ابتدائی نظموں کو چھوڑ کر اس وقت تک کا کلام جمع تھا۔ بعد میں حضرت میر صاحب نے اور بہت سی نظمیں کہیں جو احمدی اخباروں میں مسلسل چھپتی رہیں۔

حضرت میر صاحب کو شعر گوئی کا شوق بچپن سے تھا اور یہ شوق ان کو ورثہ میں ملا تھا۔ اُن کے والد حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ بہت خوشگوار شاعر اور شمس العلماء مولانا حالیؔ پانی پتی

کے شاگرد تھے۔ ان کی نظموں کے کئی مجموعے چھپے ہوئے موجود ہیں چنانچہ باپ سے یہ شوق بیٹے میں منتقل ہوا۔ چنانچہ انہوں نے بڑے ہو کر ایسی بے نظیر نظمیں لکھیں جو احمدیہ لٹریچر میں ہمیشہ زندہ رہیں گی۔

بچپن میں حضرت میر صاحب نے اپنا تخلص آشنا رکھا تھا اور یہی تخلص وہ اس وقت اپنی نظموں میں استعمال کرتے تھے مگر بڑے ہو کر آپ نے یہ تخلص ترک کر دیا اور بغیر تخلص ہی کے شعر کہتے اور نظمیں لکھتے رہے۔ حضرت میر صاحب کے مزاج میں چونکہ خوش طبعی اور مزاح اور مذاق شروع سے تھا۔ اس لئے لڑکپن اور جوانی میں آپ نے شوقیہ جو کچھ کہا وہ مزاحیہ رنگ میں کہا۔ چنانچہ بخار دل حصہ دوم کی تاریخ طبع یوں نکالی ؎

صابر، شاکر، اکمل، گوہر — کہ ع کے ہیں سب یہ سخنور

ان کے آگے میرا نغمہ — گھر کی مرغی دال برابر

۱۹۴۵ء

شاعری کے متعلق میر صاحب یوں اظہار خیال فرماتے ہیں۔

"شعر کی تعریف اس سے زیادہ نہیں کہ وہ با وزن ہو۔ اس کے الفاظ عمدہ اور مضمون لطیف ہو۔ میرے بزرگوں کو چونکہ شاعری سے مناسبت تھی اس لیے مجھ میں بھی کچھ حصہ اس ذوق کا فطری طور سے آیا ہے مگر اس طرح کہ دس دس، بارہ بارہ سال کے عرصہ میں ایک شعر بھی نہیں کہتا پھر کچھ کہہ لیتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ میرے شعر مطلب کے حامل ہوتے ہیں نہ کہ الفاظ کے۔ میں ایک مضمون ذہن میں رکھ کر شعر کہتا ہوں اور الفاظ اس مضمون کے پابند ہوتے ہیں نہ کہ مضمون الفاظ کا۔ اس لئے بجائے تغزل کے یہ اشعار نظم کی صورت رکھتے ہیں اور بجائے آمد کے ہمیشہ آورد کا رنگ ان میں ہوتا ہے۔ میرا استاد کوئی نہیں نہ تخلص ہے۔ شروع (یعنی ۱۹۰۳ء) میں جب یہ شوق پیدا ہوا تو چند دفعہ "آشنا" کا تخلص استعمال کیا پھر ترک کر دیا اور ہمیشہ بے تخلص ہی کے گزارہ کیا۔ میرے کلام میں بیشتر اشعار بسبب مذہبی ماحول

اور دینی تربیت کے متصوفانہ رنگ کے ہیں اور سلسلہ احمدیہ کے مقاصد سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں کبھی کسی کا عمدہ مصرعہ یا شعر یا کسی غیر زبان کا لفظ اپنے شعر میں پیوند کر لینے سے نہیں ہچکچاتا۔ تاہم سرقہ نہیں کرتا۔ بہت زیادہ حصہ ان نظموں کا ایسا ہے جو دراصل اپنے لئے لکھی گئی ہیں نہ کہ اوروں کے لئے۔ میری دُعا ہے کہ خدا تعالیٰ ان اشعار کو ہمارے بچوں اور نوجوانوں کے لیے بھی مفید بنائے۔"

حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) نے جس خالص مذہبی اور روحانی شاعری کی بنیاد ڈالی تھی اور جس کے متعلق خود اللہ تعالےٰ نے شہادت دی کہ وہ شاعری ایسی بے نظیر اور منفرد شاعری ہے جس میں حضور کے ہم عصر شعراء یا دیگر شعراء کو کوئی دخل نہیں اور نہ وہ اس قسم کی شاعری پر دسترس پا سکیں گے جیسا کہ فرمایا:

درکلام تو چیزے است کہ شعراء را دراں دخلے نیست

اس خالص مذہبی اور روحانی شاعری کے زنگارنگ نمونے ہمیں حضرت میر محمد اسمٰعیل کے کلام میں جابجا ملتے ہیں۔ حال ہی میں آپ کے کلام کا ایک مکمل ایڈیشن محترم شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی نے بڑے اہتمام کے ساتھ لاہور سے شائع کیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ جس حربہ کو حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) نے اعلائے کلمہ حق اور اشاعت و ابلاغ دین کے لئے موزوں خیال فرما کر استعمال فرمایا تھا اس کی افادیت اور اہمیت کے پیش نظر دیگر شعرائے احمدیت نے بھی اُس کے استعمال کو جاری رکھا بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ اُس کی دھار کو اور تیز کیا اور اُسے اتنا صیقل کیا کہ مخالفوں کی نگاہیں اس کی آب و تاب سے خیرہ ہو گئیں۔

حضرت میر صاحب نے حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کے تتبع میں بڑے ہی اچھوتے اور مخلصانہ انداز میں وارداتِ قلبی کے بیان کے ساتھ ہی ساتھ پند و نصائح کو شعری جامہ پہنا کر تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر کا فریضہ با حسن وجوہ انجام دیا ہے۔ آپ کی اس تصنیف لطیف کا نام "بخارِ دل" ہے لیکن مجھے اس بات کے اظہار میں پس و پیش نہ کرنا چاہیے کہ اس کتاب کا نچوڑ "بخارِ دل" نامی نظم میں آگیا ہے اور شاید نظم کی اسی اہمیت اور افادیت کے

پیشِ نظر پوری کتاب کا یہی نام رکھنا مناسب خیال کیا گیا۔ اس مہتم بالشان نظم کی تمہید میں خود حضرت میر صاحب نے مندرجہ ذیل سطور قلم بند فرمائیں۔

"یہ نظم شعر و شاعری کے رنگ میں نہیں لکھی گئی بلکہ واقعی بخارِ دل ہے جیسا کہ اس کا نام ظاہر کرتا ہے۔ اس نظم کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ احباب کو اللہ تعالےٰ سے تعلق پیدا کرنے اور پھر اس تعلق کو قائم رکھنے کی طرف توجہ پیدا ہو۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس نظم میں استعارہ کے طور پر جو بعض الفاظ آئے ہیں ان کو استعارہ ہی سمجھا جائے مؤلف کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات والاصفات کو نعوذ باللہ محدود یا مخلوق کی طرح مجسّم خیال کرتا ہے۔ بلکہ بعض الفاظ محض استعارہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں تاکہ بیان کرنے والے کا ایک قسم کا مفہوم ادا ہو جائے یا بعض الفاظ جوشِ محبت میں ادا کئے جاتے ہیں۔ دوسرے مقام پر وہ جائز نہیں ہوتے پس موقعہ اور محل کے لحاظ سے معانی لینے کا خیال رکھنا چاہیئے۔"

اس والہانہ، عارفانہ اور مخلصانہ نظم میں حضرت میر صاحب نے بسط و کشاد کی منزلوں کا بڑا تفصیلی جائزہ لیا ہے اور بڑے ہی گہرے اور مخلصانہ جذبات کو صاف سادہ اور سلیس انداز میں روانی کے ساتھ بیان کرنے کا انوکھا تجربہ کیا ہے جو حقیقتاً اردو شاعری میں ایک نئی چیز ہے۔ یہ قلب کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے حقیقی جذبات ہیں جو دامنِ قرطاس میں مانندِ گوہر بکھیر دیئے گئے ہیں۔ ایک سچے عاشقِ خدا پر راہِ سلوک میں جو حادثات پیش آتے ہیں ان کا بے ساختہ اظہار ہے اس میں فلسفیانہ موشگافیوں کی جگہ حقیقی وارداتِ قلبی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ بغرض یہ نظم عشقِ الٰہی کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے جس کی لہریں روح میں اہتزاز اور قلبِ سلیم میں گداز پیدا کرتی اور محبتِ الٰہی میں غرق ہو جانے کی دعوت دیتی ہیں۔ قبولِ عام اور بقائے دوام اللہ تعالےٰ کی بڑی نعمتیں ہیں جو اللہ تعالےٰ ہر زمانہ میں اپنے مخلص بندوں کو عطا فرماتا رہا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ "بخارِ دل" نظم کے ذریعہ اللہ تعالےٰ نے میر صاحب کو بھی وہی نعمت عطا فرمائی ہے اور جب تک جماعت احمدیہ دنیا میں قائم ہے (اور ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ جماعت تا قیام

قیامت قائم رہنے کے لئے وجود میں لائی گئی ہے) حضرت میر صاحب کی یہ نظم مومنین کے قلوب سے محو نہیں ہوسکتی۔ یہ ایک صدقہ جاریہ ہے جو میر صاحب نے اپنے پیچھے چھوڑا ہے۔ جو شخص بھی اس اچھوتی نظم کو پڑھے گا اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے دل میں جوش مارنے لگے گی اور ذرا سی توجہ اور قوت ارادی سے وہ سلوک کی اُن منازل پر گامزن ہونے کی ایک تڑپ اور لگن اپنے اندر پائے گا جس کا راستہ حضرت میر صاحب نے ہمیں اپنی پیاری اور عرفانِ الٰہی میں ڈوبی ہوئی نظم میں بتایا ہے۔ اسی طرح حضرت میر صاحب کی وہ نعت بھی جس کا عنوان ہے "علیك الصلوٰۃ وعلیك السلام" شہرت عام حاصل کرچکی ہے اور مقبولیت کے لحاظ سے اپنا جواب نہیں رکھتی اور انشاءاللہ اس نعتیہ کلام "سلام بحضور سیدالانام" کے ذریعہ شہرت عام اور بقائے دوام کا جو تاج آپ کے کی زینت بنایا گیا ہے وہ تاقیام قیامت جگمگاتا رہے گا اور اپنی آب وتاب سے دشمنانِ رسولؐ کی نظروں کو خیرہ اور محبانِ رسولؐ کے قلوب کو روشن کرتا رہے گا۔

حضرت میر صاحب کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ آپ کی ایک نظم سفر یورپ پر روانگی کے موقعہ پر ۱۲ جولائی ۱۹۲۴ء کو جبکہ مسجد اقصیٰ میں ایک کثیر مجمع کے ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو) اور آپ کے رفقاء سفر کا فوٹو لیا گیا حضور کے روبرو پڑھ کر سنائی گئی اور ۱۰ جولائی ۱۹۲۴ء کے الفضل میں شائع ہوئی۔ اس نظم میں حضرت میر صاحب نے حضور کے سفر یورپ پر روانگی کے سلسلہ میں تمام جماعت کے جذبات کی ترجمانی کی ہے اور دعا کی ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت صاحب کو کامیاب وکامران قادیان واپس لائے۔ پھر جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا سفر یورپ سے نہایت کامیابی کے ساتھ واپس تشریف لائے تو بعد نماز عصر ایک عظیم الشان مجمع کی موجودگی میں مسجد اقصیٰ کے اندر اہل قادیان کی طرف سے حضور کی خدمت میں ایک ایڈریس پیش کیا گیا۔ اس موقع پر بھی ایڈریس پیش ہونے سے قبل سید عبدالغفور صاحب ابن میر مہدی حسن صاحب نے حضرت میر صاحب کی ایک دوسری نظم جو اسی موقعہ کے لئے لکھی گئی تھی نہایت خوش الحانی سے پڑھ کر سنائی۔ جس کو سن کر تمام حاضرین کے دلوں میں انبساط واہتزاز کی ایک لہر دوڑ گئی۔ یہ نظم

۲۵ نومبر ۱۹۲۴ء کے الفضل میں شائع ہوئی۔

میر صاحب ایک ہمہ دان اور ہمہ گیر قسم کی طبیعت کے مالک تھے۔ آپ کی شخصیت بڑی ہی جاذب قلوب اور پہلو دار تھی۔ آپ ایک حاذق طبیب اور ماہر سرجن تھے۔ اور اس نعمتِ خداوندی سے آپ نے بھرپور فائدہ اٹھا کر حقوق العباد کی ادائیگی کا ایک اہم فریضہ ادا کرنے کی قابلِ رشک توفیق پائی اور خدمت خلق کے کسی موقعہ کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ دوسری طرف دیکھا جائے تو آپ ایک عارف باللہ اور فنا فی اللہ انسان کی صورت میں ہمارے سامنے جلوہ گر ہوتے ہیں ایک ایسے عاشقِ صادق کے روپ میں جو منازل سلوک طے کرتا ہوا اور مصائب و آلام کی وادیوں سے بخشندہ پیشانی گزرتا ہوا منزلِ مقصود کی طرف رواں دواں بڑھتا چلا جا رہا ہے۔

ایک بلند پایہ انشاء پرداز، ایک فصیح البیان مقرر، مایہ ناز ادیب اور استادانہ مہارت رکھنے والے قادر الکلام شاعر تھے۔ جس طرح طبی میدان میں اپنی فنی مہارت سے ایک پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے مخلوقِ خدا کو بھرپور فائدہ پہنچایا۔ اُسی طرح ادبی میدان میں بھی آپ نے اپنی موزونیت طبع اور شعری صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر لاکھوں دلوں میں عشقِ الٰہی کی جوت جگا دی اور گلہائے رنگا رنگ سے گلزارِ معرفت میں ایسے خیابان تیار کئے کہ چشم نظارہ کو جن کی دید سے طراوت اور قلوبِ مومنین کو جن کے مشاہدہ سے بشارت و حرارت نصیب ہوتی ہے۔ آپ نے اپنی شاعری کی ابتداء بائیس سال کی عمر یعنی ۱۹۰۳ء میں کی اور چالیس سال کے طویل دور میں آپ نے کسی موقعہ کو نظر انداز نہیں کیا بلکہ ہر مناسب موقعہ پر اپنے پاکیزہ خیالات اور قلبی جذبات کا اظہار کیا ہے آپ کی قادر کلامی از ابتداء تا انتہا اپنے جوہر دکھاتی رہی۔

اقتباس از بخارِ دل

وصل

یاد ایام کو تم جلوہ دکھا دیتے تھے — پردۂ زلفِ دوتا رُخ سے ہٹا دیتے تھے
آپ آجاتے تھے یا ہم کو بلا لیتے تھے — یا لبِ بام ہی دیدار کرا دیتے تھے

دن بہت گزرے نہیں جب کہ تھا آنا جانا — حاضری آپ کی ہم صبح و مسا دیتے تھے

روٹھ جاتے جو کبھی جان کے ہم تم سے ذرا — گدگدی کر کے معاً آپ ہنسا دیتے تھے

نکتہ گیری تھی گلے نکتہ نوازی گلا سے — دونوں اوصاف عجب مل کے مزا دیتے تھے

غفلتوں اور گناہوں کی عمارت ہر روز — ہم بناتے تھے مگر آپ گرا دیتے تھے

ہاتھ خالی نہ پھرے در سے کبھی آپ کے ہم — رَبَّنا رَبَّنا کہہ کر جو صدا دیتے تھے

یہ تو عادت تھی قدیم آپ کی اے ابرِ کرم — مانگتے جتنا تھے ہم اس سے سوا دیتے تھے

گر بھڑک اُٹھتی کبھی آتشِ عصیاں اپنی — آپ رحمت سے لگی آگ بجھا دیتے تھے

رہنمائی کو مری فوج ملائک آتی — نفس و شیطاں اگر راہ بھُلا دیتے تھے

قطرۂ اشک کے بدلے مئے جامِ اُلفت — دل کیا کہے کہ کیا لیتے تھے کیا دیتے تھے

مکتبِ عشق سے جب درس وفا دیتے تم — وعدۂ قالوا بلیٰ یاد کرا دیتے تھے

دیکھ کر ترچھی نگاہوں سے مری حالت زار — حوصلہ ہم سے غریبوں کا بڑھا دیتے تھے

نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

جلوۂ حق دکھا دیا تو نے — کفر یکسر مٹا دیا تو نے

تیرے قرباں اے نبی عرب — سیدھا رستہ بتا دیا تو نے

راہِ حق میں پڑے تھے جو پتھر — اُن کو آکر ہٹا دیا تو نے

خواب غفلت میں سونے والوں کو — اُٹھ کے آخر جگا دیا تو نے

وحشیوں کو عرب کے اے ہادی — آکے انسان بنا دیا تو نے

پوچھے جاتے تھے جو نہ دنیا میں — اُن کو سلطان بنا دیا تو نے

دین و دُنیا کی بادشاہت کا — کیسا سکہ جما دیا تو نے

قوم کو لطف و مہر سے شاہا — وعظ اپنا سُنا دیا تو نے

تو نے ہر وقت رحم کو برتا ــــ کرم اپنا دکھا دیا تو نے
قوم نے سختیاں جو پہنچائیں ــــ کر کے نرمی ہرا دیا تو نے
سرکشانِ عرب کو اے آقاؐ ــــ خاک و خوں میں ملا دیا تو نے
دشمنوں کے سبھی قصوروں کو ــــ فتح پا کر بھلا دیا تو نے
کفر و باطل نہ ٹھہرے میداں میں ــــ حق کا ڈنکا بجا دیا تو نے
اے نبی تجھ پہ ہو صلوٰۃ و سلام ــــ رازِ تقویٰ بتا دیا تو نے

نعتیہ غزل

محمدؐ مصطفٰےؐ نورٌ علیٰ نور ــــ محمد مجتبٰےؐ نورٌ علیٰ نور
حبیبِ کبریا نورٌ علیٰ نور ــــ امام الاصفیاء نورٌ علیٰ نور
ہمارا مقتدا نورٌ علیٰ نور ــــ ہمارا رہنما نورٌ علیٰ نور
بشر پیدا کیا کیسا خدا نے ــــ جو ہے سرتاپا نورٌ علیٰ نور
کیا عالم کو روشن اُس نے کیسا ــــ منور کر دیا نورٌ علیٰ نور
بلایا حق سے بندوں کو ملایا ــــ دیا پردہ اُٹھا نورٌ علیٰ نور
ظہور حق سے باطل دُور بھاگا ــــ محمدؐ آ گیا نورٌ علیٰ نور
رُخِ پر نورِ احمدؐ کی چمک سے ــــ زمانہ ہو گیا نورٌ علیٰ نور
اُٹھا فاران سے یہ نُور ایسا ــــ جہاں سارا ہوا نورٌ علیٰ نور
نہ پہچانے اسے آنکھوں کے اندھے ــــ وہ ہے نامِ خدا نورٌ علیٰ نور
محمدؐ تجھ پہ رحمت ہو خدا کی ــــ تو ہے نورِ خدا نورٌ علیٰ نور

پڑھو صلوات سب مل کر عزیزو
وہ ہے صلِّ علیٰ نورٌ علیٰ نور

نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

محمد مصطفےٰ ہے مجتبیٰ ہے
محمد مہ لقا ہے دل رُبا ہے

محمد جامع حسن و شمائل
محمد محسن ارض و سما ہے

کمالاتِ نبوت کا خزانہ
اگر پوچھو تو ختم الانبیاء ہے

شریعت اُس کی کاملِ اور مدلل
غذا ہے اور دوا ہے اور شفا ہے

مبارک ہے یہ آنحضرتؐ کی اُمّت
کہ عالم اس کا مثلِ انبیاء ہے

وہ سنگ گوشہ قصر رسالت
یہی تورات نے اس کو لکھا ہے

گرا جس پر ہوا وہ چورا چورا
گرا اس پر جو ٹکڑے ہوا ہے

کہا ہے یہ مسیح ناصری نے
نزول اس کا نزول کبریا ہے

محمد نیّر راہِ ہدیٰ ہے
محمد شافع روز جزا ہے

محمد فخر شانِ آدمیت
محمد مظہر ذاتِ خدا ہے

محمد باعثِ تکوینِ عالم
جسے لولاک خالق نے کہا ہے

محمد مالک مُہر نبوت
"نبی گر" اس لئے کہنا روا ہے

محمد پیکر عصمت سراسر
کہ ہر بات اُس کی وحی بے خطا ہے

محمد قاب قوسینِ محبت
شفیع وصل انسان و خدا ہے

محمد رحمۃٌ للعالمیں ہے
عدو تک جس کے احسان سے دبا ہے

محمد صاحبِ اخلاق کامل
جمالی اور جلالی ایک جا ہے

محمد قاسم انعام کوثر
ہر اک نعمت جہاں بے انتہا ہے

یتیمی سے شہنشاہی پہ پہنچا
مگر پھر بھی وہی عجز و دعا ہے

غرض سچ یہ محمدؐ ہے محمدؐ
جبھی تو چار سو صل علیٰ ہے

محبت کا ایک آنسو

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے کہ قیامت کے دن سات قسم کے آدمی عرش کے سایہ میں ہوں گے۔ اُن میں سے ایک شخص وہ ہوگا جس کے متعلق آنحضورؐ فرماتے ہیں کہ

رَجُلٌ ذَکَرَ اللّٰہَ خَالِیًا فَفَاضَتْ عَیْنَاہُ

یہ پُرکیف نظم اُسی تنہائی کے آنسو کی تعریف میں لکھی گئی ہے۔

ہزار علم و عمل سے ہے بالیقیں بہتر
وہ ایک اشک محبت جو آنکھ سے ٹپکا

خراجِ حسن میں ہر جنس سے گرانمایہ
نذورِ عشق میں کیا خوب گوہر یکتا

خلاصہ ہمہ عالم ہے قلب مومن کا
خلاصہ دل مومن یہ اشک کا قطرا

یہ انفعال نہ حسرت نہ خوف و غم باعث
وہ ایک اور ہی منبع ہے جس سے یہ نکلا

نہ اس کے راز کو دو کے سوا کوئی جانے
نہ یہ کسی کو خبر کب بنا کہاں ڈھلکا

جو چھلکے آنکھ میں تو مست و بیخبر کر دے
گرے تو لیویں ملائک اسے لپک کے اٹھا

نہیں زمانے میں اس سا کوئی فصیح و بلیغ
جو دِل کا حال ہو دلبر سے اس طرح کہتا

عرق ہے خون دل عاشقاں کا یہ آنسو
یہی ہے نارِ محبت سے جو کشید ہوا

یہ تحفہ وہ ہے جو خالص خدا کی خاطر ہے
نہیں ہے اس میں ریا اور نفاق کا شعبہ

پناہ تیزی خورشید روزِ محشر ہے
ملے گا اشک کی برکت سے عرش کا سایہ

جو "عین جاریہ" درکار ہے تو اے زاہد
یہ "عین جاریہ" اپنی بھی کچھ بہا کے دکھا

میں کیا سرشکِ محبت تری کروں تعریف
کہ ذاتِ باری نے خود تجھ کو دوست فرمایا

مرکزِ کفر میں خانۂ خدا

شکر صد شکر کہ لندن سے یہ آئی ہے نوید
مرکزِ کفر میں مسجد کی زمیں لی ہے خرید

بالیقین وقت یہی ہے کہ منور کر دے
وادیٔ ظلمتِ تثلیث کو نورِ توحید

جب مؤذن کہے مینار پہ "اللہ اکبر"
اُس گھڑی سمجھو کہ بر آئی ہماری اُمید

بانیٔ مسجد لندن ہے مسیحِ موعود
ثانیٔ مسجدِ اقصٰی ہے یہ مغرب کی کلید

ہم نشیں دیکھ ذرا چشمِ بصیرت وا کر
کیا یہی تو نہیں مغرب سے طلوعِ خورشید

وقت ہے وقت کہ یورپ کو کرو شرک سے پاک
اٹھو اے جاں نثارانِ لوائے توحید

جب تلک جان و تن مال نہ قربان کر دیں
"ما بدان مقصدِ عالی نتوانیم رسید"

احمدی تجھ کو ہی سب بار اٹھانا ہوگا
آسماں بارِ امانت نتوانست کشید

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست
آخر آمد زپسِ پردۂ تقدیر پدید

قطعات و رباعیات

نماز اور زکوٰۃ

دلاتا ہے صدقہ بلا سے نجات
دُعائیں پلاتی ہیں آبِ حیات
یہی دو ہیں بس مغزِ احکامِ دیں
اقیموا الصلوٰۃ وَ اٰتوا الزکوٰت

وسیلۂ وصل

ہو جو ملنے کو یار کے بیتاب
ڈھونڈتا ہے وسائل اور اسباب
بس کہ تقویٰ خدا کو ہے محبوب
فاتقوا اللہ یا اولی الالباب

اعمال صالحہ

کبھی تو چاہیئے اے دوست آخرت کا خیال
کبھی تو عیش کو چھوڑ اور عمل کا وقت نکال
نہ کام آئیں گے عقبیٰ میں مال اور دولت
کہ مال تا لب گور است بعد ازاں اعمال

الہام کے بغیر عقل بیکار ہے

بیکار ہیں یہ آنکھ کی سب طاقتیں مری
جب تک کہ آفتاب نہ دے اس کو روشنی
الہام کی مدد کے سوا بھی اسی طرح
اے روشن طبع تو بر حق بلا شدی

عشق

کچھ علم ہو کچھ عشق ہو کچھ درد ہو کچھ سوز
بیدار ہوں راتیں تری خاموش کٹے روز
دیتے ہو مرے مولوی گو خوب اذاں تم
اے مرغ سحر عشق ز پروانہ بیا موز

ذکرِ الٰہی اور اصلاح نفس

رکھ زبان کو ذکر سے مولا کے تر
تا زباں سے روح تک پہنچے .... اثر
دل بھی سیدھا کر کہیں ایسا نہ ہو
بر زبان تسبیح در دل گاؤ خر

اکمل۔ قاضی ظہور الدین اکمل

ابی المکرم حضرت قاضی محمد ظہور الدین اکملؔ ۲۵ مارچ ۱۸۸۱ء کو پنجاب کی مردم خیز سرزمین میں دریائے چناب کے کنارے ضلع گجرات کے ایک گاؤں گولیکی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے جدِ امجد (مولانا محمد بدرالدین) اور والدِ ماجد (مولانا ابوالاکمل محمد امام الدین) دونوں علوم عقلیہ و نقلیہ کے متبحر تھے۔ اگرچہ آپ نے دنیوی تعلیم مشن ہائی اسکول گجرات میں میٹرک تک حاصل کی لیکن عربی و فارسی فقہ و حدیث اور علوم قرآنی پر (دستور کے مطابق) مسجد اور خانقاہوں میں عبور پایا۔ آپ کو اُردو علم و ادب اور صحافت سے بچپن ہی میں لگاؤ تھا۔ چنانچہ سترہ برس کی عمر ہی میں آپ کے مضامین نظم و نثر برصغیر کے تمام قابلِ ذکر اخبارات و رسائل میں شائع ہونے لگ گئے۔ ۱۹۰۴ء تک آپ اپنی عمر سے دُگنی تعداد میں رسائل و کتب چھپوا چکے تھے جس میں ایک دیوان "سبحۃ المرجان" شامل ہے۔ اِس کے علاوہ قصص القرآن منظوم (پانچ ہزار اشعار)، سورۂ یٰسین، چاروں قُل، ادعیہ القرآن اور منتخب احادیث (منظوم) بھی اسی زمانہ میں منظرِ اشاعت پر آئیں۔ ۱۹۰۰ء کے بعد ۹ برس تک آپ تپ لازم اور دیگر امراض کا شکار ہو کر صاحبِ فراش رہے۔ تاہم اسی حالت میں اسلامی معاشرہ کی اصلاح و ارشاد کے بارے میں ملک بھر کے اخبارات کو اپنے مضامین بھجواتے رہے۔ چنانچہ صرف ایک سال (۰۳-۱۹۰۲ء) میں آپ کے پچاسی ۸۵ مضامین اٹھارہ مختلف اخبارات میں شائع ہوئے جن میں سے چودھویں صدی۔ لاہور پنچ، صلائے ہند، زمیندار، وکٹوریہ پیپر، سیالکوٹ پیپر، گلزار ہند، پنجاب آرگن پنجاب سماچار، پٹیالہ اخبار سرفہرست ہیں۔

آپ چونکہ ۱۸۹۷ء ہی میں سیّدنا حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کی بیعت سے مشرف ہو

چکے تھے۔ اس لئے دسمبر ۱۹۰۶ء میں گھر بار چھوڑ کر اپنے آقا و مقتدا کے حضور اس نیت کے ساتھ حاضر ہو گئے کہ ؎

ہم قادیاں کو چھوڑ کے ہرگز نہ جائیں گے
کوچے میں اپنے یار کے دُھونی رمائیں گے

دوپہر کی نماز کے بعد حضرت اقدس کی خدمت میں باریابی کا شرف حاصل ہوا تو فی البدیہہ وہ نظم پڑھی جس کے دو اشعار یہ ہیں ؎

آتش فرقت محبوب نے جب گرمایا ۔۔۔ جذبۂ شوق زیارت مجھے کھینچ لے آیا
کیا کہوں ہجر کی گھڑیاں ہیں گزاریں کیوں کر ۔۔۔ دلِ شیدا کو تری یاد نے کیا تڑپایا

اس کے ساتھ ہی آپ نے روایتی شاعری، زلف و گیسو اور گُل و بلبل کی حکایتوں کو خیرباد کہا اور اسلامی معاشرہ اور مذہبی احکام و حقائق کی اشاعت و تبلیغ کے لئے اپنے ذہن و عمل کو وقف کر دیا۔ خود لکھتے ہیں۔

"ایک ہی ہے جو حامد ہو کر محمد کہلایا (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور جس کا مظہر اس چودھویں صدی میں احمد کے نام سے آیا جس نے ہمیں پھر توحید کا ترانہ سنا کر وہ محبوب ازلی یاد دلایا جو حسن و احسان کا سرچشمہ، تمام خوبیوں سے متصف، دلدار و دلربا ہستی ہے ۔۔۔ شپرہ چشم ان کو نہیں دیکھ سکتے مگر وہ جن کو آنکھیں دی گئی ہیں اُس کے جلوۂ دیدار کی تاب نہیں لا سکتے، ایک ہی جھلک سے بے خود ہو کر، گھر بار چھوڑ، خویش و اقارب سے منہ موڑ، یار و احباب سے رشتۂ تعلق چھوڑ کر، اُسی کے دروازے پر دھونی آ رماتے ہیں۔ اُن کی رگ رگ میں محبت و عشق کا راگ ہوتا ہے جب ذرا مضراب دل کو حرکت ہوئی تو سازِ سخن چھیڑا، پھر کچھ نہ پوچھو، ایک سماں بندھ جاتا ہے۔ شجر و حجر سے ندائے احسنت سنتے ہیں، سنگدل انسان سر دھنتے ہیں۔ وہ جدھر نظر اٹھاتے ہیں انہیں اپنے ہی محبوب کے جلوے نظر آتے ہیں ۔۔۔ کیا ہی مبارک ہے یہ قوم اور کیا ہی خوش قسمت ہیں یہ لوگ جو اپنے مولا کے ہیں۔ یہ کسی سے محبت کرتے

ہیں تو خدا کے لئے اپنے دکھ درد کا فسانہ کہتے ہیں تو خدا کے لئے۔ رنج والم سہتے ہیں تو خدا کے لئے۔ الخ

آپ اسی مسلک وعقیدہ پرتا دم وفات قائم رہے۔ ۱۹۱۱ء تک آپ نے اخبار بدر میں حضرت مفتی محمد صادق کے اسسٹنٹ کے طور پر کام کیا۔ اس کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے آپ کو رسالہ تشحیذ الاذہان کا ایڈیٹر مقرر کر دیا۔ ۱۹۲۰ء میں ریویو آف ریلیجنز کے علاوہ آپ نے طبع و اشاعت کے مہتمم کا عہدہ سنبھالا جس کے تحت قادیان سے شائع ہونے والے سلسلہ کے تمام اخبار ورسائل الفضل، مصباح، سن رائیز اور احمدیہ گزٹ کی ایڈیٹری ومینجری آپ خود کرتے رہے۔ ۱۹۳۸ء میں ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد آپ خانہ نشین رہے۔ تاہم مشق سخن برابر جاری رہی پاکستان کے قیام پر ۱۱ اکتوبر ۱۹۴۷ء کے بعد لاہور میں فروکش رہے اور ۱۷ ستمبر ۱۹۵۶ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے بلانے پر دارالصدر شرقی کے ایک کوارٹر میں رہائش اختیار کرلی جہاں ۲۷ ستمبر ۱۹۶۶ء کو صبح چھ بجے حرکت قلب بند ہونے سے وفات پائی۔ آپ کا مزار بہشتی مقبرہ ربوہ میں قطعہ رفقاء اولین میں ہے۔ اس طرح آپ کی یہ دیرینہ خواہش پوری ہوئی ؎

اے مسیحائے زماں صدقہ آل اطہر
مقبرے میں مجھے مل جائے زمیں تھوڑی سی

اس مختصر تعارفیہ میں نہ تو آپ کی ستر سالہ علمی وادبی خدمات پر سیر حاصل تبصرہ ممکن ہے۔ نہ آپ کے مکمل سوانح حیات ہی درج کئے جا سکتے ہیں۔ ؏

اکمل کو جانتے ہیں سب نغمہ خواں ہمارا

آپ کے فانوس شعر و شاعری میں احساسات و تاثرات کی جو شمعیں جگمگا رہی ہیں ان کی روشنی سیدنا حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کی تعلیمات وارشادات ہی سے مستعار ہے بلکہ ؎

ایں چشمہ رواں کہ بخلق خدا دہم
یک قطرہ زبحر کمال محمد است

آپ کو کم وبیش چالیس برس قادیان کے ملکوتی ماحول میں بسر کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کو بائ

سلسلہ اور خلفائے کرام (خصوصاً حضرت خلیفۃ المسیح الثانی) سے جو بے پناہ عقیدت و محبت تھی۔ اس کا اظہار اُن کے ہر ہر شعر سے ہوتا ہے۔ آپ خاندانِ حضرت مسیح موعود اور ابنائے فارس کو اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا محرک و مظہر سمجھتے تھے ؎

نجاتِ خلق وابستہ ہے اب ابنائے فارس سے
انہی کے سر رہے گا یہ صاحب قراں سہرا

آپ نے ۱۹۳۴ء حضرت مرزا ناصر احمد ایدہ اللہ تعالیٰ کے سہرے میں دُعا کی ؎

الٰہی ناصر احمد کو منصورِ جہاں دیکھو
اور اس کے رُخ پہ نور پر سعادت تواناں سہرا

اس کے بعد انتخاب سے پہلے رویا دیکھا کہ خلافت کی قبا انہی کو پہنائی گئی ہے۔ آپ سلسلہ کے اخبارات خصوصاً بدر کے لئے حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کے ارشادات و خطبات نوٹ کرنے پر مامور رہے۔ اس لئے آپ کو حضور کی مجالسِ عرفان سے فیض یاب ہونے کا بالالتزام موقع ملا ؎

اللہ رے شانِ مصطفیٰ مہدی زماںؑ
بھر بھر کے پیالے شوق کے میں نے کئی پیے

اس دوران میں جب بھی اجازت ہوتی آپ اپنی تازہ نظم مسجد مبارک میں پڑھ کر سناتے جس پر حضور اکثر جزاک اللہ کے کلمات سے نوازتے۔ حضرت مولوی عبدالکریم تو بسا اوقات اُٹھ کر اُن کو سینے سے لگا لیتے اور حضرت خلیفۃ المسیح الاول بھی ان کے کلام پر پسندیدگی کا اظہار فرماتے۔ اپریل ۱۹۰۷ء میں جب آپ نے وہ نظم حضور (آپ پر سلامتی ہو) کی خدمت میں پیش کی جس کا مقطع ہے ؎

ہم قادیاں کے اکمل اور قادیاں ہمارا

تو حضور نے فرمایا۔ "یہ نظم نہایت سنجیدہ اور عمدہ ہے۔ اُن سے لے کر چھاپ دی جاوے۔"
اسی طرح مئی ۱۹۰۸ء میں حضرت اقدس تقریر کے لئے لاہور تشریف لے گئے تو آپ فرماتے ہیں۔
"مَیں قادیان میں گھبرا گیا اور چند اشعار لکھے۔ جب یہ اشعار حضرت اقدس کی نگاہ سے گزرے تو آپ نے فرمایا اُن کو جلدی یہاں بلوالو۔" اِس نظم کا مقطع یہ ہے ؎

اپنے اکمل کو بلا لیجئے جلدی حضرت
ہر گھڑی جس کی زبان پر ہے بیان لاہور

لیکن کیا خبر تھی کہ یہ آخری ملاقات داغِ ہجرت ثابت ہوگی۔ اس کے بعد حضور کا لاہور ہی میں وصال ہوگیا۔ آپ بتایا کرتے تھے کہ اِس آخری تقریر کے نوٹ لینے کا شرف بھی مجھے حاصل ہوا۔ اژدہام بہت تھا احمدیہ بلڈنگس کی بیت الذکر کے پہلو میں ایک ٹوٹی پھوٹی دیوار تھی جس پر بمشکل جگہ ملی۔ تاہم میں تقریر نوٹ کرنے میں کامیاب رہا۔

نغمہ اکمل کے فنی پہلو پر کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے۔ ایسے پاکیزہ، مذہبی کلام کا مدعا و منشا شاعری مشبان دانی کا اظہار نہیں ہوتا۔ اور نہ اسے سخن دانی کے مروجہ قواعد و ضوابط پر پرکھنا مناسب ہوتا ہے آپ خود فرماتے ہیں ؎

فقط اظہار دردِ دل ہے مقصد اپنا شعروں سے
یہ میں نے کب کہا اکمل زباں والوں میں رہتا ہوں

"تاہم مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ فن کے لحاظ سے بھی حضرتِ اکمل کا درجہ اپنے ہم عصروں میں نمایاں ہے۔ الطاف حسین حالی نے پنجاب میں آنے کے بعد یہ نعرہ لگایا تھا ؎

حالی اب آؤ پیرویٔ مغربی کریں
بس اقتدائے مصحفی و میر ہو چکی

لیکن محمد شیریں مغربی کا تصوف بھی مصحفی و میر سے چنداں مختلف نہیں ہے۔ متقدمین میں سے جس کسی شاعر نے بھی تصوف و روحانیت و مدارج پر قلم اٹھایا ہے وہ "وجود و شہود" "حقیقت و مجاز اور مستی و سرمستی" کی بھول بھلیوں میں بھٹک کر رہ گیا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "مشاہدہ حق کی گفتگو" کرتے وقت اُس نے "بادہ و ساغر" کا سہارا نہیں لیا۔ ان کی فرضی یا حقیقی لذتوں کو اپنا مقصدِ حیات قرار دے لیا ہے۔ حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی کے درجہ پر فائز کیا اس لئے حضور نے بہت سے ایسے مسائل جن پر شطحیات و مزخرفات کی تہہ جم گئی تھی اپنے "قلبی واردات" کی بنا پر سلجھا دیئے۔ آپ کو چونکہ مدتوں حضور (آپ پر سلامتی ہو) اور حضور کے خلفائے

کرام کی صحبت و مجالست سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا اور آپ نے اپنی آنکھوں سے وحی و الہام مکالمت و مخاطبت اور کشف و کرامات کی بارش ہوتے دیکھی اس لئے قدرتی طور پر آپ کے کلام میں وہ ابہام نہیں ہے جو اکثر شعرائے متقدمین استدراک و عرفان نہ ہونے کی وجہ سے پایا جاتا ہے الی الکرم نہ تو میر و مصحفی کی طرح تشائم اور قراریت پسند تھے۔ نہ حالی کی طرح ماضی کے نوحہ خواں ان میں نہ تو اقبال کی عینیت پسندی ہے نہ اکبر الہ آبادی کا تمسخر۔ انہوں نے حقیقی اسلام احمدیت کے واضح نصب العین کو شاعرانہ شگفتگی کا لباس پہنا کر جہاد و عمل کی تلقین کی ہے۔ اُن میں مولوی ظفر علی خان کا سا اشتعال و غیظ نہیں پایا جاتا بلکہ وہ معاندین سلسلہ کو بھی واذا خاطبہم الجاھلون قالوا سلامًا کے ارشاد کے مطابق دعوتِ فکر دیتے ہیں۔ اُن کے تغزل میں حسرت موہانی کا رنگ پایا جاتا ہے۔ لیکن سوچ کا انداز وہی ہے جس کی طرح خود سلطان القلمؑ نے "درثمین" میں ڈالی۔ وہ اُردو شاعری کے جدید تقاضوں سے بھی بے خبر نہیں رہے۔ لیکن گیت یا گانا لکھتے وقت بھی اپنے موضوع سے رُوگرداں نہیں ہوئے وہ عروض و قوافی اور انشاء و املا کا خاص طور پر لحاظ رکھتے تھے۔ اور "ضرورتِ شعری"، "غلط العام" اور "غلط العوام" کا سہارا نہیں لیتے تھے بلکہ اصل تلفظ کی نشان دہی کے لئے اعراب ڈال دیتے تھے۔ اُن کو اردو اور پنجابی کے علاوہ فارسی اور عربی میں بھی محاورہ حاصل تھا۔ انہوں نے قرآن و احادیث کے حوالے جس آمد و برجستگی سے نظم کئے ہیں وہ تلمیحی شاعری کے ایک درخشاں باب کا درجہ رکھتے ہیں۔ اُن کے تبحر اور وسعتِ علم کا اندازہ ان اشعار سے ہو سکتا ہے جو عربی، فارسی حتیٰ کہ کشمیری، ہندی اور گورمکھی زبان میں کہے گئے ہیں۔ لیکن جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ آپ کی شاعری کا مقصد "اظہار زباندانی" نہیں ہے بلکہ اُن کے سامنے ایک ہی نصب العین تھا جس کے حصول کے لئے بار بار خطاب کرتے رہے وہ تھا دعوت الی اللہ۔

نمونۂ کلام

غزل

میکشو مژدہ کہ ساون کا مہینہ آیا
اور ساقی بھی لئے ہاتھوں میں مینا آیا

کیا کہوں شیخ تجھے، سال تو اتنے کھائے
بات کرنے کا بھی اب تک نہ قرینہ آیا

مطمئن ہوں، گو خطرناک ہے طوفانِ ضلال
کہ بچانے کے لئے حق کا سفینہ آیا

ہم تو مر ہی چکے تھے، شکرِ خداوندِ علا
اِک مسیحا نفسِ خلق سے جینا آیا

جاگزیں قلب میں کیونکر ہو کلامِ ہادی
تہ بہ تہ گوش پہ جب پردۂ کینہ آیا

رُعبِ قرآن کا یہ حال ہے نام آتے ہی
اِس کے اعدا کو پسینے پہ پسینہ آیا

بُوالعطا کیلئے بے شک ہے عطائے ربّی
اِس کے حصّے میں حقائق کا خزینہ آیا

وار کرنے کو بڑھا جب بھی شقی کوئی سا
بصد اخلاص یہ کھولے ہوئے سینہ آیا

خوش نصیبی ہے ہماری کہ پس از مہدئ خلق
مُصلحِ حق بہ بشارات دوشینہ آیا

اکثر اوقات پلائی مجھے ساقی نے وہ مے
دن مزے سے کٹا اور لطفِ شبینہ آیا

کوئی تعداد مدارج کی نہیں ہے اکمل
ختم اِک زینہ ہُوا دوسرا زینہ آیا

(۲)

سلامت میکدہ یارب سلامت پیرِ میخانہ
خدا کے بعد جو کچھ ہے مرا وہ پیرِ میخانہ

میں مُشتِ خاک سے اپنی مَنوں چاندی بناؤں گا
کبھی جو ہاتھ میرے آگئی اکسیرِ میخانہ

الٰہی دانۂ انگور میں کیسی کشش ہے رکھ دی
کھچی رہتی ہے میرے واسطے شمشیرِ میخانہ

پیالہ وہ بھی تو ٹوٹا ہوا ہے اور مٹی کا
یہی کچھ پاس میرے رہ گئی جاگیرِ میخانہ

کہاں تک خانقاہ و مدرسہ میں جستجو میری
کہ بندہ مدتوں سے ہو چکا جاگیرِ میخانہ

اسی کو بے پئے رہنے نہ دیں سب مست ہو جائیں
بڑھائیں اِس طرح سے احمدی توقیرِ میخانہ

دلِ رنجور

نہایت مضطرب میرا دلِ رنجور رہتا ہے
مگر پھر بھی خدا کے فضل سے مسرور رہتا ہے

نظر آتے ہیں اُسکے حُسنِ دل افروز کے جلوے
خدا جانے وہ ظاہر ہو کے کیوں مستور رہتا ہے

کیا کچھ بھی نہ پاسِ اُلفتِ دیرینہ ظالم نے
وہ میرے پاس رہ کر پھر بھی مجھ سے دُور رہتا ہے

شریکِ قسمتِ موسیٰ۔ نبی کا اُمتی ہُوں میں
کہ میرے طُورِ دل پر اک سراپا نُور رہتا ہے

نشان ہائے قیامت اور تو سب ہو چکے پورے
جو کچھ باقی بھی رہتا ہے تو نفخِ صُور رہتا ہے

فدا کر دے جو اپنا مال و جان و آبرو دیں پر
وُہی دنیا میں سچی بات ہے منصور رہتا ہے

نکاتِ معرفت سُن سُن کے یہ حالت ہوئی اپنی
کہ گویا میز پر افسردہ انگور رہتا ہے

سُنا ہرگز نہ قصہ ہائے محمود و ایاز اکمل
مجھے ہر دم خیالِ حضرتِ مغفور رہتا ہے

ورودِ مسعود

آج ہر لب پہ سُنا جاتا ہے نامِ محمود
آج ہر ایک کو ہے شوقِ سلامِ محمود

اللہ اللہ ہے کیا شان مقامِ محمود
مرحبا کہتے ہیں سب سُن کے کلامِ محمود

رہِ حق میں جو سفر ہو وُہ سفر اچھا ہے
اور قیام ایسا بھی کہلائے قیامِ محمود

صد مبارک کہ سفر ختم مہینے میں ہوا
بدرِ کامل کی طرح تھا یہ خرامِ محمود

اس سفر سے جو فوائد ہوئے۔ ہم دیکھیں گے
احمدی مدرسہ میں حسن نظامِ محمود

نُور ہی نُور نظر آئے گا کُل عالم میں
روشنی دے گا عجب ماہِ تمامِ محمود

یہ دُعا ہے کہ رہے شاد بفضلِ مولیٰ
مرزا محمود و احبابِ کرامِ محمود

میرا چاند

اے چاند! چاند میرا ابھی اِک قادیاں میں ہے
دارالاماں خطۂ جنت نشاں میں ہے

اس چودھویں صدی میں ہُوا ہے ضیا فگن
پَرتَو۔ اِسی کے نُور کا سارے جہاں میں ہے

نکلتے ہی پار ہوتا ہے سینے سے کُفر کے
وہ ایسا تیر میرے خدا کی کماں میں ہے

کلمہ پڑھا دیا ہے۔ بُتانِ فرنگ کو
تاثیر اِس قدر دمِ معجز بیاں میں ہے

سَو سَو پہ بھاری ہے وُہ ولایاتِ غیر میں
اِک اِک مُرید اس کا جو ہندوستاں میں ہے

اِس چاند پر نثار ہوں تجھ سے ہزار چاند
اور تا ابد یہ ہم پہ رہے نُور بار چاند

مُحبّت کا رِیکارڈ

جب سے اُس ظالم سے نفرت ہوگئی
اپنے مَولیٰ سے مُحبّت ہوگئی

کاش میری قوم اِتنا سوچتی
کیوں ہماری ایسی حالت ہوگئی

کیوں ہوئے جاتے ہیں ہم برباد یوں
ختم کیوں ترکی خلافت ہوگئی

حق نے ایک مامُور بھیجا شکر ہے
اپنی بہبودی کی صورت ہوگئی

چھوڑ دو آپس کا یہ جنگ وجدال
کیا تمھیں غیروں سے فرصت ہوگئی

۱۲ رفروری ۱۹۲۳ء

ماہِ ظہور

جماعتِ احمدی آگاہ ہو ماہِ ظہور آیا
پئے نشر و اشاعت چھڑ زبانِ پُر سرود آیا

وقوعہ ہے رسول اللہ کے عہدِ مبارک کا
کہ بیرونِ عرب اس ماہ میں پیغامِ حق بھیجا

اُلٹ جائے گا تختہ جلد ہرقل کی امارت کا
زمانہ آ رہا ہے اب مسلمانوں کی شوکت کا

جو پیغامِ نبوت لے گیا بصریٰ میں حارث تھا
شہادت پائی یوں فضلِ خداوندی کا وارث تھا

مقامِ موتہ پر لشکر کشی کرنی پڑی آخر
مصیبت دشمنوں کے واسطے تھی یہ کڑی آخر

صحابہؓ تین سو تھے۔ لشکرِ کفار کی کثرت
عَلَم بردار تھے زید بن حارثؓ اک جواں ہمت

شہادت ہوگئی انکی بڑھے ابنِ ابی طالبؓ
کہ جعفرؓ نام تھا ایثار میں سب سے تھے غالب

نہ چھوڑا جاں ہی جب تک کہ اُنکے جاں رہی جھنڈا
ازاں پس لے لیا ابنِ رواحہؓ نے وہی جھنڈا

شہادت ہوگئی اُن کی تو خالدؓ حملہ آور تھے
ظفر پائی بفضلِ حق کہ اک مردِ دلاور تھے

غرض نیچا نہیں ہونے دیا اسلام کا جھنڈا
ہمیشہ اس طرح اونچا رہا اسلام کا جھنڈا

مجاہد احمدی آگے بڑھیں نامِ خدا لے کر
رضا حاصل کریں اللہ کی پھر مال و جاں دے کر

زباں پر کلمۂ طیب دلوں میں نورِ ایماں ہو
مسیحائے محمدؐ کا ہر اک میں حسن و احساں ہو

کریں حسبِ ہدایاتِ خلافت خدمتِ دیں
نمونہ نیک دکھلائیں۔ بڑھے گی عظمتِ دیں

نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی
کہ لطف افزاید این آہنگ وصلِ یار ہم یابی

سرگزشت

خبر ہے جانِ عالم کچھ، کہ اُن جانوں پہ کیا گزری
مرا مطلب ہے کہ ہم بے جان دیوانوں پہ کیا گزری

زبانِ بے زبانی سے بیاں یہ ہو نہیں سکتا
نکل کر میکدے سے آستانوں پہ کیا گزری

درخشانی پہ اپنی شمع ۔ نازاں اور رقصاں ہے
بجا ۔ لیکن یہ دیکھا جائے ۔ پروانوں پہ کیا گزری

ہیں آشامی کہاں ؟ اوندھے پڑے ہیں ایک مُدّت سے
نہ پوچھو اِس بات کو ہمدم کہ پیمانوں پہ کیا گزری

بچشمِ غور و عبرت دیکھتا جا پوچھتا کیا ہے
یہ ویرانے بتاتے ہیں گلستانوں پہ کیا گزری

مرا ساقی سلامت ہے ۔ ملے گا جو بھی قسمت ہے
یہ پوچھیں کیا ضرورت ہے کہ میخانوں پہ کیا گزری

جو ہے سرسبز کھیتی ۔ لہلہاتی پھل بھی دیتی ہے
تو اِس کی فکر کیوں ہو ۔ بیج کے دانوں پہ کیا گزری

خموشی میں ہزاروں داستانیں رہ گئیں پنہاں
کسی کو کیا بتائیں ہم سخندانوں پہ کیا گزری

بکھیری پتّی پتّی لالۂ و گُل کو مسل ڈالا !
بتایا اِس طرح اکملؔ کو انسانوں پہ کیا گزری

اثرؔ۔ جناب عزیز اللہ خاں صاحب شاہجہانپوری

عزیز اللہ خاں نام ۔ اثرؔ تخلص ۔ والد ماجد کا نام ہدایت اللہ خاں ۔ میراں پور کٹرہ ضلع شاہجہانپور یوپی (انڈیا) میں ۱۹۰۸ء میں آپ کی پیدائش ہوئی اور ۱۹۵۵ء میں بعمر ۴۷ سال سیالکوٹ میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ آپ حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب مختارؔ شاہجہانپوری کے شاگرد تھے اور انہیں کے ذریعہ ۱۹۱۸ء میں بیعت کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ آپ نے عقد بیعت کو آخر تک پورے استقلال اور مومنانہ شان سے نبھایا اور تمام عمر تبلیغ احمدیت میں لگے رہے۔ آپ کی دینی معلومات قابلِ رشک تھی۔ کیونکہ آپ نے حضرت حافظ صاحب سے بھرپور استفادہ کیا تھا اور اپنی فطری ذہانت کی بدولت مخاطب کو مسکت کرنے کی بے پناہ قوت آپ میں موجود تھی۔ آپ کے ذریعہ کافی لوگوں کو احمدیت قبول کرنے کی توفیق ملی۔ ضلع شاہجہانپور کے مواضعات بہادر پور نصرت پور اور میراں پور کٹرہ میں احمدیہ جماعتوں کا قیام آپ ہی کی تبلیغی سرگرمیوں کا نتیجہ ہے۔ آپ ہی کی تبلیغ سے آپ کے بعد میں ہونے والے داماد سید سرفراز علی صاحب سابق سیکرٹری مال جماعت احمدیہ سیالکوٹ وحال مقیم واہ کینٹ حلقہ بگوش احمدیت کی سعادت حاصل کر سکے۔ راقم الحروف کو خان صاحب موصوف کو قریب سے دیکھنے کا بہترین موقعہ ملا۔ اُن کی ذہین آنکھیں اور شگفتہ چہرہ آج تک نگاہوں میں گھوم رہا ہے۔ درحقیقت خان صاحب ایک سچے، مخلص اور پُرجوش احمدی کا مثالی کردار تھے۔

جہاں تک آپ کی ادبی خدمات کا تعلق ہے۔ "کرزن گزٹ" جو شاہجہانپور سے حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب مختارؔ شاہجہانپوری کی ادارت میں عرصہ تک نکلتا رہا۔ آپ ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۸ء تک اس کے سب ایڈیٹر بھی رہے اور اپنی خداداد صلاحیت سے اس اہم عہدہ کی ذمہ داریوں کو پوری

دیانت داری سے ادا کرتے رہے۔

آپ کا اکثر کلام اب نایاب ہے اور باوجود تلاش بسیار راقم الحروف کو دستیاب نہیں ہو سکا۔
جو کچھ میسر آسکا ہے۔ ہدیہ ناظرین ہے۔

ہدیہ عقیدت بحضور امام الزماں مسیح دوراں حضرت مہدی آخر الزماں

مسیح ملت خیر الوریٰ سلام علیک — حبیب مرسل ہر دوسرا سلام علیک
اے آنکہ آئینہ مصطفےٰ سلام علیک — اے آنکہ مظہر نور خدا سلام علیک
جھکا دیا ترے دعوے نے پرچم تثلیث — صلیب ٹوٹ گئی واہ وا سلام علیک
ترے جلالِ خلافت کا واہ کیا کہنا — تجھے رسولِ خدا نے کہا سلام علیک

صدائے مُسلم درویش

بیدار نہ ہونا اے مُسلم اک خام خیال ہے بابا — اُمدختہ تیرا خطرے میں سب جانی ومالی ہے بابا
یہ مفتی اعظم بندۂ زرشیطاں کا موالی ہے بابا — اور شیخ الہند کی گردن میں زنار نرالی ہے بابا
یہ طرز جدائی غیروں سے مل کر جو نکالی ہے بابا — ہندو سے وفا کی امیدیں یہ خام خیالی ہے بابا
جو جام لبالب تھا بابا جو مولوی حاجی تھا بابا — جو دین متین کا خادم تھا نامی وگرامی تھا بابا
تعظیم حرم کی کرتا تھا جو خود احرامی تھا بابا — جو زینہ ممبر پر چڑھ کر قطاع غلامی تھا بابا
اُس رہبر دین نے غیروں سے رگ اپنی ملالی ہے بابا — ہندو سے وفا کی امیدیں یہ خام خیالی ہے بابا
کل تک جو سناتا تھا ہم کو قرآن کا وعظ وپند کھلا — پردہ جو اٹھا تو یہ دیکھا پھر تلسے ہے وہ دیوبند کھلا
دروازہ جنت کے بدلے جب اُس پہ در آنند کھلا — تھا مولوی لیکن مالوی کا فرزند سعادتمند کھلا
شداد کی جنت میں اپنی جنت جو بنالی ہے بابا — ہندو سے وفا کی امیدیں یہ خام خیالی ہے بابا
شیرازہ مُسلم سے ہٹ کر کفار سے پیماں پنہاں — کیوں قول خدا کو بھول گیا ہے درس حدیث [illegible]
مشرک کی رضامندی کے لیے ایمان کو کر بیٹھا قرباں — لوٹ آ رہِ ظلمت سے غافل باز آ در توبہ وا ہے میاں

اُٹھ قافلہ سالاری کے لیے گر تو سے جلالی ہے بابا
ارباب وفا کی کثرت سے منہ اپنا جو ناحق موڑا ہے
گاندھی کی لنگوٹی سے تو نے تسبیح جو اپنا جوڑا ہے
آئینہ اٹھا کر دیکھ ذرا کیا شکل بنالی ہے بابا
بُت خانہ گاندھی میں جا کر افسوس لیا جو تو نے جنم
تنہا تری رحلت ہوتی اگر ہوتا نہ ہمیں کچھ رنج والم
نفسانیت و زر کی خاطر تفریق جو ڈالی ہے بابا
تو حجرہ و مسجد کا ملا وہ دجل و سوں کا ہے پُتلا
تو اُس کے فریبوں میں آکر ایمان کی دولت کھو بیٹھا
افسوس ہزار افسوس تری یہ کمسانی ہے بابا
مُسلم کی نگونساری کیلئے مشرک کی تو کاندھوں پر چڑھ کر
اے وارثِ دینِ ختم رسل تجھ کو یہ سکھایا کس نے ہنر
کہ خوفِ خدا اور حق سے ڈرا یہ زیست منافی ہے بابا
خواہش میں امید جو اتنی باندھی ہے
اس راہِ مخالف منزل میں تو بیٹھا ہے دعا گاندھی ہے
دشمن کی رضا کی خاطر سے گردن جو جھکالی ہے بابا
اس دین فروشی سے تجھ کو حاصل تو نہ ہوگی آزادی
تو ضعف میں ہے مشہور جہاں وہ ظلم و جفا کے ہیں عادی
خدا کچھ سوچ ذرا کیا راہ نکالی ہے بابا
کل تک یہی ہم نے دیکھا تھا کل تک تو یہی تھا پیشِ نظر
افسوس یہ کیا سوجھی اس کو اسلام سے ہٹ کر غیر کا در
جمعیت علماء کی ناقص یہ فکر خیالی ہے بابا

ہندو سے وفا کی امیدیں یہ خام خیالی ہے بابا
کس حرص و ہوا میں مولانا دینِ نبوی کو چھوڑا ہے
سب کچھ ہے مگر بے دینی تو اُس کے جلو میں کھوڑا ہے
ہندو سے وفا کی اُمیدیں یہ خام خیالی ہے بابا
کف طوفِ صنم یہ جائز تھا دُنیا کے لئے اے شیخ حرم
تو دین کا کہلاتا تھا ستوں گرنے سے تمہے شرمندہ ہیں ہم
ہندو سے وفا کی اُمیدیں یہ خام خیالی ہے بابا
تو وقت شناسی کا دشمن وہ ابن الوقت ہے سراپا
ہندو کی چتا پر جو بکنے کو اسلام کا لاشہ لے کے چلا
ہندو سے وفا کی امیدیں یہ خام خیالی ہے بابا
صد حیف کہ اپنی قوم ہی پر آپ چلا بیٹھا خنجر
تو جہل مرکب ہوگا کبھی کیا تیرے ہی حق میں بھی یہ خبر
ہندو سے وفا کی امیدیں یہ خام خیالی ہے بابا
بے وقت کا راگ الاپا ہے یہ وقت کی راگنی اندھی ہے
کعبے سے پھرا تو کیا پایا آگے ترے بابا گاندھی ہے
ہندو سے وفا کی امیدیں یہ خام خیالی ہے بابا
اے دشمنِ پاکستان تو نے ملت کی ہے اس میں بربادی
انجام ترا ہونا ہے یہی کھلے گا تو بھی پرشادی
ہندو سے وفا کی اُمیدیں کیا خام خیالی ہے بابا
وہ مسلم لیگ پہ شیدا تھا اور مسلم لیگ فدا اس پہ
کیوں ذاتِ خدا کے منکر کو وہ اپنا بناتا ہے رہبر
ہندو سے وفا کی امیدیں نہ خام خیالی ہے بابا

اسلم ۔ ماسٹر محمد شفیع صاحب لدھیانوی

ماسٹر صاحب کے آباؤ اجداد چھٹی پشت میں قصبہ غور (افغانستان) سے ہجرت کر کے ہندوستان میں آباد ہو گئے تھے۔ دادا صاحب سرہند کے نزدیک اور موضع بہادر گڑھ میں سکونت پذیر ہوئے لیکن ماسٹر صاحب خود کھنہ ضلع لدھیانہ میں پیدا ہوئے اور وہیں پیدا ہو کر پروان چڑھے۔ کھنہ میں ان کی ننھیال تھی۔ ان کا خاندان غور سے نسبت رکھنے کی وجہ سے غوری کہلاتا ہے۔ ماسٹر صاحب قریشی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اِن کا شجرہ نسب اُوپر جا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ دوم سے جاملتا ہے۔ ماسٹر صاحب نے ابھی زندگی کی چار بہاریں دیکھی تھیں کہ والد صاحب کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ آپ کی والدہ صاحبہ اپنے میکے ہی میں رہتی رہیں۔ ماسٹر صاحب کے ایک چھوٹے بھائی بھی ان کے ساتھ رہتے تھے۔

آپ کے نانا جان غزنوی پیر خواجہ اسرار نامی کی طرف سے ہندوستان میں پیر صاحب کے خلیفہ تھے اور یہ خاندان کھنہ میں اہل علم خاندان تصور کیا جاتا تھا اور شہر بھر میں معزز گھرانہ شمار کیا جاتا تھا۔ آپ کے نانا جان اُس زمانہ کے لحاظ سے ایک ممتاز عالم تھے اور سارے علاقہ میں آپ کا شہرہ تھا۔

تعلیمی حالات اور قبول احمدیت کی داستان

آپ ابتدا میں تو کھنہ میں تعلیم پاتے رہے لیکن جب آٹھویں جماعت میں پہنچے تو اپنے آبائی وطن بہادر گڑھ میں آ کر سرہند میں سلسلہ تعلیم دوبارہ جاری کیا۔ اِس اسکول میں ایک ماسٹر مولوی محمد تقی صاحب بھی پڑھاتے تھے۔ وہ ایک نیک سیرت فرشتہ خصلت عالم دین تھے اور جماعت احمدیہ

سے تعلق رکھتے تھے انہوں نے ماسٹر صاحب کو احمدیت سے روشناس کرایا۔ یہ ماسٹر صاحب سنور ضلع ریاست پٹیالہ کے رہنے والے تھے۔

سرہند اسکول میں داخلہ کے وقت آپ کی عمر قریباً سولہ سال تھی۔ کیونکہ آپ کی پیدائش اپریل ۱۸۹۶ء کی ہے۔ ۱۹۱۲ء میں ماسٹر اسلم صاحب ماسٹر محمد تقی صاحب کی دعوت الی اللہ کے زیر اثر احمدی ہو گئے۔ ماسٹر صاحب کا کہنا ہے کہ میں اُس وقت بالکل بے خبر، بے علم اور بے حیثیت انسان تھا اور یتیم ہونے کے سبب اپنے ننھیال کا دستِ نگر بھی تھا۔ لیکن بفضلِ ایزدی اس نعمتِ عظمیٰ سے سرفراز ہونے کی آپ کو توفیق ملی۔ آپ کے قبول احمدیت کو شیطان لعین نے پسند نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شفیق نانا جان نے چہیتے نواسے کو زدوکوب کیا اور ہمیشہ کے لئے گھر سے نکال دیا۔ اور اتنے ناراض بلکہ غضب ناک ہوئے کہ مصارف دُنیا بھی بند کر دیئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ماسٹر صاحب کو اس دورِ ابتلاء سے صحیح و سلامت نکل جانے کی توفیق عطا فرمائی اور اس کڑے امتحان میں کامیاب فرمایا۔

ماسٹر صاحب نے اپنی تعلیم جاری رکھنے کی توفیق پائی اور کسی نہ کسی طرح مڈل پاس کر لیا۔ بعد ازاں جے وی یعنی نارمل اور اُس کے بعد ایس وی کلاس پاس کر لی۔ آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کا ساتھ دیا۔ اگرچہ اُس وقت اُن کو بیعت کی توفیق تو نہ مل سکی۔ لیکن بہرحال بیٹے کے ساتھ اس نازک دور کو گزارا۔

بیعت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ماسٹر صاحب کو روشن اور سچے خوابوں سے نوازا اور ہر حال میں آپ کی تائید فرمائی۔ یہ ایک طویل داستان ہے۔ خدا کرے کہ ماسٹر صاحب کو اُس دورِ ابتلاء کے رویا و کشوف کو قلم بند کرنے کی توفیق مل جائے تا دُنیا داروں پر ایک بار پھر یہ حقیقت آشکار ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مامورین کی جماعت اور جماعت کے ہر فرد کی کس طرح حفاظت فرماتا اور دنیوی ساز و سامان سے محروم افراد کو کس طرح نوازتا اور اُن پر اپنے رویاء و کسوف کے دروازے کھولتا ہے۔

آپ کے نانا جان کے انتہائی کوشش کی کہ آپ احمدیت کو ترک کر دیں اور اس سلسلہ میں

انہوں نے ترغیب و تربیب کے تمام حربے استعمال کئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ماسٹر صاحب کی تائید فرمائی اور انھیں استقلال کے ساتھ احمدیت سے وابستہ رہنے کی توفیق عطا فرمائی

۱۹۱۹ء میں ماسٹر صاحب بسلسلہ ملازمت تعلیم الاسلام ہائی اسکول میں آگئے۔ آپ کے ہمراہ آپ کے چھوٹے بھائی عبدالرشید اور والدہ صاحبہ بھی قادیان آگئیں اور یہیں سکونت پذیر ہوگئیں۔ تھوڑے سے ہی عرصہ بعد آپ کی والدہ محترمہ اور برادر عزیز نے بھی حضرت مصلح موعود کی بیعت کرلی۔ جس سے ماسٹر صاحب کو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے ۱۹۲۶ء میں انتقال کیا اور اپنے مولائے حقیقی سے جا ملیں۔ اور بہشتی مقبرہ قادیان میں مدفون ہوئیں۔

ماسٹر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے لحن داؤدی عطا فرمایا تھا۔ قادیان آتے ہی آپ خوش الحانی سے نظمیں پڑھنے کی وجہ سے مشہور اور بن گئے۔ یہاں تک کہ ایک دن وہ آیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے دربار تک رسائی ہوگئی۔ آپ مجلس عرفان میں اپنی تازہ نظمیں سنانے لگے جس سے سامعین کافی محظوظ ہوتے تھے۔ بعض نظمیں حضرت مصلح موعود نے بھی پسند فرمائیں۔ بعض دفعہ دوبارہ پڑھنے کا ارشاد فرماتے جو ماسٹر صاحب کے لئے بڑے فخر کا موجب ہوتا۔ حضرت مصلح موعود کا منظوم کلام بھی جلسہ سالانہ پر سنانے کی توفیق ملتی رہی جس کے لئے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ ماسٹر صاحب کو قصر خلافت میں بُلا لیتے اور جلسہ سالانہ پر جو نظم پڑھوانا ہوتی اُس کو بطور نمونہ اسلم صاحب سے پڑھواتے جو دوسرے روز جلسہ سالانہ پر اسلم صاحب اسٹیج سے سناتے یہ سلسلہ برابر پچیس سال تک چلتا رہا۔

۱۹۲۳ء میں جب یوپی (انڈیا) میں ارتداد کی رو چلی اور آریہ پنڈتوں نے مسلمانوں کو شدھ (مرتد) کرنا شروع کیا تو ملک بھر میں ایک شور برپا ہوگیا اور مسلمان سخت ابتلاء میں ڈالے گئے۔ ایسے وقت میں حضرت امام جماعت احمدیہ نے مسلمانوں کی بے نظیر امداد فرمائی۔ مسلم پریس نے آپ سے اپیل کی کہ ایک تبلیغی جماعت ہونے کی وجہ سے آپ احمدیوں میں تحریک کریں کہ وہ جوق در جوق ارتداد کی زد میں آئے ہوئے علاقوں میں پہنچیں اور لوگوں کو مرتد ہونے سے بچالیں۔ آپ نے پریس کی اس اپیل کا فوری اور مؤثر جواب دیا اور جماعت میں تحریک فرمائی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہزار ہا روپیہ جمع ہوگیا اور ہزاروں

کی تعداد میں لوگ رضاکارانہ طور پر اپنے امام کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے قادیان پہنچ گئے۔
مارچ ۱۹۲۳ء کو جو قافلہ میدانِ ارتداد کی طرف روانہ ہوا۔ اس میں ماسٹر محمد شفیع صاحب بھی شامل تھے۔ یہ تبلیغ رضاکارانہ تھی اور ہر رضاکار کو تین ماہ تک اس علاقہ میں اپنے خرچ پر تبلیغ کرنا ضروری تھا۔ یہ داستان بھی بڑی طویل اور دلچسپ ہے اور ماسٹر صاحب موصوف نے سینکڑوں ایمان افروز واقعات کو تین سو صفحات پر مشتمل ایک کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کتاب کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائے۔

اس طویل داستان کے چند چیدہ چیدہ واقعات ہدیہ ناظرین ہیں۔
ماسٹر صاحب کے قول کے مطابق پہلا قافلہ اس میدان میں جا پہنچا۔ یہ میدان آگرہ، متھرا بھرت پور، ریٹہ، اٹاوہ، فرخ آباد، مین پوری وغیرہ اضلاع پر پھیلا ہوا تھا اور اس قافلہ کے وہاں پہنچنے سے پیشتر بارہ ہزار مسلمان، ترک اسلام کر کے ہندو بن چکے تھے۔
تین سال کی جدوجہد کے بعد جو قربانی ایثار اور خدا رسی کے سینکڑوں واقعات پر مشتمل بذاتِ خود ایک طویل داستانِ حیات ہے۔ وہ تمام مسلمان جن کی تعداد بارہ ہزار تھی دوبارہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور ان مجاہدین کی اَن تھک محنت اور قربانیوں کے صلہ میں سینکڑوں ہندوؤں کو بھی آغوشِ اسلام میں پناہ لینے کی سعادت عطا فرمائی۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۔

ترجمہ: تم اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت و دانائی اور دلنشین نصیحت کے ذریعہ دعوت دو اور احسن طریقہ سے اُن سے تبادلۂ خیالات کرو۔

اسی حکمِ خداوندی کے پیشِ نظر ماسٹر صاحب نے یہ محسوس کیا کہ اس علاقہ میں سادھو بن کر اور جوگیانہ لباس پہن کر مؤثر طریقہ سے فریضہ تبلیغ ادا کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت مصلح موعود سے اجازت لے کر ماسٹر صاحب نے سادھوؤں کا لباس زیبِ تن کیا اور جوگیانہ انداز میں تین سال تک فریضہ تبلیغ باحسن وجوہ انجام دیتے رہے۔ آپ کا ہیڈ کوارٹر فرخ آباد تھا اور آپ کی نگرانی میں پندرہ سولہ مبلغ کام کرتے تھے

آپ کو اس طریقہ کار میں بڑی کامیابی ہوئی۔ ہندو پنڈت اسلام کے خلاف بھجن (نظمیں) بناتے اور ہارمونیم کے ساتھ اپنے جلسوں میں گاتے جس کا خاطر خواہ اثر ہوتا۔ ماسٹر صاحب نے بھی ان کے جواب میں بھجن تیار کئے اور بستی بستی۔ نگری نگری اپنے بھجن سنانے شروع کر دیئے۔ شروع میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ اسلم صاحب کو قدرت نے لحن داؤدی عطا فرمایا تھا۔ اس لئے بغیر ساز کے بھی لوگ ان کے بھجن بڑی دلچسپی سے سنتے اور سر دھننے لگتے۔ یہ بھجن پنڈتوں کے بھجنوں کا دندان شکن جواب ثابت ہوئے اور سحر سامری عصائے موسیٰ کے سامنے دھواں بن کر ہوا میں تحلیل ہونا شروع ہو گیا۔ یہ حالات "زار شدھی" کے عنوان سے مختصراً شائع ہو چکے ہیں۔ حضرت مصلح موعود کو جب اس بات کا علم ہوا کہ ماسٹر صاحب باحسن وجوہ اپنے مشن میں کامیابی حاصل کر رہے ہیں تو حضور نے ازراہ شفقت ماسٹر صاحب کو اس علاقہ کا امیر المجاہدین بنا دیا۔

اس مہم سے کامیاب و کامران اور مظفر و منصور مراجعت کے بعد ماسٹر صاحب نے میجک لیٹرن یعنی سلائیڈز کے ذریعہ تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا اور پشاور سے کراچی تک اور لاہور سے حیدرآباد دکن اور بمبئی تک تقریریں کیں اور فریضہ دعوت الی اللہ ادا کیا۔ خدا تعالیٰ نے ماسٹر صاحب کو کراچی، دہلی بمبئی، حیدرآباد دکن، گلبرگہ، یادگیر وغیرہ مقامات پر اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے میں کامیاب و موثر تقاریر کی توفیقات عطا فرمائیں۔ حیدرآباد میں نواب اکبر یار جنگ بہادر کے بنگلہ پر اور سکندرآباد میں سیٹھ عبداللہ الہ دین کی کوٹھی پر شاندار تقاریر کرنے کی توفیق ملی۔ آپ نے مجموعی طور سے تین سو سے زائد ایسی تقاریر کرنے کی سعادت حاصل کی۔ آپ کی ساری عمر اعزازی مبلغ کی حیثیت سے گزاری۔ آپ نے مواقع حاصل ہونے کے باوجود دنیوی ترقیات کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہ کیا۔ ہر وقت تشنہ خدمت دین میں سرشار رہے۔

روایتی شاعری سے لاتعلقی کا سبب

اسلم صاحب فطرتاً شاعر ہیں اور ایک اچھے شاعر کی تمام خصوصیات آپ میں موجود تھیں لیکن اس کے باوجود آپ نے ساری عمر نہ کوئی غزل لکھی اور نہ مشاعروں میں شرکت کی۔ تمام عمر تبلیغی مہمات

میں بسر ہونے کے سبب آپ کی شاعری بھی اسی رنگ میں رنگین نظر آتی ہے اور اگر افادی نقطۂ نظر سے آپ کی شاعری پر ناقدانہ نظر ڈالی جائے اور اسلامی نقطۂ نگاہ سے جائزہ لیا جائے تو آپ کی شاعری اپنے کمال کی حدوں کو چھوتی نظر آتی ہے اور کسی ایک شاعر کے لئے باعث صد افتخار ہے۔
آپ کی تمام تر شاعری حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کے اس مشہور زمانہ شعر کی منہ بولتی تصویر ہے۔

کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلق
اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

اسلم صاحب نہ صرف ایک کامیاب اصلاح پسند شاعر ہی نہیں بلکہ سلسلہ کے ایک جانے پہچانے ہر دلعزیز مصنف بھی جس کی بیس سے زائد کتب طبع ہو کر سلسلہ کے لٹریچر میں ایک مفید اضافہ کا باعث بن چکی ہیں۔ ترانۂ اسلم، نغمۂ اسلم کی گونج ابھی تک کانوں میں رس گھول رہی ہے۔
آپ کی ایک کتاب "بچوں کی تربیت" ہے جو ایک نہایت مفید رسالہ ہے اور جس کی افادیت پر ملک کے تعلیم یافتہ طبقہ نے دل کھول کر خراج عقیدت ادا کیا اور محکمہ تعلیم نے اسے منظور فرما کر داخل نصاب کیا۔

احمدی بچوں اور بچیوں کے لئے سب سے پہلے اسلم صاحب نے توجہ فرمائی اور احمدیت کی کتاب، دوسری کتاب، تیسری کتاب لکھ کر وقت کی اہم ضرورت کو پورا کیا اور آئندہ آنے والوں کے لئے ایک نمونہ قائم کیا۔
مسیح کی واپسی (ربطرز ناول) "شیطان کانفرنس" (ربطرز ناول) دین ملاّ۔ مقدس کہانیاں۔ کارزارِ شُدھی۔ تیوگ شاستر وغیرہ وغیرہ آپ کے زورِ قلم کی زندہ جاوید تصاویر ہیں۔
جیسا کہ اُوپر تحریر کیا جا چکا ہے آپ نے شاعری کو تبلیغ دین کے لئے وقف رکھا اور جو کچھ لکھا افادیت کے پہلو کو مدِ نظر رکھ کر لکھا اور یہی وجہ ہے کہ آپ کی شاعری آپ کے پاکیزہ دلی جذبات کی آئینہ دار ہے اور سامع کے دل میں گھر کرنے والی اور پائیدار نقش قائم کرنے والی ہے۔ آپ کا رجحان ہمیشہ حمد و نعت اور تبلیغی منظومات کی طرف رہا ہے۔ ذیل میں ہم آپ کی پاکیزہ شاعری کے چند نمونے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں جن سے ہمارے مندرجہ بالا بیان کی تصدیق ہو جائے گی۔

نمونہ کلام

صِبغَۃ اللہ

مجھ کو اپنے رنگ میں اے میرے [illegible] رنگ دے
جو کبھی پھیکا نہ پڑ جائے تو ایسا رنگ دے

صبغۃ اللہ نام ہے جس رنگ کا اس رنگ میں
ڈال کر رحمت کا پانی حق کا چولا رنگ دے

کود جاؤں بے خطر میں آتشِ نمرود میں
مجھ کو اپنے عشق میں ایسا نرالا رنگ دے

دل کے آئینے میں ہے تصویر تیرے حُسن کی
تو بھی اپنے رنگ میں ہر ایک میرا رنگ دے

تو نے مستانِ محمدؐ پر چڑھایا تھا جو رنگ
اُس مقدس رنگ میں مجھ کو سراپا رنگ دے

تیرا اک جلوہ ہزاروں پیدا کر دیتا ہے رنگ
ایسے رنگوں میں سے کوئی پیارا پیارا رنگ دے

یہ مجھے معلوم ہے ہر رنگ میں بستا ہے تو
سُرخرو عقبیٰ میں کر دے مجھ کو ایسا رنگ دے

جب کسی مجلس میں بولوں میں چڑھا دوں اپنا رنگ
میرے ایک ایک لفظ کو روح القدس کا رنگ دے

شعر بھی رنگین ہیں اسلم تو بھی ہے رنگین بیان
ہم کو بھی اس رنگ میں کوئی خدارا رنگ دے

ایک دفعہ اسلم صاحب کسی پیدل تبلیغی سفر میں تھے کہ اچانک دل میں خیال آیا کہ اگر اس تنہائی میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے مل جائیں تو میں حضور سے کیا عرض کروں اور حضور کیا ارشاد فرمائیں۔ تخیلات نے شعروں کی صورت اختیار کر لی اور یہ خوبصورت نعت معرضِ وجود میں آ گئی۔

معروضات

بحضور محبوبِ ربِ کائنات

مجھ سے محبوبِ خدا پوچھیں بتا تو کون ہے
میں ادب سے یہ کہوں، ہوں نام لیوا آپ کا

وہ یہ فرمائیں یہاں پر کس طرح آنا ہوا — میں کہوں کہ عشق مجھ کو کھینچ لایا آپ کا

وہ کہیں سچ سچ بتا یہ عشق کب سے ہو گیا — میں کہوں دیکھا ہے میں نے جب سے جلوا آپ کا

وہ کہیں کیوں ہر گھڑی تو عشق میں بے چین ہے — میں کہوں ایک میں تو کیا عالم ہے شیدا آپ کا

وہ یہ فرمائیں کہ تیرے عشق کا مقصد ہے کیا — میں کہوں مر جاؤں پڑھتے پڑھتے کلما آپ کا

وہ یہ فرمائیں بتا کچھ اور کہنا ہے تجھے — میں کہوں مل جائے محشر میں سہارا آپ کا

پھر وہ شفقت سے یہ فرمائیں بتا کچھ اور بھی — میں کہوں ہر دم رہے اُمت پہ سایا آپ کا

پھر یہ پوچھیں سرورِ عالم بتا کیا نام ہے — میں کہوں اسلم ہوں میں ہے سر میں سودا آپ کا

پھر محبت سے یہ فرمائیں کہ اسلم کون سا
میں کہوں اسلم وہی خادم پرانا آپ کا

حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کی خدمت میں نذرانہ عقیدت

وہ جس کی قوتِ قدسی پہ نازاں ہے مسلمانی — وہ جس کے دم سے قائم ہو گئی پھر تہذیبِ انسانی

وہ جس نے علمِ قرآنی کے چشمے کر دیے جاری — مسلمانوں کو دوبارہ سکھائی ہے مسلمانی

وہ جس نے لشکرِ دجال کا دنیا میں سر کچلا — کئے ہیں منہدم جس نے درو دیوارِ شیطانی

شہنشاہ جس کے کپڑوں سے ہزاروں برکتیں لیں گے — امیری اور سلطانی سے بڑھ کر جس کی دربانی

وہ جس نے کر دیا مغرور مُلاّؤں کا سر نیچا — دکھا کر علم و حکمت اور آئینِ مسلمانی

مسیحِ وقت بھی ہے مہدیٔ معہود بھی وہ ہے — کہ جس کے ساتھ ہم نے دیکھی ہے تائیدِ ربانی

خدا کے بعد وہ عشقِ محمدؐ میں ہے سرگرداں — اگر یہ کفر ہے یارو تو پھر کیا ہے مسلمانی

بیاد بزمِ مستانِ محمدؐ تو بیا غافل — کہ تاثیرِ غلامانِ محمدؐ تو نمے دانی

جو دانشمند ہیں اسلم وہ کب انکار کرتے ہیں — چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

دعوتِ عمل

بڑھ رہا ہے لشکرِ دجّال یارو دم بہ دم — آؤ اس کے نقشِ ہستی کو مٹادیں بڑھ کے ہم
یاد رکھنا تو سپاہی ہے جری اللہ کا — دیکھ بڑھ کر پھر نہ ہو اس جنگ میں پیچھے قدم
تیری نصرت کے لئے تو آسماں پر شور ہے — پھر بتا اے احمدی کس بات کا ہے تجھ کو غم
کفر کی کالی گھٹا کافور ہو گی بالیقیں — احمدیت ہی رہے گی ربِّ کعبہ کی قسم
اُن کے لشکر دیکھ کر کیا پیٹھ دکھلا دوں گا میں — درمیانِ خاک و خوں بینی سرِ حق آں منم
مال و غیرت چیز کیا ہیں جان بھی قرباں کروں — اک اشارہ مجھ کو کر دے گر امامِ محترم
آبِ رحمت تو چھڑکتا ہی رہوں گا دوستو — کفر کی ہنڈیا کا جب تک جوش ہو جائے نہ کم

اُٹھ لگا کر نعرۂ تکبیر اے مسلم نکل
کفر کا تختہ اُلٹ دے ہے یہی تیرا دھرم

طنزیات

آزادیٔ نسواں

جب سے آزادی ملی ہے ملکِ پاکستان کو — لیڈیاں پاک بھی آزاد گھر گھر ہو گئیں
اپنے مردوں پر خدا جانے کہ کیا کچھ کر دیا — بیویاں اُن کو بنایا آپ شوہر ہو گئیں
جب سے یہ فیشن کے اَپ ٹو ڈیٹ سانچوں میں ڈھلیں — دیکھ لو اک اک ادا میں فارمیٹر ہو گئیں
اپنے کپڑے تنگ تو کچھ پردہ بھی تھا اور شرم بھی — جب ذرا آگے بڑھیں برقع سے باہر ہو گئیں
برتھ پر تو کر لیا تھا اچھا خاصہ کنٹرول — اب سُنا ہے قلبِ شوہر پر گورنر ہو گئیں
کھانا کھانے میں چھری کانٹا بھی ہو ٹیبل بھی ہو — مغربی تہذیب کی کچھ ایسی خوگر ہو گئیں
ایک دن کچھ بیوی سے میں یہ کہہ بیٹھا کہ آپ — کیوں خدا انگریزیت پر بندہ پرور ہو گئیں
وہ غضب میں آ گئے بولیں او بلیڈی ڈیم فول — تجھ کو کیا جو فیشن ایبل ہم سراسر ہو گئیں

سُن کے اسلم نے کہا اے میری مغرب زادیو
لال پیلی ہو کے کیوں جامے سے باہر ہو گئیں
میری آنکھوں نے جو دیکھا نظم اُس کو کر دیا
آپ کیوں جامے سے باہر مائی ڈیئر ہو گئیں

رشوت پر چند طنزیہ اشعار ملاحظہ ہوں

پاک ہے پاکستانی رشوت۔ کیوں نہیں لیں من مانی رشوت

پہلے تھے چھپ چھپ کر لیتے۔ تھوڑی تھوڑی ڈر کر لیتے
اب ہیں جھولی بھر کر لیتے۔ بھائیوں سے یہ کہہ کر لیتے

پاک ہے پاکستانی رشوت۔ کیوں نہیں لیں من مانی رشوت

پٹواری ہے پیٹ کا بندہ۔ رشوت اس کا روز کا دھندہ
کون کہے یہ فعل ہے گندہ۔ یہ تو ہے سرکاری چندہ

پاک ہے پاکستانی رشوت۔ کیوں نہیں لیں من مانی رشوت

ہو نہ میسّر فصل کا دانہ۔ جب تک پہنچے نہ ہو نذرانہ
نہر کا کیسے کھلے دہانہ۔ کہتے ہیں یوں بیباکانہ

پاک ہے پاکستانی رشوت۔ کیوں نہیں لیں من مانی رشوت

اعلیٰ ہوں یہ پولیس کے افسر۔ یا ہوں ادنیٰ نوکر چاکر
رشوت کے بندے ہیں اکثر۔ جو آیا پیٹ کے اندر

پاک ہے پاکستانی رشوت۔ کیوں نہیں لیں من مانی رشوت

اسلم تم ان کو پکڑاؤ۔ سرکاری مہمان بناؤ
جیل کی سب کو ہوا کھلاؤ۔ پھر یہ کہو کر لو اب گاؤ

پاک ہے پاکستانی رشوت۔ کیوں نہیں لیں من مانی رشوت

جوگی کی صدا

اے سونے والو جاگو بھی — یہ گہری نیند تیاگو بھی
حق حق میں اُٹھ کر لاگو بھی — دیکھو تو نور ہوا بابا

کیوں نیند نے تجھ کو گھیرا ہے — یہ جگ تو رین بسیرا ہے
گھر آگے چل کر تیرا ہے — اُٹھ بستر باندھ اپنا بابا

ہم مولا نام کے مستانے — کچھ آئے تم کو بتلانے
اِک بھید نرالا سمجھانے — رے سُن لے کان لگا بابا

اس دیس میں یوں پھرتے پھرتے — اک نگری میں ہم جا نکلے
واں دیکھے قدرت کے جلوے — جنگل میں منگل تھا بابا

واہ واہ کیا سُندر بستی ہے — کچھ ایسی شان برستی ہے
گھر گھر توحید پرستی ہے — خود اُترا آن خدا بابا

اک ہادی اس میں آیا ہے — وہ نُور خدا کا لایا ہے
عالم جس نے چمکایا ہے — تو نیتر کھول ذرا بابا

یوں پیارا ہے میٹھے پیاروں میں — اک خاص ادا سے یاروں میں
شرک اس کے دم سے دور ہوا — اور کفر بھی سب کافور ہوا
اسلام کا نور ظہور ہوا — شیطاں کا سر کچلا بابا

وہ جس بستی میں رہتے ہیں — لوگ اس کو قادیاں کہتے ہیں
واں نور کے دریا بہتے ہیں — تو جا کر درشن پا بابا

بس اسلم کی اتنی تھی صدا — اب چلتے ہیں یہ کر کے دُعا
ہو سب کو پریم اُس ہادی کا — کُل جگ کا ہووے بھلا بابا

جوگی کی یہ صدا اسلم صاحب نے ایک مرتبہ حضرت مصلح موعود کی خدمت میں بیت مبارک کے اندر بعد نماز عصر سنائی۔ حضور بہت محظوظ ہوئے۔ فرمایا ہم ایسی ہی نظمیں چاہتے ہیں۔ اسلم صاحب یہ جوگی کی صدا علاقہ ملکانہ یعنی میدانِ ارتداد میں گاؤں گاؤں سناتے پھرتے تھے اور لوگ اِن کی سریلی آواز اور جوگیانہ انداز پہ فدا ہو ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو جاتے تھے۔

آریہ پرچارکوں (مبلغوں) نے اسلام کے خلاف کچھ بھجن بنا رکھے تھے جن میں ایک کے پہلے بول یہ تھے۔

سوامی جی نے توڑ ڈالے پرچ پیالے اسلام کے

وہ خدا جس کو شیطاں نے دھوکہ دے دیا　　سچ کہو اے شیخ جی ایسے خدا کس کام کے

اسلم صاحب نے اس نظم کا دندان شکن جواب لکھا جو ہدیہ ناظرین ہے

اے مہاشہ جی تیاگو اب تو قصّے رام کے　　یہ سویرا ہے نہ گاؤ گیت وقتِ شام کے

وید کی تعلیم نے بھارت میں اندھیرا کیا　　جوت پھیلے گی مگر پرکاش سے اسلام کے

وہ خدا جو روح و مادہ کو نہ پیدا کر سکے　　سچ کہو پنڈت جی ایسے ایشور کس کام کے

مورتی پوجا سے مکتی مل نہیں سکتی کبھی　　اے برہمن کیوں پڑا پیچھے خیالِ خام کے

چھوڑ کر من کی کپٹ گر پریم سے ذرا دیکھو　　ایشور تم کو ملے گا دھرم میں اسلام کے

لشکرِ محمود کا ہے پہلوان اسلم یہاں
بات کرنا آریو اپنی زباں کو تھام کے

آریہ لوگوں نے پوربی زبان میں بھی جو اس علاقہ کی زبان تھی کچھ بھجن بنائے تھے۔ اُن کا ایک بھجن یوں شروع ہوتا تھا۔

بھاگو بھاگو مولویو تم اپنی اپنی گیل لگو

یعنی اے مولویو اپنی راہ لو ہم لوگ تو شدھ ہو کر رہیں گے۔

اس کا جواب اسلم صاحب نے یوں دیا ۔

پنڈت جی بستر گول کرو پنڈت جی بستر گول۔

اب تک بہت چلتر تم نے ہم کا تھے دکھلایو — لیکن تمرے دین دھرم کا جلدی کھل گیو پول
پنڈت جی بستر گول کرو

ناہین ہم کو کھیر کچھو تھی کھیو دین اسلام — اب تو پڑ گیو ماتم یہ اک موتی ہے انمول
پنڈت جی بستر گول کرو

تمرے پھندوں میں اب ناہیں ہم آویں گے ہرگز — قدیان والوں نے اب تر اکھول دیو ہے بول
پنڈت جی بستر گول کرو

چٹیا وٹیا جنیو دنیو سے ہم تو نفرت کھاویں — پاک محمدؐ کا ہم کلمہ پڑھیں گے گوڈ نچے بول
پنڈت جی بستر گول کرو

پنڈت جی چپکے چپکے تم نگری سے جلدی نکسو — اسلم جی کر آگیوا ہن کھولے گا سب پول
پنڈت جی بستر گول کرو

اس بھجن کو گانے کی طرز کچھ اس قسم کی ہے کہ جب چھٹے پر گایا جاتا ہے تو سننے والے وجد میں آجاتے ہیں۔ ہندوؤں کے بچے بھی اسے گاتے پھرتے تھے اور پنڈت لوگ ٹپٹپاتے رہ جاتے تھے۔

ان کے علاوہ بھی اسلم صاحب نے بہت سے بھجن حسب ضرورت تیار کئے تھے اور ان سے موقعہ موقعہ پر کام لیتے تھے۔ غرض اسلم صاحب کی شاعری سر تا سر افادی اور اصلاحی شاعری کا انمول نمونہ ہے جو خدمت دین کے جذبہ سے سرشار ہو کر معرض وجود میں آیا ہے۔ جس شاعری کا کوئی تاریخی پس منظر ہوتا ہے وہ قبول عام اور نقش دوام کی سند حاصل کر لیتی ہے اور یہ قول اسلم صاحب کی شاعری پر من کل وجوہ چسپاں ہوتا ہے۔

آسانؔ حضرت ماسٹر محمد حسن صاحب آسانؔ دہلوی

ولادت ـــــ سنہ ۱۸۹۰ء

بیعت ـــــ سنہ ۱۹۰۰ء

وفات ـــــ ۲۵ اگست سنہ ۱۹۵۵ء

حضرت ماسٹر محمد حسن صاحب آسانؔ دہلوی مرحوم دہلی کے ایک نامی بزرگ اور سلسلہ چشتیہ کے سجادہ نشین حضرت حافظ وزیر محمد خان محب اللہ شاہ رحمت اللہ علیہ کے پوتے اور حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کے قدیمی اور مخلص رفیق حضرت مولوی محمود الحسن خان کے فرزند تھے۔ سنہ ۱۸۹۰ء میں جس سال آپ کے والد بزرگوار حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہوئے اُسی سال بمقام پٹیالہ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ اس لحاظ سے آپ پیدائشی احمدی تھے۔ بعد میں آپ کو گیارہ سال کی عمر میں خطبہ الہامیہ کے وقت قادیان حاضر ہوئے اور حضور کی زیارت اور ارشادات سے مستفیض ہونے کا موقع ملا۔ اور اس طرح آپ کو بھی رفقاء کے زمرہ میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔

آپ نے پٹیالہ ہی میں تعلیم حاصل کی اور بہت اچھے نمبروں میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ فارسی کی تعلیم اپنے والد محترم سے گھر پر حاصل کی چنانچہ اس میں کافی دسترس رکھتے تھے۔ ملازمت کے سلسلہ میں اپنے وطن دہلی واپس آگئے اور پھر قیام پاکستان تک دہلی میں ہی رہے۔ اور قیام پاکستان کے بعد بقیہ عمر لاہور میں بسر کی۔ اُردو زبان کے صاحبِ طرز ادیب اور انشاء پرداز تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تحریر و تقریر کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔ گفتگو اس قدر دلنشیں اور مسحور کُن ہوتی تھی کہ مخالف سے مخالف بھی رام ہوئے بغیر نہ رہتا تھا۔ مطالعہ بہت وسیع تھا اور حافظہ بھی بلا کا ودیعت ہوا تھا

آپ نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو خدمتِ دین کے لئے وقف رکھا اور دعوت الی اللہ کے میدان میں اُن سے خوب فائدہ اٹھایا۔ مخالفین دینِ حق کے ساتھ صدہا نہایت کامیاب مناظرے کئے اور جماعت میں اور جماعت سے باہر مختلف جلسوں اور مجالس میں سینکڑوں لیکچر دیئے شاید ہی کوئی اتوار ایسی آتی جس میں آپ کا کوئی نہ کوئی مناظرہ یا لیکچر نہ ہوتا ہو۔ بعض اوقات دن میں مختلف مقامات پر کئی کئی لیکچر ہو جاتے تھے۔ دعوت الی اللہ کا شوق جنون کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ بخت مذاور دین کے معاملے میں بہت باغیرت واقع ہوئے تھے۔ اس کی صدہا مثالیں بیان کی جا سکتی ہیں اور راقم الحروف نے خود ایک ایسے مناظرے میں شرکت کی توفیق پائی جس میں آسمان صاحب فریق مقابل تھے۔ اعلیٰ طبقہ میں بھی دعوت الی اللہ کا خاص شوق تھا۔ چنانچہ یونیورسٹی کے نامور پروفیسروں اور دیگر دانشوروں سے انفرادی ملاقاتیں کر کے بھی دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو بیویوں سے گیارہ بیٹے اور دو بیٹیاں عطا فرمائیں۔ بیٹوں کو آپ نے خدمت دین کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اس پر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو نے خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے آپ کے اس جذبہ کو تمام جماعت کے لیے ایک قابل تقلید نمونہ قرار دیا۔ آپ کے چار بیٹوں کو زندگی وقف کرنے اور خدمات دین بجا لانے کی توفیق ملی۔

قدرت نے آپ کو شعر و شاعری کا ملکہ بھی عطا فرمایا تھا اور آپ نے اس نعمت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دین کی خدمت کے لئے اکثر اس حربہ کو بھی استعمال کیا۔ ایک مخالف احمدیت کی نظم جس کا مطلع ذیل میں درج ہے (نقل کفر کفر نہ باشد)

حق پہ رہ ثابت قدم باطل کا شیدائی نہ ہو
گر تجھے اسلام پیارا ہے تو مرزائی نہ ہو

کے جواب میں اڑتالیس بند پر مشتمل ایک مسدس لکھی جس کے ٹیپ کا بند یہ تھا ؎

اے مسیح قادیاں جان و دلم بر تو فدا
تو نے پھر اسلام کو دنیا میں زندہ کر دیا

اس مسدس میں مسلمانوں کی حالت زار کا نقشہ کھینچنے کے ساتھ ہی ساتھ صداقت حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) اور اختلافی مسائل کو ایسے دلکش انداز میں نظم کیا کہ بہت سے احمدی احباب کو دعوت الی اللہ میں اس نظم سے بہت مدد ملی۔ آپ نے اس نظم کو اپنے خرچ پر بڑی تعداد میں چھپوا کر احباب جماعت میں تقسیم کر دیا تھا۔

آسان صاحب کو غزل کے انداز میں مذہبی نظمیں لکھنے کا ملکہ حاصل تھا اور بڑی اچھی نظمیں لکھتے تھے۔ آپ نے اپنی بعض نظمیں جلسہ سالانہ قادیان میں بھی پڑھ کر سنانے کی سعادت حاصل کی۔

آپ کے کلام کی نمایاں خصوصیت سادگی بیان، لطافت زبان اور معنی آفرینی ہے۔ آپ تکلفات شعری کے قائل نہ تھے جو بات کہنا منظور ہوتی نہایت سادگی سے بیان کر دیتے لیکن فن کے اعتبار سے شعر منہ بولتی تصویر ہوتا۔ حضرت مولوی ذوالفقار علی صاحب گوہر (اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو) کے صاحبزادے جناب محمد اسحٰق صاحب کی شادی کے موقعہ پر ایک فرمائشی سہرا لکھا جس میں مذہب کا رنگ اس طرح بھر اکہ حسن بیان دوبالا ہو گیا۔ سادگی اپنی جگہ بہار دکھا رہی ہے۔ چند اشعار نمونۃً درج ذیل ہیں۔

تم صحابی کے ہو جگر گوشہ — باخدا کا ہو باخدا سہرا
یہ بھی ایماں کی طرۂ ایقاں کا — احمدیت کی ہو قبا سہرا
دولہا بھی احمدی ہے دلہن بھی — دین والوں کا حق نما سہرا
خلق احمد کی تم کرو تقلید — ہم بھی سمجھیں کہ یوں بندھا سہرا
سہرا لکھتے ہیں لوگ دلی میں — ہم نہیں جانتے ہے کیا سہرا

سہرا لکھنے کی تھی جو فرمائش
ہم نے آسان لکھ دیا سہرا

نمونہ کلام

منہ میں زباں، زباں پہ ذکر حبیب ہو — دل میں ہو درد، درد میں لذت نصیب ہو

اوروں کو مال و زر مجھے احمدؐ نصیب ہو | ہر گام نزع جو مرے دل کے قریب ہو
ہے کون جو کہ درد کی میرے دوا کرے | محمودؐ درد قلب کے تم ہی طبیب ہو
توفیق تم کو خدمت دین کی کبھی ملے | مانا خطیب اچھے ہو اچھے ادیب ہو

کیا کم شرف ہے احمدؐ مرسل کا ہوں غلام
آسان لوگ لاکھ کہیں تم غریب ہو

ایک موقعہ پر آسان صاحب کو ہندوؤں کے ایک مشاعرے میں جو اُن کے مشہور تہوار جنم اشٹمی کی تقریب کے سلسلہ میں منعقد کیا گیا تھا اپنے اسلامی نظریات کی تبلیغ کا نادر موقعہ میسّر آیا جس سے انھوں نے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک نظم لکھی جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔ سہ

جب کتھا ہم نے سُنی تھی رام کی | ہم اسے سمجھے کہانی شام کی
انبیاء آتے رہے جو شام میں | تھے وہ گویا بعث ثانی شام کی
یثرب و بطحا سے جو آئی ندا | ہم نے وہ آواز جانی شام کی

آ گئی بھادوں کی پھر وہ اشٹمی
"ہاں سنا دو پھر کہانی شام کی"

بسملؔ حضرت مولانا عبید اللہ بسملؔ صاحب

والدین نے آپ کا نام عباد اللہ رکھا۔ مگر آپ کے استاد نے اسے غلط قرار دے کر عبید اللہ تجویز کیا۔ والد کا نام مظہر جمال تھا۔ شاعری میں تخلص بسملؔ رکھا۔ آپ کی پیدائش اندازاً ۱۸۳۹ء کے قریب معلوم ہوتی ہے۔ قد چھوٹا، چہرہ متین اور دلکش، آنکھیں روشن، باتوں میں انکسار، ذریعۂ معاش طبابت تھا۔ آپ کے رشتہ دار بڑے امیر کبیر تھے مگر آپ ان سے بے نیاز درِ مولا کے فقیر۔

آپ کا وطن دھرم کوٹ ضلع گورداسپور پھر امرتسر، لاہور، بمبئی، بھوپال اور رامپور میں بھی سکونت رکھی۔ فارسی آپ نے بمبئی میں ایرانیوں سے سیکھی۔ کئی شہروں میں متعدد اساتذہ سے فارسی اور عربی ادب نیز علمِ طب کی تکمیل کی۔ رامپور، بھوپال اور حیدرآباد دکن میں کتب خانوں کے مہتمم رہے۔ آپ چلتے پھرتے انسائیکلوپیڈیا تھے۔ علم مناظرہ، منطق، فلسفہ فارسی اور عربی ادب کے ماہر تھے۔

آپ پہلے سُنّی تھے پھر شیعہ ہوئے اور پھر تحقیق کے بعد خود احمدی ہوئے۔ حضرت بانیٔ سلسلہ نے آپ کے فارسی کلام کو فردوسی کا ہم رنگ قرار دیا۔ فارسی دان آپ کے کلام کو دیکھ کر کہا کرتے تھے کہ بسملؔ صاحب ہندی نہیں بلکہ ایرانی ہیں۔ بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو عربی اور فارسی دونوں زبانوں پر قدرت رکھتے ہیں لیکن بسملؔ صاحب جب فارسی شعر لکھتے تو طبیعت کا رخ پلٹنے پر اسی زمین میں عربی اشعار بے تکلف کہہ جاتے ہیں۔

تصانیف :۔ آپ کی تصانیف میں ۱۔ فارسی بول چال ۲۔ ترجمان فارسی ۳۔ ارجح المطالب (سوانح حضرت علی) ۴۔ مسدس مدوجزر اسلام (۱۹۰۱ء) ۵۔ مرآت اسلام ۶۔ خاتم النبیین

۷۔ حیاتِ بسمل ۸۔ حق الیقین فی معنی خاتم النبیین (اردو نثر میں لکھی ہے) ۹ قصیدہ نعتیہ (۱۹۷ اشعار اور ۱۰ قنہ پارس) یہ مثنوی آپ نے آخری عمر میں مکرم شیخ محمد احمد مظہر صاحب کی درخواست پر لکھی۔ نمایاں ہیں ۔

ان کے علاوہ باقیاتِ بسمل، کشتی نوح کا فارسی ترجمہ اور حضرت بانی سلسلہ کی کتاب تذکرۃ الشہادتین کا ترجمہ بھی قابلِ ذکر ہیں۔ حضرت مولانا عبیداللہ بسمل صاحب علم وفضل کے آفتاب اور فن وشعر میں کامل تھے۔ آپ نے قریباً سو سال کی عمر پائی۔ وفات ۱۹۳۹ء میں ہوئی اور تدفین بہشتی مقبرہ میں ہوئی۔

نمونہ کلام

جذباتِ بسمل

شکر للہ باز از چرخ بریں ۔۔۔ گشت نازل بر زمیں روح الامیں

از ملک ادریس آمد بر زمیں ۔۔۔ بہر تدریس نکات علم دیں

باز کشتبانِ اُمت گشت نوح ۔۔۔ گشت وا بار دگر باب فتوح

باز اسمٰعیل را رب جلیل ۔۔۔ کرد خواں سالار بر خوانِ خلیل

باز یوسف شد بکنعاں جادہ گر ۔۔۔ دیدۂ یعقوب شد بینا دگر

باز آمد در جہاں آں ایلیا ۔۔۔ کانتظارش می کشیدند انبیاء

جلوہ ساعیر شد دیگر عیاں ۔۔۔ نخلِ ایمن بار دیگر گلفشاں

دین احمد باز بر کرسی نشست ۔۔۔ بر صلیب عیسوی آمد شکست

غیرتِ حق بانگ بر زد طرقوا ۔۔۔ داد وحیٔ حق صلائے ابشروا

آدمِ ثانی سمیّ مصطفٰے ۔۔۔ مہدی دیں نائب خیر الوریٰ

آفتاب مطلع حق الیقیں ۔۔۔ ماحی بدعت امام المتقیں

قائدِ اعظم امیر المومنین ۔۔۔ ناصر الاسلام کہف شرع دین

شمۂ ایوان فضل و موہبت — مطلع دیوان علم و معرفت
از ملک بگزشتہ در فضل وکمال — از فلک بگزشتہ در جاہ وجلال
مہر و مہ پروانۂ رخسار او — جان وایماں زندہ از گفتار زد
خلعت علم لدنی در برش — صد سلام از جانب پیغمبرش
نور احمد کرد در احمد ظہور — نیر اسلام شد تابندہ ہور

ہر کہ بود از فضل رب ناقد بصر — شد زخاک پائے او روشن بصر
آنچہ بر توحید او کردہ رقم — ہست در انجیل کی اے بوالحکم
آنچہ او ابطال باطل کردہ است — کے مسیحا پیش عاقل کردہ است
گرنداری ایں سخن باور زمن — پیش کن انجیل او در انجمن
چوں مشکک نیستی گر در گماں — برابر ہیں غور کن چوں ش بخواں

خدمت دیں ہر کہ می سازد زیاد — می فزاید رتبہ اش رب العباد
خدمت توحید حق اندر جہاں — چوں محمد کس نکرد از مرسلاں
لاجرم شد ختم بروئے ہر کمال — از عنایات قدیر ذوالجلال

اندریں دوران کہ انجوش فتن — منکراں کردند ہر سو انجمن
تا مگر اسلام را سے زنند — نخل پر اثمارش ازیں برکنند
از برائے نصرت دین نبی — حق تعالیٰ کرد مبعوث ابن جری
ہرچہ سید کرد با سیف وسناں — نائب او کرد با سیف زباں
با دلائل پشت تر سارا شکست — اسقف اعظم پس زانو نشست
شد برہمو نیز پیش منفعل — آریہ ہم گشت در رویش خجل

قوم سکھ را آنچناں الزام داد　　گفتہ ہائے نامکش را داد یاد
با دعائے خود نہ با تیغ وحسام　　کشت آتھم را بسان لیکھرام

وقت رحلت حضرت خیر البشر　　داد از رحمت باُمت ایں خبر
بر سر ہر قرن آید بالیقیں!　　یک مجدد از پے تجدید دیں
بر ثریا بر رود گر علم دیں　　آید از ابنائے فارس بر زمیں
مہدی ہادی بدور آخریں　　می کند تجدید ایں دین متیں
ہم چنیں فرمود با قولِ فصیح　　مہدی اُمت بود عیسیٰ مسیح
در حدیث خویش آں خیر العباد　　عیسیٰ دجال کش نامش نہاد
ابن مریمؑ بود احمدؑ نام او　　آگہی بخشید از ایام او
چار سو از قول وفعل مشرکیں　　لرزہ می افتد باندام زمیں
آں امام الوقت آید از خدا　　می نماید حق و باطل راجدا
می نشاند فتنۂ یاجوج را　　سرد زاد آتش ماجوج را
با براہیں و ادلہ آں حبیب　　می نماید درجہاں کسر صلیب

اندریں دوراں کہ دستاں کردہ اند　　مکر ہا انساں پرستاں کردہ اند
تا بر اندازِ راہ یک نفسِ غبی　　افترا بندند بر ذاتِ نبی
ابن مریم را صفات ایزدی　　میدہند از جہل واز بدشری

خالق الاصباح از لطف اتم　　دیدہ چوں پژمردہ دل خیر الامم
از پئے درمان درد مذہبی　　ساخت مبعوثش بر اخلاق نبی
بعد سلطان رسل خیر الانام　　ہیچکس را شد نہ حاصل ایں مقام

موت عیسیٰ کرد ثابت با دلیل   مذہب کفارہ شد عکیس ذلیل
چوں مسیحا را بگور اندر نشاند   ہیچ حجت قوم ترسا را نماند
کرد گرچہ بس تشبث با خیش   گشت غرقِ آخر از دو کیش کشیش
گشت روشن با براہیں قوی   بر زمانہ فضلِ ذاتِ احمدی
ترس زو خوردند ترسازادگاں   سرنگوں پائے صلیب افتادگاں
ضربتے او از پے کسر صلیب   گفت باتیں راہب یا نصیب
کرد غالب آنچناں اسلام را   برہمن زد پشت پا اصنام را
ہندواں زنار ہا بگستہ اند   با ارادت پیش او بنشستہ اند
صد برہمن را مسلماں کردہ است   گبر را شیدائے ایماں کردہ است

للہ الحمد آمد آں مرجری   از برائے نصرت دین نبی
پایۂ قرآں را واضح نمود   رتبۂ فرقاں را لائح نمود
کرد ثابت پیش ارباب نحل   فضلِ سید بر مشاہیر ملل
با زباں تازی یثرب زمیں   قادیاں را ساخت فردوس بریں
بلبلان قدس سر کردند باز   نغمۂ دلکش بر آہنگ حجاز

آں رسول حضرت خیر الرسل   فائح زد نشر ہمنے چوں بوئے گل
در کفش گلدستہ ام الکتاب   ہم عرب ہم ہند از وے فیض یاب
فاضل و تحریر و سلطان القلم   ہم عرب را فتح کردہ ہم عجم

ماندیدستیم اے مرد جہول   مثل او جانباز در حب رسول
برتر از افلاک شانش با یقیم   مہر و مہ از خاک نقش ما نعیم

ہر کہ سر پیچید بسمل زیں جناب — بے نصیب اُستاد از حسن المآب

اے برادر چند مانی بدگماں — ان بعض الظن اثم را بخواں
چند بر قندیل عرفاں پف کنی — چند بر خورشید ایماں تف کنی
دشمنی با خاصگانِ کبریا — بے خطا باشد خطا باشد خطا
اے برادر ترس از رب غفور — جان خود را از تعصب دار دور
اے برادر مثل او بنما مرا — خیر خواہ ملت خیر الورے
آنکہ او در شد محو در ذات رسول — ہر چہ فرماید بکن از دل قبول
چوں قند در کورہ آتش جدید — می شود ہمرنگ آتش اے رشید
راست گوید گر بگوید آتشم — محو آتش گشتہ من آتش وشم
مہر رخشاں بود فخر انبیاء — آئینہ ہا اولیاؤ اصفیا
آں بود آئینہ اش مثل قمر — پر تو کامل درو شد جلوہ گر
نور احمد کرد در احمد ظہور — طور سینا گشت یکسر کوہ نور
از فلک خورشید چوں شد نورپاش — اے برادر کور چوں شپر مباش
کافرے گیرد اگر شکلِ مسیح — میکنی باور تو بار اے وقیح
او منے گرود اگر مثلِ مسیح — میکنی بروے تو صد طعن صریح
اے برادر اند کے انصاف کن — برمکن انصاف از بیخ دیں
حسب وعدہ آمد از رب جلیل — ایں جلیل القدر مانند خلیل
ایں جری اللہ کہ در عہدِ فتن — کردہ با اعجاز احیاءِ سنن
چند می پیچی تو بر میلے اہل — شرہارام امرِ مالم نیل

اے برادر تو مشو نمرود وقت — ورنہ گردی پیش حق مردود وقت

وقت را بشناس گو فرزانۂ | ورنہ پیش عارفاں دیوانۂ
آمدہ پر وقت ایں شیر خدا | با شواہد در لباس انبیاء
اے دریغا وقت را نشناختی | خویشتن را در ابا انداختی
ہیچ کارے بدتر از انکار نیست | جز بدم انجام استکبار نیست
ابن آدم باش و شیطانی مکن | چوں نہ بوجہل نادانی مکن
گر تو نشناسی امام وقت را | می شوی در جاہلیت مبتلا
وقت را بشناس تا یابی مراد | لا یلام المرد بعد الاجتہاد

خیز و خاک درگہ محمود باش
پیش رب ذوالمنن مسعود باش

تہنیت نامہ کدخدائی والا جاہ خدا آگاہ منظور بارگاہ احد صاحبزادہ منصور احمد نبیرہ حضرت سیدنا المسیح الموعودؑ۔ قرۃ العین عالی جناب محامد انتساب میرزا شریف احمد صاحب سلمہ اللہ الصمد

باز از فضل کردگار غفور | نصرت ایزدی نمود ظہور
بارک اللہ عزت احمد | آں یکے ناصر ایں دگر منصور
علم در ذات ایں ہمہ سادات | لمعۂ طور در ہیاکل نور
وحشں اللہ ہر صغیر و کبیر | گشتہ از جام تہنیت مسرور
جملہ تکبیر گو صغار و کبار | جملہ تسبیح خواں اناث و ذکور
آں اظہار حضرت مہدی | در ضیاء و سنا چو شعلۂ طور
جملہ شاں بہر طالبان خار | شہر ویرانہ ساختہ معمور
در دعا ہائے خویش می شنوند | از ملک ان سعیکم مشکور

در رہ دین مبلغان بدے — ذات شان از ریا و سمعت دور
محو گردیده در رضائے خدا — طبع ہر یک ز حب جاہ نفور
قاہر طبع شان عزیمت خاص — صف اعدائے دیں شود مقہور
ہر تنے خواستند ز حق بدعا — کہ شود احمدی شہ فغفور
عزم دارند کایں خرابہ دہر — گردد از دین احمدی معمور
ہر جوانے بعلم و فضل شہیر — مثل اقطاب در جہاں مشہور
سعی دارند در فلاح الناس — بعد صوم و صلوٰۃ تا مقدور
نہ چو شیخاں خانقاہ نشین — بر ریاضات خویشتن مغرور
ہیچگہ پیرزادگاں آسا — نفر دشند کبر و عجب و غرور
نہ نویسند چوں عزائم خواں — حرز بازوے یک رنجور
ہیچو پیران نظر نمی دوزند — بر کف دست کس برائے نذور
بہر تفریح کردہ اند پسند — درسگاہ علوم دار سرور
دین و دنیا بذات شاں نازاں — بہ بہ اولاد ایزدی و خشور
ناز دارند از خدا و رسول — مفتخر نے ز بابر و تیمور
بر خلاف اکابر اقوام — از قدم بوس و خاکبوس نفور
نستانند صدقہ ز کسے — چو گروہ مجاوران قبور
جملہ شاں سیرت ملک دارند — جملہ شان است صورتے چوں حور
عصمت اندر وجود شاں مضمر — عفت اندر نہاد شاں مستور
ایں نساء و رجال آل مسیح — بر سپہر شرف شموس و بدور
اگرچہ فی اللہ اخبش اند ہمہ — لیک لیکن بحال یک معذور
نصرت اللہ عیاں ز چہرۂ شاں — ہست گر ناصرہ دگر منصور
ابن بنی فارس آل سلمانند — بہر تجدید دیں شدہ مامور

غیر فرقان یا حدیث نبیؐ   نیست در بزم شاں دگر مذکور
بانگ تمجید جائے چنگ و رباب   ذکر حق جائے بربط و طنبور
راستی کار و راستی است شمار   ہر نبی زادہ را زہد و شعور
ناز بر اسوۂ نبی دارند   نے زخانِ خطا و نے فغفور
ہمہ در علم و حلم راس و رؤس   ہمہ در بذل و فضل صدر صدور
چوں تکلم کند حسنِ بیاں   می کند قلب یک جہاں مسحور
ہر یکے در مکارم اخلاق   شمس نصف النہار سال مشہور
دادہ خالق زفضل باہر یک   در مقاسات و ہر نفس صبور
ہم عنایت نمودہ از پے دیں   ہمتے بس بلند طبع و غیور
دیدہ ہا دیدباں شرع تقےٰ   در ریاض ہدیٰ نظر ناظور
زیب عینین کحل غضِ بصر   غیرت افزائے نرگس مخمور
دین حق زندہ زیں نبی فارس   حاسد انند مردگاں قبور
کردہ در بر لباس از تقوےٰ   دل ندادہ باطلس و سیفور
شاہبازاں اوج توحیدند   شرک و بدعت بہ پیش شاں عصفور
می برد نفحۂ شمایل شاں   شرق و غرب جہاں صبا و دبور
از شمیم نسیم خُلقِ کریم   عطر باشند در عبور و مرور
ہر جواں مرد در جوانی خویش   ہمچو یحییٰ نبی عفیف و حصور
زیں تونی عترتِ احمد   حاسداں راست در جگر ناسور
فخر دارند بر غلامیِ شاں   گرچہ باشد جنید یا طیفور
کہ خدائی کرسنت نبویست   کردہ ہر یک ازیں جہت منظور
ورنہ تسخیر راجگان و ملوک   در دلِ پاک شاں نمودہ عبور
یا الٰہی تو آل احمد را   در اماں دار تا مرور دہور

مدت العمر غم نہ پیش آید
خاطرشاں نیاد حق مسرور

از سہام فلک مشبک باد
چشم بدبیں چولانۂ زنبور

ایکہ داری عداوت سادات
باش خالف زیوم بعث ونشور

خود نہ بیند ضیائے مہرِ منیر
ہر کہ دارد بچشم خویش فتور

یکدمے خدمت سلیماں کن
تا بفہمی تو سرِ بطن طیور

ہدیہ مبارکباد کد خدائی صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب

ہادیٔ ہند میرزا ہادی
قادیاں را کہ داد آبادی

بُود منظورِ حق کہ در دُنیا
بعد از دَورِ یثرب وبطحا

مطلعِ آفتاب دیں گردد
دلِ اعداء از و حزیں گردد

خیزد از وے یکے بشانِ نبیؐ
در لباسِ محمدِ عربیؐ

حکمِ عدل زو ظہور کند
ظلمت ظلم وجہل دور کند

قادیاں مرکزِ علوم شود
چرخ آسا پُر از نجوم شود

پارہ سازد صلیب ترسارا
ترس افتد دلِ کلیسا را

باز پیدا شود ز رحمت رب
رونقِ عہدِ شہریارِ عرب

نسلِ او نسلِ آلِ ابرھیم
میشود روشناس ہفت اقلیم

للہ الحمد اندریں اوقات
چشمِ ما دید آں ہمہ برکات

در زمانِ خلافت ثانی
شُد عیاں وعدہائے ربّانی

اندریں عہدِ مُصلح موعود
جلوہ گر گشت فضلِ ربِ وَدُود

چوں فروزاں نجوم اولادش
نور پاشندہ آلِ اَمجادش

از دعاہائے احمدِ مرسل ‏ ہر یکے نامورِ بعلم و عمل

ہر یکے طورِ علم و طودِ نہے ‏ راز دانانِ شرع و زہد و تقےٰ

پاسبانانِ ملّتِ بیضاء ‏ حارسانِ شریعتِ غرّا

لقمہ خوارانِ خوانِ قرآنی ‏ عاشقانِ کلامِ رحمانی

ہر یکے راست کار در سنّت ‏ مجتنب گشتہ طبعش از بدعت

ہر نبی زادہ مفخرِ اسلام ‏ رحمتِ ذوالجلال والاکرام

آں یکے صورتِ نبیؐ دارد ‏ دیں یکے سیرتِ علیؓ دارد

آں یکے خوئے مصطفےٰؐ دارد ‏ دیں یکے روئے مرتضےٰؓ دارد

آں یکے ناصرِ ایں دگر منصور ‏ متجلی بسان شعلۂ طور

نصرتِ ایزدی چہار طرف ‏ اندرون و بروں ہزار طرف

وحشِ اللہ ناصرِ احمدؒ ‏ جلوۂ فضلِ کردگارِ احد

بارک اللہ ابن ابن رسول ‏ کہ خدا شد بہ بنت بنت بتول

خلفِ اکبرِ خلیفۂ حق ‏ در معالی ربودہ گوئے سبق

ہمسرِ او در رئیسہ بنت رئیس ‏ او سلیماں عروس او بلقیس

آں حسنؓ صورت و حسینؓ وقار ‏ مرتضےٰؓ سیرت و مسیح آثار

تربیت یافتہ ز فضلِ عمر ‏ بالغ العلم گشتہ چوں حیدر

مفخرِ ملّت و رشید الدین ‏ بر سپہرِ جلال ماہِ مبین

کردہ حاصل علومِ شرعِ متین ‏ ہمچو علامۂ حمید الدین

حافظ و مولوی حق آگاہ ‏ نخبۂ حضرت جری اللہ

شمسۂ سقفِ آلِ سلمانی ‏ قرۃ العین قدرتِ ثانی

دوحۂ روضۂ کرام الناس ‏ شرف افزائے دودہ برلاس

باقر العلم حافظ القرآن ‏ فاضل العصر کامل الایمان

دامن نصرت خدا بروے | جلوہ گر فضل احمدی در وے
مامِ محمودہ و پدرِ محمود | جد امجد مسیح رب ودود
عمۂ اور بے مبارکہ ذات | فاطمہ طینت و خدیجہ صفات
سیدہ بنت احمدِ مرسل | اختر آسمان علم و عمل
عم او میرزا بشیر احمد | ماہر العلم فاضلِ او
عم دیگر ولی خاص احد | حضرت میرزا شریف احمد
جدّ او میر ناصرِ نواب | بُود صدیق وقت در اصحاب
پور بہر پدر چنیں شاید | خلف الصدق ایں چنیں باید
دو اتالیق او ز رب جلیل | میر اسحاق و میر اسماعیل
یوسفی بو بہ پیرہن دارد | احمدی حسن در بدن دارد
مے کنم پیش ہدیۂ تبریک | ہمچو جہد المقل بہ پیش ملیک
اے خداوند رافع الدرجات | از عنایات ایں ہمہ سادات
تا ابد ہادیٔ ورا باشند | بر سپہر علا ضیا پاشند
پایۂ شاں بر آسماں باشد | آسمان بر مرادشاں باشد

تصوّر حضرت حافظ صوفی تصوّر حسین صاحب بریلوی

حضرت حافظ صاحب بریلی (یو۔پی) انڈیا کے رہنے والے تھے۔ پرانا شہر بریلی میں گھنٹے شاہ کی زیارت کے قریب ان کے مکانات تھے۔ یہ بڑے صالح نیک طینت اور صوفی منش انسان تھے۔ پیری مریدی کا سلسلہ جاری تھا۔ اُن کے لاتعداد مرید تھے۔ لیکن حضرت اقدس مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) سے شرف بیعت حاصل کرنے کے بعد صرف تین چار مرید قادیان آئے جنہوں نے بیعت کرلی بقیہ مریدوں نے نہ صرف انکار کا راستہ اختیار کیا بلکہ مخالف پر کربستہ ہوگئے اور بعض نے معاندانہ سرگرمیوں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے ہی میں زندگی بسر کردی۔ حضرت حافظ صاحب پر معاش کی تمام راہیں مسدود کر دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ حتیٰ کہ آپ کا پانی تک بند کر دیا۔ رات کی تاریکی میں جب گھڑا باہر سے بھر کر لاتے تو معاندین کے مقرر کردہ پہرہ دار گھڑا توڑ دیتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے بچے پانی کو بلکتے لیکن ان اشقیاء کے دلوں میں رحم کی کوئی لہر پیدا نہ ہوتی اور یہ برابر اپنی انسان کش بہیمانہ پالیسی پر عمل پیرا رہتے۔ بالآخر جب صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور کوئی جائے مفر باقی نہ رہی تو حضرت حافظ صاحب معہ اہل وعیال قادیان ہجرت کر گئے اور ایسے گئے کہ پھر مُڑ کر بھی وطن کی طرف نگاہ نہ ڈالی اور قادیان ہی کے ہو رہے۔

ایک ایمان افروز واقعہ

بیعت سے قبل آپ نے ہمزاد کو قابو میں لانے کے لئے چلہ کشی کی اور کیمیا بنانے کے چکر میں بھی رہے۔ ایک بار جی میں آئی کہ دیکھیں کس طرح بغیر مانگے رزق عطا فرماتا ہے۔ شہر کے قریب جنگل میں نکل گئے اور ایک درخت پر چڑھ کر بیٹھ گئے۔ وہاں کوئی آدم نہ آدم زاد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے

لو لگائے انتظار کرتے رہے۔ صبح کے چار بجے تھے کہ جنگل میں کچھ روشنی نظر آئی۔ رفتہ رفتہ وہ روشنی نظر آئی۔ رفتہ رفتہ وہ روشنی قریب آتی گئی اور اُس درخت کے نیچے آکر رک گئی۔ اب جو غور سے دیکھا تو کوئی شخص خوان اٹھائے کھڑا نظر آیا۔ حافظ صاحب نے آواز دی کہ بھائی کس کو تلاش کر رہے ہو۔ جواب ملا کہ جناب آپ ہی کو ڈھونڈتا ہوا یہاں تک پہنچا ہوں اور یہ کہہ کر وہ خوان زمین پر رکھ دیا اور خود جس طرف سے آیا تھا اُسی طرف چلا گیا۔ حافظ صاحب نے درخت سے نیچے اُتر کر دیکھا اور خوان پوش اُٹھایا تو تازہ کھانوں کی خوشبو سے دماغ معطر ہو گیا اور حافظ صاحب نے خوب سیر ہو کر کھایا اور اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے گھر واپس آ گئے۔

قادیان میں آکر تدریس کا کام شروع کیا۔ عبدالحی صاحب حضرت مولانا نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّل کو بھی پڑھایا۔ تدریس کے علاوہ کتابت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ اسی اثنا میں کریانہ کی دکان بھی کھولی۔ آپ کے پاس رہنے کو مکان نہیں تھا لہٰذا حضرت اماں سے درخواست کی کہ تھوڑی سی جگہ برائے تعمیر مکان عطا کی جائے۔ حضرت اماں جان نے ازراہِ شفقت ڈھاپ کا ایک حصہ اس مقصد کے لئے عطا فرما دیا۔ جہاں صوفی صاحب نے دس فٹ مٹی کا بھراؤ ڈال کر مکان تعمیر کرایا۔ پریس کے عقب میں یہ پہلا مکان تھا جو تعمیر کیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد آپ نے بڑے بازار میں عطار کی دوکان کھولی۔ یہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا دورِ خلافت تھا۔ دوکان چل نکلی اور دیکھتے دیکھتے ترقی کر گئی۔ آپ دواؤں کو صاف کر کے بڑے اہتمام کے ساتھ فروخت کرتے تھے۔ وقت کی پابندی حافظ صاحب کا خاص شعار تھا۔

حضرت حافظ صاحب کی پہلی بیوی کے فوت ہو جانے پر حضرت ڈاکٹر غلام غوث صاحب کی کوشش سے آپ کی دوسری شادی لکھم پور کھیری (یوپی) انڈیا کے ایک احمدی گھرانے میں ہو گئی تھی۔ یہ بیوی بیوہ تھیں اور پہلے شوہر سے ان کی اولاد بھی تھی جو شادی کے وقت ان کے ساتھ آ گئے۔ گھر کا کام کاج سب بچے مل کر کرتے تھے لیکن سوتیلی ماں سے بچوں کو طبعاً کوئی لگاؤ نہ تھا۔ اس لئے بعض اوقات گھریلو معاملات میں شکر رنجی کی صورت پیدا ہو جاتی تھی لیکن بحیثیت مجموعی گھر کا ماحول پُر سکون تھا۔

ایک مرتبہ حافظ صاحب بیمار پڑ گئے۔ گھر سے باہر گئے ہوئے تھے کہ اچانک بیماری کا حملہ ہوا۔ چالیس دن متواتر بیمار اور صاحبِ فراش رہے لیکن گھر والوں کو خبر نہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے صحت عطا فرمائی تو گھر واپس آ گئے۔

اولاد

۱۔ سید محمد شاہ صاحب جو سب سے بڑے صاحبزادے تھے صغر سنی ہی میں فوت ہو گئے تھے۔

۲۔ ڈاکٹر سید شاہ عالم صاحب، شاہ میڈیکل سروس فیصل آباد۔ مشہور و معروف ڈاکٹر ہیں بڑے نے واقف احمدی اُن ہی سے علاج کراتے ہیں۔

۳۔ محمود عالم شاہ صاحب۔ شاہ میڈیکل اسٹور۔ بالمقابل اسلامیہ کالج فیصل آباد

۴۔ ڈاکٹر خورشید عالم صاحب۔ منصور میڈیکل اسٹور۔ بالمقابل اسلامیہ کالج فیصل آباد

۵۔ ڈاکٹر فیاض حسین صاحب فیصل آباد

سید صاحب کی والدہ ماجدہ (امتیاز النساء صاحبہ) قادیان میں قطعہ حضرت مسیح موعود میں مدفون ہیں۔ سید صاحب کی اہلیہ صاحبہ باوجود موصیہ نہ ہونے کے حسب ہدایت حضرت مصلح موعود اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو، مقبرہ بہشتی میں مدفون ہوئیں۔

آپ کی ایک صاحبزادی کا نکاح حافظ جمال احمد صاحب کے ساتھ ہوا جو پنڈ دادنخان کے رہنے والے تھے اور ماریشس میں مدفون ہیں۔ یہ ماریشس کے مبلغ تھے۔ آپ کی وفات پر حضرت مصلح موعود نے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا تھا کہ حافظ صاحب ماریشس سے واپس نہ آنے کا عہد کر کے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس عہد کو پورا کرا دیا۔ حافظ صاحب (جمال احمد) نے دوسری شادی دھرم پورہ میں کی تھی۔ کچھ لڑکیوں کی شادیاں ماریشس میں کیں۔ لڑکوں کی شادیاں ڈاکٹر شاہ عالم صاحب کی صاحبزادیوں سے ہوئیں جو سب لندن میں سکونت پذیر ہیں۔ آپ کے صاحبزادے عیسیٰ محمد جمال صاحب محکمہ انہار فیصل آباد میں ہیڈ ڈرافسمین تھے۔

صوفی صاحب کے سب سے چھوٹے صاحبزادے عبداللہ حسین صاحب سول اینڈ ملٹری گزٹ (اخبار)

کے دفتر میں ملازم تھے اور بیت احمدیہ میں رہتے تھے۔ حضرت مصلح موعود کی تحریک پر بیرون ملک جانے کے ارادے سے روانہ ہوئے لیکن ناسازگار حالات نے بمبئی سے آگے نہ جانے دیا اس لئے واپس آکر پھر لاہور میں دوبارہ ملازمت کر لی اور وہیں شہید ہوئے۔

شعر وشاعری سے لگاؤ

صوفی صاحب کو ابتداء ہی سے شعر وشاعری سے لگاؤ تھا۔ طبیعت موزوں پائی تھی اور اظہار جذبات پر قدرت رکھتے تھے۔ آپ کی منظومات ادبی رسائل میں شائع ہوتی رہتی تھیں۔ گلدستہ مضامین میں آپ کی ایک نظم شامل ہے۔ لیکھرام کے قتل پر بھی آپ نے ایک واقعاتی نظم سپرد قلم کی تھی جو سلسلہ کے اخبارات میں شائع ہو چکی ہے۔ دور ابتلاء کی ایک پر درد داستان آپ نے منظوم کی جو اسی زمانہ میں سلسلہ کے اخبارات میں شائع ہو گئی تھی۔ چند شعر ہدیہ ناظرین ہیں۔

آ و ملتا ہے بڑی فکر سے تھوڑا پانی
جانے کب تک مقدر میں یہ ایذا پانی

آنسوؤں کی میری آنکھوں سے جھڑی لگتی ہے
پیاس میں بچے جو کہہ اٹھتے ہیں ابا پانی

اُن سے پوچھے کوئی مظلومی شبیر کا حال
وہ دن خود نہ ملا ہو جسے قطرا پانی

غلغلہ ہے یہی اعدا میں کہ اینٹیں برساؤ
تا نہ لے جائیں یہ لوگ ایک کٹورا پانی

سیر ہو ہو کے پئیں خوب چرند اور پرند
مگر ان لوگوں کے ہاتھ آئے نہ اصلا پانی

کوئی پوچھے تو یہ نادان ستم گاروں سے
بند کرتے ہیں کسی کا کہیں دانا پانی

ہم حسینی ہیں کہ پانی کی ہے بندش ہم پر
وہ یزیدی ہے جو ہم کو نہیں دیتا پانی

جو سیہ رو تری مخلوق کو پیاسا تڑپائے
کاش ہو جائے الٰہی اسے کالا پانی

ننھے ننھے مرے معصوم تو پیاسے تڑپیں
اور حنس کے بہایا کریں اعدا پانی

رحم مطلق نہیں آتا نہیں آتا ان کو
نہیں دیتے نہیں دیتے ستم آرا پانی

قابلِ رحم ہے رب حال مرے بچوں کا
نہیں ملتا جنہیں بھروں نہیں ملتا پانی

مجھ سے کہتے ہیں کھلونے نہیں مطلوب ہمیں
ہم کو بازار سے لادیجئے ابّا پانی

آبِ رحمت کا اِدھر بھی کوئی چھینٹا یارب
دیر سے مانگ رہا ہے ترا پیاسا پانی

حسَنؔ جناب منشی حسن دین صاحب رہتاسی

منشی حسن دین نام۔ حسنؔ تخلص۔ آپ کے والد محترم کا اسم گرامی منشی گلاب دین تھا جو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے رفیق اور بلند پایہ شاعر تھے۔ سلسلہ کے اخبارات میں آپ کے کلام کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ حسن رہتاسی صاحب بھی حضرت بانی سلسلہ کے رفیق اور موصی تھے۔ تقسیم برصغیر کے بعد آپ ترک سکونت کر کے پاکستان چلے آئے اور جہلم میں قیام فرمایا۔ ربوہ اکثر آیا کرتے تھے۔

ڈاکٹر ایم این ریاض ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں جن کی کاوش سے "کلام حسن رہتاسی" نامی کتاب ہم تک پہنچی۔ جس سے آپ کا مختصر سا تعارف ہم قارئین تک پہنچانے میں کامیاب ہو سکے۔

آپ نے بعمر ستر سال مختصر سی علالت کے بعد ۱۹۵۱ء میں بمقام لائلپور (فیصل آباد) انتقال کیا اور مولائے حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُون۔

حسن رہتاسی صاحب ایک فقیر منش اور درویش صفت انسان تھے۔ آپ سادگی کا پیکر، منکسر المزاج، حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے عاشق اور احمدیت کے فدائی تھے۔ آپ کے مفصل سوانح حیات ڈاکٹر ایم این ریاض صاحب مرتب کر رہے ہیں جن کی کوشش سے حسن رہتاسی صاحب کا کلام دو کتابوں کی صورت میں منظر عام پر آ چکا ہے۔ لیکن ابھی اُن کے کلام کا ایک بہت بڑا حصہ گوشۂ خمول میں پڑا ہوا ہے جس کے لئے ڈاکٹر ریاض صاحب مسلسل کوشش کر رہے ہیں کہ جلد از جلد اشاعت پذیر ہو جائے۔ بقول ڈاکٹر ریاض، حسن صاحب کو اپنے خاص انداز بیان، سلاست، روانی، بے ساختگی دل آویزگی اور ساحرانہ اثر آفرینی کے باعث نہ صرف جماعت میں بلکہ دُنیائے شاعری میں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ آپ فطرتی شاعر تھے اور قدرت نے پوری فیاضی کے ساتھ آپ کو وہ تمام تر صلاحیتیں عطا کی تھیں جو ایک بہترین شاعر کے شامل حال ہونی چاہئیں۔ حسن صاحب کا کلام اُن تمام خصوصیات

کا حامل ہے جو ایک فطرتی شاعر کا طرۂ امتیاز ہوتی ہیں۔ اس مختصر تعارف کے بعد ہم حسن صاحب کے کلام کی چند جھلکیاں قارئین تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

حمد الٰہی

الحمد ہے زیبا تجھے اے صانع اکبر
ہر چیز میں ہے صنعت کامل تری مضمر

ہی نہیں، دیکھ کے کیفیت عالم
صنعت تری محصور ہو افلاک کے اندر

کی ترتیب مکمل ہی کو دیکھو
ہر ایک کی آمد کا ہے اک وقت مقرر

ذرا غور سے سوچو اسی ترتیب کے ہوتے
ہوتے ہیں کم و بیش کبھی دونوں برابر

خورشید و قمر صاف یہ دیتے ہیں گواہی
کر رکھا ہے ان کو کسی طاقت نے مسخر

ہر ایک کے جلوے کے لئے ساعت مخصوص
آسکتا ہے اس سے نہ مقدم نہ موخر

ایک دوسرے سے صورت میں سیرت میں جدا
یہ شعل تاباں ہے وہ قندیل منور

صنعت میں تیری دخل اگر غیر کا ہوتا
رہ سکتا نہ مخلوق میں تفریق کا جوہر

یہ تیری ہی قدرت کے کمالات ہیں مولا
ہر شکل جدا ہے وہی قالب وہی عنصر

صورت میں جدا رہتے ہیں اک باپ کے بچے
گو ایک پدر ہوتا ہے اور ایک ہی مادر

شیرازہ عالم ابھی اک دم میں بکھر جائے
گر ہو نہ نظام اس کا ترے ہاتھ کے اندر

تیرے کوئی دوسرا معبود نہ پایا
ہر شاہ و گدا ناصیہ فرسا ترے در پر

القصہ کہاں تک تری قدرت کا بیاں ہو
تا حشر بھی لکھوں تو نہ ہو ختم یہ دفتر

نعت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

جب مانا تری ذات کو لاثانی و یکتا
مانیں گے نہ ہرگز ترے محبوب کا ہمسر

گو ملک میں ہو شاہ سلیمانؑ سے فزوں تر
اور عمر میں ہو نوحؑ پیغمبر سے معمّر

یا حُسن میں ہو یوسفؑ کنعاں سے خوشرو
دیدار الٰہی میں ہو موسیٰؑ سے فزوں تر

خوش لحنی میں ہو حضرت داؤدؑ سے دوچند
اور حکمت و دانش میں ہو لقماں کے برابر

پہنچا ہو وراثت میں اسے چشمہ حیواں
اور راہِ طریقت میں بھی ہو خضر کا رہبر

کوڑھی کو بھی چنگا کرے اندھوں کو شفا دے
اور ہیبت ظاہر بھی دکھا دیوے اُڑا کر

اعجاز یہاں تک ہو کہ مردے بھی ملا دے
مدعومہ خداوند کے اک پاؤں کی ٹھوکر

قسم اُس کا نہ مانوں قسم احمدؐ کے مساوی
گو دنیا کے مردوں کو کرے زندہ و یکسر

ہے سرو بھی باغ رسالت کا محمدؐ
گو اور بھی اس باغ میں ہیں سرو صنوبر

کیا نام مقدس ہے محمدؐ کہ یکایک
ہے صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ جاری زباں پر

اے نور نبوت تری تعظیم کے مابعد
مکہ ہے معظم تو مدینہ ہے منوّر

ہے روئے منوّر ترا والشمس کی تشریح
واللیل کی تفسیر تری زلفِ معنبر

صحیفہ فطرت

کہتے ہیں جسے بادۂ خم خانۂ قدرت
یعنی مئے عرفاں کا چھلکتا ہوا ساغر

کافور سب امراض ہوں پی لینے سے جس کے
اللہ نے بخشا تجھے توحید کا جوہر

وہ جوہر توحید خداوند ہے قرآں
سب کُتب سماوی کا ہوا خاتمہ جس پر

دیکھو تو ذرا غور سے دُنیا میں ہے زندہ
توریت نہ انجیل نہ ہی وید نہ شستر

قرآں میں جو کچھ تجھے پیغام ملا تھا
تو نے اُسے پہنچا دیا دنیا میں سراسر

تبلیغ کی جو شرط تھی وہ خوب ادا کی
اور چھوڑ دیا اس کے نتائج کو خدا پر
توحید کے پیاسوں کے لئے سارے جہاں میں
جاری ہے ابد تک ترے فیضان کا کوثر
جو تیرا ثنا خواں ہے وہ کوثر کا ہے مالک
اور تیرے مخالف کو خدا کہتا ہے ابتر
اپنا تو عقیدہ ہے حسنؔ بر سر اجلاس
مُنکتے ہیں یہاں پیر و جواں اصغر و اکبر
دُنیا کے سب اقوال ترے قول کے نیچے
اور قولِ خداوند ترے قول کے اُوپر

مُسدّس حسنؔ رہتاسی

اندھیرا تھا جب ساری دُنیا پہ چھایا
جہالت نے طوفان تھا اک اٹھایا
بشر نے تھا فطرت کو اپنی بُھلایا
سجھائی نہ دیتا تھا اپنا پرایا
حکومت تھی ظلمت کی گرخشک و تر میں
تو فرماں مفاسد کا تھا بحر و بر میں
نہ پُورب کی محبوب کوئی ادا تھی
نہ پچھم کے ہاتھوں میں تازہ حنا تھی
نہ اُتر میں کچھ دردِ دل کی دوا تھی
نہ دکن کی آب و ہوا دلکشا تھی
نہ محفل نہ ساقی نہ صہبا تھی باقی
نہ محمل نہ ناقہ نہ لیلیٰ تھی باقی
نہ ہندوستان میں وہ روپ جیا تھی
نہ نقاشی چین میں کچھ جلا تھی
نہ قانونِ یوناں میں باقی شفا تھی
نہ ایران کی آتش میں ذرا تھی
نہ علم و حکمت کا نام و نشاں تھا
وجودِ جہاں پر عدم کا گماں تھا

عرب جو فقط اک جرائم کا گھر تھا　　جسے شرم دُنیا نہ عقبیٰ کا ڈر تھا
اوامر کی تعظیم سے بے خبر تھا　　نواہی کی تکرار میں نامور تھا
بتوں کی پرستش تو محبوب تر تھی
خدا کی طلب آہ معیوب تر تھی

بڑوں کی نہ کچھ اُن کے دل میں تھی عظمت　　نہ چھوٹوں سے کچھ راہ و رسم محبت
دلوں میں بھی وحشت زباں پر بھی وحشت　　نہیں جانتے تھے ہے کیا آدمیت
گریبان عفت میں تھا تار باقی
نہ عصمت کی چادر کے آثار باقی

خدا کا وہ گھر جس کو سب جانتے ہیں　　زمین کی اُسے ناف سب مانتے ہیں
سپید و سیہ سارے پہچانتے ہیں　　مسلمان جسے قبلہ گردانتے ہیں
وہ تیرتھ تھا اک بت پرستوں کا گویا
جہاں نام حق کا نہ تھا کوئی جویا

زبانوں پہ جاری تھا چرچا بتوں کا　　دلوں پر مسلط تھا سکہ بتوں کا
یہاں تک مسلّم تھا درجہ بتوں کا　　خدا کے بھی گھر پر تھا قبضہ بتوں کا
نہ دو چار چھ سات یا آٹھ تھے وہ
ہے کعبہ گواہ تین سو ساٹھ تھے وہ

کہ ناگاہ اُفق پر چڑھا مہر انور　　وہ فخرِ عرب زیبِ محراب و منبر
اُجالا کیا جس نے ہر بحر و بر پر　　اندھیروں کے اندر گھسے بوم و شپر
گئی ظلمت شب ہوا روز روشن
چھٹا دست لیلیٰ سے مجنوں کا دامن

وہ خورشید ایران و توراں پہ چمکا　　عرب اور عجم روم و یونان پہ چمکا
گلستان پہ ریگ بیابان پہ چمکا　　تر و خشک پر کوہ و میداں پہ چمکا

ہر اک دل سے رشتہ جہالت کا توڑا
کوئی گھر نہ دُنیا میں تاریک چھوڑا

نہ مقصود تھا اُس کا فیضان قسب تک | نہ محدود و مسدود تھی عرب تک
تھا پھیلا ہوا روم و شام و حلب تک | رہے گا یونہی جیسے پاتے ہو اب تک

جہاں میں وہی ہیں پیمبر کے وارث
خدا نے کیا جن کو کوثر کے وارث

خدا نے جو دی اُس کو نعمت تھی کامل | عطا کی اسے جو نبوت تھی کامل
شریعت تھی کامل طریقت تھی کامل | ملی جس قدر اُس کو دولت تھی کامل

"خدا داد نعمت کی تفہیم کر دی
جو دولت ملی سب میں تقسیم کر دی"

نہ آتا اگر حق سے قرآن لے کر | اوامر نواہی کا دیوان لے کر
دُکھوں اور دردوں کا درماں لے کر | بدی اور نیکی کی میزان لے کر

حقائق یہ سب غیر معلوم رہتے
خدائی کے اسرار مکتوم رہتے

محبت کی آپس میں تدبیر کر دی | بڑھے جس سے الفت وہ تقریر کر دی
دلوں کی مطہر نے تطہیر کر دی | جو ذات میں تھے اُن کی توقیر کر دی

جو مدت کے بچھڑے تھے اُن کو ملایا
نئے سر سے بھائی کو بھائی بنایا

قبائل کی معقول تنظیم کر دی | ترقی کی راہ اُن کو تعلیم کر دی
تنزل سے بچنے کی تفہیم کر دی | کتاب تمدن میں ترمیم کر دی

"رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا
اِدھر سے اُدھر پھر گیا رخ ہوا کا"

سبق اُن کو توحید حق کا پڑھایا
بُتوں کی غلامی سے یکسر چھڑایا
عبادت کا سچا طریقہ سکھایا
بہت دن کے سوئے ہوؤں کو جگایا
جو ناقص تھے کل آج کامل ہوئے وہ
خدا کی امانت کے حامل ہوئے وہ

بہت اُس کے احسان سلاطین پر ہیں
بہت بیگمات و خواتین پہ ہیں
بہت سے شیوخ اور خواتین پہ ہیں
یتامیٰ ریائی مساکین پہ ہیں
ہمارا دل و جاں اُسی پہ فدا ہے
کہ وہ حق و حکمت اور حق نما ہے

قطعات

لمحہ فکریہ

نوح کا سیلاب تو موجود ہے
نوح کی کشتی بھی ہے اس میں رواں
ڈھونڈنے والو بتاؤ تو سہی
نوح کشتی بانِ عالم ہے کہاں

بتا رہا ہے تجھے یہ صحیفۂ قدرت
نظام کوئی بھی چلتا نہیں اصول بغیر
ترے خیال میں کیا یہ نظام روحانی
رواں رہے گا یونہی نائب رسول بغیر

احمدیت کا مستقبل

منور احمدیت کی شعاعوں سے جہاں ہوگا
ہماری ہی زمین ہوگی، ہمارا آسماں ہوگا
جہاں میں احمدیت کی ترقی بالیقیں ہوگی
مگر وہ وقت دشمن پر نہایت ہی گراں ہوگا
مخالف طاقتیں مٹتی چلی جائیں گی دنیا میں
یہی دنیا میں احمد کی صداقت کا نشاں ہوگا

خدا کی نصرت و تائید اُس کی رہنما ہو گی ۔۔۔ روانہ جس طرف دنیا میں اپنا کارواں ہو گا
کھلے گا غنچۂ دل دیکھ کر پھر دیں کی رونق ۔۔۔ ترقی دیکھ کر اسلام کی دل شادماں ہو گا
ستائش ہر طرف دُنیا میں ہو گی پھر محمدؐ کی ۔۔۔ جہاں دیکھو وہیں ذکرِ حبیبِ دو جہاں ہو گا
ضیاءِ چہرۂ پُر نور سے مِٹ جائے گی ظلمت ۔۔۔ زمیں پُر نور ہو گی اور منوّر آسماں ہو گا
لوائے احمدِ مرسل ہی لہرائے گا عالم میں ۔۔۔ ہمارا ہی علم ہو گا ہمارا ہی نشاں ہو گا

غرض ہر چیز پہ رونق ہی آئے گی دوبارہ
نئی یکسر زمیں ہو گی نیا ہی آسماں ہو گا

حافظ - جناب حافظ سلیم احمد صاحب اٹاوی

حافظ صاحب یوپی کے مشہور شہر اٹاوہ کے رہنے والے تھے۔ آپ نے پندرہ سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کر لیا تھا اور ۱۹۱۵ء میں حلقہ بگوش احمدیت ہوئے تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میری احمدیت کا باعث حضرت مولوی سید صادق حسین صاحب وکیل تھے اور انہیں کے ذریعہ اور دعوت الی اللہ سے خان صاحب مولوی ذوالفقار علی صاحب گوہر مرحوم بھی احمدیت میں داخل ہوئے تھے۔ حافظ صاحب ۱۹۱۲ء میں قادیان میں آکر مدرسہ احمدیہ قادیان میں داخل ہو گئے تھے اور یہیں سے مولوی فاضل کا کورس پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ بعد ازاں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے دفتر میں ملازم ہو گئے اور حضور نے آپ کو تفسیر کبیر کا پروف ریڈر مقرر کیا۔

تفسیر کبیر کی پہلی جلد جو سورہ یونس سے سورہ کہف تک کی تفسیر پر مشتمل ہے اُس کی تمام و کمال پروف ریڈنگ حافظ صاحب نے کی۔ اس کے بعد دفتر یسرنا القرآن میں پروف ریڈر مقرر ہوئے اور حضرت پیر منظور محمد صاحب کی معیت میں جو قاعدہ یسرنا القرآن کے مصنف تھے۔ قرآن شریف اور سیپاروں کی پروف ریڈنگ کرتے رہے اور یہ کام تقسیم برصغیر پاک و ہند تک جاری رہا۔ تقسیم ملک کے بعد آپ بھی ترک وطن کر کے پاکستان چلے آئے اور ربوہ میں سکونت پذیر ہو گئے اور وہیں انتقال کیا۔

شاعری میں آپ نے حضرت محمد اکمل اور حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب مختار شاہجہانپوری کی شاگردی اختیار کی اور دونوں بزرگوں کے فیض صحبت سے بھرپور استفادہ کیا۔

حافظ صاحب کا کلام سلسلہ کے اخبارات و رسائل اور جرائد میں اشاعت پذیر ہوتا رہا۔ آپ ایک کہنہ مشق شاعر تھے اور مفاد سلسلہ میں ہمیشہ ان کا قلم گردش میں رہتا تھا اور خدمت دین

کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے ۔

نمونہ کلام

مدحت خیر الانامؐ

فیض جاری ہے ترا عام رسولِ عربیؐ
ہو عطا مجھ کو بھی اک جام رسولِ عربیؐ

کون ہے فیض سے محروم ترے عالم میں
کس پہ تیرا نہیں انعام رسولِ عربیؐ

نہ ہوا ہے نہ جہاں میں کبھی پیدا ہوگا
تجھ سا محبوب دل آرام رسولِ عربیؐ

تیری ہر بات ہے اے ختم رُسل اک آیت
تیرا ہر قول ہے الہام رسولِ عربیؐ

زندہ ہوتے تو اطاعت تری کرتے عیسیٰؑ
تجھ پہ نعمت کا ہے اتمام رسولِ عربیؐ

وحی و الہام غلامی میں تری پاتے ہیں
اللہ اللہ ترے خدام رسولِ عربیؐ

تربیت سے تیری اونٹوں کو چرانے والے
بن گئے والی و حُکام رسولِ عربیؐ

فیض صحبت سے تری بن گئے بھائی بھائی
سب گل اندام وسیہ فام رسولِ عربیؐ

تو نے جو بات کہی ہو گئی پتھر کی لکیر
جان حکمت ترا ہر کام رسولِ عربیؐ

آرزو ہے کہ تری مدح و ثنا میں گزریں
زندگی کے ہیں جو ایام رسولِ عربیؐ

ربِ کعبہ سے دعا ہے کہ ترے صدقے میں
نیک حافظ کا ہو انجام رسولِ عربیؐ

مدینہ منورہ کی یاد میں

مدینہ کی مبارک اور مقدس ہی وہ بستی ہے
فلک سے بھی بہت رُتبے میں اونچی جس کی بستی ہے

یہاں مدفون وہ اللہ کی محبوب ہستی ہے
کہ جس کو چاند اور تاروں پہ حاصل بالادستی ہے

نگاہِ مردِ مومن میں یہی اکسیرِ اعظم ہے
کروڑوں میں یہاں کی خاک مل جائے تو سستی ہے

محمد مصطفےٰ کے نقشِ پا کا یہ تبرک ہے
اُسی کی دید کو ہر آنکھ دُنیا کی ترستی ہے

یہاں وہ روضۂ اقدس ہے سرکارِ دو عالم ہے
جہاں پر رات دن اللہ کی رحمت برستی ہے

غلامانِ محمدؐ سربکف ہیں آج بھی حافظ
دلِ مُسلم میں اب بھی یادِ یثرب کی لبستی ہے

چرچا ہے میرا محفلِ خورشید و ماہ میں
صد شکر بچ گیا ہوں کسی کی نگاہ میں

اے ربِّ کعبہ سُن لے مری التجائے شوق
مُدّت سے نالہ کش ہوں تری بارگاہ میں

ارض و سما کی وسعتیں اُس نے سمیٹ لیں
آیا جو تیرے لطف و کرم کی نگاہ میں

صد حیف کوئی دین کی خدمت نہ ہو سکی
عمرِ عزیز کٹ گئی دنیا کی چاہ میں

اے آسمان اپنے ستاروں کی خیر مانگ
سو بجلیاں تڑپتی ہیں حافظ کی آہ میں

خلیل ۔ جناب حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری

غالب کے ہم عصر صاحب دیوان شاعر مولانا واعظ علی المتخلص مسلسل کے فرزند حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری سنہ ۱۸۷۲ء مطابق سنہ ۱۲۹۲ھ میں پیدا ہوئے ۔ ابھی آپ نے عہد طفلی سے باہر قدم نہ نکالا تھا کہ والد صاحب کا سایہ سر سے اُٹھ گیا ۔ لیکن آپ کی پاکیزہ فطرت اور اعلیٰ تربیت نے آپ کو بچپن اور پھر لڑکپن میں سہارا دیا اور تمام منہیات اور فضولیات سے محفوظ رکھا ۔ غالباً ۱۸۹۲ء میں آپ بغرض تعلیم طب لکھنؤ تشریف لے گئے ۔ تین سال تک طب کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ مونگھیر واپس آ گئے ۔ اُس وقت آپ کی عمر چوبیس یا پچیس سال تھی ۔ وطن واپس پہنچنے پر آپ نے باقاعدہ مطلب کھول دیا اور مریضوں کا علاج شروع کر دیا ۔

اُسی زمانہ میں مولانا حسن علی بھاگلپوری نے جو انگریزی ، فارسی اور اُردو کے متبحر عالم اور بلند پایہ مقرر تھے ۔ مولانا واعظ علی مسلسل نے زمین کا ایک قطعہ خریدا تھا جس پر انہوں نے "انجمن حمایت اسلام" کا دفتر قائم کیا ۔ یہ انجمن حمایت اسلام کے بجائے تردید احمدیت کا اڈہ بن گئی ۔ مولانا محمد علی مونگھیری (جو دراصل کانپور کے ساکن تھے) ترک سکونت کر کے اور مولانا فضل الرحمٰن کی بیعت کرنے کے بعد مستقل طور سے مونگھیر میں متوطن ہو گئے اور مونگھیری کہلائے ۔

ایک مرتبہ اس انجمن کے دفتر میں ایک جلسہ ہو رہا تھا جس میں حکیم خلیل احمد صاحب نے بھی شرکت کی ۔ حکیم صاحب کا بیان ہے کہ وہاں حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) اور آپ کی جماعت کا ذکر تضحیک کے رنگ میں ہو رہا تھا ۔ حکیم صاحب فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کی گفتگو سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ یہ لوگ جس ہستی کو نشانہ ملامت بنا رہے ہیں وہ کوئی معمولی شخصیت نہیں بلکہ کوئی عظیم المرتبت انسان ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کے جن الہامات کو اس مجلس میں استہزا کا

نشانہ بنایا جارہا تھا۔ حکیم صاحب کو اُن میں نورِ صداقت کی چمک نظر آگئی ۔ دوسرے روز حکیم صاحب اپنے مطب میں بیٹھے تھے اور مریض یکے بعد دیگرے آپ کے روبرو پیش ہو کر اپنے اپنے امراض کے لئے نسخہ تجویز کرا رہے تھے حتیٰ کہ یہ سلسلہ ختم ہو گیا اور حکیم صاحب مطب میں بالکل تنہا رہ گئے۔ اس وقت ایک نوجوان آپ کے پاس آیا اور بلا جھجک گویا ہوا کہ حکیم صاحب عیسیٰ علیہ السلام دوسرے انبیا علیہم السلام کی مانند فوت ہو چکے ہیں۔ آپ کے پاس ان کی زندگی کا کوئی ثبوت ہو تو پیش کریں۔ حکیم صاحب نے غیر احمدی علماء سے اس بارے میں جو آیات قرآنیہ سُن رکھی تھیں وہ بیان کردیں۔ لیکن اس نوجوان نے کچھ اس رنگ میں وفات مسیح علیہ السلام پر روشنی ڈالی کہ حکیم صاحب کو مزید تحقیقات کے لئے اشتیاق پیدا ہو گیا جس کے نتیجہ میں آپ نے اس نوجوان سے حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کی کتب کا مطالبہ کیا تاکہ اپنے تجسس کو تسکین دے سکیں۔ اس نوجوان نے جس کے والد صاحب کا نام محبوب علی تھا۔ دوسرے روز آپ کو حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کی متعدد کتب جن میں اُردو، فارسی اور عربی کتب شامل تھیں مہیا کریں۔ ان کتابوں کے مطالعہ کا حکیم صاحب پر اتنا اثر ہوا کہ آپ نے براہ راست حضرت مسیح موعود کو بیعت کا خط لکھ دیا۔ حضرت اقدس نے آپ کی بیعت قبول فرمائی۔ یہ سنہ ۱۹۰۵ء تا سنہ ۱۹۰۶ء کا زمانہ تھا۔

اس کے بعد ہی حکیم صاحب نے ایک خواب دیکھا جو درج ذیل ہے ۔

"آپ نے دیکھا کہ ایک چھوٹا سا حجرہ ہے جس میں محبوبِ خدا حضرت محمد مصطفےٰ ؐ کا نورانی پیکر ہے۔ ہر طرف ایک لطیف سا نور پھیلا ہوا ہے۔ حضرت اقدس نے حکیم صاحب کو شربت کا ایک بلورین پیالہ دیا جسے حکیم صاحب نے برضا و رغبت نوش جاں کیا۔ بعد ازاں یہ منظر تبدیل ہو گیا اور حکیم صاحب نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا ہے اور آپ حضرت مسیح موعود (حضرت مرزا غلام احمد صاحب) کی شکل میں نظر آرہے ہیں۔"

اس نورانی اور روحانی خواب کا فوری اثر یہ ہوا کہ حکیم صاحب نے بیعت کے فوراً بعد ہی اپنے طور پر دیوانہ وار تبلیغ دین کا کام شروع کر دیا۔ تاکہ لوگ تاریکی سے نکل کر نور کی طرف آئیں اور امام الزماں کو شناخت کرکے اس کے جھنڈے تلے جمع ہوں۔ کچھ عرصہ بعد غالباً سنہ ۱۹۱۰ء میں حکیم صاحب قادیان تشریف لے گئے اور حضرت خلیفۃ المسیح الاول اور حضرت صاحبزادہ میاں بشیر الدین محمود احمد سے

شرف ملاقات کیا۔ حکیم صاحب کا بیان ہے کہ حضرت میاں صاحب اُس وقت اپنی عمر کے ابتدائی منازل طے کر رہے تھے۔ اور عنفوان شباب کا زمانہ تھا۔ نہایت حسین اور نورانی چہرہ حضور کا تھا جس کو دیکھ کر حکیم صاحب نے خیال کیا کہ دراصل یہی حسن و احسان میں حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کے نظیر ہیں۔ حکیم صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت میاں صاحب کا پُر نور چہرہ دیکھنے سے قبل آپ کے دل میں ایک کھٹک تھی کہ حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) تشریف بھی لائے اور دُنیا سے رخصت بھی ہو گئے۔ لیکن آپ کی جماعت تو ابھی بہت کمزور حالت میں ہے۔ آئندہ کیا ہوگا۔ یہ کھٹک حضرت میاں صاحب کا حسین اور نورانی چہرہ دیکھ کر دل سے نکل گئی اور حکیم صاحب کو ازدیادِ ایمان اور سکون قلب کی دولت نصیب ہوئی۔

۱۹۱۴ء میں جب حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب منصب خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ نے حکیم صاحب کو دعوت الی اللہ کے لئے منتخب فرمایا۔ حضور نے حکیم صاحب کو تقریباً پورے ہندوستان کے تبلیغی دورہ پر روانہ کیا اور حکیم صاحب نے اپنے آقا کی تعمیل ارشاد میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ بلکہ ملک کے ہر گوشہ میں پہنچ کر فریضہ تبلیغ ادا کیا۔ اپنی تبلیغی مہمات کے سلسلہ میں آپ نے بنگال، پنجاب، میسور، مدراس، کلکتہ، سی پی اور یوپی کے صدہا مقامات پر لوگوں تک پیغام حق پہنچایا۔ آپ کے اس طویل تبلیغی دورہ کے سینکڑوں ایمان افروز واقعات ہیں جن میں سے چند یہاں تحریر کئے جاتے ہیں۔

خان بہادر ابوالہاشم خان صاحب جو ڈائریکٹر تعلیمات حکومت بنگال تھے۔ حضرت مصلح موعود کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حکیم صاحب کی خدمات طلب کیں۔ حضور نے منظوری دے دی۔ خان بہادر صاحب جہاں کہیں بھی دورہ پر جاتے حکیم صاحب کو اپنے ساتھ کشتی میں بٹھا کر لے جاتے۔ منزل مقصود پر پہنچ کر ڈائریکٹر صاحب تو کار منصبی انجام دینے میں لگ جاتے اور حکیم صاحب بیان دعوت الی اللہ میں سرگرم عمل ہو جاتے۔ اسی زمانہ کا ایک واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ بنگال کے شہر چٹاگانگ میں جہاں ایک جامعہ عربیہ بھی ہے۔ اُس کے پرنسپل شمس العلماء مولانا کمال الدین صاحب تھے انہوں نے حکیم صاحب کی دعوت کی اور کئی علماء، وکلاء اور پروفیسر صاحبان کو بھی مدعو کیا۔ کھانے کے

بعد تبادلِ خیالات کی نوبت آئی۔ پروفیسر عبداللطیف صاحب کو پیشتر ہی سے اس کام کے لئے منتخب کر لیا گیا تھا جو بہت سی کتابیں بھی اپنے ہمراہ لائے تھے جو ... پر سجادی گئی تھیں، حکیم صاحب نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے اور آپ کے درمیان سب سے پہلا اور اہم نزاعی مسئلہ حیات و وفات عیسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ اگر آپ از روئے قرآن اور احادیث صحیحہ حیاتِ مسیح ثابت کر دیں تو پھر بات مختصر ہو جاتی ہے۔ اور حضرت مرزا صاحب کے دعاوی کا خود بخود بطلان ہو جاتا ہے۔
لیکن پروفیسر صاحب اسی بات پر مصر رہے کہ اس بات پر حکیم صاحب ہی روشنی ڈالیں۔ لہٰذا حکیم صاحب کو تائید غیبی سے یہ نادر موقعہ میسر آیا اور آپ نے ڈھائی گھنٹہ تک وفاتِ مسیح کے مسئلہ پر ہر پہلو سے روشنی ڈالی اور جس قدر دلائل حیاتِ مسیح کے اثبات میں غیر احمدی علماء کی طرف سے پیش کئے جاتے ہیں اُن سب کو سلسلہ وار بیان کیا اور پھر اُسی ترتیب سے اُن کے جوابات حاضرین کے سامنے پیش کئے اس کے بعد حکیم صاحب بیٹھ گئے اور پروفیسر صاحب سے استدعا کی کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔ پروفیسر صاحب نے جواباً کہا کہ اب مجھے اس بارے میں کچھ نہیں کہنا لیکن بات یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی۔ اب صداقت حضرت مرزا صاحب پر بھی کچھ روشنی ڈالیں۔ لیکن اب وقت زیادہ ہو چکا تھا اس لئے دوسرے روز کے لئے دعوت اور تقریر کا پروگرام طے ہو گیا۔

دوسرے روز حکیم صاحب نے پروفیسر صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ کسی مدعی نبوت کی صداقت کے معیار جو قرآن پاک نے بیان فرمائے ہیں آپ معزز حاضرین کو سنا دیں تاکہ میں انہیں معیار کی روشنی میں حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ کی صداقت ثابت کروں لیکن پروفیسر صاحب پہلے دن کی تقریر سے کچھ اس درجہ متاثر بلکہ مرعوب نظر آتے تھے کہ خود کوئی معیار پیش کرنے پر تیار نہ ہوئے بلکہ حکیم صاحب سے مُصر ہوئے کہ وہ خود ہی مطلوبہ معیار قرآن پاک سے بیان کر دیں اور اُن پر مرزا صاحب کی صداقت کو پرکھ کر دکھائیں۔ حکیم صاحب کو یہ دوسرا نادر موقع دعوت الی اللہ کا میسر آیا اور آپ نے اس سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی تقریر کا آغاز قرآن پاک کی اُن آیات سے کیا جن پر کسی مدعی نبوت کو جانچا اور پرکھا جا سکتا ہے۔ پھر آپ نے ان تمام معیاروں پر حضرت مرزا صاحب کے دعاوی کو سچا ثابت کر دکھایا۔ آج بھی آپ کی تقریر کا بہت اچھا اثر ہوا اور پروفیسر صاحب نے کہا کہ حکیم

صاحب ابھی ایک بات اور باقی رہ جاتی ہے اور وہ یہ کہ آپ حضرت مرزا صاحب کی سیرت پر بھی کچھ روشنی ڈالیں تاکہ یہ معلوم کیا جا سکے کہ جس شخص نے اس زمانے میں مدعی الہام و مؤید من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے اس کی نجی زندگی کیسی ہے۔ لیکن چونکہ آج بھی وقت کافی ہو چکا تھا اس لئے اس پروگرام کو مزید ایک روز کے لئے بڑھا دیا گیا اور حسبِ سابق تیسرے روز بھی بعد طعام حکیم صاحب کی تقریر سیرۃ مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) پر شروع ہوئی۔ آپ نے ایسے عاشقانہ اور والہانہ انداز میں حضرت اقدس کی سیرت پاک کو بیان فرمایا کہ اپنے پرائے سب عش عش کر اُٹھے اور بعد تقریر اسی مجلس میں پروفیسر صاحب نے اس بات کا اعلان و اقرار کیا کہ حضرت صاحب اپنے دعویٰ مہدویت اور مسیحیت میں صادق ہیں اور ہم سب آپ کے دعاوی پر بہ صدق دل ایمان لاتے ہیں۔

۲۔ صوبہ بہار میں اس وقت احمدیوں کی تعداد بہت کم تھی اور یہ کم تعداد بھی اس صورت میں تھی کہ کوئی دوست کسی شہر میں تو کوئی کسی گاؤں میں سکونت پذیر تھا۔ احمدی احباب کا ایک دوسرے سے کوئی رابطہ قائم نہ تھا کیونکہ سب بکھرے ہوئے تھے۔ حکیم صاحب نے یہ اہم کارنامہ انجام دیا کہ تمام احمدی احباب کو ذہنی طور سے متحد کرنے کی کوشش کی اور تمام احمدی احباب نے اس میں دستِ تعاون بڑھایا اور حکیم صاحب کو تقویت پہنچائی جس کے نتیجہ میں "انجمن احمدیہ بہار" کا قیام عمل میں آیا۔ اس انجمن کے صدر مولانا عبدالماجد صاحب تھے اور ممبران میں مولانا عبدالقادر صاحب، مولوی علی احمد صاحب ایم اے، سید ابادت حسین اور سید زیارت حسین کے علاوہ دیگر فدایانِ جماعت تھے۔ اس انجمن کا فوری فائدہ یہ ہوا کہ حکیم صاحب اور ان کے رفقاء کار نے ڈٹ کر مولوی محمد علی مونگھیری صاحب کا مقابلہ کیا۔ مولوی مونگھیری صاحب جماعت احمدیہ کے شدید ترین مخالفین میں سے ایک تھے۔ عربی فارسی اور اُردو کے جید عالم اور زیرک و دانا انسان تھے اور ندوۃ العلماء کے پہلے ناظم بھی تھے۔ حکیم صاحب نے ان کا باضابطہ مقابلہ کیا۔ اُن سے مناظرہ کیا۔ مباحثے کئے۔ اشتہارات شائع کئے۔ ان کے مقابلہ پر کتابیں اور پمفلٹ شائع کئے۔ گویا حکیم صاحب نے زبانِ قلم اور قلم زبان دونوں کے جوہر دکھائے اور تاریخ کے نوادرات سے ہمیشہ اپنی جھولی بھرتے رہے۔ آپ نے مولوی محمد علی مونگھیری صاحب کو ہر موقعہ اور ہر مقام پر شکست دی۔ انہوں نے اپنی شکست کو محسوس تو کیا لیکن برسرِ عام اُس کا اقرار کرنے سے

قاصر رہے اور اپنی زندگی کے آخری سانس تک وہ سلسلہ کی مخالفت کرتے رہے۔ مولوی صاحب سے مقابلہ کے سلسلہ میں بہت سی کتابیں، اشتہارات اور مضامین شائع کئے گئے۔ ان کی اشاعت کے لئے "انجمن احمدیہ بہار" نے باہمی تعاون سے ایک پریس بھی قائم کیا تھا۔

۳. بنگال، بہار، بمبئی، میسور، مسوگا اور پنجاب کے کامیاب دورے کے بعد حکیم صاحب مدراس تشریف لے گئے۔ مدراس کی معاشرتی حالت کچھ ایسی تھی کہ وہ لوگ انتہا درجہ کے متعصب واقع ہوئے تھے اور اپنے تعصب میں اتنے اندھے ہو چکے تھے کہ اپنے مخالف کو زیر کرنے کے لئے ہر وہ حربہ استعمال کرتے تھے جس سے ان کا دشمن ذہنی اور جسمانی طور سے ناکارہ ہو کر رہ جائے۔

حکیم صاحب کو ویسے تو ہر مقام پر دورانِ دعوت الی اللہ نت نئے واقعات اور کبھی کبھی حادثات سے دوچار ہونا پڑا۔ لیکن مدراس میں ایک خاص واقعہ رونما ہوا جس کے نتیجہ میں مدراس کی سرزمین کی آبیاری آپ کے خون سے ہوئی۔ واقعہ یوں ہوا کہ ایک روز حکیم صاحب اپنے کمرے میں بیٹھے حضرت مصلح موعود (اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو) کی خدمت میں رپورٹ تحریر کر رہے تھے کہ ایک متعصب شخص کمرے میں آیا اور آتے ہی ایک وزنی مگدر پوری قوت سے حکیم صاحب کے سر پر مارا جس سے آپ کا سر پھٹ گیا اور آپ لہولہان ہو گئے۔ سر میں کافی گہرا زخم آیا۔ یہ واقعہ اُس زمانہ کا ہے جب مولوی محمد علی صاحب لاہوری۔ خواجہ کمال الدین صاحب اور حکیم مرہم عیسیٰ (جو جماعت کے غیر مبائعین مخالفین میں سے تھے) مدراس میں موجود تھے۔ تندرست ہونے کے بعد آئندہ چار پانچ سال تک حکیم صاحب مونگھیر میں رہے اور طبابت کرتے رہے۔

۱۹۵۱ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے آپ کو قادیان بُلا لیا۔ یہاں پہنچ کر آپ ناظر تعلیم و تربیت کے عہدہ پر فائز ہوئے اور ۱۹۶۲ء تک جماعت کی پُرخلوص خدمت کرتے رہے۔ حضرت مصلح موعود نے قادیان میں دواخانہ خدمتِ خلق قائم کیا۔ اُس دواخانے میں حکیم صاحب نے حضور کے حکم سے حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کو عرصہ تک طب کی تعلیم دی۔ علاوہ ازیں حکیم صاحب، مولوی عبد الرحمٰن صاحب امیر جماعت قادیان، صاحبزادہ میاں وسیم احمد صاحب، مولوی برکات احمد صاحب راجیکی۔ مولوی عبد الحمید صاحب عاجز وغیرہ کے ہمراہ اکثر ہندوؤں اور سکھوں کی

مجالس میں تبلیغی کاموں سے بھی جاتے تھے۔ انجمن احمدیہ قادیان اور قمر الانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نہیں چاہتے تھے کہ حکیم صاحب قادیان سے باہر جائیں لیکن آپ کی عمر چونکہ نوّے سال کے قریب پہنچ چکی تھی اور آپ کے صاحبزادگان آپ کو کراچی بلانے کے لئے بیتاب تھے اس لئے آخرکار حکیم صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سے اجازت طلب کی جسے حضور نے ازراہِ کرم منظور فرما لیا۔ اس طرح آپ پیارے مرکز کو چھوڑ کر ۱۱ فروری ۱۹۶۲ء کو پاکستان آ گئے

راقم الحروف کو ۱۹۷۰ء میں حکیم صاحب سے ملاقات کرنے اور ان کو قریب سے دیکھنے کا موقع آیا۔ شعرائے احمدیت کی تدوین کے سلسلہ میں کئی تفصیلی ملاقاتیں ہوئیں۔ آپ اپنی عمر کے ۱۰۰ سال پورے کر چکے تھے لیکن اس عمر میں بھی آپ کی صحت غیر معمولی طور پر اچھی بلکہ مقابلتاً قابلِ رشک تھی۔ آپ اپنے صاحبزادگان کے ساتھ کراچی میں سکونت پذیر تھے۔ ذہن اور حافظہ بہت اچھا تھا نہایت ہی متواضع اور حد درجہ منکسر المزاج بزرگ تھے۔ چہرہ نورانیت اور خوبصورتی کا حامل تھا۔ جب کبھی میں ان کے پاس پہنچ جاتا تو بے حد خوش ہوتے۔ بڑا ہی شفیق اور محبت پرور دل پایا تھا۔ ان کا متبسم اور شگفتہ چہرہ ان کے قلب صافی کا آئینہ دار تھا۔ چند ہی ملاقاتوں میں گہرا لگاؤ پیدا ہو گیا۔ آپ ۱۹۶۲ء میں قادیان سے کراچی آ گئے تھے یہاں قریباً نو سال گزارنے کے بعد ۳ دسمبر ۱۹۷۱ء کو اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ وفات کے وقت آپ کی عمر قریباً سو سال تھی۔

حکیم صاحب کی پہلی جرمن نژاد بیوی سے جو آپ ہی کی تبلیغ کے نتیجہ میں احمدی ہوئی تھی کوئی اولاد نہیں ہوئی لیکن ان کی وفات کے بعد آپ کی دوسری شادی حضرت مولوی ذوالفقار علی خان صاحب (برادر اکبر علی برادران) کی صاحبزادی سے جو مولانا عبدالمالک خان صاحب ناظر اصلاح وارشاد کی حقیقی ہمشیرہ ہیں عمل میں آئی اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے بطن سے آپ کو نو بیٹے بیٹیاں عطا فرمائے۔

حکیم صاحب سلسلہ کے مخلص خادم ہونے کے ساتھ ہی ساتھ ایک نغز گو صاحب دیوان شاعر بھی تھے۔ لیکن آپ کی شاعری ابتذال سے کلیتہً پاک اور خدا و رسول خدا کے رنگ میں رنگین تھی۔ مدّس مدوجزر اسلام مصنف مولانا الطاف حسین حالی کی طرز پر آپ نے بھی ایک مسدس "موسوم نامہ احمدیت" تحریر فرمایا جو آپ کی اُستادانہ مہارت اور قادر الکلامی کی مُنہ بولتی تصویر ہے۔ آپ کی غزلیات بھی

نہایت پاکیزہ جذبات کی حامل ہیں۔ کاش کے آپ کے صاحبزادے آپ کے سوانح حیات کو در دیوان کو جلد طبع کرا سکیں۔ راقم الحروف نے حکیم صاحب کی زندگی میں اُن سے درخواست کی تھی اور انہوں نے وعدہ بھی فرمایا تھا لیکن اُن کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ اس کام کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔

شاعری حکیم صاحب کو ورثہ میں ملی تھی لیکن آپ نے اپنی شاعری کو شہرت کا ذریعہ کبھی نہ بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا کلام آج تک زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہو سکا۔ آپ نے حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) حضرت مصلح موعود اور حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے کلام پر تضمین بھی کی ہے اور اردو اور فارسی کے بعض نامور شعراء کے کلام پر بھی بہت کچھ لکھا ہے۔ آپ کی شاعری حقائق نگاری، سلاست و روانی اور عرفانِ الٰہی کا ایک مہکتا ہوا گلدستہ ہے جس کی بھینی بھینی خوشبو سے قاری کا شامِ جان ہمیشہ معنبر اور معطر رہتا ہے۔ آپ نے اپنے آقا و مطاع حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کے بتائے ہوئے راستہ پر چل کر شاعری کے اعلیٰ نمونے پیش کئے ہیں۔

نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

جمالِ خدا ہے جمالِ محمد
جلالِ الٰہی جلالِ محمد

یہ شمس و قمر، نرگس و لالہ و گل
ہیں عکس جلال و جمالِ محمد

زمین آسمان ہوں کہ اُن کے خزائن
یہ سب کچھ ہے مال و منالِ محمد

ابھی آب و گل ہی میں غلطاں تھے آدم
درخشاں تھا نورِ کمالِ محمد

غلام حبش کیا حسین بن گیا ہے
جمال آفریں ہے جمالِ محمد

ملے سلطنت تو نچھاور کروں میں
یہ حسنِ قد و خدّ و خالِ محمد

خدا اس کو رکھے گا جاری ابد تک
یہ ہے چشمۂ لازوالِ محمد

ہر اک جا ہر اک وقت عالم میں یارب
ہو غالب لوائے ہلالِ محمد

خلیل حزیں گشت ہم رنگ جامی
غلام غلامانِ آلِ محمدؐ

احمدیت کیا ہے

مرضیٔ دوست پہ سو جان سے فدا ہو جانا
جیتے جی راہِ محبت میں فنا ہو جانا

مذہب عشق میں کہتے ہیں اسے احمدیت
ہمہ تن بندۂ تسلیم و رضا ہو جانا

تیر و خنجر کی نہ تلوار کی حاجت ہے اُسے
خود کمان ہونا تو خود تیرِ دُعا ہو جانا

کھیلنا موجوں سے طوفاں پہ تبسم کرنا
پھنسنا گرداب میں خود اور رہا ہو جانا

ڈوبنا سیکھنا کشتی سے کنارہ کرنا
قعرِ دریا میں دُرِ آبِ بقا ہو جانا

اس کی فطرت میں ہے مخلوق خدا کی خدمت
حرزِ جاں بچوں کا پیروں کا عصا ہو جانا

کور چشموں کے لیے کحل جو اَبر بن کر
دینا بینائی انھیں نور و ضیا ہو جانا

اور شبِ تار میں گمراہ مسافر کے لئے
راہ دکھلاتے ہوئے شمعِ ہدیٰ ہو جانا

دیکھو اعجاز غلامانِ مسیحائے زماں
بن کے بیمار خود اوروں کی دوا ہو جانا

دین کو دنیا پہ ہر آن مقدم رکھنا
جانتے ہیں یہی پابندِ وفا ہو جانا

احمدیت کا یہی عطر و خلاصہ ہے خلیل
یعنی حق ماننا، ناحق سے جُدا ہو جانا

تضمین بر کلام بلاغت نظام حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو)

فنا اور تغیر کا نہیں کچھ اس میں امکاں ہے — اُتارا جس نے یہ قرآں وہی اس کا نگہباں ہے
شعاعِ نور ہے رحمت ہے اور حکمت کا دیواں ہے — "جمال و حسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے"

بلاشک رشکِ شمعِ طور ہے خورشیدِ فاراں ہے — ضیائے نیّرِ تاباں ہزاروں جاں سے قرباں ہے
یہ مانا چاند بھی روشن ہے لیکن جسم بے جاں ہے — "جمال و حسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے"

بنے انساں بھی رشکِ ملائک یہ اثر دیکھا — طفیل اس کے گداؤں کو بھی بنتے تاجور دیکھا
یہی وہ نخل ہے جس کو ہمیشہ باثمر دیکھا — "نظیر اس کی نہیں جمتی نظر میں غور کر دیکھا
بھلا کیوں کر نہ ہو یکتا کلام پاک رحماں ہے"

جہاں کے فلسفی حیراں ہیں معنی کی نزاکت میں — کوئی ہمسر نہیں اس کا فصاحت و بلاغت میں
عجب نکہت ہے گلہائے معارف کی لطافت میں — "بہارِ جاوداں پیدا ہے اس کی ہر عبارت میں
نہ وہ خوبی چمن میں ہے نہ اس سا کوئی بستاں ہے"

پہنچ سکتا نہیں لذت کو اس کی انگبیں ہرگز — مزے سے اس کے واقف ہے نہ جبریلِ امیں ہرگز
جہاں میں ڈھونڈو پاؤ گے نہ یہ دولت کہیں ہرگز — "کلامِ پاکِ رحماں کا کوئی ثانی نہیں ہرگز
اگر لولوئے عماں ہے وگر لعلِ بدخشاں ہے"

بتاؤ برگِ گل سے کاغذی گل کیسے بہتر ہو — وہ خوشبو ہے کہاں جس سے مشامِ جاں معطر ہو
یہ ناممکن فصاحت میں کوئی قول اس سے بڑھ کر ہو — "خدا کے قول سے قولِ بشر کیونکر برابر ہو
وہاں قدرت یہاں درماندگی فرقِ نمایاں ہے"

مثال اس کی کوئی لایا نہیں چیلنج پہ ہرگز — ملی اب تک کسی کو بھی نہیں فتح و ظفر ہرگز

ہوا ہے اور نہ ہوگا ایسا کوئی مقتدر ہرگز
"بنا سکتا نہیں اک پاؤں کیڑے کا بشر ہرگز
تو پھر کیونکر بنانا نورِ حق کا اُس پہ آساں ہے"

بتوں کے سامنے کیا فائدہ ہے جبّہ سائی کا
کرو سجدہ اُسے جو ہے خدا ساری خدائی کا
بنایا کیوں وسیلہ غیر کو حاجت روائی کا
"ارے لوگو کرو کچھ پاس شانِ کبریائی کا
زباں کو تھام لو اب بھی اگر کچھ بوئے ایماں ہے"

سنو ذاتِ الٰہی ہے عجب ذاتِ رحیمانہ
یہ قرآنِ مجید اس کا ہے انعامِ کریمانہ
کہو آمنّا دل سے چھوڑ دو طرزِ سفیہانہ
"ہمیں کچھ کیں نہیں بھائیو نصیحت ہے غریبانہ
کوئی جو پاک دل ہووے دل و جاں اس پہ قرباں ہے"

حکیم صاحب نے غزلیں بھی کہی ہیں لیکن سب کی سب تصوف میں ڈوبی ہوئی۔ پیمانۂ غزل کا اور افسانہ محبوبِ حقیقی کا قارئین عاشقانہ رنگ میں عارفانہ کلام ملاحظہ فرمائیں۔

کس کو سنائیں حالِ دل محرم و رازداں نہیں
غیر کو میں سنا سکوں ایسی یہ داستاں نہیں

شکوہ نہیں گلہ نہیں، نالہ نہیں فغاں نہیں
دعویٰ خوں بہا نہیں قصّۂ خوں چکاں نہیں

میری زبانِ عشق کو سمجھے گا کوئی بھلا
مکتبِ عشق میں مرا کوئی بھی ہم زباں نہیں

تابِ شنید درد ہو، چارہ گری میں فرد ہو
ایسے طبیبِ قلب کو ڈھونڈا کہاں کہاں نہیں

حیران ہے عقل کیا کرے، کیسے سکون پا سکے
جس کی اُسے تلاش ہے اُس کا کوئی مکاں نہیں

تاروں نے شب کو بات کی پوچھا ملیں وہ عرش سے
دیتے ملائکہ بھی تو اُس کا کوئی نشاں نہیں

سجدہ بے خودی کے وقت آئے ہیں وہ کبھی کبھی
چاہا کہ حالِ دل کہوں کھلتی مگر زباں نہیں

سُنتے ہیں مختلف ہو تم بُت کدہ کے صنم نہیں
اپنے خلیل سے ذرا کچھ بھی تو بولو ہاں نہیں

موعود نامہ اسلام

وہ تیرہ صدی کی بُرائی کا عالم — گناہوں پہ ناز اور ڈھٹائی کا عالم
وہ الحاد اور روسیاہی کا عالم — معاذ اللہ حق سے لڑائی کا عالم

وہ دورِ ستم گمراہی کا زمانہ
کہیں مومنیں کا نہیں تھا ٹھکانہ

تھے بھٹکے ہوئے سارے اہلِ مذاہب — صوامع کے ربّی کنائس کے راہب
پجاری منادر کے تھے پُر معائب — معابد میں اکثر تھے شیطاں کے نائب

مکاں میں نقب زن جو خود پاسباں ہوں
تو اہلِ مکاں کس طرح پُر اماں ہوں

مساجد تھیں خالی از نورِ ہدایت — تھا قرآں مہجور و ترکِ تلاوت
تھے محروم صوفی زر از شریعت — تھے عالم مگر خارج از آدمیت

یہ علماء سو ننگ دینِ خدا تھے
اشرؐ من الناس تحت سما تھے

سلاطین اسلام بھی سو رہے تھے — امیر اپنی املاک تک کھو رہے تھے
نہ مردانہ ہمت نہ کچھ ولولے تھے — نہ وہ طنطنے تھے نہ وہ دبدبے تھے

ہر اک اپنے "ماضی" پہ تھا شاد و نازاں
نہ تھا "حال" پر کوئی اپنے پشیماں

تھے اہلِ دول خدمتِ دیں سے غافل — وہ تھے نازنیناں دُنیا پہ مائل
کہیں تاش و شطرنج کے تھے مشاغل — کہیں ناچ اور رنگ کی تھیں محافل

صراحی تھی، خم تھا، پیالے سجے تھے
حسینوں کے جھرمٹ تھے اور قہقہے تھے

کسی جا شریفوں کے اطوار نہ تھے — لبالب وہ رکھتے تھے تاڑی کے مٹکے
شب و روز ہوتے تھے یاروں کے جلسے — بجاتے تھے ڈھولک ستار اور جیرے
خود اس بزم کی جان اہلِ مکاں تھے
لیے شان سے ہاتھ میں پیچواں تھے

وہ کیا جانتے تھے جو تھے دین کے اُمّی — کہ دینِ خدا کیا ہے اور کفر ہے کیا
فقط فرق یہ کفر و اسلام میں تھا — جدا تاڑی خانہ میں برتن تھا اُن کا
یہ نامِ محمد پہ تھا ظلم کیسا
تھی کافر کی بیٹی تو ان کا مہدا!

یہیں پر نہ تھا ختم کچھ شغلِ تاڑی — شریکِ جنازہ تھی اس کی سواری
تھی تدفین کے بعد یہ رسم جاری — کہ پیتے پلاتے تھے وہ باری باری
کبھی عرس میں جب چڑھاتے تھے چادر
لنڈھاتے تھے تاڑی بھی قبروں کے اوپر
شمال اور مغرب میں تھے کچھ مسلماں — کہ لوٹ اور مار اُن کا تھا دین و ایماں
درندے سے تھے خونخوار سب مثلِ حیواں — سمجھتے تھے اک کھیل وہ قتلِ انساں
بڑے داغ ماتھے پہ اسلام کے تھے
مسلماں تو تھے وہ مگر نام کے تھے
تھے مغرب زدہ اُس زمانے کے لیڈر — مدار اُن کے ایماں کا تھا فلسفہ پر
لبوں پر تھے اُن کے خدا اور پیغمبر — مگر ہیگل و مارکس تھے دل کے اندر
وہ جبریل کے پر کترنے لگے تھے
وہ وحیِ خدا سے مکرنے لگے تھے

غرض سینکڑوں اس طرح کی تھی بدیاں کہ اسلام تھا جن سے سر در گریباں
نہیں اُن کی تفصیل کچھ کار آساں کہ تھی مبتلا جن میں قوم مسلماں

زمیں چیخ اُٹھی تھی بار گنہ سے
فلک تھرتھراتا تھا کار سیہ سے

وہ دیں جو کہ دینِ شہ انبیاء تھا وہ جو ضامن خون خلق خدا تھا
جو مظلوم کا اور آسرا تھا وہ اپنوں کے ہاتھوں سے خود مر رہا تھا

کہ حلقوم تک اس کی جان آ چکی تھی
تھے اغیار خوش اُن کے گھر گھر خوشی تھی

وہ کہتے تھے اسلام کی چھت گری اب سنبھل ہی نہیں سکتی اب یہ کسی ڈھب
اب اقبال کا اس کے ڈوبا ہے کوکب ہے ناراض خود اس سے سنسار کا رب

وہ تلوار تھی جس کی اس میں چمک تھی
نہ ذاتی کشش تھی نہ ذاتی دمک تھی

ہوا حال مسلم جب اس درجہ ابتر تو حالی بھی چیخ اُٹھے مایوس ہو کر
نبوت نہ گر ختم ہوتی عرب پر کوئی ہم میں مبعوث ہوتا پیغمبر

مگر بھولے وہ وعدۂ ربِ اکبر
نبی اُمتی آئے گا اس صدی پر

نہ آتا تو الزام آتا خدا پر زمانہ کا جب حال تھا بد سے بدتر
آیا کیوں نہ مبعوث اس میں پیغمبر جو بگڑی تھی اُمت تو آتا تھا رہبر

نبوت اگر ختم کی شاہِ دیں پر
رکھا کیوں نہ زندہ انہیں پھر زمیں پر

اگر زندہ رہتے نبی معظم تو اسلام میں رہتا پہلا سا دم خم
نہ یہ آنکھ رہتی کبھی غم سے پُر نم نہ مولانا حالی کبھی کرتے ماتم

وہ روئے منور سبھی دیکھ لیتے
بہتر تہتر یہ فرقے نہ بنتے

نہیں ہم میں موجود پیارے نبی اب — مگر پھیلی ہے ہر طرف گمراہی اب
ہے شاید خدا کی مشیت یہی اب — کہ انسان ہو پیدا فقط دوزخی اب

کوئی اب بتائے ہمیں یہ خدارا
نہیں ظلم ہے یہ تو ہے رحم کیسا

چمن میں فقط خار و خس ہی ہوں پیدا — مگر ہو نہ ہرگز گل تر ہویدا
یہ قانون حکمت سے خالی ہے کیسا — مرض تو ہو لیکن دوا ہو نہ اصلا

پڑیں کال مخلوق مرتی ہی جائے
مگر بھول کر اب نہ برسات آئے

نہ ہرگز ہوئی ہے کہیں رات ایسی — کہ پو جس میں پھٹتی کسی نے نہ دیکھی
نہ نکلا ہو سورج نہ ہو رات جاگی — الٰہی یہ اسلام کی شب ہے کیسی

نہ شمس و قمر ہیں دیا ہے نہ بتی
ہیں آنکھیں تو بینا مگر شب اندھیری

خدا سے کرے کوئی کس منہ سے شکوہ — ذرا غور کر کے تو دیکھو خدارا
وہ سُنّت نہیں اپنی ہرگز بدلتا — شکایت ہے بے سود شکوہ ہے بیجا

ہر اِک رات کے بعد دن ہے دکھاتا
ہر اک حبس کے بعد باراں ہے لاتا

نہ الزام ہے اس میں ہرگز خدا پر — قرآن پر ہے نہ ہے مصطفیٰ پر
ہے الزام اِک مفتی ناروا پر — ہے یا عقل کج فہم اور نارسا پر

ہے قرآں میں خاتم نہیں لفظ خاتِم
سمجھتے ہیں اس کو خدا ترس عالِم

ہیں خاتم کے معنی کمالِ نبوت نہیں اس کا مطلب زوالِ نبوت
یہ ہے انتہائے جمالِ نبوت اسی سے ہوئی شرح حالِ نبوت

ہو مہرِ محمد کی اب چھاپ جس پر
وہی اُمتی ہو گا سچا پیغمبر

اگر یہ کہے کوئی ناداں مسلماں نہ آئے نبی تو نہیں کچھ بھی نقصان
برائے مسلماں کافی ہے قرآں ہیں کامل ہدایات کے جس میں سامان

کسی کے بھی آنے کی کیا ہے ضرورت
سکھاتے ہوں علمائے دیں جب شریعت

اگر کرتے علمائے دیں، دین کی خدمت نہ ایسی زبوں ہوتی مسلم کی حالت
انھیں تھی کہاں کفرسازی سے فرصت جو کرتے جہاں میں یہ دین کی اشاعت

یہ عالم اگر دین کے روحِ رواں ہیں
تو اقبال و حالی عبث نوحہ خواں ہیں

سُنا میں نے اک مولوی کو یہ کہتے نمونہ تھے جو چشم بددور دیں کے
نبوت نہ گر ختم ہوتی جہاں سے نبی زماں آج گاندھی جی ہوتے

یہ تقریر تھی اک بھری انجمن میں
یہ اقوال تھے جوشِ حُبِّ وطن میں

یہ تھے دین کی جڑ پہ تبر رکھنے والے خدا کا نہ کچھ دل میں ڈر رکھنے والے
یہ دین بیچ کر سیم و زر رکھنے والے تھے مشرک کے آگے سپر رکھنے والے

خدا دین کا گر خود محافظ نہ ہوتا
تو یہ طائفہ کشتی دین ڈبوتا

کسی نے یہ اک روز پوچھا کسی سے کہ علمائے سوء کے ہیں اقسام کتنے
کہا اُس نے ہیں سانپ کے نام جتنے تو گن لے دوچند اور اُن پر بڑھا کے

مگر سانپ ہیں عام انسان کو ڈستے
یہ ہیں سارے سچے مسلماں کو ڈستے

وفورِ غضب میں ہیں جب پھن اُٹھاتے ۔۔۔ تو ہم جنس کو بھی یہ ہیں کاٹ کھاتے
خود اک دوسرے کو ہیں کافر بناتے ۔۔۔ یہود و نصاریٰ سے بڑھ کر بتاتے

لکھا ہے حدیثِ رسولِ امیں میں
جو فتنے ہیں ان کے گھسیں گے انہی میں

لگا کفر جب دینِ مسلم کو کھانے ۔۔۔ تو چیخ ایک بندے کی سُن لی خدا نے
دکھایا کرشمہ یہ بیت الدعا نے ۔۔۔ لگا ڈھونڈنے ابرِ رحمت بہانے

جھڑی لگ گئی آبِ رحمت کی آخر
ہوئی فتح مہر و محبت کی آخر

وہ رحمت خدا کی دعا بن کے آئی ۔۔۔ طفیلِ محمد نبی بن کے آئی
یہ تیغِ دُعا قیمتی بن کے آئی ۔۔۔ تھی کمزور لیکن جری بن کے آئی

نہ کیوں مل کے ہم حمد گائیں خدا کی
وہ شے مل گئی جو کہیں کھو گئی تھی

وہ موعود خیر الامم ہم میں آیا ۔۔۔ وہ آیا خدا کی قسم ہم میں آیا
ظفر کا لیئے وہ علم ہم میں آیا ۔۔۔ مجسم وہ خلق و کرم ہم میں آیا

وہ باطل کو زیر و زبر کرنے آیا
وہ دُنیا اِدھر کی اُدھر کرنے آیا

نمونہ ہے یہ اِک رسولِ امیں کا ۔۔۔ اور اک پہلواں ہے یہ دینِ متیں کا
بروزِ اتم سیّد المرسلیں کا ۔۔۔ وہ موعود ہے "آیت آخریں" کا

ہے آج اُس کا آنا محمد کا آنا
خدا والوں کو مِل گیا اک ٹھکانا

مفاسد کی رہ میں وہ کوہِ گراں ہے — وہ نیکوں کا غم خوار اور پاسباں ہے
وہ اسلام کا ایک زندہ نشاں ہے — اُسی کے ہی زیرِ لوا اب اماں ہے
جری خدا فی حُللِ انبیاء ہے
غلام احمدِ مصطفےٰ میرزا ہے

اماں کا پھریرا اُڑاتا وہ آیا — بگل صلح کا ہاں بجاتا وہ آیا
معارف کے موتی لٹاتا وہ آیا — قرآنی ترانہ سناتا وہ آیا
چلو اُس کو دیں ہم سلامِ محمدؐ
جو آیا ہے ہم میں بنامِ محمدؐ

ثریا سے ایمان کو کھینچ لایا — نئے طرز سے ہم کو قرآں پڑھایا
معارف کا ہر ایک نکتہ سکھایا — ہمیں پھر سے دیندار و مومن بنایا
عبادت میں وہ لطف آنے لگا ہے
کہ گویا خدا دل میں بیٹھا ہوا ہے

مذاہب کے وہ اختلافی مسائل — روایت میں تھے مختلف جن کے ناقل
جھگڑتے تھے آپس میں خود اُن کے قائل — صداقت کی تمیز تھی سخت مشکل
غرض جو عقائد بھی تھے اُلجھے اُلجھے
طفیل اس حکم کے وہ سارے ہی سلجھے

وہ یاجوج و ماجوج، وہ اُن کے قصے — بھیانک تھے تفسیروں میں جن کے نقشے
جو الفاظ کے معنی ظاہری سے — بنے چشمِ اغیار میں مضحکے تھے
مطالب وہ غوّاصِ قرآں نے کھولے
لآلی معارف کے گویا ہیں رولے

وہ نقشہ جو نظروں میں مضحک بنا تھا — خدا کے جری نے اُسے ایسا بدلا
تھا ایماں ربا اب ہے ایماں افزا — چمن کھل گیا ہر طرف معرفت کا

اُٹھیں گے اسے لے کے ہم شکل طوفان
بنائیں گے دجّال کو بھی مسلمان

ہاں باطل سے خم ٹھونک کر اب لڑیں گے
صداقت محمد کی ثابت کریں گے
رُکیں گے کہیں اور نہ پیچھے ہٹیں گے
بڑھیں گے ہم آگے ہی آگے بڑھیں گے
رُکیں گے زمیں سے ستاروں پہ جا کر
محمد کا دنیا کو کلمہ پڑھا کر

تھی صدیوں سے جاری صلیبی لڑائی
کروڑوں ہی جانیں تھیں اس نے گنوائی
یہ خونخوار شکلوں میں ہر بار آئی
خدا کے جری نے یہ لعنت مٹائی
صلیبوں کو توڑا نشاں یہ دکھایا
نہ اک قطرۂ خونِ انساں بہایا

مسیح اور لعنت معاذ اللہ منہا
یہ تھی عیسویت معاذ اللہ منہا
یہ اندھی عقیدت معاذ اللہ منہا
یہ قلبی شقاوت معاذ اللہ منہا
فریبی عداوت کی تھی یہ علالت
مسیحی محبت کی تھی یہ ضلالت

مسیح محمد نے رستہ دکھایا
صلیبی عمارت کا نقشہ مٹایا
ہر اک سنگ رہ کو ہے اس نے ہٹایا
کسی کو گھٹایا کسی کو بڑھایا
لگائے دلائل کے انبار اُس نے
ہر اک مدعی کو کیا خوار اُس نے

مسیحا کا ہے یہ مسیحا پہ احسان
کہ اہل کلیسا پہ احسان
ہر ادنیٰ پہ احسان ہر اعلیٰ پہ احسان
ہے شاہ و گدائے نصاریٰ پہ احسان
کھُلے گی کسی وقت اُن پر حقیقت
تو محسن کے کپڑوں سے ڈھونڈیں گے برکت

تو اے معترض پوچھتا کیا ہے ہم سے — اس انسان کے کارہائے اہم سے
بنے تھے نہ جو کام تیغ و دودم سے — وہ سب کر دیئے اُس نے زورِ قلم سے

حجابات کو درمیاں سے ہٹایا
حسین چہرہ زندہ خدا کا دکھایا

نہیں صرف زندہ دکھایا خدا کو — کیا اُس نے زندہ تمام انبیاء کو
تمام اولیا، اتقیا، اصفیا کو — ہر اک عالم و زاہد باصفا کو

کیا اُس نے ثابت ہے اسلام سچا
نبی کا ہر اک قول، ہر کام سچا

وہ دلدوز نعرہ اک اُس نے لگایا — جنودِ خدا کو زمیں پہ بلایا
پُرانی عمارت کا نقشا مٹایا — نیا اک نظامِ جہاں پھر بنایا

زمیں خوں کے دھبوں سے تھی میلی میلی
اب اک صاف اور ستھری دنیا بسے گی

نئے آسماں و زمیں اب بنیں گے — فلک پر ستارے نئے اب ٹکیں گے
شجر بے ثمر جو ہیں جڑ سے کٹیں گے — نئے غنچہ و گل زمیں پر کھلیں گے

ہے تخریب و تعمیر ایک ساتھ جاری
کہیں پر ہے آری کہیں آبیاری

تم اے مولویو بتاؤ خدا را — خدا لگتی کہنا جو ایماں ہے پیارا
بہا دہریت کا جو مغرب سے دھارا — اُسے روک دینے کا تھا کس کو یارا

دہانے پہ اس کے رکھا کس نے پتھر
جو سیلِ ضلالت رکی سر پٹک کر

قسم معجزاتِ صداقت نما کی — قسم ہے نشاناتِ ارض و سما کی
قسم تم کو حق اور قائم خدا کی — حسین چہرہ حضرت مصطفیٰؐ کی

مجھے تم بتاؤ جو ہے خوفِ داور
کہیں تم نے دیکھا ہے ایسا دلاور

یہ دجالی فتنہ مٹایا ہے کس نے
ضلالت کا بادل ہٹایا ہے کس نے
پھر اسلام کا دن پھرایا ہے کس نے
یہ مغرب میں سورج چڑھایا ہے کس نے

ذرا ڈھونڈو دیکھو تلے آسماں کے
کوئی ہے بجز احمد قادیاں کے

خدا کی ہو رحمت مسیح زماں پر
درود اُس کے آقا شہ دوجہاں پر
تمام آل پر اُس کی اور خانداں پر
اور اُس کے سب انصار خورد و کلاں پر

سمیع مجیبؐ ہے تو میرے مولا
درود و سلام اُن پہ دائم خدایا

روشن دین تنویرؔ

جناب روشن دین تنویر ۲۰ اپریل ۱۸۹۲ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۰ء میں مرے کالج سیالکوٹ سے بی اے کیا۔ یہاں شمس العلماء علامہ سید میر حسن جیسے بے مثال استاد ملے۔ یہیں شعر کہنا شروع کیا۔ کچھ عرصہ اپنے دوسرے اعزہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اندرون ملک اور بیرون ملک تجارت کے سلسلے میں رہے لیکن ان کی طبع رسا اس طریق زندگی سے جلد اکتا گئی۔ ۱۹۲۱ء میں لا کالج لاہور میں داخلہ لے لیا اور ۱۹۲۳ء میں ایل ایل بی کیا اور سیالکوٹ میں پریکٹس شروع کی۔ احمدیہ تحریک سے متاثر ہو کر ۱۹۴۰ء میں جماعت احمدیہ میں شامل ہو گئے اور ۱۰ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو جماعت احمدیہ کے روزنامہ اخبار "الفضل" کے مدیر مقرر ہوئے پچیس سال تک اس فریضے پر مامور رہے۔

جناب تنویر کا کلام ۱۹۲۱ء اور ۱۹۴۵ء کے درمیان اس دور کے ادبی رسالوں 'نیرنگ خیال' ہمایوں، 'نگار' اور ادبی دنیا میں چھپتا رہا اور ابھی تک اُس دور کے آسمانِ شعر کے بہت سے ستاروں کی نادر تخلیقات کی طرح ان رسالوں میں ہی بکھرا پڑا تھا۔ ۱۹۴۰ء کے بعد ان کے طرز کلام میں ایک واضح تبدیلی نظر آتی ہے جس پر کسی حد تک اس تعارف پر روشنی ڈالی جائے گی۔ ۱۹۴۰ء کے بعد اور خصوصاً ان کے روزنامہ الفضل کے مدیر ہونے کے بعد ان کا تمام تر کلام صرف "الفضل" کی زینت ہی بنتا رہا۔ ان کی ۱۹۴۰ء تک کی شاعری کے بارے میں میراجی مرحوم کے دو تنقیدی تجزیے بھی ملتے ہیں۔

جناب تنویر کی طبیعت میں شروع سے حقیقت کی تلاش کی خلش ملتی ہے اور یہی خلش ان کو کئی رنگ میں اپنے دور کا نمائندہ اور شارح بنا دیتی ہے۔ وہ اپنی نظموں میں ایک مدت تک اس

حقیقت کے لئے سرگرداں ملتے ہیں اور قریباً چیخ کر کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں۔ ؎

بہت جان جینے سے جھنجھلا رہی ہے
خدا جانے جینے کا جنجال کیا ہے

اس دَور میں انہوں نے "مقصدِ حیات کیا" نظم لکھی جس میں شاعر کے ساتھ ساری کائنات ایک ہی سوال دہراتی نظر آتی ہے کہ "مقصدِ حیات کیا ہے؟"

اس حقیقت کی جستجو میں شاعر کو جب حقیقت کا ایک اہم جزو آزادی، اپنی زندگی (قومی اور شائد کسی حد تک اسی وجہ سے ذاتی) میں معدوم نظر آتا ہے تو کبھی تو وہ بالکل ہی مایوس ہو جاتا ہے اور "مطرب خوش نوا گاتا جا"، "زنجیرِ حیات"، "کیا کروں" اور "زندگی" جیسی نظمیں لکھتا ہے اور کبھی فرار ڈھونڈتا ہے اور پناہ کے لئے اپنے دَور کے بعض دوسرے شاعروں کی طرح حُسنِ فطرت کی پہنائیوں میں اُتر جاتا ہے اور "ایک گیت"، "فروری کی ایک صبح"، "غروب" اور "شاعر کا گھر" جیسی نظمیں لکھتا ہے جن میں حُسنِ فطرت کی تصویر کشی اپنے کمال پر نظر آتی ہے۔ حتیٰ کہ اپنی نظم "مچھیرا" میں وہ بیسویں صدی کی انگریزی رومانی شاعری کی روایت میں مچھیرے کو حسینۂ آب کی زبانی ندی کے حسن کا احساس دلا کر اسے ندی میں ملا دیتا ہے اور ندی کے حُسن کا ایک حصہ بنا دیتا ہے۔

اس دور میں وہ ہمیں "ایک مکالمہ" میں انسان کے جنگی جنون کا مذاق اڑاتا ہوا نظر آتا ہے کہ کیسے دوسرے کا آلۂ کار بن کر بغیر سمجھے بوجھے انسان قتل و غارت کرتا ہے اور اپنے اس مکروہ فعل کو بہادری جرأت، وفاداری وغیرہ کے غیر حقیقی القاب دیتا ہے اور جس سے پھر زندگی کی وہ تمام مجبوریاں پیدا ہوتی ہیں جو انسان کی آزادی سلب کر کے اُسے مجبور بنا دیتی ہیں۔ اس دَور میں وہ "خانہ بدوش" میں اہلِ دنیا اور ترقی و تہذیب کے علم برداروں کے لئے لمحۂ فکریہ مہیا کرتا ہے کہ تم اتنی ترقی کے دعوے کرتے ہو لیکن اس انسان (خانہ بدوش) کو دیکھو جو آج تک "ناتراشیدگی" "اجڈپن اور جیتھڑوں کے قفس" سے چھٹکارا نہیں پا سکا۔ اسلئے وہ انسان کو توجہ دلاتا ہے کہ اس کی دنیا "شیطان کی بستی" بنتی چلی جا رہی ہے اور وقت ہے کہ وہ اسے "انسان کی بستی" بنائے۔ اس لئے وہ آزادی کے گیت بھی گاتا ہے اور آزادی کی دیو مالائی علامت پرومی تھیس کا قصیدہ لکھ جاتا ہے اور "غلاموں کی بستی" کا نقشہ کھینچ کر اس کی

دلدوز حالت پر آنسو بہاتا ہے۔

نمونۂ کلام

ہوا جور و ستم تو پھر ہُوا کیا
محبت کی سزا پیارے سزا کیا؟
سفینہ رقص میں گرداب کے ساتھ
نہیں ہے دلفریب اے ناخدا کیا؟
مجھے تو یہ تعجب ہے الٰہی!
محبت! اُف محبت نے کیا کیا؟
نظر کی بھی تجھے پرہیز ہے جب
پلائے گا تو ہم کو ساقیا کیا؟
سنائیں تجھ کو اے تنویرؔ کیا ہم
کہ ہم کیا اور ہمارا ماجرا کیا

○

نہ کھا غم، زندگی کا سم یہی ہے
نہ کھا جائے اسے غم، غم یہی ہے
مئے ساقی کا ہر قطرہ ہے عالم
اسی کے در پہ جم جا، جم یہی ہے
فرشتوں سے کرایا جس کو سجدہ
خدا کیا وہ ترا آدم یہی ہے؟
کیا ہے راز تیرا دل نے افشا
اسی سے کہہ ترا محرم یہی ہے
زیادہ جانتے تھے سب سے دل کو
مگر دیکھا تو سب سے کم یہی ہے

○

یہ کون ہے جو حُسن کے پردوں میں چھپا ہے
معلوم ہے جو کھیل کہ تو کھیل رہا ہے
تجھ سے تو کچھا ہے فقط انگارۂ تصویر
تصویر کو رنگیں تو مرے خوں نے کیا ہے
یہ تیرے چھلکتے ہوئے بیتاب نظارے
اک شعبدہ بازی کے سوا اور یہ کیا ہے
مجھ کو بتا صانعِ فردوس و جہنم
کچھ تجھ کو مرے دردِ تمنا کا پتا ہے؟
منزل ہے عجب منزلِ مقصودِ محبت
مندر کا ہے ماحول نہ مسجد کی فضا ہے

کیا چارہ ہے کیا چارہ ہے اے شیخ و برہمن
بُت کہتا ہے میں بُت ہوں مگر مجھ میں خدا ہے

کیا ڈھونڈتے ہو دودِ چراغِ دلِ تنویر
بے شک یہ بجھا سا ہے مگر جل کے بجھا ہے

○

[illegible] کرے گنہگار کردے
مجھے اپنی رحمت کا حقدار کردے

وہی [illegible] وہی اپنا عیسیٰ
زیادہ زیادہ جو بیمار کردے

ذرا ڈال دے ناخدا اس بھنور میں
سفینہ کو شاید یہی پار کردے

مجھے فرض ہے سر جھکائے رہوں میں
وہ کیا جانیئے کس گھڑی وار کردے

میں ہوں صرف تیرے خیاباں کی مٹی
مجھے گل بنا دے تو یا خار کردے

○

نغمۂ عندلیب زار گیا
اے گلو موسمِ بہار گیا

کوئی اہلِ چمن سُنے نہ سُنے
مرغِ شوریدہ سر پکار گیا

ساتھ کیا لے گیا جہاں سے کوئی
جامۂ زیست بھی اتار گیا

خُلد دوزخ بنے گا دوزخ خُلد
حشر میں جب یہ بیقرار گیا

آگے اس کا نہ کچھ سراغ چلا
عرش تک آہ کا شرار گیا

محسن تو تھا چلا چلی میں مگر
جیتے جی عشق ہم کو مار گیا

مسکرا کر نظر چُرا لینا
ایک ہی تیر دل کے پار گیا

محسن ہے گو قدم قدم پہ فریب
بے دلوں میں نہ اعتبار گیا

آگے ہوش آتا جاتا رہتا تھا
اب تو اتنا بھی اختیار گیا

زمانے کو جس آبِ زندگی کی پیاس ہے ساقی
سُنا ہے خضر سے میں نے وہ تیرے پاس ہے ساقی

کئے وا جس نے آ کر رحمتوں کے بند دروازے
محمد مصطفٰےؐ خیرِ جمیع الناس ہے ساقی

دُرخشاں ہے مرا دامن غبارِ کوئے جاناں سے
مگر ہر ذرّہ اس کا ریزۂ الماس ہے ساقی

سہارا ہے مجھے لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰه کا
پلائے جا کہ جب تک سانس تب تک آس ہے ساقی

طبیبوں کی دوا تنویرؔ کو کب راس آتی ہے
ترے بیمار کو تیری دُعا ہی راس ہے ساقی

○

یوں وقفِ تلاش یار ہو جا
اک پیکرِ اضطرار ہو جا

ہے زندہ لہو تیری رگوں میں
اُٹھ باغ میں تازہ کار ہو جا

طوفاں میں نہیں حُباب بنتے
گرداب سے ہمکنار ہو جا

دامن سے کسی طرح اُلجھ جا
گُل نہ ہو سکے تو خار ہو جا

ہے بادِ صبا تو ہو خراماں
بُلبل ہے تو نغمہ بار ہو جا

دریا ہو نصیب موج بن جا
گلخن جو ملے شرار ہو جا

کیا ڈھونڈتا ہے چمن چمن میں
تنویرؔ تو خود بہار ہو جا

سرور - جناب علی محمد صاحب سرور لدھیانوی

جناب علی محمد صاحب سرور سنہ ۱۸۹۲ء میں موضع پھٹور ضلع لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اپنے وطن کے پرائمری اسکول سے جماعت پنجم کا امتحان ۱۹۰۵ء میں پاس کیا۔ اگلے سال آپ کے بڑے بھائی مولوی نعمت اللہ صاحب گوہر حلقہ بگوش احمدیت ہو گئے۔ اُنھیں کی تحریک اور دعوت الی اللہ سے علی محمد صاحب اور آپ کے چھوٹے بھائی عطا محمد صاحب بھی احمدیت میں داخل ہوئے۔ ۲۲ر اگست ۱۹۰۶ء کو علی محمد صاحب تعلیم الاسلام ہائی اسکول کی ساتویں جماعت میں داخل ہوئے۔ یہ حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کا آخری زمانہ تھا لیکن اسکول میں داخلہ کے دوسرے روز ہی یعنی ۲۳ر اگست ۱۹۰۶ء کو علی محمد صاحب کو حضور سے دستی بیعت کرنے کی سعادت بھی حاصل ہو گئی۔ پھر حضور کے ساتھ سیر کو جاتے اور مسجد مبارک میں حضور کی اقتدا میں نمازیں ادا کرنے کی توفیق بھی ملتی رہی۔ علی محمد صاحب کی روایت کے مطابق حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) نماز کے لئے ایک کھڑکی سے تشریف لاتے تھے اور اُسی کھڑکی سے واپس تشریف لے جاتے تھے۔ ۱۹۰۷ء میں جلسہ سالانہ پر حضور کی تقریر بیت اقصیٰ میں ہوئی۔ اُس تقریر کے دوران حضور نے فرمایا:

"اس زمانہ کے ذوالقرنین ہم ہیں اور ہمارے ہی ذریعے دجّال کو شکست ہوگی۔"

۲ر مئی ۱۹۰۸ء کو حضور لاہور تشریف لے گئے۔ ۲۵ مئی کی شام کو سیر سے واپس آئے شام کو حسبِ معمول کھانا کھایا اور نمازوں میں شریک ہوئے۔ مگر رات کے پچھلے حصّہ میں کچھ تکلیف ہوئی اور اسہال شروع ہو گئے۔ صبح تک حالت بہت نازک ہو گئی اور حضور کی روح قفسِ عنصری سے آزاد ہو کر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُون۔ ۲۷ مئی کی صبح کو جنازہ دس بجے کے قریب قادیان پہنچا۔ بیعت خلافت کے بعد حضرت مولانا نورالدین صاحب نے نماز جنازہ

پڑھائی اور شام کو غروب آفتاب سے پہلے تدفین عمل میں آئی۔ علی محمد صاحب تدفین کے وقت حاضر تھے۔

آپ نے میٹرک کا امتحان تعلیم الاسلام ہائی اسکول قادیان سے فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ بعد ازاں ۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۳ء تک سینٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں تعلیم پا کر اُستادی کی سند حاصل کی۔ ۱۹۱۶ء میں ایف اے اور ۱۹۱۸ء میں بی اے پاس کیا اور ۱۹۲۰ء میں بی ٹی کا امتحان پاس کر کے تعلیم الاسلام ہائی اسکول میں بطور ٹیچر کام کیا اور یہ سلسلہ چونتیس سال یعنی ۱۹۴۶ء تک قائم رہا۔ سبکدوشی کے بعد صدر انجمن احمدیہ سے پنشن مقرر ہو گئی اور ساتھ ہی ساتھ ریویو آف ریلیجنز کی ایڈیٹری کا کام بھی تفویض ہوا۔ مگر ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۱ء تک بوجہ تقسیم ملک ریویو بند رہا۔ دسمبر ۱۹۵۱ء میں ریویو (انگریزی) دوبارہ جاری ہوا تو پھر آپ کو اس خدمت کا موقعہ ملا۔ اس وقت سے ۱۹۷۰ء یعنی اٹھارہ سے مسلسل آپ اس خدمت کو باحسن وجوہ انجام دے رہے۔ ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ۔

آپ کو ۱۹۱۸ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے پرائیویٹ سیکرٹری کی حیثیت سے بھی کام کرنے کا موقعہ مل چکا ہے۔ اور ۱۹۲۰ء کے جلسہ سالانہ پر آپ ہی حضور کے پرائیویٹ سیکرٹری تھے۔ ۱۹۲۲ء میں کچھ عرصہ یہ خدمت بجا لانے کا موقعہ ملا۔

۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۲ء تک نظارت امور عامہ میں بطور نائب ناظر زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کے ساتھ کام کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

سرور صاحب نے حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کا زمانہ بچشم خود دیکھا اور حضرت خلیفۃ المسیح الاول مولانا نورالدین کا عہد خلافت بھی بتمام و کمال آپ کی نظروں سے گزرا۔ پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی پیشی میں کام کرنے کی سعادت نصیب ہوئی اور حضرت کا سارا دور خلافت بھی آپ کے پیش نظر رہا۔ اور اب تیسری خلافت کے برکات سے مستفید ہونے کی توفیق بھی پائی۔ اس طرح آپ ۱۹۰۰ء سے ۱۹۷۰ء تک سلسلہ عالیہ احمدیہ کی تاریخ کے عینی شاہد ہیں۔

قسام ازل نے آپ کو تحریر کے ساتھ تقریر کا ملکہ بھی عطا فرمایا اور اس کے اظہار کے مواقع

بھی بکثرت فراہم فرمائے۔ شاعری کی طرف طبیعت زمانۂ طالب علمی ہی سے مائل تھی۔ اساتذہ کرام اور دیگر اہل ذوق حضرات کی صحبت سے ادبی وعلمی ذوق کو ابھرنے کا موقع ملا۔ آخری دور میں آپ کو استاذی المحترم جناب حضرت حافظ سیّد مختار احمد صاحب مختار شاہجہانپوری کی علمی و ادبی مجالس میں اپنی تشنگی فرو کرنے اور حضرت حافظ صاحب کے اُستادانہ وماہرانہ انداز اصلاح سے استفادہ کا بھی موقع میسّر آیا اور آپ نے ان مواقع سے بھرپور فائدہ حاصل کیا۔ سادگی اور حقیقت نگری آپ کی شاعری کے نمایاں جوہر ہیں جن سے آپ کی شاعری کا دامن مملو نظر آتا ہے۔

نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

ہدیہ عقیدت

جنونِ عشق میں کوئی جو بے تابانہ آتا ہے
یہ کہہ دو جا کے لیلیٰ سے ترا دیوانہ آتا ہے

مرے دل میں چمکتا ہے جو نورِ اُس ماہِ کامل کا
پسند اُس کو اسی باعث مرا کاشانہ آتا ہے

ضرور اس بزمِ ہستی میں کوئی شمعِ فروزاں ہے
کہ جس پر جان دینے کو ہر اک پروانہ آتا ہے

تجھے خالق نے پہنائی ردا خود ہی خلافت کی
ملائک پر بھی لازم سجدہ شکرانہ آتا ہے

پلائی ہے مئے الفت کچھ ایسی تو نے رندوں کو
جو آتا ہے تری محفل سے وہ مستانہ آتا ہے

ترا طالب، ترا صادق ترا مخلص ترا سرور
ترے کوچے میں مثلِ قیس بے تابانہ آتا ہے

اُترتے تم حریمِ قدس میں تب بات بھی ہوتی
زمیں والو اگر تم چاند پر اُترے تو کیا اُترے

مرے دل پر اگر وہ شوخ اُترا بھی تو کیا اُترا
زہے قسمت جو اس دل پر کبھی میرا خدا اُترے

مرا دل مثلِ آئینہ اگر ہو صاف اور روشن
تو اُس میں بالیقیں عکسِ جمالِ مصطفےٰ اُترے

جو دیکھا فقر میں نے اُس شہنشاہِ دوعالم کا
نگاہوں سے مری دُنیا کے سارے اغنیا اُترے

شیدا۔ علی محمد خاں صاحب شیدا

نام علی محمد خان شیدا تخلص قوم کے سورج بنسی راجپوت تھے جن کو عام طور سے خانزادہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان کے جدِ امجد حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر اسلام لائے تھے۔

علی محمد خان صاحب کے والد فقیر محمد خان صاحب رنجیت پورو (ضلع اناؤ) نامی قصبہ میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ علی محمد خاں صاحب کی والدہ اناوہ کی تھیں۔ ایک اطلاع کے مطابق علی محمد خان صاحب کی ولادت بھی پوروہ ضلع اناؤ (یوپی) میں ہوئی تھی۔ انہوں نے تین شادیاں کیں۔ تینوں بیویاں صوبہ بہار سے تعلق رکھتی تھیں۔ خان صاحب کے چار بھائی اور ایک بہن تھی۔ یہ سب عمر میں ان سے چھوٹے تھے۔ ان کی والدہ بے حد متقی، خدارسیدہ۔ اور نیک دل خاتون تھیں۔ خان صاحب بذاتِ خود نہایت وجیہہ، بارُعب اور پُر وقار شخصیت کے مالک تھے۔ ریاست پنا (یوپی) میں قانون گو تھے اور اُن کے چھوٹے بھائی غلام محمد خان صاحب بھی اُسی ریاست میں قانون گو کے عہدہ پر فائز تھے۔ ان دونوں بھائیوں کی زندگی میں ایک عجیب محکماتی واقعہ رونما ہوا۔ ریاست کی طرف سے علی محمد خان صاحب کو ٹھیکیداری کے عہدہ پر ترقی کا حکم جاری ہوا لیکن لکھنے والے نے علی محمد خاں کی جگہ غلام محمد خان لکھ دیا اور وہ تحصیلدار ہو گئے۔ بعد میں جب اعلیٰ حکام کو اس غلطی کا علم ہوا تو انہوں نے غلط نام کی تصحیح کرنا چاہی لیکن علی محمد خان صاحب نے اسے قبول نہ کیا۔ یہ اُن کی کشادہ دلی اور عظمت کا ایک نشان ہے۔

علی محمد خاں صاحب کی شخصیت اتنی بارُعب تھی کہ اگر اچانک کسی محفل میں پہنچ جاتے تو لوگ فوراً اُٹھ کر کھڑے ہو جاتے۔ دوستوں سے محبت اور دلداری اُن کا شیوہ اور غائبانہ طور سے لوگوں

کی مدد کرنا ان کا معمول تھا۔ ان کے بڑے امتیاز علی خان عین عالمِ جوانی میں مرض دق کا شکار ہو کر انتقال کر گئے۔ چھ بچوں میں سے دو بقید حیات رہے۔ اختر علی خان صاحب اور ایک بیٹی پارسا خاتون جن کی شادی لکھنؤ میں سیّد ارشد علی صاحب سے ہوئی جو دو پرانے اور قدیمی احمدیوں مرزا کبیر الدین احمد صاحب اور مرزا احسام الدین احمد صاحب لکھنوی کے بھانجے تھے۔ مرزا احسام الدین صاحب قدیمی ساکن اکبر آباد (آگرہ) کے تھے اور مرزا اسد اللہ خان غالب کے رشتہ داروں میں سے تھے عمر کے آخری حصہ میں مرزا احسام الدین صاحب سلسلہ احمدیہ میں بطور معلّم بھی کام کرتے رہے اور غالباً اُن کی وفات ربوہ میں ہوئی۔

علی محمد خان صاحب کو سلسلہ احمدیہ میں داخل ہونے کی طرف توجہ اُن کے ایک عزیز بابو عبد الرشید خان صاحب لکھنوی نے دلائی۔ اور تحریر کیا کہ مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) تشریف لے آئے ہیں اور ساتھ ہی احمدیت کا کچھ لٹریچر بھی ارسال کیا۔ جس کے مطالعہ کے بعد اس سعید الفطرت انسان نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل (آپ تعالیٰ آپ سے راضی ہو) کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلسلہ میں شمولیت اختیار کی۔

خان صاحب کے چار بھائی تھے۔ منجھلے بھائی کو چھوڑ کر دونوں چھوٹے بھائی یعنی ممتاز علی خان صاحب اور اسحٰق محمد خاں صاحب بھی حلقہ بگوش احمدیت ہو کر بڑے مخلص احمدی ثابت ہوئے۔ ممتاز علی خاں صاحب نے پہلے کچھ مخالفت کی لیکن جب حق کھُل گیا تو بہت مخلص احمدی ثابت ہوئے۔ یہ احمدیت سے بہت محبت اور لگاؤ رکھتے تھے۔ اپنے قصبہ کے علاوہ دُور دُور تک پہلوانی اور لکڑی چلانے کے فن میں ان کا شہرہ تھا۔ بنوٹ کے ماہر تھے۔ بہت اچھے قاری تھے۔ کراچی میں انتقال کیا۔

علی محمد خان صاحب کے صرف ایک بیٹے اختر حسن خان صاحب مخلص احمدی تھے اور لکھنؤ میں قیام پذیر تھے۔ اُن کے کوئی اولاد نہ تھی اس لئے انہوں نے اپنی سالی کے دو لڑکوں اور ایک لڑکی کو اپنے بچوں کی طرح پالا پوسا اور ان کی شادیاں کیں۔ دونوں لڑکوں کی شادیاں سیّد محمد حسن صاحب اسٹیشن ماسٹر نواب شاہ مرحوم کی چھوٹی صاحبزادیوں سے ہوئیں۔ دونوں صاحب اولاد اور کراچی ایئر پورٹ پر رہائش پذیر ہیں۔ بڑے سلطان احمد صاحب اور چھوٹے شریف احمد صاحب۔ یہ دونوں سیّد

محمد میاں سلیم پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ نواب شاہ کے ہمزلف ہیں۔ لڑکی کی شادی حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کے مخلص رفیق حضرت محمد ایوب خاں صاحب مرحوم (او بی آئی۔ اے ڈی سی) کے چھوٹے صاحبزادے سے ہوئی۔ یہ بھی کراچی میں مقیم ہیں۔ سب کے سب مخلص احمدی ہیں۔

علی محمد خاں صاحب ۴۳ سال کی عمر میں بعارضہ تپ دق اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے اپنی رحلت کے متعلق ان کا ایک شعر درج ذیل ہے ؎

اُس گُلِ رعنا سے کہنا اے نسیم
تیرا بُلبل تیرا شیدا مر گیا

اختر حسن خاں صاحب بھی ۱۰ر ستمبر ۱۹۷۵ء رمضان المبارک کے مہینے میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡن۔ کراچی ایئر پورٹ کے کوارٹرز میں انتقال ہوا۔ بڑے مخلص احمدی اور نیک طینت انسان تھے۔ کالونی گیٹ ایئر پورٹ کے قبرستان میں مدفون ہیں۔ مولوی محمد عثمان چینی مربی سلسلہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔

علی محمد خان صاحب کی صاحبزادی پارسا خاتون بفضلہ تعالیٰ بقیدِ حیات ہیں اور اپنے بیٹے بیٹیوں کے ساتھ کراچی میں سکونت پذیر ہیں۔ بڑی مخلص، سنجیدہ اور ہمدرد خاتون ہیں۔ احمدیت سے بڑی محبت رکھتی ہیں۔

علی محمد خان صاحب شیدا کا اپنے دور میں ایک مقام تھا اور ہندوستان کے اعلیٰ پایہ کے شاعروں میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ ان کی شاعری کا رنگ خالصتہً لکھنوی تھا جو اس زمانہ میں محبوب خلائق تھا۔ اُن کی شاعری میں اپنے ہمعصر شعراء کی طرح خارجی رنگ زیادہ نمایاں ہے۔ انہوں نے اپنی ادبی یادگار ایک دیوان چھوڑا ہے جو ہنوز زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہو سکا۔ ان کے صاحبزادے اختر حسن خاں صاحب اس دیوان کو چھپوانا چاہتے تھے لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا۔

شرافت۔ مولوی شرافت اللہ خاں صاحب شاہجہانپوری

راقم الحروف نے مولوی شرافت اللہ خان صاحب کو اپنی صغر سنی میں اُس وقت دیکھا جب وہ حضرت ابوالعقیل حاجی عبدالقدیر صاحب آدب شاہجہانپوری کے اُردو دفتر میں کام کرتے تھے۔ گوراچٹا چہرہ اُس پر گھنی سفید داڑھی اور لبوں پر مسکراہٹ یہ تھے مولوی صاحب کے خدوخال جو آج تک میری نظروں میں سمائے ہوئے ہیں۔ وہ بہت کم گو اور منکسر مزاج طبیعت کے مالک تھے۔ بہت سادہ طبیعت، قانع اور صابر وشاکر بزرگ تھے۔ فارسی زبان پر آپ کو کافی عبور حاصل تھا اور فارسی نظم کہنے پر قدرت رکھتے تھے۔ قدرت نے ایک ہی بیٹا عطا فرمایا تھا جس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر چلا کرتے تھے اور بظاہر یہی معلوم ہوتا تھا کہ بیٹا اُن کا عصائے پیری ہے۔

قضائے الٰہی سے یہ لڑکا کم عمری ہی میں اللہ کو پیارا ہوگیا۔ شاہجہانپور کے تمام احمدی جمع ہوئے تجہیز وتکفین سے فراغت ہوئی سب لوگ اپنے گھروں کو واپس ہوئے۔ مولوی صاحب اس تمام عرصہ میں بالکل خاموش رہے۔ بے صبری کا کوئی لفظ زبان سے نہیں نکالا۔ اُن کو تو گویا چُپ لگ گئی تھی تین دن تک کوئی کام نہ کر سکے۔ بعدازاں حسب معمول کام میں لگ گئے۔

مولوی صاحب کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر بڑا بھروسہ تھا۔ ایک زمانہ میں شاہجہانپور میں مخالفت کا زور ہوا اور عصر کی نماز میں سب احمدی احباب اُس بیت الذکر میں جمع ہوئے۔ جو احمدیوں اور غیر احمدیوں کے درمیان متنازعہ فیہ تھی۔ مخالفین نے ارادہ کر لیا تھا کہ آج جس وقت یہ لوگ بیت الذکر سے نماز پڑھ کر نکلیں گے تو بلوہ کی صورت پیدا کر کے ان کا خاتمہ کر دیں گے۔ احمدی حضرات بعد نماز بیت الذکر میں رُکے ہوئے تھے اور اس انتظار میں تھے کہ کچھ سناسا لوگ پہنچ جائیں اور فضا کچھ بہتر ہو جائے تو بیت الذکر سے نکلیں۔ اسی دوران سب نے دیکھا کہ مولوی صاحب اپنا ڈنڈا ٹیکتے

ہوئے بیت الذکر سے باہر جانے لگے سب نے روکنا چاہا لیکن مولوی صاحب یہ الفاظ کہتے ہوئے بیت الذکر سے باہر چلے گئے کہ کسی کی اتنی مجال نہیں کہ مجھے روکے۔ اللہ میری حفاظت فرمائے گا۔ باہر نکلے اور مخالفین کے جمگھٹ میں سے ہوتے ہوئے اپنے راستہ پر چل نکلے کسی کو مزاحمت کی جرأت نہ ہوئی۔ یہ تھی اس مرد مومن کی شان یقیناً اللہ تعالےٰ فرشتے اس نیک بندے کی حفاظت کے لئے آسمان سے اُتر آئے تھے۔

احمدیت کا اکثر لٹریچر مولوی صاحب کے پاس تھا جس کا مطالعہ کرتے رہتے تھے اور عمر کے آخری حصہ میں تو انہیں کتابوں کی درستی اور جلد بندی میں اپنا وقت گزارتے تھے۔

آپ اُردو فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے اور آپ کا کلام شاہجہان پور کے ادبی رسالوں "مرقع" اور "زبان اُردو" کی زینت بنتا رہتا تھا۔ حضرت حافظ سیّد مختار احمد صاحب مختار شاہجہانپوری سے دیرینہ مراسم تھے اور اکثر اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔

ستر (۷۰) سال کی عمر میں آپ نے شاہجہانپور میں انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے۔

جناب مولوی سید صادق حسین صاحب اٹاوی

مولوی سید صادق حسین صاحب وکیل شاعر بھی تھے اور حضرت داغ دہلوی کے شاگرد تھے۔ اٹاوہ سے ایک ماہنامہ صبح صادق کے نام سے نکالتے تھے جس میں طرحی مشاعرے کی غزلیات شائع ہوتی تھیں۔ اس رسالہ کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ اس میں جہاں استاد حضرت داغ بھی اپنا طرحی کلام بغرض اشاعت بھیجا کرتے تھے۔ حضرت مولوی صاحب علاوہ اردو زبان کے عربی، فارسی اور ہندی زبان کے بھی عالم تھے۔ آپ کا خط نہایت پاکیزہ تھا۔ اور احمدیت کی تائید میں اعلیٰ پایہ کے مضامین لکھا کرتے تھے جو حضرت میر قاسم علی صاحب قادیانی رامپوری کے ماہنامہ رسالہ "احمدی" دہلی میں شائع ہوتے تھے۔ مولوی صاحب شیعہ مذہب کے بھی عالم تھے اور شیعیت اور آریہ مت کے خلاف عالمانہ مضامین لکھا کرتے تھے۔

حافظ محمد سلیم صاحب اٹاوی نے راقم الحروف کو ایک واقعہ تحریر کیا جس سے مولوی صاحب کے تبحر علمی کا اندازہ ہوجاتا ہے۔ حافظ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) پر غیر احمدی علماء الزام لگایا کرتے تھے کہ حضرت مرزا صاحب نے تمام مسلمانوں کو ذریۃ البغایا یعنی حرام زادہ کہا ہے اس کا جواب ہماری طرف سے یہ دیا جاتا تھا کہ ذریۃ البغایا کے معنی گمراہ لوگ ہیں۔ دوسرے ذریۃ البغایا سے مراد آریہ اور عیسائی ہیں کیونکہ حضرت صاحب نے اس سے پہلے لکھا ہے کہ میری ان کتابوں کو جو میں نے عیسائیت اور آریوں کے خلاف اور اسلام کی تائید میں لکھی ہیں اُن کو سب مسلمان پسند کرتے ہیں سوائے ذریۃ البغایا کے گویا اس سے غیر مسلم مراد ہیں۔ مگر غیر احمدی علماء اس جواب سے مطمئن نہیں ہوتے تھے۔ ۱۹۳۶ء میں احرار

نے قادیان میں ایک جلسہ کیا اور مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری نے وہاں آکر تقریر کی اور جماعت کے بزرگوں کو گندی گالیاں دیں۔ حکومت کی طرف سے ان پر مقدمہ چلایا گیا۔ مجسٹریٹ نے اُس کو تابرخاست عدالت سزا دی اور فیصلہ میں لکھا کہ گالیاں دینے میں عطاء اللہ شاہ بازاری لوگوں سے بڑھ گیا ہے۔ اس مقدمہ میں عطاء اللہ شاہ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو بطور گواہ پیش کرایا تھا اور حضور پر اس کے وکیل نے جرح کی تھی کہ عطاء اللہ شاہ نے جو گالیاں دی ہیں وہ مرزا صاحب کی گالیوں سے کم ہیں کیونکہ انہوں نے تمام مسلمانوں کو حرام زادہ کہا ہے۔ اس کے جواب میں حضرت صاحب نے شیعوں کی معتبر حدیث کی کتاب اصول کافی میں سے حضرت امام باقرؒ کا ایک قول پیش کیا کہ اگر ذریۃ البغایا کے معنی حرام زادے کے ہیں تو حضرت امام باقرؒ نے بھی یہی الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اُن کے متعلق تمہارا کیا فتویٰ ہے چنانچہ اصول کافی کی یہ حدیث پیش کی گئی۔

"یا ابا حمزہ ان الناس کلھم اولادُ بغایا ملخلا شیعتنَا۔"

ترجمہ: کہ اے ابوحمزہ ہمارے شیعوں کے علاوہ باقی سب لوگ حرام زادے ہیں۔

جب یہ حوالہ عدالت میں پیش کیا گیا تو تمام مولویوں کے چہروں پر مُردنی چھاگئی اور وہ سب کے سب دم بخود رہ گئے۔"

حافظ صاحب کا قول ہے کہ یہ حوالہ میری تحریک پر حضرت مولوی صادق حسین صاحب نے مجھے اٹاوہ سے بھیجا تھا اور میں نے مولوی علی محمد اجمیری کی وساطت سے حضور کی خدمت میں پیش کیا تھا۔

عاصیؔ ۔ جناب منشی غلام قادر صاحب پٹھانکوٹی

منشی صاحب غالباً ۱۸۶۰ء میں بٹالہ (ضلع گورداسپور) میں پیدا ہوئے اور ۵ جولائی ۱۹۳۵ء کو پٹھان کوٹ (ضلع گورداسپور) میں وفات پائی اور پٹھان کوٹ کے قریب موضع دولت پور میں دفن کیے گئے ۔

منشی صاحب کے والد میر محمد صاحب ایک عالم باعمل بزرگ تھے وہ بٹالہ کے قریب ایک گاؤں میں مدرس تھے ۔ گھر پر بھی درس و تدریس کا سلسلہ جاری تھا۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے پر بھی بٹالہ میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ بہت سے لوگوں نے آپ سے کریما، گلستان اور بوستان سبقاً سبقاً پڑھیں۔ بٹالہ اور اُس کے نواحی علاقوں میں اُن سے فیضیاب ہونے والوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ اُن کے شاگردوں میں غیر مسلم بھی شامل تھے ۔ رائے بہادر چونی لال جج ۔ پنڈت کرپارام تحصیلدار اور بابو سنگھا (ایس پی سنگھا آنجہانی کنٹرولر امتحانات پنجاب یونیورسٹی کے والد) بھی آپ سے کبھی کبھی فارسی کا درس لینے آیا کرتے تھے ۔ میر محمد صاحب کو شعر و سخن سے بھی بہت شغف تھا۔ فارسی اُردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے ۔ ایک دفعہ ایک والیِ ریاست کی تعریف میں قصیدہ لکھا اور نقد روپیہ اور خلعت انعام میں پائی ۔ اس کے علاوہ آپ کو عملیات اور درود و وظائف کا بھی شوق تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ انہوں نے حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کی خدمت میں خط لکھا جس میں یہ عرض کیا کہ کوئی وظیفہ بتائیں۔ حضور نے جواباً لکھوایا کہ درود شریف اور استغفار کثرت سے پڑھیں ۔ میر محمد نے حضرت صاحب کی بیعت نہ کی لیکن مخالفت بھی نہ کی ۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول سے تو نیازمندانہ تعلقات تھے چنانچہ اس سلسلہ میں میر محمد صاحب کے پوتے عبدالمجید صاحب سالک مرحوم (مالک و مدیر اخبار "انقلاب" لاہور) لکھتے ہیں ۔

۰ ۱۹۱۲ء کا ذکر ہے۔ میں بعض لوگوں سے ملاقات کرنے کے لئے بٹالہ سے قادیان گیا اور ایک عزیزہ کے علاج کے سلسلہ میں مولانا حکیم نورالدین مرحوم و مغفور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ صبح کا وقت تھا۔ حکیم صاحب اپنے مکان میں تشریف رکھتے تھے۔ بہت سے عقیدت مند اور ضرورت مند لوگوں کا جمگھٹا تھا۔ کوئی نبض دکھا رہا تھا۔ کوئی طب کی تعلیم حاصل کرنے کا خواہاں تھا۔ کوئی دینی مسئلے کے متعلق استفتاء کی غرض سے آیا بیٹھا تھا۔ میں بھی انھیں لوگوں میں بیٹھ گیا۔ جب میری باری آئی تو میں نے اپنی عزیزہ کے لکھے ہوئے حالات پیش کئے۔ حکیم صاحب نے ان حالات کو غور سے پڑھتے ہوئے مجھ سے پوچھا: "کہاں سے آئے ہیں۔" میں نے عرض کیا "بٹالہ سے" پوچھنے لگے "کس محلہ میں رہتے ہو۔" جواب دیا "ہاتھی دروازے میں" پوچھا "ککے زئی ہو۔" عرض کیا "جی ہاں۔" پوچھا: "کس خاندان سے ہو۔" میں نے بتایا کہ "میاں میر محمد میرے دادا ہیں" چونک کر پوچھا "وہی میاں میر محمد جو صبح سے شام تک لوگوں کو نعت پڑھاتے ہیں۔" میں نے مسکرا کر کہا "جی ہاں" فرمایا "وہ تو ہمارے دوست ہیں اور تم ہمارے بچے ہو۔ یہاں کس کے پاس ٹھہرے ہو۔" میں نے عرض کیا "قاضی اکمل کے پاس۔" مسکرا کر کہا "جی ہاں شاعر تو شاعر ہی کے پاس ٹھہرے گا۔"

(تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۵۰۰، ۵۰۵) بحوالہ

(پیغام صلح ۲۰ دسمبر ۱۹۵۱ء روزنامہ الفضل صفحہ ۷ مورخہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۷۵ء)

حضرت منشی غلام قادر صاحب کے چچا یعنی میاں میر محمد صاحب کے برادر خورد سلطان احمد صاحب احمدی تھے اور ان کی اولاد میں ایک حد تک احمدیت جاری رہی۔ منشی صاحب شروع ہی سے حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) سے حُسنِ ظن رکھتے تھے۔ ۱۸۹۹ء میں جب حضرت مسیح موعود مولوی محمد حسین بٹالوی والے مقدمہ کے سلسلہ میں پٹھان کوٹ تشریف لے گئے تو منشی صاحب آپ کی میں حاضر ہوئے اور زیارت کا شرف حاصل کیا۔ اس ملاقات کے وقت آپ اپنے ساتھ اپنے بڑے لڑکے عبدالمجید سالک (مرحوم) کو جو اُس وقت بچے تھے لے گئے تھے۔ منشی صاحب کے بھائی بابو

محمد افضل خان صاحب نے ۱۹۰۵ء میں حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کی بیعت کی اور رفیق بننے کا شرف حاصل کیا۔ حضرت منشی صاحب نے بیعت تو نہ کی لیکن احمدیت کا مطالعہ کرتے رہے اور بعد میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے زمانہ میں بذریعہ خط بیعت کی۔ منشی صاحب کو اوائل ہی سے دینی امور کی طرف رغبت تھی۔ بعد میں جب وہ احمدی ہو گئے تو جب بھی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی پٹھانکوٹ کے راستے ڈلہوزی یا پالم پور وغیرہ تشریف لے جاتے تو پٹھانکوٹ میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ ۱۹۲۳ء میں منشی صاحب پہلی مرتبہ قادیان گئے۔ اُن کے ساتھ ان کے بیٹے عبدالجلیل صاحب عشرت اور ان کی والدہ تھیں۔ منشی صاحب نے معہ اپنی اہلیہ صاحبہ (مہر النساء بیگم) اور فرزند کے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی دستی بیعت کی۔ جس وقت منشی صاحب بیعت کے لئے حضور کے سامنے آئے تو حضور نے حیرت سے فرمایا: "آپ کہاں؟" گویا حضور کے ذہن میں یہ خیال تھا کہ منشی صاحب نے پہلے ہی بیعت کی ہوئی ہے۔

بعض دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو) پٹھانکوٹ میں قیام فرماتے۔ ایک دفعہ حضور پٹھانکوٹ سے دو تین میل کے فاصلے پر دریائے چکی کے کنارے ڈھانگو پہاڑ پر خیمہ میں قیام فرما تھے۔ منشی صاحب حضور کی ملاقات کو وہاں گئے۔ پہاڑ پر پہنچنے سے پہلے دریائے چکی کو عبور کرنا پڑتا تھا جو عموماً پایاب ہوتا تھا۔ حضرت منشی صاحب دریا کے کنارے پہنچ کر اُسے پار کرنے کا ارادہ ہی کر رہے تھے کہ حضرت اقدس کے خادم عبدالاحد خان دوڑتے ہوئے دریا کے دوسرے کنارے پر آئے اور کہا منشی صاحب ذرا ٹھہریں۔ حضرت صاحب نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں آپ کو دریا پار کراؤں۔ چنانچہ خان صاحب نے منشی صاحب کو کندھے پر اٹھا کر دریا پار کرایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے اپنے خیمہ سے منشی صاحب کو آتے دیکھا اور دریا پار کرنے میں مدد دینے کے لئے خان صاحب کو بھیجا۔

ایک مرتبہ منشی صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اور حضور کے اہل قافلہ کو اپنے گھر میں کھانے پر مدعو کیا۔ حضور نے ازراہِ کرم و نوازش معہ حرم محترم تشریف لائے۔

حضرت منشی صاحب جماعت احمدیہ پٹھانکوٹ کے روحِ رواں تھے۔ آپ ہی پریذیڈنٹ تھے اور آپ ہی سیکرٹری مال۔ آپ ہی کے گھر میں نماز جمعہ ہوتی تھی۔ آپ ہی خطیب و امام ہوتے تھے۔ بعد

سلسلہ کے مبلغین اور کارکن جو پٹھانکوٹ میں سلسلہ کے کام سے آتے تھے اُن کی میزبانی بھی حضرت منشی صاحب کا معمول تھا۔

حضرت منشی صاحب احمدیت کا ایک عملی نمونہ تھے۔ عابد، پرہیزگار، متقی، راست گو، دیانتدار، متحمل مزاج، بااخلاق اور مرنجانِ مرنج بزرگ تھے۔ پٹھانکوٹ میں مدت تک سیکرٹری میونسپل کمیٹی رہے۔ شہر میں بہت عزت تھی۔ ہندو اور مسلمان سب آپ کا لحاظ کرتے تھے۔ دیانت کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ ایک شخص ایک ٹھیکہ کے سلسلہ میں چودہ سو روپیہ رشوت پیش کرنے کے لیے آپ کے مکان پر آیا۔ آپ نے روپیہ لینے سے سختی سے انکار کیا اور اُس شخص کو گھر سے نکال دیا۔ اس زمانہ میں یہ رقم بہت بڑی تھی لیکن آپ نے اُسے ہاتھ تک نہ لگایا۔ ساری زندگی سادگی میں بسر کی اور اپنے قول و فعل میں اللہ کی رضا کو مقدم رکھا۔

۱۹۲۰ء میں آپ کے داماد عبدالمجید صاحب سب انسپکٹر پولیس نیروبی میں فوت ہو گئے۔ اُن کی وفات پر منشی صاحب کی اکلوتی بیوہ بیٹی معہ اپنے چہار سالہ بچے (ملک عبدالوحید صاحب سلیم) لمبے سفر کی صعوبت برداشت کرتی ہوئی مشرقی افریقہ سے پٹھانکوٹ پہنچی۔ یہ صدمہ بھی آپ نے مومنانہ صبر سے برداشت کیا۔

منشی صاحب ایک مضبوط جسم کے مالک تھے۔ چہرہ سرخ و سفید تھا۔ ریش مبارک پر مہندی لگاتے تھے اس سے چہرہ پر اور بھی تازگی آجاتی تھی۔ قد چھوٹا لیکن شخصیت بہت بارعب تھی۔ سر پر سفید عمامہ باندھتے تھے۔ کوٹ کے ساتھ واسکٹ ضرور پہنتے تھے۔ لباس صاف ستھرا ہوتا اور بغیر عصا گھر سے باہر نہ جاتے۔

حضرت منشی صاحب شاعر بھی تھے اور عاصی تخلص کرتے تھے۔ اُن کے صاحبزادے مولانا عبدالمجید سالک اپنی کتاب "سرگذشت" میں رقم طراز ہیں۔

"میرے والد صاحب کبھی کبھی شعر کہا کرتے تھے۔ عاصی تخلص تھا۔۔۔ ایک دو شعر یہ ہیں ؎

پگھل کر بہہ گیا ہوتا کبھی کا
اگر یہ دردِ دل پتھر میں ہوتا

بگاڑ چھوڑتا ہرگز نہ عاصی
اگر سامانِ عشرت گھر میں ہوتا"

منشی صاحب میونسپل کمیٹی پٹھانکوٹ سے سبکدوش ہونے کے بعد پٹھان کوٹ ہی میں مقیم رہے آپ کو دمہ کی پرانی شکایت تھی۔ سانس کی تکلیف ہی میں ۵ جولائی ۱۹۳۵ء (اتوار) کی صبح ۹ بجے کے قریب حرکتِ قلب بند ہو جانے سے وفات پائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

آپ کی اہلیہ مہر النساء بیگم صاحبہ مرحومہ بھی ایک سعید فطرت خاتون تھیں۔ اُن کے والدین، بہن بھائی سب غیر احمدی تھے لیکن وہ خود بہت مخلص احمدی خاتون تھیں۔ غریبوں اور محتاجوں کی مدد کرنے میں خوشی محسوس کرتی تھیں۔ کئی مستورات اُن سے مشورہ کے لئے آتی تھیں۔ وہ موصیہ بھی تھیں۔ ۱۵ مارچ ۱۹۳۹ء کو لاہور میں وفات پائی۔ وفات کے بعد اُن کے چاروں بیٹے (عبد المجید سالک مرحوم، ملک عبد الحمید صاحب عارف، عبد الروف صاحب ساحر مرحوم اور عبد الجلیل صاحب عشرت) مرحومہ کا جنازہ قادیان لے گئے قادیان میں جنازہ کے ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی قصرِ خلافت سے مقبرہ بہشتی تک پا پیادہ تشریف لے گئے۔ نماز جنازہ پڑھائی۔ تدفین تک قبرستان میں رہے۔ قبر پر سب سے پہلے مٹی ڈالی اور دعا کرائی۔ تدفین کے بعد لاہور کرنے سے پہلے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ان چاروں بھائیوں کو قصرِ خلافت میں شرف ملاقات بخشا اور دلجوئی فرمائی۔

منشی صاحب کے بڑے صاحبزادے مولانا عبد المجید صاحب سالک نے ۱۹۱۲ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی خدمت میں حاضر ہو کر دستی بیعت کی تھی۔ اس وقت سالک صاحب کے دوران قیام قادیان میں حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثانی) مصر و عرب کے سفر کی پہلی منزل پر حج بیت اللہ کی غرض سے روانہ ہوئے۔ سالک صاحب نے موقع کی مناسبت سے ایک الوداعی نظم جلسہ میں پڑھ کر سنائی۔ یہ نظم اخبار بدر مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۱۲ء کے پرچہ میں شائع ہوئی (اُس وقت سالک صاحب کی عمر اٹھارہ سال سے کچھ کم تھی)۔

محمد عبد المجید خان سالک کی نظم جو جلسہ الوداع حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد مدظلہ میں بتاریخ ۲۵ ستمبر ۱۹۱۲ء پڑھی گئی۔

بند اوّل

کیوں نہ ہوگا ان پہ فضلِ خاصِ ربّ العالمین جو کہ رہتے ہیں جہاں میں شاغلِ تبلیغِ دین

حق تعالیٰ کیوں نہ ان پر رحمتیں نازل کرے
ہوتی ہے روشن دلوں میں جن کے شمعِ نورِ دیں

عازم مکہ ہیں صاحبزادہ محمود آج
ہیں جو صاحبزادۂ محبوب ختم المرسلیں

جن کی ہر ہر بات میں لذتِ شاخِ نبات
ہر سخن جن کا ہے بیشک شافی و دلنشیں

وہ کمربستہ ہیں ہر دم خدمتِ اسلام میں
دم قدم سے آپ کے مضبوط ہے بنیادِ دیں

یہ دعا ہے تا قیامت باکرامت وہ رہیں
حق تعالیٰ ان کو بخشے دولت دنیا و دیں

مولوی فاضل ہیں جو سید عرب صاحب یہاں
وہ سفر میں ہوں گے حضرت کی رفاقت کے امیں

یا الٰہی ان کو حاصل گوہرِ مقصود ہو
شادمانی ہو فزوں رنج و الم مفقود ہو

بند دوم

تیری ہمت دیکھ کر جنت میں روحِ مصطفیٰ
کہتی ہے بے ساختہ اھلاً و سھلاً مرحبا

مدتِ فرقت خدا جانے کہ کب ہوگی تمام
دیکھئے پھر کب خدا محمود سے دے گا ملا

تو نہیں تنہا ہزاروں دل ترے ہمراہ ہیں
کرتے ہیں ہر دم جو تیری کامیابی کی دعا

کیا تکالیف سفر جب دل میں ہووے عزم درست
خوف کیا جب ہاتھ میں ہو حبل تسلیم و رضا

حق تعالیٰ حافظ و ناصر ترا ہر وقت ہو
کچھ نہ دے نقصان شرِ حاسدانِ فتنہ زا

حاضرین سے التجائے سالکِ خستہ ہے یہ
ہاتھ اٹھا کر اب کریں اللہ کے آگے دعا

کامیابی ہر گھڑی اُن کے شریکِ حال ہو
فتح و نصرت روز افزوں ہو عدو پامال ہو

اگرچہ مولانا سالک نے خلافتِ ثانیہ کی بیعت نہ کی لیکن حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (اللہ تعالےٰ آپ سے راضی ہو) سے محبت و اخلاص کے گہرے تعلقات تھے۔ ملاقاتوں کے علاوہ خط و کتابت بھی رہتی تھی جس میں سیاسی اور ادبی امور کے متعلق تبادلہ خیالات ہوتا تھا۔

حضرت منشی صاحب کے بقیہ تینوں بیٹے عبدالرؤف صاحب ساحر مرحوم۔ ملک عبدالمجید صاحب عارف اور عبدالجلیل صاحب عشرت تینوں احمدی تھے۔ عبدالرؤف صاحب ساحر ۱۹۱۷ء میں جوانی کے عالم میں انتقال کر گئے۔ (یہ حالات الفضل ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۵ء سے بادنیٰ تصرف نقل کئے گئے)

عبدؔ - جناب عبدالحکیم صاحب

عبدالحکیم نام، عبدؔ تخلص۔ آپ ۱۸۹۱ء میں پیدا ہوئے۔ والدین نے عبدالحکیم نام رکھا۔ چونکہ آپ طبیبوں کے خاندان میں پیدا ہوئے تھے اس لئے قدرتی طور سے والدین کی یہ خواہش تھی کہ وہ بھی ایک نامور طبیب بن کر خاندان کا نام روشن کریں اور "حکیم صاحب" کے معزز لقب سے پکارے جائیں۔ اگرچہ آپ کے آباؤ اجداد زراعت پیشہ تھے لیکن تھے اور فن طب کی طرف خاص میلان تھا۔ دین اسلام سے محبت رکھنے والے۔ دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنے والے اور ادنیٰ و اعلیٰ سے سلوک کرنے والوں کا ماحول تھا۔ حفظ مراتب کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ اس وقت اسکول اور کالج کم تھے۔ خصوصاً پنجاب کے اس علاقہ میں جہاں عبدؔ صاحب رہتے تھے۔ دیہات میں رہتے ہوئے بھی ان کا تمدن شہری طرز پر تھا۔ اس زمانہ میں چار زبانوں کی اہمیت بہت زیادہ تھی عربی فارسی اُردو اور پنجابی۔ علم کا شوق رکھنے والے ابتدائی تعلیم مساجد میں علماء سے حاصل کرتے تھے۔ مزید تعلیم کے لئے مشہور درسگاہوں میں جا کر داخلہ لینا پڑتا تھا۔ اپنی تعلیم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے طالب علم سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے تھے اور وطن سے دُور کئی کئی سال گزار دیتے تھے۔ بعض طالب علم نامساعد حالات کی وجہ سے تعلیم ادھوری چھوڑ کر بھی وطن واپس آنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

عبدؔ صاحب کے والد صاحب نے بھی انہیں حالات اور اسی ماحول میں آپ کی تعلیم شروع کرائی۔ گھریلو تعلیم کے علاوہ آپ نے مساجد میں بھی تعلیم حاصل کی اور قریبی درسگاہوں میں بھی زیر تعلیم رہے۔ اُس وقت لکھنے کا رواج کم تھا۔ زیادہ تر تعلیم زبانی ہوتی تھی۔ مروجہ تعلیم کے علاوہ آپ کو خاص طور سے طب کی تعلیم بھی دلائی گئی۔ لیکن بقول عبدؔ صاحب ان کو طب کی تعلیم سے ذرا سی بھی

دلچسپی نہ تھی۔ بادلِ ناخواستہ یہ کڑوی گولی کھاتے رہے اور اس طرح بقول خود حکیم صاحب تو بن گئے لیکن طبیب نہ بن سکے۔ آپ کا ارادہ اسکول میں تعلیم جاری رکھنے کا تھا مگر یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ پہلے والدہ صاحبہ کا انتقال ہوا جس کی وجہ سے تعلیم رک گئی۔ آپ نے قریباً بارہ سال تک تک مساجد اور قریبی درس گاہوں میں تعلیم پائی۔ ناظرہ قرآن شریف کے علاوہ پنجابی اُردو اور چند کتابیں فارسی کی بھی پڑھ لیں۔ اُن کے گاؤں سے دو میل کے فاصلہ پر ایک ایسا گاؤں آباد تھا جس میں عیسائی آباد تھے۔ وہاں پادری لوگوں نے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے اپنے مشن کی کوششوں سے اپر پرائمری اسکول سرکاری طور پر جاری کرایا تھا جس میں انجیل کی تعلیم لازمی تھی۔ عبد صاحب کے گاؤں سے بھی چند طالب علم وہاں داخلہ لے کر تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ عبد صاحب نے بھی بارہ تیرہ سال کی عمر میں اس مشن اسکول میں داخلہ لیا اور تین سال کی مدت میں پرائمری تعلیم مکمل کر لی اور حساب دانی میں طاق ہو گئے۔

آپ کے والد صاحب بھی عمر رسیدہ تھے۔ بیوی کے انتقال کے بعد انہوں نے اپنے بچوں کی شادیوں میں دلچسپی لی اور ان کا انتظام شروع کر دیا۔ قریباً سولہ سال کی عمر میں ایک ہی گھر کے دو رشتے حاصل کر کے عبد صاحب اور ان کے بڑے بھائی کی شادیاں کر دی گئیں۔ اس لئے تعلیم کا سلسلہ بالکل منقطع ہو گیا اور عبد صاحب نے کاشتکاری میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ آپ کو اللہ تعالےٰ نے اولاد کی نعمت سے بھی وافر حصہ عطا کیا۔ آپ کے والد صاحب اسی سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ اس لئے آپ کو ملازمت بھی کرنا پڑی کیونکہ زمین سے جو آمد ہوتی تھی وہ بڑھتی ہوئی ضروریات کو پورا کرنے سے قاصر تھی۔ آپ کے دو صاحبزادے بقیدِ حیات ہیں اور دونوں ایم اے ہیں اور صاحب اولاد ہیں۔ آپ کے ایک نواسے بھی شادی شدہ ہیں اور صاحب اولاد ہیں۔ آپ کی رفیقۂ حیات ستر سال کی عمر میں وفات پا چکی ہیں۔ اُن کی وفات کے بعد آپ نے ملازمت ترک کر دی اور کلی طور پر بچوں کی دیکھ بھال میں لگ گئے۔

اب آخر میں آپ کی سوانح حیات کے چند فقرے خود اُنہی کی زبانِ قلم سے سماعت فرمائیے۔ فرماتے ہیں:۔

• آخر میں مجھ پر پیری غالب آگئی۔ دانت نکل گئے، کان بند ہو گئے، بینائی بھی جواب دے رہی ہے۔ اس پریشانی کے عالم میں کنجِ تنہائی میں بیٹھ کر کچھ شعر کہنے شروع کئے جس سے مجھے کچھ تسکین حاصل ہونا شروع ہوئی۔ آخر تین سال کے عرصہ میں آٹھ نظمیں تیار ہو گئیں۔

عبد صاحب نے عمر کے اس آخری حصہ میں جو کچھ کہا وہ سب کا سب وارداتِ قلبی کی ایک منہ بولتی تصویر ہے۔ سارا کلام حقیقت کا ایک ایسا آئینہ ہے جس میں عبد صاحب کے تاثرات اور پاکیزہ جذبات کا عکس نمایاں طور سے نظر آتا ہے۔ افسوس ہے کہ ہم ان تمام تاثرات کو قارئین تک پہنچانے سے بسبب خوفِ ضخامتِ کتاب قاصر ہیں۔ صرف دو نظموں پہ اکتفا کرتے ہیں۔

مناجات

اے خدا اے میرے خالق اے مرے پروردگار
ہاں تو رب العالمیں ہے اور بے یاروں کا یار

میں ضعیف و ناتواں ہوں چارہ گر کوئی نہیں
بے عمل اور بے ہنر ہوں سر پہ ہے عصیاں کا بار

اپنی بداعمالیوں کو دیکھ کر نادم ہوں میں
سر اُٹھا سکتا نہیں دامن ہے میرا داغدار

اپنے سب عیبوں کا ہوں میں معترف ربِ رحیم
اب ضرورت شاہدوں کی بھی نہیں ہے زینہار

در پہ تیرے آگرا ہوں دل میں لے کر یہ اُمید
بخش دے میرے گنہ سارے نہ کر ان کا شمار

مَیں تری حمد و ثنا کرتا ہوں مولا روز و شب
دامنِ رحمت میں لے کر مجھ کو دے عزّ و وقار

ناتوانوں کے سہارے بے سکوں کا دستگیر
اے مرے قادر خدا تو سب اُٹھا لے میرا بار

العجب بندے تیرے قعرِ مذلت میں رہیں
شان کے شایاں ہے کب تیری شہ ذوالاقتدار

لَیسَ لِلاِنسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی فرماں تیرا
جس کو سن کر کانپ جاتا ہے بشر بے اختیار

وہ کہاں جائیں ترا در چھوڑ کر اے ذوالمنن
جو ترے لطف و کرم کے ہیں سدا اُمیدوار

گر نہ ہم جرم و خطا کرتے تو اے ربِ کریم
کون بخشنہار کہتا تجھ کو اے پروردگار

کیا وہ آئیں گے ترے دربار بخشش مانگنے
جو کہ ہیں بے عیب مخلص متقی، پرہیزگار

ہم سمجھ سکتے نہیں لاتقنطوا کے بعد کیوں — سامنے دوزخ کھڑا ہو کھینچ کر اپنی کٹار

ٹھیک فرماتے تھے حضرت مہدی آخر زماں — تیری باتوں کے فرشتے بھی نہیں ہیں رازدار

خوف ہے مجھ کو کہ تو ناراض ہو اے محسنم — تیری خوشنودی پہ ہے میرا سبھی دارومدار

عبد پر بھی ہو کرم کی اک نظر اے ذوالمنن
جو ترے فضلوں کا ہر دم کر رہا ہے انتظار

ناز و نیاز

اب تو آ جاؤ بوقت حق پرستی اے خدا — ترک سب کر دی ہے میں نے خود پرستی اے خدا

مجھ سے یہ بے اعتنائی کیوں کہ میں مشرک نہیں — چھوڑ دی ہے کب سے میں نے بت پرستی اے خدا

بادہ نوشی کی نہیں عادت جسے وہ رند ہوں — بے پیے بھی میری فطرت میں ہے مستی اے خدا

میں بھی ہوں بندہ ترا اے بادشاہِ دو جہاں — مجھ کو ہے تسلیم تری بالادستی اے خدا

روز و شب تیری عبادت میں گزرتے ہیں مرے — ہاں الٰہ العالمین ہے تیری ہستی اے خدا

تجھ سے ملنا کار دشوار و راستہ دشوار ہے — ہر قدم پہ ہے بلندی اور پستی اے خدا

آپ آئیں بیکسوں کی دستگیری کے لئے — اس سے بڑھ کر کیا کوئی شہرت ہے سستی اے خدا

اے شہ کون و مکاں تو ہر جگہ موجود ہے — تیرے ہی فرماں سے ہے وحدت پرستی اے خدا

اب تو لطف عام سے تسکینِ دل ہوتی نہیں — اپنے لطفِ خاص سے کر سرپرستی اے خدا

کب تلک پھرتا رہوں میں دربدر خوار و ذلیل — مجھ سے ہو سکتی نہیں انساں پرستی اے خدا

رنج و غم گھیرے ہوئے ہیں اب تو جانے دے مجھے — اس قدر کیوں ہو رہی ہے مجھ پہ سختی اے خدا

اب سنائیں کیوں کسی کو عبد دل کی داستاں
سب دلوں کی رازداں ہے تیری ہستی اے خدا

قیسؔ جناب ڈاکٹر محمد یعقوب صاحب مینائی نجیب آبادی

محمد یعقوب نام، قیسؔ تخلص۔ نسبت یہ مینا علیہ الرحمۃ۔ منسوب بہ امیرؔ مینائی لکھنوی

سن ولادت غالباً ۱۹۰۵ء یا ۱۹۰۶ء آپ کا اصل وطن نجیب آباد ضلع کنور (یوپی۔ انڈیا) ہے
آپ ادیب فاضل اور اجمل طبیہ کالج امرتسر سے طبیب فاضل ہیں۔ علاوہ ازیں علم فلکیات، منطق،
فلسفہ اور عربی و فارسی کی تعلیم بھی آپ نے مختلف اساتذہ سے حاصل کی۔ انگریزی زبان پر بھی
بقدر ضرورت اس کو عبور حاصل ہے۔ آپ کچھ عرصہ تک اجمل طبیہ کالج امرتسر میں پروفیسر بھی رہے۔
آپ نے کلکتہ امریکن ہومیو کالج سے ایل۔ ایچ۔ ایم۔ ایس کیا اور آپ ایک ماہر ہومیوپیتھ ڈاکٹر ہیں۔

سیاسی سرگرمیاں

۱۹۱۰ء میں ہندوستان میں انگریزی حکومت کے خلاف تحریک عدم تعاون کی (نان کوآپریشن)
مشہور تحریک میں رضاکارانِ خلافت کمیٹی کے آپ کیپٹن مقرر ہوئے۔ اس کے بعد ۱۹۲۰ء میں کانگریس
کی سالانہ کانفرنس منعقدہ ڈیرہ دون میں جبکہ کانگریس خلافت اور مسلم لیگ اور سکھوں کے اکالی دل
کے رضاکاروں کی مشترکہ تنظیم عمل میں آئی تو قومی فوج کے پہلے کمانڈر انچیف آپ کو مقرر کیا گیا۔ اس
وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال سے کسی طرح زیادہ نہ تھی۔ اس اجلاس کے بعد آل انڈیا والنٹیئرز کانفرنس
کا ایک روزہ اجلاس منعقد ہوا جس میں پہلی نشست میں شریمتی ستی وتی دیوی (مشہور ہندو لیڈر) نے
صدارت کے فرائض انجام دیئے اور شام کے وقت دوسری نشست میں آپ نے جنرل یعقوب کی
حیثیت سے فریضہ صدارت انجام دیا۔ اس دوسری نشست میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر
پنڈت موتی لعل نہرو، پنڈت جواہر لال نہرو (وزیر اعظم بھارت آنجہانی) شری سوامی شنکر اچاریہ

ڈاکٹر سیف الدین کچلو، آصف علی بیرسٹر وغیرہ۔ ان تمام لیڈروں نے قیس صاحب کی صدارت میں تقریریں کیں۔ اس موقعہ پر اس کمسن صدر کے لئے مولانا محمد علی جوہر نے ایک قطعہ پڑھا تھا جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

یہ قیس بھی ہیں اور لیلیٰ بھی، جرنیل بھی ہیں اور شاعر بھی
اللہ کے پکے مومن بھی، شیطان کے پکے کافر بھی

اس اجلاس میں قیس صاحب نے ایک نظم پڑھی جس کا عنوان یہ تھا۔ ؎

آہ سر سے اُڑ گیا اپنے ہُما اتحاد

آل انڈیا والنٹیرس کے صبح کے اجلاس میں سیکرٹری شپ کے فرائض بھی آپ نے انجام دیئے اور ایک نظم پڑھی ؎

"ہو کے رہیں گے ہم آزاد"

جو بہت مقبول ہوئی۔

۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۲ء تک آپ اس تنظیم کے قائد و جرنیل رہے۔ ۱۹۲۳ء میں میرٹھ میں والنٹیرز کا سالانہ انتخاب ہوا۔ اس انتخاب میں نوابزادہ لیاقت علی خان کا نام بھی قومی قیادت کے لئے پیش ہوا۔ نوابزادہ صاحب اُسی سال بیرسٹری پاس کر کے یوروپ سے واپس آئے تھے۔ ان کے علاوہ بعض اور مشہور کارکنوں مثلاً ٹھاکر جیت سنگھ ایم اے گڑھوال، کرنل نور محمد خان بیرسٹر اور شیخ محمد ایوب سہارنپوری کے نام بھی اس تنظیم کی قیادت کے لئے پیش ہوئے۔ لیکن اس سال بھی کثرتِ آرا کے ساتھ یہ فرائض قیادت قیس صاحب کے سپرد ہوئے۔ ۱۹۲۳ء میں کانگریس اور اکالی دل کی طرف سے اس تنظیم کی مخالفت کے نتیجہ میں اُسے توڑ دیا گیا۔

۱۹۲۴ء میں قیس صاحب ہومیوپیتھک کی تعلیم کے لئے کلکتہ چلے گئے جہاں تعلیم کے حصول کے دوش بدوش آپ نے ایک ادبی رسالہ "شاعر" کے نام سے جاری کیا جو بعد میں آپ نے علامہ سیماب اکبر آبادی کو دے دیا اور وہ اُسے آگرہ لے گئے۔

۱۹۲۵ء میں آپ مشہور روزنامہ "انقلاب زمانہ" کلکتہ میں اسسٹنٹ ایڈیٹر مقرر ہوئے اور پھر روزنامہ

"نئی دنیا" میں کام کیا۔ ۱۹۲۵ء کے اواخر میں اپنا ایک روزنامہ "صحیفہ" جاری کیا۔ "شاعر" اور "صحیفہ" ۱۹۲۶ء تک کامیابی کے ساتھ چلتے رہے۔ ۱۹۲۶ء کا واقعہ ہے کہ کلکتہ میں ایک فی البدیہہ مشاعرہ منعقد ہوا۔ اس مشاعرہ میں قیس صاحب کو بلیغ العصر کا خطاب ملا۔ بعد ازاں آپ خرابی صحت کی بنا پر کلکتہ چھوڑ کر اپنے آبائی وطن نجیب آباد آ گئے اور وہیں محکمہ تعلیم سے منسلک ہو گئے۔

مارچ ۱۹۲۷ء میں آپ حلقہ بگوش احمدیت ہوئے لیکن غیر مبائعین کے گروہ میں شامل ہوئے لیکن بہت جلد بعض خوابوں کے نتیجہ میں آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی بیعت کر لی۔

قیس صاحب کو حکیم سید شیر علی اور مسیح الملک حکیم اجمل خان صاحب کا فیض صحبت بھی حاصل رہا۔

آپ کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ فلسفہ الٰہیات (منظوم)
۲۔ فلکیات۔ اسٹرانومی پر نثر میں تحریر کی گئی ہے۔
۳۔ علم العروض۔ علم عروض پر ایک جامع کتاب
۴۔ خزینۃ القوافی

قیس صاحب فطرۃً شاعر واقع ہوئے۔ علمی پس منظر، ادبی ماحول، علمی تجربات و مشاہدات اور سیاسی سرگرمیوں نے اس آتشِ سیال کو دو آتشہ بلکہ سہ آتشہ بنا دیا۔ آپ کی شاعری جاندار، پُر وقار اور دعوت فکر و عمل دینے والی ہے۔ عربی فارسی تراکیب کو موقعہ و محل پر استعمال کرتے ہیں۔ ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ باوجود بھاری بھر کم الفاظ کی بہتات کے آپ کے کلام کی سلاست و لطافت اور روانی میں کوئی فرق نہیں آتا اور یہی ایک کہنہ مشق شاعر کا معراج فن ہے۔ آپ کی شاعری ایک مومن کی پاکیزہ شاعری کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ آپ احمدیت کے دیرینہ خادم اور اسلام کے سچے پرستار ہیں۔ جو کچھ نوک قلم پر آتا ہے وہ آپ کے قلب صافی کا آئینہ دار ہے۔ آپ کا کلام سلسلہ کے آرگن روزنامہ "الفضل" اور دوسرے رسائل و جرائد کی زینت بنتا رہتا ہے۔ آپ ایک قادر الکلام اور مصلح شاعر ہیں۔ آپ کی شاعری سرتاسر مسیح پاک کے اس مشہور زمانہ شعر کی مصداق ہے ۔

کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلق ۔۔۔ اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

قیس صاحب کی جو نظمیں آپ کے احمدی ہونے سے قبل بہت مشہور ہوئیں وہ بہت کم محفوظ ہیں۔ احمدی ہونے کے بعد آپ ایک عرصہ تک خاموش رہے جس کا اظہار آپ نے اس طرح کیا ہے ؎

زبان کو بند کیا تُو نے دیا لبِ خامہ | تو بول اُٹھی مری روحِ نفس تو آمہ
چھین لیا میرے دوست میں نے تیرے لئے | کاسِ ناز کے بدلے نیاز نامہ

فنِ عروض پر آپ کو پورا عبور حاصل ہے جس کے نتیجہ میں آپ نے دو کتابیں بھی تصنیف فرمائیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ صنائع و بدائع لفظی و معنوی پر عبور رکھنے کے ساتھ آپ انہیں برمحل استعمال میں لانے پر بھی قادر ہیں چنانچہ گریز مسلسل کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔

کیا بتاؤں کہ میں نے کیا دیکھا | احمدیت کو آئینہ دیکھا
اور اُس آئینہ کے پانی پہ | کشتی دین کو تیرتا دیکھا

کشتی دین و ملتِ اسلام | حامل بارِ کُل خواص و عوام
چل رہی ہے اگرچہ آہستہ | پھر بھی کوہ گراں ہے موج خرام

پوچھا موجِ خرام کی تعریف | اور حُسنِ نظام کی تعریف
بولا ہر ایک وارِ تسبیح | اصل میں ہے امام کی تعریف

بعض شاعر محض خوش الحانی کے بل بوتے پر مشاعروں میں مقبولیت حاصل کر لیتے۔ ان کے مقابلہ میں نسبتاً اچھا کہنے والے تحت اللفظ پڑھنے کی وجہ سے اتنے مقبول نہیں ہو پاتے۔ اس کیفیت کو قیس صاحب شاعرانہ انداز میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔ ؎

میکدہ کو سبو نے لوٹ لیا | بحر کو آبجو نے لوٹ لیا
قیس مینائی کا مقام بلند | شاعر خوش گلو نے لوٹ لیا

قیس صاحب کے کلام کا انتخاب کرنے کی جب نوبت آئی اور اس اہم ذریعہ کو ادا کرنے کے

سلسلہ میں جب اُن کے کلام کا بغور مطالعہ کیا تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آئی کہ یہ کلام اتنا آسان نہیں کہ اس کو بیک جنبشِ قلم اس کو ادا کیا جاسکے۔ کیونکہ کسی تذکرہ کے صفحات اتنی وسعت کے حامل نہیں ہوسکتے کہ کسی ایک شاعر کے تمام جیدہ کلام ہی کو اپنے دامن میں سمیٹ سکیں اس لئے اس شعر کو نقل کر کے مَیں اپنے تاثرات کا اظہار کر دیتا ہوں کہ ؎

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حُسنِ تو بسیار — گلچیں بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

نمونہ کلام ملاحظہ ہو ؎

شاعر کا استخارہ

کیا تصور میں استخارہ تو دیکھا میں نے عجب نظارہ — کھڑی ہے اک نوجوان حسینہ مثالِ تصویر ماہ پارہ
بڑے وقار اور تمکنت سے کھڑی ہے مالا گلے میں ڈالے — چمک دمک اور روشنی میں ہر ایک موتی ہے اک ستارہ
جو نام پوچھا تو احمدیت مقام پوچھا تو قادیاں ہے — جو کام پوچھا محمدیت احمدو چھپیں تو کل جہاں ہے
قدم جمائے وہ ڈٹ رہی ہے لڑوں کو اک درسِ استقامت — کہ ہر مسلمان مرد و عورت کے سامنے ایک امتحاں ہے

حسین معصوم احمدیت صداقتوں پر اڑی ہوئی ہے — کہ جیسے مکر کی وادیوں میں کوئی پہاڑی کھڑی ہے

اس طرح کاش کل مسلمان درست اپنا نظام کرلیں — مٹا کے تفریق فرقہ بندی شعارِ تبلیغ عام کرلیں
وہ عظمتِ رفتہ جو چھپی ہے نظام وحدت کے فلسفہ میں — اُسی کو پھر بے نقاب کر کے بلند اپنا مقام کرلیں

زبان سادہ سلیس اُردو لطیف و رنگین استعارہ — دیکھے اقتیس اب بھی کوئی تو اس میں کیا ہے مرا اجارہ
نظام عالم بدل کے رکھ دیں نظامِ نو کے ستون بن کر — جو سمجھیں خدام احمدیت مرا کنایہ مرا اشارہ

رباعی

ہے حسن کلام پر مدار نغمہ
آ دیکھ کمال انتشار نغمہ
ہے سطح ہوا پہ ارتعاشِ امواج
رقصاں ہے فضا پہ آبشار نغمہ

قطعہ

سورج نکلا چھپ گئی رات
سچ نے دی ہے جھوٹ کو مات
حق ہے حق کا ہر اک کام
جھوٹ ہے ہر اک جھوٹی بات

ایک تبلیغی نظم کے دو بند ملاحظہ ہوں۔ ایک دیہات کے رہنے والوں کو کتنی سادہ اور شیریں زبان میں احمدیت کی دعوت دے رہے ہیں۔

ہو گیا چشمہ فیض کا جاری
پیاسو اپنی پیاس بجھا لو
میکدۂ عرفان ہے کدھر
پیارو تم بھی فیض اٹھا لو
دیرو وال کے رہنے والو
سوچو سمجھو دیکھو بھالو

سونے والو جلدی جاگو
سوئی ہوئی تقدیر جگا لو
احمدیت میں داخل ہو کر
بگڑی ہوئی کو اچھی بنا لو
دیرو وال کے رہنے والو
سوچو سمجھو دیکھو بھالو

بھٹکے پھرو گے راہ سے کب تک
راہ پہ آؤ، راہ کو پا لو
ظلمتِ شرک و بدعت چھوڑو
دل میں چراغِ نور جلا لو
دیرو وال کے رہنے والو
سوچو سمجھو دیکھو بھالو

مصباح ایقان

اُترا فلک سے بہرِ ہدایت ہادیِ اعظم نبیوں کا افسر
جسمِ محمدؐ نورِ مجسّم ، نورِ محمدؐ حسن سراسر

مصباح ایقاں جلتا رہے گا ، یہ دورِ عرفاں چلتا رہے گا
اب تو یہ بادہ ڈھلتا رہے گا شیشہ بہ شیشہ ساغر بہ ساغر

عیسیٰ بھی اُترے تو آسماں سے مہدی بھی نکلے غارِ نہاں سے
دُنیائے دیں میں اے دوست کب تک برپا رہے گا یہ شورِ محشر

باغِ جہاں میں ہے احمدیت ، تنظیمِ ملّت اِس طرح جیسے
صحنِ چمن میں پھولوں کے تختے ، سقفِ فلک پر تاروں کا منظر

حسنِ عمل کے گلہائے خنداں گلشن بہ گلشن مہکتے رہیں گے
پھولوں کی سیجیں بنتے رہیں گے بچتے رہیں گے خاروں سے یکسر

دیں کا مجاہد ، سر پہ کفن ہے ، راہِ خدا میں کیا گامزن ہے
اس راہ میں چلنا ، کانٹوں میں پلنا اس رہ میں مرنا جینے سے بہتر

سارے مسلماں ہیں بھائی بھائی مت ڈال دل غافلاں میں جدائی
چلّا رہی ہے ساری خدائی مت حال اُمّت کر اور ابتر

انصار بھی ہیں خدامِ ملّت ، جیسے فلک پر روشن ستارے
خدام بھی ہیں سب بیش قیمت ، جیسے جڑے ہوں لعل و جواہر

فصلِ بہاراں ، صحنِ گلستاں ، نغمہ سرا ہے قیسِ غزل خواں
دورِ ظہورِ مہدیِ دوراں ، کیا خوب آیا چرچا ہے گھر گھر

بزمِ تخریب پہ اے شاعرِ تعمیر چمک

بزمِ عرفاں میں اے جلوۂ تنویر چمک
بادۂ عشق چھلک، لطفِ میرا میر چمک

مقتلِ حُسن میں اے شوخیٔ علتار گرج
گردنِ عشق پہ اے جوہرِ شمشیر چمک

گنبدِ مسجدِ اقصیٰ میں اُسی شان سے گونج
غزوۂ عشق میں اے نعرۂ تعبیر چمک

برق کی طرح مرے نالۂ شب گیر تڑپ
پھر شبِ تار میں اے شعلۂ تنویر چمک

پایۂ عرش ہلانے مری فریاد پہنچ
اے مری درد بھری چیخ کی تاثیر چمک

پا بہ زنجیر چلا ہے کوئی زنداں کی طرف
اے جنوں خیزیٔ آوازۂ زنجیر چمک

زُلفِ تقدیر مری مجھ سے اُلجھ بیٹھی ہے
اے مرے عقدہ کشا! ناخنِ تدبیر چمک

تیری تقدیر کا سورج تو چمک اُٹھا ہے
تو بھی سورج کی طرح اے مری تقدیر چمک

بالبشِ جلوہ انوار کی عکاسی کر
اے مرے دل! مرے آئینۂ تصویر چمک

شہرِ تہذیب و تمدن کی پلٹ دے کایا
بزمِ تخریب پہ اے شاعرِ تعمیر چمک

ظلمتِ جہل سے ہر فکر و نظر ہے تاریک
اے تو اے سورۂ والشمس کی تفسیر چمک

پھر سجا شوکتِ اسلام کا اورنگ جلال
پھر اُسی شان سے تاجِ سرِ توقیر چمک

لے کے بُرہان کی شمشیر چمک وار نکل
دل میں پھر عظمتِ اسلاف کے چمک

بحرِ ظلمات میں پھر ڈال دے اپنے بیڑے
حُسنِ تدبیر سے اے صاحبِ تدبیر چمک

کفر و الحاد سے سینے کو بنا دے چھلنی
من کے دادوز و جگر سوز سا اِک تیر چمک

قیسؔ مینائی ہے اور دشت کی تنہائی ہے
خار دار و زکھٹک، نالۂ شب گیر چمک

قدسی ۔ حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی

نام : غلام رسول ۔ والد کا نام : کرم دین۔ تخلص قدسی ۔

آپ قریباً ۱۸۷۸ء میں ضلع گجرات کے گاؤں راجیکی میں پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے نام کے ساتھ راجیکی لکھتے تھے۔ قصبہ کنجاہ میں مڈل تک تعلیم حاصل کی پھر مثنوی مولانا روم پڑھنے کے لئے موضع گولیکی میں مولوی امام دین کے پاس چلے گئے۔ آپ کا تعلق جٹ وڑائچ برادری سے تھا اور اس علاقہ میں آپ کے عزیزوں کی کافی زمینیں وغیرہ تھیں ۔

۱۸۹۹ء میں قادیان جا کر بیعت کی۔ آپ متبحر عالم اور صاحب کشف و رؤیا بزرگ تھے. آپ کی سوانح حیات "حیاتِ قدسی" کے نام سے پانچ حصوں پر مشتمل ہے جس میں قبولیت دُعا کے بیسیوں نشانات کے علاوہ آپ کی عربی ، اُردو اور پنجابی منظومات درج ہیں۔ پنجابی نظم "جھوک مہدی والی" آپ نے حضرت مسیح موعود کو بھی سنائی تھی جسے سُن کر آپ نے پسندیدگی کا اظہار فرمایا تھا .

نمونہ کلام

یادِ رفتگان بحالتِ مہجوری

یاد ایامے کہ ما خوش روزگارے یافتیم ۔۔۔ با مسیحِ وقت و اصحابش وقارے یافتیم

روز و شب با مہر و مہ بودیم در نور و ضیاء ۔۔۔ گہ بفیضِ ضوفشاں گہ نور بارے یافتیم

شکر لِلّٰہ صحبتِ گُل ہا پس از دورِ خزاں ۔۔۔ چوں عنادل در چمن وقتِ بہارے یافتیم

رونقے در محفلِ عشاق از یادِ حبیب ۔۔۔ گفتگوئے عشق از بزمِ نگارے یافتیم

ایں گلِ تازہ ثمر از روضۂ احمد نبی
شکرِ حق ایں نعمت از پروردگارے یافتیم

دوستاں گویند بعد از رحلتِ قدسی فقیر
ایں نشانِ قافلہ رفتہ زیارے یافتیم

کر وہ عمل کہ جس کی جزا میں خدا ملے
ہمت بلند کر کہ یہی مدعا ملے

گر مل گیا خدا تجھے سب کچھ ہی مل گیا
باقی وہ کیا رہے گا جو ربّ العُلےٰ ملے

گر ذوقِ دید و وصلِ خدا چاہیئے تجھے
کوشش ہے کر دعا تجھے عشقِ خدا ملے

جب تک کسی کو بھوک نہ ہو اور پیاس ہو
کھانا لذیذ بھی ہو نہ اس سے مزا ملے

ہر اک مرض کے واسطے خالق ہے خود دوا
اے کاش اس علاج سے تجھ کو شفا ملے

دُنیا بدل رہی ہے تغیر سے روز و شب
جو بے بدل ہے کاش وہ عینُ البقا ملے

جو کچھ بغیرِ حق کے ہے باطل ہے جانِ من
طالب تو حق کا بن کہ تجھے حق نما ملے

عالم ہے مثلِ آئینہ ربِ جہان کا
جب آئینہ ہو صاف تو عکسِ صفا ملے

ہے واجب الوجود ازل سے ابد تلک
ممکن بھی ہے وجوب نما گر خدا ملے

دنیا میں یہ نظامِ شریعت بھی راز ہے
قدرت کا ہر نظام بھی اس سے ہی آ ملے

انسان ہے خلاصہ سبھی کائنات کا
ہے سرِّ کائنات جو عقدہ کشا ملے

اک دائرہ کی شکل میں ہستی کا دور ہے
جیسے کہ سرِّ قدس سے قدوس آ ملے

قدسی درختِ ہستیٔ اقدس کا ہے ثمر
نقطۂ انتہا سے ہی ہر ابتدا ملے

میں کیا بتاؤں میرے مسیحا نے کیا دیا
میں کیا تھا اور اس نے مجھے کیا بنا دیا

میں مبتلا تھا ظلمتِ اہواءِ نفس میں
جلوہ دکھا کے نور کا پردہ اٹھا دیا

مجھ پر بھی ایک رات تھی ظلماتِ جہل کی
اس شمسِ حق نے مجھ کو بھی نور و ضیا دیا

تحت الثریٰ کی پستیٔ اسفل کی خاک تھا
ہاں خاک سے اسی نے ثریا بنا دیا

محجوب تھا، حقائقِ ہستی سے دُور تر
اِک ہی نظر سے نور کا جلوہ دکھا دیا

مستیٔ عشقِ یار ازل کی خبر نہ تھی
لطفِ نگاہ ساقی نے ساغر بنا دیا

سنتے رہے خدا کو، خدا کے کلام کو
ہادی نے ہم کو دونوں تلک ہے پونچا دیا

دکھلا دیا ہے یارِ ازل کا جمال بھی
گفتار بھی سنا کے شناسا بنا دیا

ہادی میرا ہے احمدِ مرسل مسیح پاک
جس نے جہاں کو خواب سے آکر جگا دیا

اب آرزو ہے یہ کہ دل و جاں فدا رہے
احمد نبی پہ جس نے ہمیں مُدّعا دیا

صد شکر ہے کہ پا لیا مقصد حیات کا
یعنی خدا نے شرک کو دل سے مٹا دیا

صحب نبی سے ہونے کا حاصل ہوا شرف
فیضِ مسیح پاک نے رتبہ بڑھا دیا

جھوک مہدی والی

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کے عہد سعادت میں آپ نے ایک پنجابی تبلیغی نظم "جھوک مہدی والی" کے عنوان سے منظوم کی تھی جس کو سن کر حضور اقدس نے پسند فرمایا۔ اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل و حضرت خلیفۃ المسیح نے بھی سن کر پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ اس نظم کا کچھ حصہ ذیل میں بطور انتخاب کے درج کیا جاتا ہے۔

(۱)

سنیاں نی سیتو ماہی بدلے نے ویش نی
چھوڑ مدینہ آ گئے ساڈڑے دیس نی

نبی محمد ہوئے مہدی دے بھیس نی
جھوک مہدی والی ہوئی منظور ئے

قادیانیں وسیا کل نبیاں دا نور ئے
نام مولا دے منوں رسول نوں

پاک مسیح احمد مہدی مقبول نوں
جھوک ہادی والی

۲

سُنیاں نی سیئو مہدی آیا جہان وچ — پتے تے خبراں جیندے لکھے قرآن وچ

آیت حدیثاں ویکھو ایس دی شان وچ — جھوک مہدی والی ہوئی منظور اے

قادیئیں وسیا کل نبیاں دا نور اے — نام مولا دے منّوں رسول نوں

حضرت امام مہدی عیسےٰ مقبول نوں

جھوک ہادی والی

آکھاں مُلّاں ویکھیں کھول قرآن نوں ۳ سمجھ کے دسیں ذرا ایس بیان نوں

کیویں توں آکھیں عیسےٰ گیا آسمان نوں — جھوک مہدی والی ہوئی منظور اے

قادیئیں وسیا کل نبیاں دا نور اے — نام مولا دے منّوں رسول نوں

چھڈو بکھیڑے من لو مقبول نوں

جھوک ہادی والی

۴

سارے نشان جیہڑے لکھے قرآن وچ — ایسے دے وقت ظاہر ہوئے جہان وچ

دِتی گواہی سبھناں ایس دی شان وچ — جھوک مہدی والی ہوئی منظور اے

قادیئیں وسیا کل نبیاں دا نور اے — نام مولا دے ویکھو رسول نوں

منّو امام مہدی عیسیٰ مقبول نوں

جھوک ہادی والی

---

۱ سہیلو ۲ لباس ۳ چھوٹا سا گاؤں

جناب قاضی محمد ظہیر الدین صاحب عباسی مین پوری

قاضی صاحب مرحوم ۱۸۸۵ء میں علی پور کھیڑہ ضلع مین پوری میں پیدا ہوئے اور قریباً ترانوے سال کی عمر میں مین پوری میں ۱۹۷۶ء میں انتقال کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْن۔

محترم قاضی صاحب مرحوم صوم وصلوٰۃ اور شعار اسلامی کے پابند تھے۔ آپ کے بزرگوں میں سے قاضی تونگر علی صاحب مرحوم اور قاضی اشرف علی صاحب مرحوم احمدی تھے جو رشتہ میں آپ کے چچا تھے۔ قاضی صاحب مرحوم تاحیات علی پور کھیڑہ مین پوری کے صدر جماعت اور سیکرٹری مال کے جماعتی عہدہ پر فائز رہے اور باقاعدہ جماعت قائم کی۔ اور اپنے ذاتی خرچ سے اپنے مکان کے بیرونی چبوترہ پر ایک چھوٹی سی پختہ مسجد احمدیہ تعمیر کی جس میں عرصہ دراز سے نمازیں ہوتی ہیں۔ آپ موصی تھے اور جماعتی چندے باقاعدگی سے ادا فرماتے تھے۔ آپ کی وفات کے وقت آپ کے بڑے داماد اور بھتیجے مکرم محمد اسلم عباسی صاحب ریٹائرڈ ٹیرزری آفیسر موجود تھے۔ اس موقعہ پر مرحوم کی اولاد میں سے دو بیٹیاں موجود تھیں۔ منجھلی بیٹی اہلیہ صاحبہ مولوی محمد یوسف صاحب فاضل مدرس مدرسہ احمدیہ قادیان میں تھی۔ آپ کے ایک داماد مکرم مولوی عبد الحق صاحب فضل مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ ہیں جو شاہجہانپور میں متعین ہیں اور حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب مختار شاہجہانپوری کے مکان میں رہائش پذیر ہیں۔

قاضی صاحب نے بہت موزوں طبیعت پائی تھی۔ علم وادب کا اعلیٰ مذاق رکھتے تھے۔ نکتہ سنج طبیعت پائی تھی۔ سادگی آپ کا شعار تھا اور دینی معاملات میں گہری دلچسپی لیتے تھے پیش آمدہ حالات کو بڑی سرعت اور چابکدستی کے ساتھ لطیف انداز میں فی البدیہہ موزوں کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے۔ قاضی صاحب کی دو بیٹیوں کی شادیاں درویشان قادیان سے ہوئیں۔ علاوہ ازیں حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب جٹ اور دوسرے درویشان قادیان کی شادیوں کے موقعہ پر جو یوپی میں ہوئیں

قاضی نے ہمیشہ اشہب قلم کو جنبش دی اور ان تمام مواقع پر ہر تقریب کو نظم کے لطیف سانچہ میں ڈھال کر متعلقہ اصحاب تک پہنچا دیا۔ اور ایسا کرنا ان کے محبوب مشاغل میں شامل تھا۔ بڑے بڑے تبلیغی خطوط جس میں قرآنی آیات کا منظوم ترجمہ شامل ہوتا تھا تمام مبلغین کو بھجواتے رہتے تھے۔ آپ کے خیالات میں روانی اور قلم میں بڑا زور تھا۔ آپ کو ابتدائے عمری سے شعر کہنے کا شوق تھا۔ لیکن آپ کی پاکیزہ شاعری محض اللہ تعالیٰ کی توحید اور تبلیغی اور تربیتی امور پر مشتمل ہوتی تھی۔ آپ نے اپنے پیچھے ایک ضخیم تبلیغی و تربیتی اور دلچسپ بیاض چھوڑا ہے جو آپ کی قادر کلامی پر شاہد ناطق ہے۔

افسوس ہے کہ باوجود سعی پیہم اور جہد مسلسل کے راقم الحروف قاضی صاحب مرحوم کے اعزہ سے اُن کا نمونہ کلام حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

گوہر حضرت مولوی ذوالفقار علی خان صاحب رامپوری

ولادت : ۱۸۶۹ء

بیعت : ۱۹۰۰ء (بذریعہ خط)

وفات : ۲۶ فروری ۱۹۵۴ء

حضرت مولوی ذوالفقار علی خان صاحب ہندوستان کے مشہور سیاسی لیڈران مولانا محمد علی جوہر و مولانا شوکت علی (علی برادران) صاحبان کے برادر اکبر تھے۔ ۱۸۶۹ء میں بمقام رامپور ضلع مرادآباد (یوپی) پیدا ہوئے۔ ۱۸۸۸ء میں ریاض الاخبار میں حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کا ایک خط الیگزنڈر رسل وب سفیر امریکہ فلپائن کے نام شائع ہوا تھا جسے دیکھ کر خان صاحب کو پہلی مرتبہ حضرت اقدس سے غائبانہ تعارف ہوا۔ ۱۹۰۰ء میں " ازالہ اوہام " مطالعہ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی اور فوراً بیعت کا خط لکھ دیا۔ حضرت اقدس کی زیارت پہلی مرتبہ ۱۹۰۴ء میں بمقام گورداسپور میں ہوئی جبکہ حضور بسلسلہ مقدمات کرم دین وہاں قیام پذیر تھے۔ ۱۹۲۰ء میں مستقل طور پر قادیان میں ہجرت کرکے آگئے۔ ۱۹۲۴ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی جن بارہ خدام کو اپنے ساتھ ویمبلے کانفرنس میں شرکت اور مسجد احمدیہ لندن کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے یورپ لے گئے تھے۔ اُن میں خان صاحب ذوالفقار علی خان صاحب بھی بحیثیت چیف سیکرٹری شامل تھے۔

آپ نے ایک لمبا عرصہ مرکز میں ناظر امور عامہ اور ناظر اعلیٰ کی حیثیت سے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ قادیان میں ہجرت کرکے آنے کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح کی اجازت سے تھوڑی مدت کے لئے آپ پھر رامپور تشریف لے گئے۔ ان ایام میں حضرت مولانا جلال الدین شمس اور خاکسار راقم الحروف کسی دورہ کے سلسلہ میں رامپور گئے اور چند یوم حضرت خان صاحب کے یہاں قیام کیا۔ وہاں خان صاحب

جس شفقت اور مہربانی سے ہمارے ساتھ پیش آئے وہ انھیں کا حصّہ تھا۔ ریاست میں آپ کو خدا تعالےٰ کے فضل وکرم سے بہت رسوخ حاصل تھا۔ رام پور میں آپ کا تشریف لے جانا غالباً والی رام پور کی خواہش کا نتیجہ تھا۔ مگر وہاں آپ کا دل نہیں لگا اور جلد ہی واپس قادیان چلے آئے۔ آپ بیحد خلیق اور ملنسار انسان تھے۔ ہمدرد بھی اس قدر تھے کہ خاکسار کو قادیان گئے ابھی چند ہی سال ہوئے تھے اور خاکسار مدرسہ احمدیہ کا طالب علم تھا کہ بیمار ہوگیا۔ نور ہسپتال میں زیر علاج تھا۔ خان صاحب وہاں تشریف لے گئے اور یہ دیکھ کر وہاں کھانے کا انتظام اچھا نہیں مجھے اپنے گھر لے گئے اور چند ماہ وہاں رکھا۔ ان دنوں اخویم محترم مولانا عبدالمالک خان صاحب مربی سلسلہ احمدیہ (ناظر اصلاح وارشاد) ابن حضرت خان صاحب اور خاکسار ایک ہی کلاس کے طالب علم تھے۔

مجھے یاد ہے حضرت خان صاحب کی ملاقات کے لئے اُن کے چھوٹے بھائی جناب مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی صاحبان جو علی برادران کے نام سے مشہور تھے قادیان جایا کرتے تھے۔

تقسیم ملک سے قبل کراچی میں کسی کانگریسی لیڈر نے آپ سے پوچھا کہ آپ کے دو بھائیوں نے تو ملک کی آزادی کے لئے مسٹر گاندھی کے ساتھ مل کر جدوجہد کی مگر آپ نے اس کوشش میں کوئی حصّہ نہیں لیا۔ آپ نے جواب دیا کہ

"میں بڑا بھائی تھا اس لئے میں نے اپنے ذمہ بڑا کام لیا۔" اس نے پوچھا کون سا۔ آپ نے فرمایا "ساری دُنیا شیطان کی غلامی میں پھنسی ہوئی ہے اور ساری دُنیا کو آزاد کرانا ہندوستان کی آزادی سے بڑا کام ہے۔ اس لئے میں اُس تحریک میں شامل ہوا ہوں اور اُسی کا ایک سپاہی ہوں جس تحریک کا یہی مقصد ہے۔ یعنی تحریک احمدیت۔"

(روایات رفقاء مندرجہ الفضل ۱۳، ۱۶، ۱۷ مارچ ۱۹۵۴ء) بحوالہ تاریخ احمدیت لاہور

تقسیم ملک کے بعد آپ معہ اہل وعیال لاہور میں سکونت پذیر ہوگئے اور ۲۹ فروری ۱۹۵۲ء کو ۷۵ سال کی عمر میں وہیں انتقال کیا اور بہشتی مقبرہ ربوہ کے قطعہ خاص میں مدفون ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

اولاد ۱۔ ممتاز علی خان مرحوم ۲۔ ہادی علی خاں مرحوم، عبداللہ، رضا علی، اسمٰعیل

سلیمہ بیگم اہلیہ کرنل اوصاف علی خان، حبیب اللہ خان پروفیسر تعلیم الاسلام کالج ربوہ، عبدالمالک خان مربی سلسلہ احمدیہ (ناظر اصلاح وارشاد۔ ربوہ) زبیدہ بیگم اہلیہ حکیم خلیل احمد مونگھیری۔ محمد اسحٰق۔ عبدالرحمٰن، سعیدہ بیگم، محمودہ بیگم، رشیدہ بیگم، رضیہ بیگم۔

نمونہ کلام

وہ دُکھ مجھے راحت ہے جو تجھ کو پسند آئے
وہ عشق نکما ہے جو تجھ کو نہ بر مائے

یہ جان بھی تیری ہے یہ مال بھی تیرا ہے
اچھا ہو یہ سب بچھڑے اور تو مجھے مل جائے

اسلام کے فرزندو گوہر کی سنو یارو
کرنا وہی اے بندو وہ یار جو فرمائے

ہیں صبر کی تاکیدیں، تم صبر کئے جاؤ
طوفان بھی کوئی سر سے گزرے تو گزر جائے

اس راہ محبت میں کیا کام شکایت کا
راضی بقضا رہ کر دیکھو جو وہ دکھلائے

ہاں کام کئے جاؤ بس کام کئے جاؤ
یہ کام ہے مومن کا محنت سے نہ گھبرائے

موتی ہے یہ حق یارو ملتا ہے جہاں لے لو
یہ نیکوں کا ورثہ ہے جو نیک بنے پائے

یہ کوچۂ الفت ہے رسوائی سے مت ڈرنا
پیارا ہے وہی اس کا دیوانہ جو کہلائے

فرزندیٔ احمدؑ کو بدنام نہ کر دینا
دل دے کے مرے یارو مشکل نہیں سر دینا

گوہر۔ جناب چودھری نعمت اللہ خاں صاحب بی اے لدھیانوی

چودھری نعمت اللہ خان صاحب ولد حکیم نتھے خان صاحب مارچ [illegible] کو بمقام قصبہ کھوڑو تحصیل سمرالہ ضلع لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم پرائمری کی سطح پر قصبہ ہی میں پائی۔ مڈل تک پائی۔ مڈل تک تعلیم تحصیل سمرالہ میں پائی اور سرکاری وظیفہ حاصل کیا۔ میٹرک پرائیویٹ طور سے پاس کیا۔ اور وظیفہ حاصل کیا۔ بعد ازاں ہندو کالج بٹالہ میں ۱۸۹۶ء میں داخلہ لیا۔ مگر والد کی اچانک وفات پر یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ اس لئے پرائیویٹ ٹیوشن پڑھا کر گھر کی ضروریات پوری کرنے پر مجبور ہوئے۔ آپ کے زیر تعلیم بچے زیادہ تر ہندو ساہوکاروں کے خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ جن میں سے ایک لالہ برج لال صاحب اور ان کے ایک بھائی ریاست الور کے وزیر اعظم بنے وہ بھی جناب گوہر صاحب کے شاگرد تھے۔

انہیں ایام میں آپ ریاست پٹیالہ کے محکمہ بندوبست میں شامل ہو گئے۔ وہاں حضرت منشی عبداللہ صاحب سنوری کے فرزند اکبر منشی رحمت اللہ صاحب نے سلسلہ احمدیت کی خبر پائی اور احمدیہ لٹریچر کا مطالعہ شروع کیا۔ کہیں سے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کی کتاب "الہامات مرزا" ہاتھ لگ گئی۔ اس کے مطالعہ کے بعد جستجو اور ترقی کر گئی۔ انہیں دنوں محکمہ بندوبست کو خیر باد کہہ کر اسلامیہ اسکول چنیوٹ کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہو گئے۔ چنیوٹ میں سیٹھ محمد صدیق صاحب بانی کے والد سیکرٹری تھے۔ ان کے علاوہ شیخ مولا بخش صاحب مرحوم اور حاجی تاج محمود صاحب سے بھی تبادلہ خیالات ہوتا رہا۔ جس کے نتیجہ میں آپ نے حضرت اقدس مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کی تحریری بیعت کر لی۔ ابھی آپ کی بیعت پر چھ ماہ نہ گزرنے پائے تھے کہ لوگوں نے احمدی ہو جانے کی وجہ سے مخالفت شروع کر دی اور یہاں

سے بھی ملازمت چھوڑنی پڑی۔ سیدھے قادیان روانہ ہو گئے۔ جہاں اُن کے دو چھوٹے بھائی علی محمد صاحب (بی اے بی ٹی) اور مولوی عطا محمد صاحب پیشتر ہی سے بغرض حصول تعلیم بھجوائے جا چکے تھے۔ اس طرح آپ نے قادیان پہنچنے کے بعد ۱۹۰۰ء میں دستی بیعت کا شرف بھی حاصل کر لیا۔

بعدازاں ٹریننگ کالج لاہور سے جے۔ اے وی (J.A.V) پاس کر کے محکمہ تعلیم میں ملازمت کا آغاز کیا۔ ۱۹۱۳ء میں مزنگ لاہور کے اسکول میں ملازم تھے وہیں سے ایف اے کا امتحان امتیازی نمبر حاصل کر کے پاس کر لیا۔ تمام عمر میں قریباً چالیس سال ملازمت کی لیکن یہ تو ایک بہانہ تھا۔ دراصل دوران ملازمت بھی آپ تبلیغ کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے اور یہی وجہ تھی کہ اس طویل عرصہ ملازمت میں کہیں بھی دو تین سے زیادہ نہ ٹک سکے۔ جب ان کی تبلیغ شدت اختیار کر جاتی تھی۔ اسکول کے منتظمین کو سوائے اس کے کوئی اور چارہ کار نظر نہ آتا تھا کہ چودھری صاحب کو ملازمت سے سبکدوش کر دیں۔ لاہور ڈویژن کے انسپکٹر آف اسکولز شیخ نور الٰہی صاحب نے معائنہ بک میں یہ نوٹ تحریر کیا۔

"Nematullah Gohar is more fit to be a Missionary than to be a school teacher"

(نعمت اللہ گوہر بجائے ایک اسکول ماسٹر ہونے کے ایک مشنری بننے کے لئے زیادہ موزوں ہیں)

جس زمانہ میں شکر گڑھ مڈل اسکول میں ملازم تھے تو عبد الہادی نامی ایک طالبعلم آپ کی تبلیغ سے احمدی ہوا۔ یہ طالب علم تقسیم ملک کے بعد ظفر وال ضلع سیالکوٹ کے سیکرٹری بھی رہے۔ اب فوت ہو چکے ہیں۔

اسلامیہ ہائی اسکول ڈیرہ اسمٰعیل خان کے زمانہ ملازمت میں آپ کی تبلیغی مساعی کے نتیجہ میں صوفی غلام محمد صاحب حال سپرنٹنڈنٹ دفتر ایجنٹ وزیرستان احمدی ہوئے۔

کھوالی ضلع لائلپور (فیصل آباد) کے رئیس زادہ ملک محمد یار صاحب حال واقف زندگی آپ ہی کی تبلیغ سے احمدی ہوئے۔ اسی طرح ساری عمر تبلیغ احمدیت میں گزار دی اور آپ کی مساعی بارآور ہوئیں اور کثرت سے لوگوں کو حلقہ بگوش بننے کی توفیق ملی۔

۱۹۱۹ء میں جشن صلح کے موقعہ پر ریاست پونچھ میں اسلامیہ ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے ۔ بادشاہ جارج پنجم کی مدح میں قصیدہ پڑھا درمیان میں تبلیغ کا پہلو نکال لیا ۔ ملاحظہ ہو ۔ ے

سب سے بڑھ کر یہ شرف تجھ کو خدا نے بخشا   مملکت میں تیری وعدہ کا مسیحا آیا

نتیجہ یہ ہوا کہ سیکرٹری انجمن اسلامیہ پونچھ نے حضرت نواب محمد دین صاحب جوان وزیر ریاست تھے شکایت کی یہ مرزا غلام احمد کی تبلیغ ہو رہی ہے اور ہم سننے کے لئے تیار نہیں لیکن نواب صاحب مرحوم نے اُٹھ کر اُن کو سرزنش کی اور ہدایت کی کہ خاموشی سے کلام سنیں اور ادھر حضرت گوہر سے کلام جاری رکھنے اور اس کو دوبارہ پڑھنے کی درخواست کی ۔ گوہر صاحب نے دوبارہ اس شعر کو پڑھا اور حاضرین کو سُنایا ۔ غرضیکہ ساری عمر دل کھول کر تبلیغ کرتے رہے اور نقصان بھی اُٹھاتے رہے لیکن ذرہ برابر پرواہ نہ کی اور اپنے حال میں مگن رہے ۔

تاریخ کی ایک کتاب "مفتاح التاریخ" کے نام سے تحریر کی جس کے ہر باب کا خلاصہ اشعار میں منظوم کیا ۔ "مسدس انوار" سرور کائنات فخر موجودات حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں تحریر کی ۔ "تحفہ بلاد یوروپ" بڑی فاضلانہ و محققانہ کاوش ہے ۔ آپ نے اس کتاب میں ثابت کیا کہ آرم قوم فلسطین سے آئی حضرت ابراہیم کی اولاد تھی اور وید حضرت ابراہیم کی کتاب ہے ۔ علاوہ ازیں آپ "الفضل" میں ہمیشہ علمی پایہ کے مضامین شائع کراتے رہے ۔ قرآن مجید آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل سے پڑھا تھا اس لئے تفسیر پر عبور حاصل تھا اور ہندوؤں سے اکثر مباحثات کرتے رہتے تھے ۔

پچھتر سال کی عمر میں بمقام ۱۱ جولائی ۱۹۵۵ء کو وفات پاکر مولائے حقیقی سے جا ملے اور کرشن نگر کے قبرستان میں دفن ہوئے ۔ وفات سے ایک ماہ قبل یہ شعر کہا ۔ ے

پھر تو ہو جائیں گے بازار جہاں میں نایاب
گوہر ارزاں ہیں جب تک کہ میسر ہوں گے

آپ کی قبر پر کتبہ لگا ہے جس پہ یہ مصرعہ بھی کندہ ہے ے

پہلے گوہر تھا بنا اب گوہر نایاب تو

نمونہ کلام

یہ نظم ۱۵ مارچ ۱۹۱۴ء کو خلافتِ ثانیہ کے قیام پر کہی گئی اور الفضل مورخہ ۱۸ مارچ میں اشاعت پذیر ہوئی۔

دعائیں سن لیں ہمارے خدائے قادر نے
یہ کیسا فضل ہوا اِک جری کو بھیج دیا

جو نور دین ہوا اوجھل ہماری آنکھوں سے
تو ایک آن میں نور مبیں کو بھیج دیا

بچا لیا ہمیں گرنے سے چاہِ ظلمت میں
کہ خود بخود ہی امام تقی کو بھیج دیا

سمجھ نہ سکتے تھے کیا ہوگا ایسی حالت میں
خدا نے وقت پہ کیسے ذکی کو بھیج دیا

بشیر ثانی و محمود ہے وہ فضلِ عمر
وہ بہترین تھا خدا نے اُسی کو بھیج دیا

رہی نہ باقی دلوں میں شکوک کی ظلمت
جب آسماں سے وحی خفی کو بھیج دیا

کوئی تو ہونا تھا آخر خلیفہ ثانی
یہ اعتراض ہی کیا ہے کسی کو بھیج دیا

فسردگی ہوئی کافور بیت احمد سے
جلا کے شمع ہدیٰ روشنی کو بھیج دیا

دُعا یہ کرتا ہے گوہر تیرے لیے محمودؔ
ہمیشہ پھولو ہووے عاقبت مسعود

۱۹۱۹ء میں جب گوہر صاحب اسلامیہ ہائی اسکول پونچھ کے ہیڈ ماسٹر تھے تو اُسی زمانہ میں نواب محمد دین صاحب وزیر ریاست تھے۔ ان کے ایما پر آپ نے جنگ عظیم کے بعد شہنشاہ جارج پنجم کی مدح میں قصیدہ لکھا جس میں احمدیت کی تبلیغ کا موقعہ ڈھونڈ نکالا۔ انجمن اسلامیہ پونچھ جس کے زیرِ انتظام یہ اسکول چل رہا تھا اسی جرم پر آپ کو تیسرے روز ملازمت سے فارغ کر دیا۔ دو تین بند یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔ ؎

اے شہ جارج مبارک تجھے بزم آرائی
بادشاہی نے تیرے دم سے رونق پائی

خار ہیں تیرے تمنائی تو گل شیدائی
آج عشاق کی ہے خوب تیرے بن آئی

شیخ مدّاح۔ دُعا گو ہیں برہمن تیرے
دل سے گن گاتے ہیں سب اے شہ لندن تیرے

تجھ کو دُنیا میں خدا نے وہ حکومت بخشی | جس کے ہم پلہ کسی کو بھی نہ عزت بخشی
نہ سکندر کو ہی یہ عظمت و شوکت بخشی | اہل روما کو بھی کچھ اس میں نہ شرکت بخشی

تجھ کو وہ درجہ ملا اوج پہ چڑھتے چڑھتے
سینکڑوں گر گئے اس کوہ پہ چڑھتے چڑھتے

سب سے بڑھ کر یہ شرف تجھ کو خدا نے بخشا | مملکت میں تری وعدے کا مسیحا آیا
اُس نے اس راج میں راحت کا زمانہ پایا | تیرے اقبال کا پھر اور بھی نیّر چمکا

عرش پر جا کے ٹھہرتی تھیں صدائیں اس کی
کام آئیں گی سدا تیرے دعائیں اُس کی

شرائطِ بیعت منظوم

یہ عہد کرتا ہوں صدق دل سے ہاتھ پر اپنے میرزا کے
کہ جب تک دم میں دم ہے میرے میں شرک سے مجتنب رہوں گا
بُری نظر جھوٹ اور زنا سے فجور و فسق اور ہر خطا سے
بچوں گا میں ظلم اور جفا سے کبھی بغاوت نہیں کروں گا
نہ ہوں گا مغلوب ہرگز اُس سے جو یہ بدی پر مجھے اُبھارے
ہو نفس امارہ حملہ آور تو اُس کی چھاتی پہ میں چڑھوں گا
پڑھوں گا اخلاص سے نمازیں سحر کو مانگوں گا میں مرادیں
درود پڑھ پڑھ کے مصطفےٰ پر میں طالبِ مغفرت رہوں گا
بیادِ احسانِ ربِّ کعبہ۔ جیوں گا لے لے کے نام اُس کا
ہمیشہ سیرابِ آبِ الحمد کشتِ دل کو رکھا کروں گا
زبان سے اور ہاتھ سے نہ دوں گا کبھی میں خلق خدا کو ایذا
جو ہیں مسلمان بھول کر بھی کبھی نہ اُن سے بدی کروں گا

ہو رنج و کلفت کہ یُسر و راحت، ہو فقر و ذلّت کہ تختِ عزت
رہوں گا راضی قضا پہ اُس کی کبھی نہ اس راہ سے ہٹوں گا
رہوں گا تیار رہ میں اُس کی میں جھیلنے کو ہر ایک مصیبت
اُٹھے گی آندھی مصیبتوں کی میں اور اخلاص میں بڑھوں گا
نہ اتباعِ رسوم ہوگی نہ کچھ ہوا و ہوس سے رشتہ
اور قرآن کی حکومت اُسی کے سائے میں میں جیوں گا
پس از کلامِ خدا۔ خدا کے نبی نے جو کچھ کہا زباں سے
بتاؤں گا خضرِ راہ اُس کو۔ اُسی کے فرماں پہ چلوں گا
نہ آئے گی نام کو رعونت، نہ دل میں مرے غرور و نخوت
فروتنی، خوشخوئی حلیمی سے عمر اپنی گزار دوں گا
جو شے ہے سب سے عزیز و دلپسند ہو جان و عزت کہ مال و زر
خدا کے دینِ متین کر کے مہک میں اُس کی لبا رہوں گا
جو طاقتیں حق نے مجھ کو بخشیں جو نعمتیں اپنے فضل سے دیں
وہ نوعِ انساں پہ کر کے قرباں معینِ خلقِ خدا رہوں گا
بالآخر میرے پیارے آقا یہ مجھ میں اور تجھ میں عہد ہوگا
کہ تیرے ارشاد پر ہمیشہ سرِ اطاعت کو خم کروں گا
نہ بعد تیرے کسی سے رشتہ نہ بن ترے ہوگا کوئی مولا
کسی کی ہوگی نہ مجھ کو پروا میں تیری الفت کا دم بھروں گا

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا خیر مقدم

(یہ نظم جلسہ سالانہ ۱۹۲۰ء میں پڑھی گئی)

کس کا زباں پہ یارب فرخ یہ نام آیا ۔۔۔ کون آج بزمگہ میں خوش خرام آیا

محمود میرزا ہے عالی مقام آیا ۔۔۔ تاروں کی انجمن میں ماہ تمام آیا

ابر بہار بن کر مشکِ تتار بن کر ۔۔۔ وہ نوجوان وہ سُندر وہ میرا تسام آیا

خورشید بن کے چمکا کر آفتاب بن کر ۔۔۔ گر صبحدم نہ نکلا تو بعد شام آیا

خلوت کدے سے نکلا بیٹھا ہے انجمن میں ۔۔۔ تاروں سے ماہ انور لینے سلام آیا

آمد سے اُس کی گلشن میں کھل رہی ہیں کلیاں
لالہ بھی آج حاضر ہے لے کے جام آیا

کراچی سے راجہ سعید احمد صاحب ایم۔ اے ایل ایل بی نے جو حضرت نعمت اللہ صاحب گوہر کے نواسے ہیں۔ گوہر صاحب کے کچھ ابتدائی حالات روانہ کئے ہیں جن کو یہاں شامل کتاب کیا جاتا ہے آپ تحریر کرتے ہیں :-

"میرے نانا ابا کے متعلق میری امی جان محترمہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ فرماتی ہیں ایک مرتبہ ابا جان نے مجھے بتایا تھا کہ ان کے والدین کی اولاد یکے بعد دیگرے فوت ہوتی چلی جاتی تھی۔ اُس وقت گوہر صاحب کی عمر ۱۵ سال تھی۔ جب ان کے گھر ایک بھائی پیدا ہوا۔ گوہر صاحب اُس زمانے میں اپنے گاؤں سے کچھ میل دُور خیر گاؤں میں پڑھا کرتے تھے۔ جب اسکول سے گھر واپس آئے تو ان کی بڑی ہمشیرہ آسیہ بیگم صاحبہ نے نومولود بھائی کو اس حال میں دکھایا کہ بچے کے کان اور ناک میں بالیاں پڑی ہوئی تھیں۔ گوہر صاحب نے اپنی ہمشیرہ سے دریافت کیا یہ کیا معاملہ ہے اور بچے کو بالیاں کیوں پہنائی گئی ہیں۔ انہوں نے بتایا کسی ہندو برہمن نے کہا تھا کہ اگر بچے کی زندگی چاہتے ہو تو یہ بالیاں ضرور

پہناؤ ورنہ اس کی جان سے ہاتھ دھولو۔ اس لیے ایسا کیا گیا ہے۔ اس پر گوہر صاحب نے اپنے ہاتھ سے دونوں بالیوں کو اتار پھینکا اور فرمایا کہ یہ کھلا کھلا شرک ہے اور روحِ اسلام کے منافی ہے۔ اگر بچے کی زندگی ہے تو خدا تعالیٰ اُسے خود محفوظ رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے محفوظ رکھا اور اپنے دین کی خدمات کے لیے چُن لیا۔ یہ بچہ چودھری علی محمد صاحب بی اے بی ٹی کے نام سے ساری جماعت احمدیہ میں جانا پہچانا ہے۔ یہ حضرت اقدس مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کے وہ رفیق ہیں جنہوں نے حضرت اقدس کے بعد خلافت کے تین دور دیکھے اور ایک لمبے عرصے تک خدمات سلسلہ بجا لانے کی توفیق پائی۔ گوہر صاحب حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے اُستاد ہونے پر فخر کرتے رہے۔؎

حضرت نعمت اللہ صاحب حضرت المصلح موعود کے پرائیویٹ سیکرٹری بھی رہے اور رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" (انگریزی) کے ایڈیٹر کی حیثیت سے عرصہ دراز تک خدمات بجا لاتے رہے۔

قبول احمدیت

حضرت مولوی نعمت اللہ صاحب گوہر ۱۹۰۵ء میں پنجاب کے ضلع جالندھر میں کسی جگہ اسس کی ملازمت کرتے تھے۔ اُس گاؤں میں ڈاکخانہ بھی تھا اور گوہر صاحب ہر ماہ ڈاکخانہ جا کر اپنی تنخواہ وصول کیا کرتے تھے۔ پوسٹ ماسٹر صاحب احمدی تھے۔ ماہ دسمبر کا واقعہ ہے کہ گوہر صاحب تنخواہ لینے ڈاکخانہ گئے تو پوسٹ ماسٹر صاحب نے یہ اطلاع دی کہ وہ اگلے ماہ وہاں موجود نہیں ہوں گے کیوں کہ وہ سال کے آخری ایام میں جلسہ سالانہ قادیان پر جا رہے ہیں۔ حضرت گوہر صاحب نے جلسہ سالانہ اور قادیان کے متعلق پوری معلومات حاصل کیں۔ حضرت گوہر صاحب کے دل پر ان حالات کا بہت اثر ہوا اور آپ اگلی تنخواہ کا انتظار کئے بغیر جلسہ سالانہ سے قبل قادیان روانہ ہو گئے اور حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کے قدموں میں جا حاضر ہوئے اور جلسہ سالانہ تک وہیں رہے حضرت گوہر صاحب اس گاؤں میں بالکل تنہا رہتے تھے اور وہاں سے بغیر تنخواہ لئے قادیان چلے گئے تھے۔ جلسہ سالانہ کے بعد آپ نے حضرت اقدس مسیح موعود کی بیعت کی اور گھر واپس آگئے دنوں

چھوٹے بھائیوں کو بھی احمدیت سے روشناس کرایا اور دونوں نے سعادت مندی کا ثبوت دیتے ہوئے لبیک کہا اور حلقہ بگوش احمدیت ہو گئے۔ ایک بھائی چودھری علی محمد صاحب کی عمر اُس وقت صرف نو سال اور چھوٹے بھائی عطا محمد کی عمر صرف سات سال تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے تینوں بھائیوں کو حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کا رفیق بننے کی سعادت نصیب ہوئی۔

حضرت مولوی نعمت اللہ صاحب گوہر نے ایک دفعہ یہ بات بتائی کہ میں ابھی ۴ سال کا تھا کہ ہمارے محلہ میں ایک فقیر آیا۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ بیٹا جاؤ اور بابا کو آٹا دو۔ حضرت مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ میں اُس وقت صرف ایک قمیض پہنے ہوئے تھا۔ پاؤں میں جوتا بھی نہ تھا۔ اس نے مجھے سر سے پیر تک دیکھا اور بولا "واہ بھئی واہ علم دی حد ہو گئی ہے"۔ یہ بات اللہ تعالیٰ نے پوری فرمائی اور مولوی صاحب کو علم سے مالا مال کر دیا۔ آپ نے ۱۹۲۴ء میں بی اے پاس کیا۔ اور یہ وہ وقت تھا جب آٹھویں پاس تحصیلدار بن جایا کرتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیار

حضرت مولوی صاحب کو حضرت خاتم الانبیاء سے بے حد پیار تھا۔ جب بھی حضور کا ذکر ہوتا۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے اور یہاں تک کہ آنسوؤں سے آپ کی داڑھی تر ہو جایا کرتی تھی۔ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک طویل نظم "مطلع انوار" کے عنوان سے لکھی جو کتابی صورت میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ اس نظم میں آپ نے نہ صرف حضور کی نعت کے اشعار لکھے بلکہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی فرزند حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود و مہدی معہود کی منقبت میں بھی شعر کہے اور آپ کے خلفاء حضرت خلیفۃ المسیح الاول اور حضرت مصلح الموعود کی تعریف بھی بیان کی۔

حضرت خلیفۃ المسیح اوّل سے آپ کا تعلق خاطر

آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح اوّل کا سارا زمانہ عاجزانہ دعاؤں اور خدمت احمدیت میں گزارا۔

آپ کا حضرت خلیفۃ المسیح اول سے گہرا قلبی تعلق تھے اور دوستانہ مراسم تھے۔ ایک مرتبہ مولوی صاحب بیمار ہو گئے۔ اُن کی اہلیہ صاحب نے حضرت خلیفہ اوّل کی خدمت میں حاضر ہو کر دُعا کی درخواست کی اور نسخہ لکھنے کو کہا۔ حضرت خلیفہ اول خود اُن کے ساتھ چل پڑے۔ گھر آکر نسخہ تجویز کیا اور عیادت کی اور دُعا فرمائی۔

حضرت مولوی نعمت اللہ صاحب نے ایک رات خواب دیکھا کہ دو نہریں برابر چل رہی ہیں جن کا پانی چاندی کی مانند سفید اور چمکدار ہے۔ کسی نے خواب ہی میں یہ بات کہی کہ یہاں سے نورالدین نورالدین کو رزق ملتا ہے۔ جب یہ خواب حضرت خلیفہ اوّل کو سُنائی گئی تو انہوں نے مسکرا کر فرمایا کہ میاں تم شاعر ہو پھر بھی یہ معلوم نہ کر سکے کہ نورالدین کا رزق کہاں سے آتا ہے۔

خدا پر توکل

یہ واقعہ سنہ ۱۹۲۶ء کا ہے جب حضرت مولوی نعمت اللہ صاحب گوہر گوجرہ سے تبدیل ہو کر ڈیرہ اسمٰعیل خان کے اسکول میں پہنچے تھے۔ کچھ عرصہ بعد انسپکٹر صاحب تعلیمات اسکول کا معائنہ کرنے آئے۔ چونکہ مولوی صاحب کو تبلیغ کا بیحد شوق تھا۔ آپ کلاس میں بھی احسن رنگ میں ذکر کر دیا کرتے تھے جس کا علم ہیڈ ماسٹر کو بھی تھا۔ جب انسپکٹر صاحب حضرت مولوی صاحب کے کلاس میں آئے تو ہیڈ ماسٹر صاحب اُن کے ساتھ تھے۔ انسپکٹر صاحب نے کلاس کے بچوں سے سوالات شروع کر دیئے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے درمیان ہی میں انسپکٹر صاحب سے کہا کہ جناب اس کلاس کے بچوں سے تاریخ جغرافیہ کی بجائے یہ سوال دریافت کریں کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے دعویٰ کس سن میں کیا ہے۔ انسپکٹر صاحب نے آپ سے پوچھا تو آپ نے بلا تامل فرمایا کہ ہاں جب مناسب موقعہ ہوتا ہے تو میں یہ ذکر کرنا بھی غیر مناسب نہیں سمجھتا۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ آپ نور پور کے ہائی اسکول میں استاد کی حیثیت سے کام کر رہے تھے وہاں احمدیت کی مخالفت شدت اختیار کئے ہوئے تھی۔ آپ وہاں ایک جماعت کے کلاس ٹیچر تھے۔ انسپکٹر صاحب کے معائنہ کی تاریخ قریب تھی۔ کسی غیر احمدی اُستاد نے اِس دُشمنی کے سلسلہ میں کہ آپ

احمدی ہیں ان کے رجسٹر کے کچھ کاغذات ضائع کر دیئے تاکہ اس طرح آپ کو نقصان پہنچ جائے۔ جب یہ بات ہیڈ ماسٹر اور دوسرے اساتذہ کے علم میں آئی تو انھوں نے مشورہ دیا کہ فرضی اندراجات سے رجسٹر کو مکمل کر لیا جائے۔ تاکہ انسپکٹر صاحب کی ناراضگی سے محفوظ رہیں۔ لیکن آپ نے اس مشورہ کو قبول نہ کیا اور انسپکٹر صاحب کی آمد پر اُن کو صاف صاف بتا دیا۔ اُس نے کچھ نہ کہا بلکہ صاف گوئی پر خوشنودی کا اظہار کیا۔

ایک مرتبہ آپ جلال آباد میں متعین تھے اور ہیڈ ماسٹری کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ آپ نے لاعلمی میں اسکول کے احاطہ کے اندر پوست کے کچھ پودے لگائے جو غیر قانونی تھے۔ وہ کافی بڑے ہو گئے تو یہ بات علم میں آئی کہ ایسا کرنا جرم ہے۔ اسی دوران انسپکٹر صاحب تعلیمات کے معائنہ کا وقت آ گیا۔ بعض ہندو اور غیر احمدی اساتذہ نے آپ کو یہ مشورہ دیا کہ رات کی تاریکی میں پودوں کو اکھاڑ کر دریا میں بہا دیا جائے تاکہ آپ پر کوئی حرف نہ آئے۔ حضرت مولوی صاحب نے ان کے مشورہ کو قبول نہ کیا بلکہ انسپکٹر صاحب کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ انسپکٹر صاحب کے آنے پر مولوی صاحب نے یہ معاملہ اُن کے سامنے رکھا۔ انسپکٹر صاحب نے کہا کہ یہ کوئی خاص بات نہیں آپ میرے سامنے ان پودوں کو ضائع کرا دیں اور ایسا ہی کیا گیا۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کی راست بازی کو پسند فرمایا اور آپ کو ہر ایک نقصان سے محفوظ رکھا۔

ایسے بہت سے واقعات ہیں کہ اگر اُن کو قلم بند کیا جائے تو ایک کتاب کا مواد تیار ہو سکتا ہے۔ بخوف طوالت انہیں چند ایمان افروز واقعات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حضرت مولوی نعمت اللہ صاحب حضرت اقدس مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کا رفیق ہونے کے ساتھ ہی ساتھ ایک بلند پایہ شاعر اور ایک مصنف بھی تھے۔ آپ نے ۱۹۳۸ء میں "تحفۂ ہندو یورپ" کتاب تحریر کی جو اُسی زمانہ میں زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آ گئی تھی۔ یہ کتاب آپ نے علامہ سر محمد اقبال کو دکھائی تو انہوں نے اسے بے حد پسند فرمایا اور مشورہ دیا کہ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ کر کے لندن سے شائع کیا جائے تو بے حد مفید ہو گا۔

دوسری کتاب "سیرۃ ابراہیم" ۱۹۴۷ء میں اپنی تکمیل کے آخری مراحل طے کر رہی تھی کہ

قادیان سے نکلنا پڑا۔ اس کا مسودہ قادیان ہی میں رہ گیا۔ آپ نے افسران متعلقہ سے درخواست بھی کر گھر جا کر اُسے لانے کی اجازت دے دیں۔ لیکن وہ تیار نہ ہوئے اور اس طرح یہ قیمتی مسودہ ضائع ہو گیا۔

آپ کا بہت سا کلام ابھی تک شائع نہ ہو سکا۔ آپ کے صاحبزادے عبدالرحمن صاحب شاکرؔ اگر توجہ کریں تو یہ کام وہ بخوبی انجام دے سکتے ہیں۔

مختاؔر حضرت مختار شاہجہانپوری

سید مختار احمد نام، مختار تخلص، آپ شاہجہانپور۔ یوپی (انڈیا) کے ایک معزز سید خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

شاہجہانپور۔ یوپی (یونائیٹڈ پراونسز آگرہ و اودھ) انڈیا کا ایک مشہور اور مردم خیز شہر ہے جو شاہانِ اودھ کی راجدھانی لکھنؤ سے قریباً ایک سو میل کے فاصلہ پر جانب مغرب واقع ہے۔ مغلیہ خاندان کے مشہور شہنشاہ، شاہجہان کے عہد میں ان کی فوج کے دو سپہ سالار بہادر خان اور دلیر خان نامی تھے جنہوں نے اس علاقہ کو جنگلات سے صاف کرا کے ایک بستی کی بنیاد ڈالی اور پٹھانوں کے مختلف قبیلوں کے نام پر شہر کے مختلف محلوں کے نام رکھے گئے مثلاً قدن خیل، ملاّ خیل، حسن زئی، یاڑوزئی، جلال نگر، بہادر گنج دلیر گنج وغیرہ۔ اسی تاریخی شہر کے ایک مشہور سید خاندان کے دو باپ بیٹوں نے دلائل و شواہد کی بنیاد پر احمدیت کو قبول کیا اور پھر اس سلسلہ کے ساتھ وہ عہدِ وفا باندھا کہ ساری عمر اسی دشت کی سیاحی میں گزار دی۔ سہ

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

یہ دونوں باپ بیٹے حافظ سید علی میاں اور حافظ سید مختار احمد میاں کے ناموں سے جانے اور پہچانے جاتے تھے۔ دونوں باپ بیٹے ذہانت کے پتلے اور علم و فضل کے مجسّمے تھے۔ قرب وجوار کے شہروں میں بھی ان کے علم و فضل، ذہانت اور بے نظیر حافظہ کی دھوم دی۔

حافظ سید مختار احمد میاں نے ساری عمر تبلیغ احمدیت میں گزار دی اور اپنے علم و فضل اور انوکھے طرزِ استدلال کے بل پر سینکڑوں بندگانِ خدا کو سلسلہ عالیہ احمدیہ سے نہ صرف متعارف کرایا بلکہ اُن میں سے اکثر کو حلقہ بگوشِ احمدیت بنانے میں بھی کامیاب رہے۔ ان کا دائرہ عمل شاہجہانپور سے نکل کر دور دراز

کشمیر کی حدود کو پھلانگتا ہوا صوبہ بہار اور بنگال تک جا پہنچا تھا۔ اس زمانہ میں مریدانِ سلسلہ کی وہ تعداد نہ تھی جو آج ہے۔ اس لئے سارا کام جماعت کے باہمت افراد کو خود کرنا پڑتا تھا اور حافظ صاحب اس فریضہ کی ادائیگی میں پیش پیش تھے۔

مشیت ایزدی نے راقم الحروف کو ابتدائے عمر ہی سے اس نابغۂ روزگار ہستی کی براہِ راست کفالت میں آ جانے کا نادر موقعہ میسر آ گیا اور قریباً ہمہ وقتی حاضری نے لاشعوری طور پر وہ تمام علمی و ادبی مراحل طے کرا دیئے جن کے حصول کے لئے لوگ اپنی زندگیاں وقف کر دیتے ہیں۔ حافظ صاحبؒ کے وسیع و عریض مکان کے دروازے تشنگانِ علم و متلاشیانِ حق کے لئے دن و رات کے چوبیس گھنٹوں میں بلامبالغہ ہمہ وقت کھلے رہتے تھے اور شب و روز کے اکثر اوقات میں اہلِ حاجت ان کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ ان حاضری دینے والوں میں معاشرہ کے ہر طبقہ کے لوگ شامل ہوتے تھے اور حافظ صاحب ہر آنے والے سے اُس کے علم و مرتبہ کے مطابق گفتگو فرماتے تھے۔ آپ کا طرزِ استدلال اتنا محکم و دلنشین ہوتا تھا کہ سُننے والا آپ کی طلاقتِ لسانی کا لوہا مان کر اُن کی ہم خیالی پر اپنے آپ کو مجبور پاتا تھا۔ آپ ایک اعلیٰ پایہ کے نفسیاتی ماہر اور قیافہ شناس بھی تھے۔ آپ اپنے بیان کو مدلل بنانے کے لئے متعلقہ حوالہ جات کو اصل کتابوں سے نکال کر دکھاتے تھے جس کا سامعین پر بہت خوشگوار اور نتیجہ خیز اثر ہوتا تھا۔ حوالہ کے لئے آپ کو کہیں جانے کی ضرورت پیش نہ آتی تھی۔ تمام ضروری کتب کا ذخیرہ آپ کے مکان کی متعدد الماریوں میں محفوظ تھا جس کو عین وقت پر استعمال کرنے کا آپ کو خداداد ملکہ حاصل تھا۔ عبارتوں کو اس انداز سے پڑھتے تھے کہ ہر نکتہ واضح اور ہر دلیل مستحکم تر ہو جاتی تھی۔

حضرت حافظ صاحب کو باغبانی کا شوق اپنے والد حضرت سید علی میاں سے ورثہ میں ملا تھا۔ کُتب بینی اُن کی غذا اور تصنیف و تالیفات ان کی ہمہ وقتی مشغولیات تھیں۔ وہ ایک سادہ مگر وسیع و عریض اور کشادہ مکان میں جو ان کی ذاتی ملکیت میں تھا سکونت پذیر تھے۔ یہ مکان ایک بڑے کمرے، دو بغلی کمروں، ایک لمبے دالان اور اس سے ملحق دو صحنچیوں پر مشتمل تھا۔ دالان اور صحنچیوں کے سامنے طویل چبوترہ اُس کے بعد چند سیڑھیاں، نیچے اُترنے پر کشادہ صحن تھا جسے حضرت حافظ صاحب نے اپنے فطری

یملان اور وقار عمل کے ذریعہ ایک خوبصورت چمن کی صورت میں تبدیل کر دیا تھا۔ دالان کے کشادہ دروں میں پہاڑی کروٹن کے سرسبز و رنگدار پتوں والے پودے ، مٹی کے بڑے بڑے گملوں اور چوبی ناندوں میں قرینے سے لگے ہوئے تھے ۔ پام کے بڑے بڑے درخت اپنی بہار الگ دکھاتے تھے کی الماریوں میں اور اندر بڑے کمرے اور بغلی کمروں کی الماریوں میں مجلد کتابیں قرینے سے سجی رہتی تھیں۔ بڑے کمرے میں دو الماریاں ایسی بھی تھیں جو دیواروں سے جدا تھیں۔ ایک میں سامنے کی طرف شیشے مڑھے ہوئے تھے اور دوسری بغیر شیشوں کی جن میں حضرت حافظ صاحب اپنی چیدہ کتب اور اپنے پیر و مرشد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بانی سلسلہ احمدیہ کی کُتب کا پہلا ایڈیشن اعلیٰ درجہ کی نفیس جلدوں میں محفوظ رکھ چھوڑا تھا ۔

حضرت حافظ صاحب ہر سال بارش کے ایام میں جبکہ نمی کے باعث کتابوں کو دیمک لگ جانے کا خطرہ پیدا ہو جاتا تھا ایک مرتبہ سب کتابوں کو الماریوں سے باہر نکال کر دھوپ دکھایا کرتے تھے ۔ حافظ صاحب کے اس نادر علمی ذخیرے میں قریباً بیس ہزار کتب جن میں چند قیمتی مخطوطات بھی شامل تھے ۔ قرآن کریم کا ایک صدیوں پرانا نسخہ بھی کتب خانہ کی زینت تھا۔ جو اپنی مطلا و مذہب جدولوں اور سنہرے دائروں سے مزین آنکھوں کو نور اور دل کو سرور بخشتا تھا۔ اسی طرح سید علی بلگرامی کی تصنیف "تمدن عرب" سر سید احمد خاں کی جملہ تصانیف ۔ مولانا عبد الحلیم شرر اور اُن کے ہمعصر دیگر ناول نگاروں کے تمام ناول کتب تاریخ و سیر ۔ مختلف فرقہ ہائے اسلام کے علماء کی تفاسیر قرآن و دیگر تصنیفات ۔ اس علمی و ادبی لائبریری کی افادیت کو چار چاند لگا رہی تھیں ۔ حافظ صاحب ہر سال جلسہ سالانہ قادیان میں شمولیت کے لئے چلے جاتے تھے اور مکان راقم الحروف کے سپرد کر جاتے تھے ۔ واپسی پر بڑی تعداد میں کتابیں خرید کر لاتے تھے اور انہیں زیر تربیت مخیر حضرات میں قیمتاً تقسیم کرتے تھے اور یہ کام راقم الحروف کے سپرد تھا ۔

حضرت حافظ صاحب کے مفصل سوانح حیات اور آپ کا کلام اپنی کتاب "حیات مختار شاہجہانپوری" میں درج کر دیئے ہیں۔ قارئین اُس کتاب سے حضرت حافظ صاحب کی زندگی کا بھی مطالعہ کر سکتے ہیں اور آپ کے نادر کلام سے بھی لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ یہاں یہ بیان کر دینا بے موقعہ نہ ہو گا کہ حضرت حافظ صاحب ان نابغۂ روزگار ہستیوں میں سے تھے جو ماہ و سال کی سینکڑوں گردشوں

کے بعد ظاہر ہوئیں اور اپنے کارناموں سے دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی ہیں۔ حضرت حافظ صاحب عربی و فارسی زبانوں کے جید عالم ہونے کے علاوہ شعر و ادب میں بھی اپنا ایک منفرد اور بلند مقام رکھتے تھے۔ ایک نقاد اور ایک محقق کی حیثیت سے بھی آپ کا پایہ بلند تھا۔ آپ حضرت امیر مینائیؒ کے چند شاگردانِ خاص میں سے تھے۔ آپ کے ہمعصر اور استاد بھائیوں میں سے استاذی المحترم اعتبار الملک حضرت دل شاہجہانپوری نے تو ہندوستان گیر شہرت حاصل کی اور حضرت جلیل مانکپوری کے بعد جانشین امیر بنائے گئے۔ حضرت دل کے علاوہ محمد علی میاں خیال، ریاض الرضا خان فروغ، حافظ فضل احمد فضل شاہجہانپوری اور حاجی عبدالقدیر صاحب ادیب شاہجہانپوری بھی اپنے نامی گرامی استاد کا نام بلند کرنے میں کوشاں تھے

حضرت مختار شاہجہانپوریؒ نے گوشہ گیری، عزلت نشینی اور نام و نمود کی خواہش سے بیزاری کے باعث وہ عام شہرت نہ پائی جس کے وہ بجا طور سے مستحق تھے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ عام شہرت کے فقدان کے باعث (جو کبھی بھی آپ کا مطمع نظر نہ رہی) اُن کے تبحر علمی یا شعری و ادبی مرتبہ میں کوئی کمی واقع ہوئی ہو۔ وہ اپنے ہمعصر شعرا و ادبا میں ہمیشہ عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور علمی و ادبی حلقوں میں اُن کا مقام مسلّم تھا۔ علامہ نیاز فتح پوری ہوں یا عزیز لکھنوی سب ہی آپ کے کلام کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے اور آپ کی محققانہ صلاحیتوں کو خراج تحسین پیش کرتے تھے۔ بائیس سال کی عمر میں آپ نے ایک "واسوخت" لکھا جس نے اپنے حلقۂ اثر میں ایک تہلکہ مچا دیا۔ اس واسوخت کو اب راقم الحروف نے کتابی صورت میں شائع کیا ہے۔ آپ نے اس واسوخت کی ایک نقل جب جہاں استاد حضرت داغ کی خدمت میں ارسال کی تو حضرت داغ نے ان الفاظ میں داد دی کہ داد کا حق ادا ہوگیا اور حضرت مختار کو کامیابی کی سند حاصل ہوگئی۔ حضرت داغ نے تحریر فرمایا: "میں آپ کو اس نوشتی میں ایک کہنہ مشق شاعر ہونے کی داد دیتا ہوں۔" پھر ایک تاریخی قطعہ بھی عنایت فرمایا جس کا تاریخی مصرعہ یہ تھا "عجب لکھا جلا کے جل کے واسوخت۔" یہاں اس واسوخت کے چند بند نقل کر دینا ضروری ہے تاکہ قارئین کو اس کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو جائے۔

للّٰہ الحمد کہ پھر فصلِ بہار آ پہنچی
امنڈتی جھومتی مانندِ نگار آ پہنچی
رند سو جان سے جس پر ہیں نثار آ پہنچی
یہی غل ہے یہی رندوں میں پکار آ پہنچی
رنگ میخانہ گلستاں میں جما جاتا ہے
ساغرِ گل کفِ بلبل پہ نظر آتا ہے

ہو رہی ہے صفتِ شاہدِ رعنائے بہار
آگے سوسن کے کھلی رکھی ہے انشائے بہار
چشمِ نرگس میں ہے کیفیتِ صہبائے بہار
آج مدہوش نظر آتے ہیں شیدائے بہار
ایک سے ایک ہم آغوش کہیں مستی میں
لب بہ لب ہے کوئی مے نوش کہیں مستی میں

گرم کرتا ہے دلوں کو سخنِ تر میرا
سرد ہوتا ہے مرے خوف سے ہمسر میرا
شورِ اقلیمِ فصاحت میں ہے گھر گھر میرا
آج صحباں ہے کہاں دیکھ لے جوہر میرا
ہے زمانے سے جدا طبعِ گہربار کا رنگ
نہیں ملتا ہے کسی سے مرے اشعار کا رنگ

ہو جو محتاجِ سند وہ نہیں میری تحریر
جو مرے منہ سے نکل جائے وہ پتھر کی لکیر
غیرتِ مسلکِ گوہر میری مسلسل تقریر
کیوں نہ ہو پاتی ہے کس مہرِ مبیں سے تنویر
نشہ کیوں کر نہ ہو سر میں سخن آرائی کا
نام لیوا ہوں امیر احمد مینائی کا

غزل

وہ تنکے نام جن کا آشیاں ہے
انھیں پر اب نگاہِ آسماں ہے
درازیِ شبِ غم اللہ اللہ
کہ جو تارا جہاں تھا وہ وہاں ہے
تم اب مجھ پہ سمجھ کر وار کرنا
خدا میرے تمہارے درمیاں ہے
جگر کی ٹیس یا دل کی خلش ہو
وہ اپنا ہاتھ رکھ دیں پھر کہاں ہے
علاج درد کرتے یا نہ کرتے
مگر وہ پوچھ تو لیتے کہاں ہے

حضرت میر حامد شاہ صاحب سیالکوٹی

حضرت میر حامد شاہ صاحب سیالکوٹی ان خوش قسمت اور قابلِ رشک بزرگوں میں سے ایک بزرگ تھے جو حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کو قبول کرکے ایمان و دینِ حق کی لازوال دولت سے مالا مال ہوئے۔ انہوں نے اپنی طبع سلیم اور پاک فطرت کے ذریعہ حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کو اس وقت پہچانا جبکہ ایک ظاہر میں انسان ہرگز اُن کامیابیوں کو نظر میں نہیں لاسکتا تھا جو بعد میں خدا کے مسیح کو حاصل ہوئیں۔

جناب میر صاحب مرحوم کو خدا تعالےٰ نے جہاں روحانی افضال کا وارث بنایا ہوا تھا وہیں انہیں دنیاوی انعامات سے بھی حصہ وافر عطا کیا ہوا تھا۔ چنانچہ آپ نے ضلع کی سپرنٹنڈنٹی تک کا عہدہ حاصل کیا۔ یہ ترقیات آپ کو الحمدی سے ترقی کے نتیجہ میں حاصل ہوئیں۔ بعد ازاں اس عہدہ سے باعزت طور پر سبکدوش ہونے کے بعد رجسٹرار کے معزز عہدہ پر سرفراز ہوئے۔

ایک دن تہجد کی نماز بالاخانے کی چھت پر پڑھنے کے لئے اُٹھے اور دیر تک نماز میں مصروف رہے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد جب نیچے آئے تو کہا کہ میرے سینے میں کسی قدر درد معلوم ہوتا ہے اور اپنی لڑکی کو درد کی جگہ تیل کی مالش کرنے کو کہا۔ وہ مالش کرنے ہی لگی تھیں کہ انہوں نے درد کندھے کے قریب بتایا اور بتانے کے ایک آدھ منٹ بعد لمبا سانس آیا اور آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ

انتقال کے وقت جو ۱۵ نومبر ۱۹۱۸ء میں ہوا۔ آپ کی عمر پچاس (۵۰) سال سے متجاوز تھی۔ آپ بڑے ڈیل ڈول کے انسان تھے۔ چہرہ سے نور ٹپکتا تھا۔ نہایت منکسر المزاج، حلیم الطبع اور

رقیق القلب تھے۔ جلسہ سالانہ پر کئی ایک نظمیں نہایت درد اور رقت سے پڑھا کرتے تھے۔ آپ کی نظموں کے مضامین محض تخیل اور شاعرانہ نہیں ہوتے تھے بلکہ واقعات درد، دل سوز حقائق اور اخلاق سے بھرے ہوئے تھے۔ آپ کے پڑھنے کا طرز دردمندانہ اور مخلصانہ اور تصنع اور بناوٹ سے الگ ہوتا تھا جس سے حاضرین پر رقت طاری ہو جایا کرتی تھی۔

حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) نے ۱۸۹۱ء میں اپنی کتاب "ازالہ اوہام" میں آپ کا ذکر ان محبت بھرے الفاظ میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"سید صاحب محبِ صادق اور اس عاجز کے نہایت مخلص دوست کے بیٹے ہیں۔ جس قدر خدا تعالیٰ نے شعر و سخن میں قوت بیان ان کو دی ہے وہ رسالہ "قولِ فصیح" کے دیکھنے سے ظاہر ہوگی۔ میر حامد شاہ صاحب کے بشرہ سے علاماتِ صدق و اخلاص و محبت ظاہر ہیں۔ اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ وہ اسلام کی تائید میں اپنی نظم و نثر سے عمدہ عمدہ خدمتیں بجا لائیں گے۔ اُن کا جوش سے بھرا ہوا اخلاص اور اُن کی محبت صادق جس حد تک مجھے معلوم ہوتی ہے اس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ مجھے نہایت خوشی ہے کہ وہ میرے پرانے دوست میر حسام الدین صاحب رئیس سیالکوٹ کے خلف الرشید ہیں۔"

(ازالہ اوہام صفحہ) (منقول از اخبار الفضل ۲۳ نومبر ۱۹۱۸ء)

جناب چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف تحدیث نعمت میں صفحہ ۱۲۳ پر ایک واقعہ درج فرمایا ہے جس سے حضرت میر صاحب کی شخصی وجاہت اور حاکمانہ رعب و داب کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت چوہدری صاحب فرماتے ہیں:۔

"سید میر حامد شاہ صاحب ڈپٹی کمشنر کے فارسی دفتر کے سپرنٹنڈنٹ تھے۔ مسٹر ایبٹ ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ میں (حضرت چوہدری صاحب) کسی سلسلہ میں ڈپٹی کمشنر صاحب کے اجلاس کے کمرے میں موجود تھا۔ شاہ صاحب کچھ کاغذات پیش کر کے ان پر احکام لے رہے تھے۔ ایک رپورٹ پڑھی کہ آپ کی عدالت کے احاطہ میں آم کے درخت ہیں ان کا پھل اتنی رقم پر نیلام

ہوا۔ آپ کی منظوری کے لئے پیش ہے۔ مسٹر ایبٹ نے اپنے مخصوص درشت لہجہ میں کہا۔ "حامد شاہ کیا حکومت مجھے اڑھائی ہزار روپیہ ماہوار اس کام کے لئے دیتی ہے کہ میں ان چند روپوں کے متعلق رپورٹیں سنوں اور ان کی منظوری دوں۔ شاہ صاحب نے ان سے بھی بلند آواز میں جواب دیا۔" مجھے اس سے غرض نہیں۔ قواعد میں لکھا ہے کہ آپ کی منظوری ضروری ہے اور قواعد آپ کی منظوری سے بنے ہیں۔ یہاں دستخط کیجئے۔" مسٹر ایبٹ نے فوراً دستخط کر دیئے اور میری طرف مسکرا کر کہا: شاہ صاحب خفا ہو گئے ہیں۔"

(تحدیث نعمت صفحہ ۱۲۳)

مظہر۔ جناب شیخ محمد احمد صاحب کپورتھلوی

شیخ محمد احمد نام، مظہر تخلص۔ آپ نومبر ۱۸۹۶ء میں کپورتھلہ میں پیدا ہوئے۔ حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) نے بلا درخواست از خود یہ نام تجویز فرمایا جیسا کہ حضور کے مکتوب گرامی مندرجہ کتاب اصحاب احمد جلد چہارم صفحہ ۸۰ سے ظاہر ہوتا ہے۔ آپ کے والد ماجد حضرت منشی ظفر احمد صاحب حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کے ۳۱۳ رفقاء کی صف اولین میں شامل ہونے کا شرف رکھتے تھے۔ آپ کے جو حالات کتاب اصحاب احمد میں درج ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدائے عمر میں آپ کو شعر و سخن کا بھی ذوق تھا اور طبیعت رسا پائی تھی۔ لیکن جلد ہی اس سلسلہ کو ترک کر دیا اور دو چار نظموں کے سوا آپ نے مشق سخن جاری نہیں رکھی۔ شیخ صاحب۔ نے کتاب اصحاب احمد جلد چہارم میں کپورتھلہ میں شعر و سخن کی مجالس کے جو کوائف درج کئے ہیں اُن کے ضمن میں حضرت منشی ظفر احمد صاحب کی ابتدائی مشق سخن اور ترک شعر گوئی پر بھی روشنی پڑتی ہے اور خود شیخ صاحب کی شاعری کا مقصد بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہم اُس حصہ مضمون کو یہاں نقل کر دینا مناسب خیال کرتے ہیں۔

شعر و سخن کی مجالس اور کپورتھلہ کے کوائف

کپورتھلہ میں شعر و سخن کا بڑا چرچا تھا۔ وجہ یہ کہ ابتداء سے ہی یوپی کے بیس پچیس خاندان روزگار کے سلسلہ میں یہاں آکر سکونت پذیر ہو گئے اور اتفاق سے ایک ہی محلہ میں آباد تھے جو ہندوستانیوں کا محلہ کہلاتا تھا۔ اُن کی آپس میں برادری، لین دین اور زبان و تمدن قائم رہا۔ مولوی محمد حسین صاحب آزاد اُن دنوں گورنمنٹ کالج لاہور میں پروفیسر تھے اور اپنے ایک شاگرد حکیم جعفر علی صاحب بیمار کی وجہ سے کپورتھلہ اُن کی آمد و رفت تھی۔ مشاعرے ہوتے تھے اور بعض دفعہ آزاد صدر مشاعرہ ہوتے تھے طرح پر

نظمیں کہی جاتی تھیں۔ اسی طرح ایک مشاعرے میں والد صاحب نے بھی ایک غزل پڑھی۔ والد صاحب کی نو عمری کا عالم تھا۔ تین شعر مجھے والد صاحب کے ایک دوست کی زبانی یاد ہیں۔ ؎

دشت میں بھی نہیں ملتا دلِ وحشی کا سراغ
ہم نے ہر خار کا پھر پھر کے ٹٹولا پہلو

خوابِ راحت سے کہیں چونک نہ اٹھے مجنوں
ابھی لینا نہ خدا کے لئے لیلیٰ پہلو

اس دوسرے شعر پر آناد پھڑک اُٹھے اور یہ شعر حاصل مشاعرہ قرار پایا۔ تیسرا شعر یہ تھا۔

نگہ بد سے ظفر دیکھ سکے کیا بدبین
میرے ہر شعر کا پہلو ہے چھری کا پہلو

اس زمانے میں اسی قسم کے مشاعرے ہوتے تھے اور گرامی جو بعد میں حیدر آباد دکن کے ملک الشعراء ہوئے اور اُن کے رشتہ دار ترکی جو ریاست نابھ کے درباری شاعر ہوئے۔ دونوں کپورتھلہ ہی میں رہتے تھے۔ علم و ادب کی صحبتیں ہوتیں اور یہ دونوں فارسی کے اعلیٰ شاعر تھے۔

کپورتھلہ میں مشاعروں کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔ بعد کے زمانوں میں حفیظ جالندھری بھی کپورتھلہ کے مشاعروں میں شامل ہوتے تھے۔ شاہنامہ اسلام پہلی دفعہ انھوں نے کپورتھلہ ہی میں سنایا۔ غرض یہ ہے کہ کپورتھلہ میں ایک بہت عمدہ علمی ماحول تھا اور سب لوگ بڑی خوشی سے شرکت کرتے تھے۔ اور یہ گویا ایک مشترکہ پلیٹ فارم تھا۔ خود راجہ صاحب کو زبان کا بہت شوق تھا اور بہت سی زبانیں وہ خود جانتے تھے۔ راجہ صاحب کا خاندان مسلمان استادوں سے عربی اور فارسی پڑھتا تھا۔ اس لئے اسلامی لٹریچر کا ہر جگہ اثر تھا۔ ہندو بڑے شوق سے فارسی سیکھتے تھے۔ راجہ صاحب کا حکم تھا کہ تحریر و تقریر میں خالص زبان استعمال کی جائے۔ یعنی اُردو میں انگریزی کا لفظ ہرگز استعمال نہ ہو۔ اور اسی طرح انگریزی میں اُردو کا نہ ہو۔ اگر کوئی اس کے خلاف کرتا تو راجہ صاحب چڑ جاتے۔ یہ امر علمی فروغ کا باعث ہوا۔ بعض دفعہ آل انڈیا مشاعرے بھی کپورتھلہ میں ہوتے تھے جن میں حکومت کی طرف سے پوری امداد اور تعاون بہم پہنچایا تھا۔

ہندوستان بھر کے مشہور ادیب و شاعر جمع ہوتے تھے۔ ۱۹۴۷ء تک یہ سلسلہ کسی نہ کسی رنگ میں جاری رہا لیکن پھر ؎

صبح تک وہ بھی نہ چھوڑی تو نے اے بادِ صبا
یادگارِ رونقِ محفل تھی پروانے کی خاک

کپورتھلہ کے حالات میں اس لیے بیان کر رہا ہوں کہ اُس ماحول کا اندازہ ہو جہاں پر حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کے خدام اولین رہتے تھے۔ ریاست کی آبادی میں ۶۵ فیصد مسلمان تھے۔ اسلامی علم، ادب اور تمدن کا اثر تھا۔ مسلم اور غیر مُسلم ایک دوسرے کی تقریبات میں شریک ہوتے تھے۔ بیاہ شادی کے موقعہ پر ایک دوسرے کو تنبول دیتے کھانا اکٹھے کھاتے اور ہر محفل میں رواداری کا رنگ تھا۔

ترک شعر گوئی

والد صاحب کے متعلق ذکر شعر و سخن تھا۔ مندرجہ بالا اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ طبیعت رسا تھی۔ لیکن دو چار نظموں کے سوا اور وہ بھی نو عمری میں۔ آپ نے مسلسل مشق سخن نہیں کی بلکہ حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کی خدمت میں باریاب ہونے کے بعد شعر گوئی کو ترک کر دیا جیسا کہ مندرجہ ذیل واقعہ سے ظاہر ہے۔

"خاکسار کی بہت چھوٹی عمر تھی اور ساتویں جماعت میں پڑھتا تھا کہ میں نے تُک بندی کے طور پر ایک غزل لکھی اور جیسا کہ بچوں کو شوق ہوتا ہے۔ والد صاحب کے ایک دوست کو سُنائی۔ اس دوست نے والد صاحب کے پاس شکایت کے رنگ میں یہ بات پہنچائی کہ اِس لڑکے کو شعر کہنے سے باز رکھا جائے۔ اُس وقت والد صاحب نے مجھے کچھ نہیں کہا لیکن کچھ عرصہ بعد چلتے چلتے ایک دن متبسم ہو کر میرے چہرے پر نظر ڈالی اور فرمایا "تم شعر کہا کرتے ہو؟" میں نے شرم سے آنکھیں نیچی کر لیں۔ پھر خود ہی فرمانے لگے کہ ہم تو اسے (یعنی شعر گوئی کو) لغو کام سمجھ کر چھوڑ چکے ہیں تمہیں اگر شوق ہے تو سلسلہ احمدیہ کی خدمت کے لئے شعر کہہ لیا کرو۔ یہ بات دل میں گھر کر گئی اور میں نے بعد میں جب اُردو اور فارسی میں شعر کہنے شروع کئے تو والد صاحب کی یہ نصیحت ہر شعر کہتے وقت میرے سامنے سنگ راہ اور مشعل ہدایت تھی۔ میں مشاعروں میں بھی شریک ہوا اور طرحی اور غیر طرحی نظمیں لکھیں لیکن مروجہ رنگ تغزل سے ہمیشہ مجتنب رہا اور سلسلہ حقہ کی تائید میں لکھنے کی توفیق اِسی نصیحت کی بدولت ملی۔ فالحمد للہ علی احسانہٖ۔" (اصحاب احمد ص۹ تا ص۱۱)

فارسی مجموعہ کلام "دردِ درمان" کے عرضِ حال میں شیخ صاحب اپنی منظوم تعلیقات پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں۔

"خاکسار کی کوشش رہی ہے کہ نظم عنوان کے مطابق ہو اور اشعار میں ربط و ترتیب قائم رہے اور مضمون بڑھتا جائے۔ ظاہر ہے کہ نظم میں ان پابندیوں سے عہدہ برآ ہونا بہت مشکل کام ہے بالخصوص جب مثنوی کو چھوڑ کر دیگر اصنافِ سخن میں قافیہ و ردیف کی پابندی کے ساتھ آسان یا مشکل زبان میں نظم لکھی جائے۔ اور بعض نازک مراحل سے گزرنا پڑے اور دینی لحاظ سے حفظِ مراتب اور آداب کا فرض عائد حال ہوتا ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک بالکل علیحدہ ترین شعر ہے جہاں یہ صورت درپیش رہتی ہے کہ ؎

عرفی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحراست
آہستہ کہ رہ بردمِ تیغ است قدم را

ہشیار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن
نعتِ شہِ کونین و مدیحِ کے وجم را

حق بات یہ ہے کہ احمدیت کا تعلق حقائق، واقعات اور صداقت سے ہے نہ کہ بیکار پروازِ تخیل سے۔ اعلیٰ صداقتیں جن کا تعلق فطرتِ انسانی سے ہے اور جو حقیقی طور پر شعر کا موضوع ہیں مروجہ شاعری پورے طور پر ان سے ہمکنار نہیں۔ اور اگرچہ شعر حسن و عشق کے شبستانوں سے نکل کر ملکی اور قومی خدمت کے میدانوں میں گامزن ہو چکا ہے۔ لیکن اس کے لئے ابھی روحانیت کی فلک پیمائی باقی ہے۔ یہ عاجز اُن مضامین کا قیاس و شمار بھی نہیں کر سکتا جن سے احمدیت کا دامن مالامال ہے ؎

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار
گلچینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

خاکسار اپنے مدعا کو ایک مثال کے ذریعہ واضح کرنا چاہتا ہے۔ اُردو اور فارسی شاعری میں "حقیقی نعت" کا سرمایہ بہت کم ہے کیونکہ یہ وہ فضا ہے جہاں محض تخیل کی

پرواز اور زورِ کلام کام نہیں دے سکتے اور جب تک قال حال سے رنگین نہ ہو اس بحرِ حقیقت میں شناوری محال ہے۔ حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کا کلام اردو فارسی اور عربی حمد و نعت میں، صفاتِ باری تعالےٰ کے بیان میں، قرآنِ شریف کی مدح میں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق معجزات، تاثیرات، انوار و برکات اور قوتِ قدسی کے بیان میں یہ مضامین ہیں جن میں فصاحت و بلاغت اور اُسوۂ حسنہ ہے جس کی احمدیت کی شاعری مرکز ہے۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ" ؎

این سخن پایان ندارد باز گرد "

شیخ صاحب نے ۱۹۱۶ء سے ۱۹۲۳ء تک اُردو نظمیں لکھیں جن میں سے اکثر روزنامہ الفضل، قادیان میں شائع ہو چکی ہیں ۱۹۲۳ء کے بعد آپ نے زیادہ تر فارسی میں کہا اور اردو میں لکھنے کا موقعہ کم ملا۔ آپ کا فارسی مجموعہ کلام "درد و درمان" کے نام سے ۱۹۵۹ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکا ہے لیکن اردو کلام کا کوئی مجموعہ شائع نہیں ہوا۔ بقول غالب آپ کا بھی یہی ارشاد ہے ؎

بگذر از مجموعۂ اُردو کہ بیرنگِ من است

فارسی میں آپ کو حضرت مولانا عبید اللہ بسمل گورداسپوری سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ تقسیم ملک کے بعد آپ کپور تھلہ سے ہجرت کر کے پاکستان کے مشہور شہر فیصل آباد (لائل پور) میں سکونت پذیر ہو گئے اور وکالت کا جو معزز پیشہ ۱۹۲۱ء میں کپور تھلہ میں شروع کیا تھا وہ اب تک قائم ہے اور پاکستان کے کامیاب ترین اور چوٹی کے وکلاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ انگریزی زبان میں آپ کی دو کتابیں "ام الالسنہ" کے موضوع پر چھپ کر شائع ہو چکی ہیں اور ایک کتاب امریکہ کا ایک مشہور ادارہ اپنے خرچ پر دوبارہ شائع کر رہا ہے۔

تذکرہ شعرائے پنجاب (فارسی) شائع کردہ اقبال اکیڈمی کراچی میں خواجہ عبدالرشید صاحب مؤلف کتاب نے شیخ صاحب کا تذکرہ بدیں الفاظ کیا ہے۔

" پدرش ظفر اللہ در کپورتھلہ مامور امور آن ریاست بود و منصب منشی گری را بعہدہ

خود داشت. محمد احمد باتفاق پدر خود بمجالس سخن وشعر ہم میرسانید در ہمان زمان ذیت بہ شعر پیدا کرد۔ پدرش میخواست کہ محمد احمد از غزل اجتناب کند فقط بسرودن نظم ہا و مثنوی ہا بپردازد وبہمین جہت باو اجازت داد کہ شاعری آغاز کند۔ در ایام جوانی خود بہ لاہور رسید وبعد از پایان تحصیلات خود بہ شغل وکالت دادگستری درآمد۔ در زبان اُردو سرایدہ ے در زبان فارسی تلمیذ حضرت تبسّم بود۔ در تاریخ گوئی ہم ماہر است. الحال در شہر لائلپور زندگی می کند۔ دیوان خود را تحت عنوان " درد و درمان " بچاپ اسانیدہ است۔ انتخاب زیر از ہمان جا است "۔

(ترجمہ) آپ کے والد (حضرت) منشی ظفر احمد صاحب ریاست کپورتھلہ میں منشی تھے. محمد احمد اپنے والد کے ہمراہ مجالس شعر وسخن میں حاضر رہتے۔ اس لئے اوائل عمر میں شاعری سے لگاؤ پیدا کر لیا۔ اُن کے والد صاحب کی خواہش تھی اور اسی شرط پر انھوں نے محمد احمد کو شاعری کی اجازت دی کہ وہ غزل سرائی سے مجتنب رہ کر صرف نظم اور مثنوی کی صنف کو اختیار کریں گے۔ جوانی کے ایّام میں لاہور پہنچے حصول تعلیم کے بعد وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ اُردو میں شعر کہتے ہیں۔ فارسی میں حضرت تبسّم کے شاگرد ہیں۔ "

آپ نے اپنے ایک مکتوب گرامی میں خاکسار کو تحریر فرمایا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو) خاکسار سے بہت محبت وشفقت فرماتے تھے اور قبلہ حافظ[1] صاحب میرے سچے اور یک رنگ دوست تھے اور بہت قدر فرماتے تھے۔

[1] حضرت حافظ سیّد مختار احمد صاحب مختار شاہجہانپوری

نمونہ کلام

حضرت عمرؓ اور حضرت فضل عمرؓ میں ایک مشابہت

ایک دن کا ذکر ہے حضرت عمرؓ — تھے سوار اُشتر صحرا گذر
اتفاقاً تازیانہ جو گرا — خود اٹھایا ہاتھ سے نیچے اُتر
بسکتی ہے اسلام میں منع سوال — پاس خود داری یہ تھا پیشِ نظر
سطوت و جبروت کا عالم یہ تھا — سلطنت خادم سے تھی تا باختر
افسر شاہی تھا گو زیب — سادگی تھی طرّۂ — تر
تھی امیری اور فقیری ایک جا — ہوتی تھی گنجے قناعت پر بسر
یہ تھا — قول پاک سید والا گہر

خود فرود آ الاشتر مثلِ عمرؓ
"الحذر از منت غیر الحذر"

۲

عازم یوروپ ہوئے فضلِ عمر — باندھا اپنے ہاتھ سے رختِ سفر
سرو قد موجود تھے صد ہا غلام — جان و دل حاضر تھے گو اُٹھتی نظر
خادموں کو خاکساری کا سبق — تھا زبانِ حال سے دینا مگر
خاکساری جوہر اہلِ کمال — خاکساری اسوۂ خیر البشر
یہ فقیری اور امیر المومنین — پانی پانی ہے مرا قلب و جگر
مال و جان و دل ہوں جس کے وقف میں — قرض لے کر — ہو رختِ سفر

۳

منہمک مضمون نگاری میں ہوئے — تھے رواں دست و قلم شام و سحر
بے خودی کا بن گئے مضمون خود — اپنی ہستی کی نہ تھی کوئی خبر

کون ہے مجھ سے نکما آدمی
کہتے ہیں مسند خلافت کی جسے
داعیِ اسلام اُس کا نام ہے

ہے یہ فرمانِ شہِ عالی نظر
آسماں کی جھک پڑے اس سے کمر
طے کرے جو کوہ و صحرا بحر و بر

ناصرؔ حضرت میر ناصر نواب صاحب دہلویؒ

حضرت میرؔ ناصر نواب صاحب دہلی کے ایک مشہور خاندان سادات میں سے تھے۔ اور حضرت خواجہ میر دردؔ علیہ الرحمۃ کے نواسے تھے جو دہلی میں ایک مشہور صوفی اور شاعر گزرے ہیں۔ حضرت میر صاحب نے اپنے حالاتِ زندگی کا ایک اجمالی بیان "تحدیث نعمت بزبانِ ناصرؔ" کے عنوان سے تحویز فرمایا تھا جسے حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے شائع کر دیا تھا۔ چیدہ چیدہ واقعات ملاحظہ ہوں۔

• حضرت میر صاحب کی زندگی میں اُن کے توکل اور الٰہی دستگیری کے عجیب و غریب کرشمے نظر آتے ہیں۔ کس طرح پر انھوں نے خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے ایثارِ نفس اور قربانی سے کام لیا ہے۔ اور خدا تعالےٰ کے مامور و مرسل حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کے ساتھ تعلق و رشتہ نے انہیں کس طرح زندہ جاوید بنا دیا۔ بنا دیا۔ فرماتے ہیں۔

"زمانہ بھی عجیب چیز ہے ایک زمانہ تھا میں نہ تھا اور ایک زمانہ آیا کہ میں پیدا ہوا۔ اور دلّی شہر میں جنم لیا۔ خواجہ میر درد صاحب علیہ الرحمۃ کے گھرانے میں پیدا ہو کر نشو ونما پایا اور ان کی بارہ دری میں کھیل کود کر بڑا ہوا۔ ان کی مسجد میں پڑھا کرتا تھا۔ ماں باپ کے سایہ میں پرورش پا رہا تھا۔ کوئی فکر و اندیشہ دامن گیر نہ تھا کہ ناگہاں میرے حال میں ایک تبدیلی پیدا ہوئی جس کا بظاہر کسی کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ اتفاقاً میرے والد ماجد کسی کام کے لئے بنارس تشریف لے گئے

اور شاہ آباد (آرہ) میں اُن کا انتقال ہو گیا (ہیضہ سے) اور میں مع اپنی ہمشیرہ کے یتیم رہ گیا۔"

حضرت میر صاحب قبلہ کو خدا تعالےٰ نے ذہن رسا عطا فرمایا تھا اور آپ شاعرانہ فطرت لے کر پیدا ہوئے تھے۔ آپ شاعر تھے مگر آپ کی شاعری نے گل و بلبل اور زلف و کاکل کی پیچیدگیوں میں گرفتار ہونا کبھی پسند نہیں کیا تھا۔ آپ جب بھی شعر کہتے دین کے جوش اور شوق سے کہتے تھے اور ایسے شعر کہتے جو اپنی سلاست کے ساتھ تاثیر میں ڈوبے ہوتے تھے۔

انجمن اسلام لاہور کا جب نیا نیا دور شروع ہوا تو لوگوں کو اس کی طرف قدرتی کشش تھی۔ اس کے سالانہ جلسے بڑی دھوم دھام سے لاہور میں ہوتے تھے۔ حضرت میر صاحب قبلہ بھی انجمن کے جلسہ میں شریک ہوئے اور آپ نے ایک نظم پڑھی سے

پھولوں کی گر طلب ہے تو پانی چمن کو دے
جنت کی گر طلب ہے تو زر انجمن کو دے

یہ نظم بہت پسند کی گئی اور انجمن کو نظم کے وقت بہت سا روپیہ وصول ہوا۔ دوسرا موقعہ حضرت میر صاحب کو جلسہ مذاہب میں اپنی نظم پڑھنے کا ملا۔ اس نظم میں جلسہ کے اغراض و مقاصد کو نہایت خوبی سے بیان کیا۔ اس کے بعد اپنی جماعت کے اجتماعات پر آپ کو اپنی نظم سنانے کا موقعہ ملا۔ ان نظموں میں ہمیشہ پند و نصائح ہوتی تھیں بعض نظمیں انہوں نے مظاہر قدرت پر بھی لکھی ہیں اور ایک نظم آپ نے "الصدق ینجی والکذب یھلک" کے عنوان سے پنجاب گزٹ سیالکوٹ میں شائع کرائی تھی۔

یہ تو وہ زمانہ تھا جب نانا جان (حضرت میر ناصر نواب صاحب) سلسلہ کے متعلق ابتدائی منزلیں طے کر رہے تھے۔ اُس کے بعد اُن پر دوسرا دور آیا اور وہ اخلاص کے ساتھ سلسلہ میں داخل ہوئے اور اب انہوں نے سلسلہ کے تلخ و دشنام دینے والے دشمنوں کے جواب کے لئے اپنے خداداد جوہر سے کام لیا اور لدھیانہ کے ایک نہایت گندہ دہن مخالف کے جواب کا تہیہ کیا۔ حضرت نانا جان یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ کوئی شخص سلسلہ کے خلاف اُن کے

سامنے کوئی بات کہہ سکے اور وہ اس کا جواب نہ دیں ۔ اپنی شاعری سے بھی انہوں نے یہ کام لیا ۔ لدھیانہ میں جیسا کہ اُوپر بیان ہوا ایک سخت معاند رہتا تھا اور لطف کی بات یہ ہے کہ نانا جان کو ایک زمانہ میں اس سے محبت تھی ۔ وہ اہل حدیث تھا اور خود میر صاحب بھی اہل حدیث تھے اور بوجہ اس کے نومسلم ہونے کے اس سے محبت کرتے تھے ۔ اس نے حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کے خلاف جب گندی مخالفت کا سلسلہ شروع کیا اور ایک دو دشنام آمیز مثنویاں لکھ کر اپنے اندرونہ کا اظہار کیا تو حضرت نانا جان نے حسان بن ثابت کا کام لیا اور اس کے ہجو آمیز کلام کا جواب لکھا اور ایسا لکھا کہ وعلیہ ۔ بظاہر یہ معلوم ہوگا کہ نانا جان نے ہجو کی ہے مگر آپ کی یہ ہجو سب و شتم پر مشتمل نہ تھی بلکہ مدافعت تھی اور وہ بھی نہایت عمدہ پیرایے میں ۔ حضرت نانا جان کے ایسے کلام میں شاعرانہ نکات بھی ہوتے تھے ۔ آپ کا کلام نہایت معقول اور قابل قدر ہوتا تھا ۔ مذکورہ بالا جوابی اور مدافعانہ نظم کے چند اشعار یہ ہیں ۔

اک سگ دیوانہ لدھیانہ میں ہے ۔۔۔ آج کل وہ خوشتر فانہ میں ہے
مومنوں کا لاعن و طاعن بنا ۔۔۔ کھل گیا سب اُس کا نومسلم پنا
شاعری پر اُس کو اپنی ناز ہے ۔۔۔ ہے وہ شاعر یا کہ چکڑ باز ہے
اُس کی بربادی کے ہیں آثار یہ ۔۔۔ دن بدن ہوگا زیادہ خوار یہ
گر یہ نا ز آیا تو ہووے گا ذلیل ۔۔۔ اُس پہ نازل ہوگا ہر دم قہر ایل سلہ

سلہ (اللہ)

غرض نانا جان نے اس کے جواب میں ایک طویل نظم لکھ کر مخالفین پر حجت پوری کی اور اس کے خاتمہ پر ایک دُعا لکھی جس کے دو شعر یہ ہیں ؎

اے خدا کر حق کو ظاہر زور تر ۔۔۔ دُور کر دنیا سے باطل کا اثر
اپنے مرسل کی مدد کر اے خدا ۔۔۔ دن ہمیں تو کامیابی کا دکھا
اپنی نصرت سے ہمیں کر کامیاب ۔۔۔ کر دُعاؤں کو ہماری مستجاب

اُن کے کلام میں حرارت ہوتی تھی مگر یہ حرارت فن کی حرارت اور ایمانی غیرت کے نتیجہ

میں ہوتی تھی کیونکہ وہ کسی بدگو سے سلسلہ کی بدگوئی نہ سُن سکتے تھے۔ القصہ ان کا کلام پند ونصائح اور تحریک نیکی وسعادت، دشمنوں کے ناپاک اعتراضات کے جواب، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر مبنی ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ اللہ تعالےٰ کے اسماء کو انہوں نے بطور دُعا نظم کیا اور اسی طرح ایک مرتبہ حضرت نانی اماں کے فضائل حمیدہ کا تذکرہ کیا۔ حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) آپ کے کلام کو پسند فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت میر صاحب کی ایک نظم کو "آریہ دھرم" میں بھی جگہ دی گئی۔

آریہ مقتول پنڈت لیکھرام کے واقعہ قتل کو (جو اللہ تعالیٰ کا ایک زبردست نشان ہے) حضرت نانا جان نے نظم کیا اور شائع کیا۔ یہ کتاب عام طور پر بہت پسند کی گئی۔ اس کی زبان نہایت سلیس، شیریں اور مؤثر ہے۔ بعض نادانوں نے حضرت میر صاحب کے کلام میں سختی کا احساس کیا ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں۔ اُن کی سختی کی حقیقت بیان کی جا چکی ہے۔ اُن کے کلام میں سختی نہ ہوتی تھی۔ آئینہ حق نما کو پڑھو تو معلوم ہوگا کہ کیسا لطیف و مؤثر کلام ہے۔ غرض آپ نے اس خداداد جوہر سے خوب کام لیا اور بقول حضرت صاحب۔ ؎

سیف کا کام قلم ہی سے دکھایا ہم نے

حضرت میر صاحب زبردست قوت مناظرہ کے مالک تھے۔ طرز استدلال قومی تھا۔ اگر میر صاحب کا سارا کلام جمع کیا جائے تو ایک ضخیم جلد تیار ہو سکتی ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

"مناجات ناصر" کے نام سے ایک دعائیہ نظم

بس مشکلات میں ہوں مشکل کشا تو ہی ہے — محتاج ہوں میں تیرا حاجت روا تو ہی ہے

دکھ درد ہیں ہزاروں کس کس کا نام لوں میں — بندہ ہوں میں تو عاجز، میرا خدا تو ہی ہے

سچے رسول تیرے سچی تیری کتابیں — سب گمرہوں کا لیکن اک رہنما تو ہی ہے

سد اطبیب حاذق لاکھوں ہی ہیں دُنیا میں — لیکن میرے پیارے دل کی دوا تو ہی ہے

بکھہ بھی ہیں تو آتا تجھ بن نظر نہیں ہے — پوشیدہ بھی تو ہی ہے اور برملا تو ہی ہے

تیرے سوا نہیں ہے معبود کوئی ہرگز
قربان جس پہ دل ہیں وہ دلربا تو ہی ہے

جو تیرے پاس آیا اُس نے ہی لطف پایا
کل بے وفا ہے دُنیا اک باوفا تو ہی ہے

اُمّت رسول کی ہے مہدی کا ہے یہ فرقہ
کشتی میں تیری بیٹھے اب ناخدا تو ہی ہے

ہم کو نہ غرق کرنا غیروں سے فرق کرنا
سب ہیں ہمارے دشمن اک آشنا تو ہی ہے

دوسری نظم "حرم محترم" کے عنوان سے

اے میرے دل کی راحت میں ہوں ترا فدائی
تکلیف میں نے ہرگز تجھ سے کبھی نہ پائی

صورت سے تیری بڑھ کر سیرت میں دلربائی
میں ہوں شکستہ خاطر اور تو ہے مومیائی

مجھ کو نہ چین تجھ بن بے میرے سکھ نہ تجھ کو
میں تیرے غم کا دارو تو میری ہے دوائی

تو لعل بے بہا ہے انمول ہے تو موتی
ہے نقش میرے دل پہ بس تیری پارسائی

اب یہ دُعا ہے میری دن رات صدق دل سے
ناصر کی اس دعا کو حق تک ملے رسائی

حضرت میر صاحب قبلہ کا تعلق تو حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) سے اُس وقت سے تھا جبکہ ابھی آپ نے کوئی دعویٰ بھی نہ کیا تھا۔ حضرت میر صاحب مٹھیالی والی نہر پر اوورسیر تھے اور حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور اپنے اس وقت کے اخلاص ومحبت سے کبھی بعض تحائف بھی لے آتے تھے۔ اور پھر رشتہ کے بعد بھی ایک دوسرا تعلق قائم ہوگیا تھا۔ لیکن حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) نے جب خدا تعالیٰ کی وحی سے مسیح اور مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تو ان کو پرانے اعتقادات کی بناء پر آپ سے اختلاف ہوا اور الحبُّ للہ والبغض للہ کے عامل ہوتے ہوئے انہوں نے دنیوی رشتہ کی بھی پرواہ نہ کرتے ہوئے حضرت کی مخالفت کی اور علی الاعلان مخالفت کی۔ یہ مخالفت اُن کی حقیقت کی موید ومظہر ہے۔ انہوں نے جب تک آپ کے دعاوی کو سمجھا نہیں یا محض رشتہ کے تعلقات کی بناء پر قبول کرنے سے انکار کیا۔ اور نہ صرف انکار بلکہ ان پر اصرار اور اصرار ہی نہیں مخالفت کا اظہار اپنے قلم سے کیا۔ مشہور مخالف مولوی محمد حسین بٹالوی نے ان کی نظموں کو بڑے فخر سے اپنے رسالہ میں شائع کیا۔ لیکن ۱۸۹۳ء میں ماہ دسمبر حضرت

میر صاحب قبلہ کے لئے ابرِ رحمت بن کر آیا اور ان کے تمام حجاب دُور ہو گئے۔

حضرت میر صاحب قبلہ کا خاندان ماں اور باپ دونوں کی طرف سے نہایت ذی شان اور صاحب وجاہت ہے اور اس میں جسمانی اور روحانی دونوں خوبیاں موجود ہیں۔ حضرت میر صاحب سندی کرنسب ہیں۔ سید ہیں اور آپ کے بزرگ حکومت اسلامی میں ایک شاندار اثر اور حصہ رکھتے آئے ہیں۔ اُن کے والد ماجد کا نام ناصر امیر تھا اور دادا کا نام میر ہاشم علی۔ خان دوران خان جو نادر شاہ کے مقابلہ میں شہید ہوئے۔ حضرت میر صاحب کے جدِ امجد کی چوتھی پشت میں تھے۔ وہ سید تھے لیکن شاہی خطاب خان تھا۔ میر صاحب کے نانا محمد نصیر عرف حضرت صاحب تھے جن کے نانا حضرت میر درد رحمت اللہ علیہ تھے۔ (منقول از حیات ناصر بار اول دسمبر ۱۹۲۷ء)

حضرت میر صاحب کی دخترِ نیک اختر نصرت جہاں بیگم جو حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو جانے کے بعد بمنشاء ایزدی حضرت اماں جان کے معزز لقب سے سرفراز ہوئیں نہایت ہی نیک خصلت، ہمدرد خلائق اور ناصح الناس وجود تھیں جن کے تقویٰ طہارت باطنی اور توکل علی اللہ کی تمام جماعت شاہد ہے۔

حضرت میر صاحب کے دو صاحبزادگان حضرت میر محمد اسماعیل صاحب اور حضرت میر محمد اسحٰق صاحب تھے۔ اول الذکر ایک حاذق طبیب اور ایک قادر الکلام نغز گو شاعر تھے جو عرصہ تک سول سرجن کے معزز عہدہ پر فائز رہ کر خدمت خلق کے فریضہ کو باحسن وجوہ انجام دیتے رہے۔ آپ کا مجموعہ کلام "بخار دل" کے نام سے شائع ہو کر اپنوں اور پرایوں سے دادِ فصاحت و بلاغت وصول کر چکا ہے اور اس قابل ہے کہ سالک راہ اس کو حرزِ جاں بنائیں اور تقویٰ شعار اس سے راہ نجات حاصل کریں۔

ثانی الذکر حضرت میر محمد اسحاق صاحب سلسلہ کے ایک جید عالم اور بلند مرتبہ شیخ الحدیث تھے جو مدت العمر سلسلہ کی خدمات بجا لاتے رہے اور جس کے درس حدیث نے لاکھوں قلوب کے اندر عشق رسول کی جوت جگا دی۔ ہر دو بزرگ ہستیوں کے مفصل کوائف اپنی اپنی جگہ بیان کئے جائیں گے

وفا۔ جناب عبد الستار خان صاحب شاہ آبادی

جناب عبد الستار خاں صاحب حضرت حکیم محمد انوار حسین خاں صاحب کے منجھلے صاحبزادے تھے حضرت حکیم صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ابتداء ہی سے حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کی تصدیق کی توفیق عطا فرمائی اور آپ کو حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کے ۳۱۳ اولین رفقاء میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ شاہ آباد ضلع ہردوئی (یوپی) کے رئیس تھے۔ اور ایک سعید الفطرت انسان تھے آپ نے حضرت مسیح پاک کی پہلی معرکۃ الآراء تصنیف براہین احمدیہ کے مطالعہ کی سعادت حاصل ہوتے ہی حضرت صاحب کی خدمت میں بیعت کا عریضہ ارسال کیا۔ حضور نے جواباً ارشاد فرمایا کہ مجھے بیعت لینے کا حکم نہیں ملا۔ لیکن حکیم صاحب نے مسیح موعود سے مریدانہ عقیدت کے اظہار میں کوئی کمی نہ آنے دی اور عقیدت مندی کے اظہار کے طور پر حضور کی خدمت میں پانوں اور آموں کا تحفہ ارسال کرتے رہے۔

بعد ازاں جب بحکم الٰہی حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) نے بیعت کا اعلان فرمایا تو حکیم صاحب نے ۱۸۹۱ء میں بمقام لدھیانہ حضور کے دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ حضور نے آئینہ کمالات اسلام میں ص۶۲۱ پر اور انجام آتھم میں ص۵۲ پر ۳۱۳ رفقاء کی فہرست میں حکیم صاحب کا نام تحریر فرمایا ہے۔ حکیم صاحب موصی تھے اور ۱۹۳۱ء میں وفات پاکر مقبرہ بہشتی قادیان میں مدفون ہوئے۔

عبد الستار خاں صاحب حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے ہم جماعت تھے وہ ایک باذوق اور صاحب علم انسان تھے۔ علی گڑھ میں وہ حضرت مولوی محمد دین صاحب صدر، صدر انجمن احمدیہ ربوہ اور حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب مرحوم کے ساتھ بی اے تک تحصیل علم کرتے رہے۔ وہ ایک خاندانی رئیس تھے اور آموں کے باغات اُن کی زیر ملکیت تھے اس لئے وہ ان ہر دو مذکورہ بزرگوں کو شاہ آباد لے جاکر میزبانی کا شرف بھی حاصل کرتے رہے۔

ان کے بڑے صاحبزادے عبدالوہاب خان صاحب کراچی میں بعارضہ قلب ۱۹۷۶ء میں وفات پاکر اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے جس کا خان صاحب کو بڑا صدمہ ہوا اور خود بھی اسی غم میں بیمار پڑ کر صاحب فراش ہو گئے۔ اُن کے ایک صاحبزادے عبدالسلام خاں صاحب شاہجہانپور میں ایڈووکیٹ ہیں۔ دوسرے بیٹے عبدالحکیم خاں صاحب کراچی یو بی ایل میں وائس پریذیڈنٹ ہیں اور مکرم و محترم جناب عبدالمجید صاحب دہلوی (حال کراچی) کے داماد ہونے کا شرف رکھتے ہیں۔ وہ ایک نہایت نیک اور مخلص احمدی نوجوان ہیں ایک صاحبزادی بیگم صاحبہ ابراہیم خان صاحب آف کپور تھلہ ربوہ میں رہائش پذیر ہیں۔

عبدالستار خاں صاحب شعر بھی کہتے تھے اور وفا تخلص کرتے تھے۔ ان کا کلام روزنامہ "الفضل" اور سلسلہ کے دیگر پرچوں کی زینت بنتا رہا ہے۔

ہادیؔ۔ جناب حکیم سید عبد الہادی صاحب مونگھیری

حکیم سید عبد الہادی صاحب ۱۸۸۶ء میں مونگھیر صوبہ بہار میں پیدا ہوئے۔ آپ حضرت شاہ شرف الدین احمد یحییٰ منیری المعروف حضرت مخدوم بہاری علیہ الرحمۃ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ نے خواب میں حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کو دیکھا فرما رہے ہیں "ہادی بیعت کر لو"۔ چنانچہ خواب ہی میں حکیم صاحب نے حضرت صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ زمانہ ۱۹۰۹ء کا تھا۔ خواب سے بیداری کے بعد جنوری ۱۹۰۹ء میں حکیم صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح اول (اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو) کو بیعت کا خط لکھ دیا۔ اور اس طرح آپ کو حلقہ بگوش احمدیت ہونے کی توفیق ملی۔ ۱۹۱۰ء میں آپ طبیہ کالج لکھنؤ میں داخل ہوئے اور ۱۹۱۳ء میں فارغ التحصیل ہو کر سند طب حاصل کی۔ اسی دوران لکھنؤ میں خواجہ عزیز الحسن صاحب عشرتؔ سے جو اردو زبان کے مشہور شاعر تھے ملاقات ہوئی اور فطری میلان شعر کو مدد ملی۔ خواجہ صاحب کے اصرار پر مشق سخن کی ابتداء ہوئی اور رفتہ رفتہ ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے اس مقام تک پہنچ گئے۔ آپ کو حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب مختارؔ شاہجہانپوری سے ۱۹۱۵ء میں نیاز حاصل ہوا جو حضرت حافظ صاحب کی وفات تک قائم رہا اور ربوہ میں حکیم صاحب حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب مختارؔ شاہجہانپوری سے برابر ملتے رہے۔ حکیم صاحب کا مکان دار الصدر غربی (ب) میں تھا جو حضرت حافظ صاحب کے مسکن سے قریب تھا۔

نمونۂ کلام

نعت ختم المرسلینؐ

روئے زمین پہ دین کے سلطان تمہیں تو ہو
شمس و قمر سے بڑھ کے درخشاں تمہیں تو ہو

آئے تھے جس قدر بھی زمانے میں انبیاء
ہر شان میں سبھوں سے نمایاں تمہیں تو ہو

احسان آپ کا ہے ہر اک جان دار پر — خلقِ خدا میں رحمتِ یزداں تمہیں تو ہو
جور و جفا و ظلم و تعدی کے دور میں — ہم بیکسوں کے درد کے درماں تمہیں تو ہو
ابرِ سیاہ چھایا ہے دنیا میں ہر طرف — ظلمت کدے میں شمعِ فروزاں تمہیں تو ہو
دیں کا چمن تو بادِ خزاں سے ہے پائمال — شام بہار و صبح گلستاں تمہیں تو ہو

ہادیؔ پہ بھی نگاہِ کرم ہو رسولِ پاکؐ
اُس کی نظر میں آیتِ رحماں تمہیں تو ہو

وہ نور نہیں ہے شمعوں میں وہ سوز نہیں پروانوں میں
مفقود جہاں سے دونوں ہوئے قصے ہیں فقط افسانوں میں

وہ رنگ نہیں وہ روپ نہیں وہ نقشہ کہاں ہے عالم میں
حق بات یہی ہے ماضی کا اب خون نہیں انسانوں میں

خاموش چمن ہے دنیا کا وہ سوز نہیں اب بلبل میں
جب سے گزر صیادوں کا ہے رنگ قفس بستانوں میں

جس پیار و محبت سے رہتے ہیں سارے درندے آپس میں
اُس پیار و محبت کو ڈھونڈو کب پاؤ گے تم انسانوں میں

اے قصرِ طرب کے باشندو! اے جامِ ہوس کے متوالو
تم اجڑے دلوں میں بس جاؤ راحت ہے انھیں کاشانوں میں

جو رازِ محبت ہے مخفی انسان کی فطرت میں ہادیؔ
کھل جائے تو آنکھوں سے برسے گردش نہ رہے پیمانوں میں
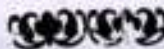
یوسف ۔ جناب قاضی محمد یوسف صاحب پشاوری

آپ یکم ستمبر ۱۸۸۳ء کو پیدا ہوئے ۔ قرآن کریم کی تعلیم گھر میں اور چند ایک باہر کے اساتذہ سے حاصل کی ۔ ۱۸۹۶ء میں ایڈورڈ مشن ہائی اسکول پشاور میں داخل ہوئے اور ۱۹۰۰ء تک پانچ جماعتیں پاس کیں ۔ پھر اسلامیہ ہائی اسکول پشاور میں منتقل ہو گئے ۔ جہاں سے آپ نے انٹرنس کا امتحان پاس کیا ۔ ایف اے آپ نے پرائیویٹ طور سے کیا ۔

آپ تمام عمر توریت ، انجیل ، کتب پارسی ، کتب آریہ سماج ، کتب [illegible] ، کتب مسیحیت ، تفاسیر ، احادیث ، کتب موافق و مخالف احمدیت زیر مطالعہ رکھتے رہے ہیں ۔ حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کی تحریری بیعت مولوی خادم حسین صاحب بھیروی نے ماسٹر غلام محمد صاحب بھیروی کے ایما پر کرائی ۔ ۱۵ جنوری ۱۹۰۲ء اخبار الحکم مورخہ ۲۸ فروری کی فہرست نومبایعین میں آپ کا نام شائع ہوا ۔ دستی بیعت ۱۹۰۳ء میں مسجد مبارک میں حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کے دست مبارک پر کی ۔

آپ زمانہ ملازمت میں نو سال گورنمنٹ ہاؤس پشاور میں ناظر رہے ۔ افسران بالا آپ سے بہت خوش رہتے تھے اور آپ کو قیمتی تحائف بھی دیتے تھے ۔

شہر پشاور میں آپ نے احمدیت کی تبلیغ برسرِ عام شاہی باغ ، مدارس اور دار الاقامہ میں شروع کی ۔ پشتو زبان میں اُس وقت تک آپ کے سوا کسی نے کوئی تحریر شائع نہیں کی تھی ۔ جماعت احمدیہ میں آپ نے ۱۹۱۲ء میں پہل کی اور قریباً پچاس کتب اور رسائل پشتو زبان میں تحریر کیے جو اکثر شائع شدہ ہیں ۔ ۱۹۰۵ء میں اُردو میں اور ۱۹۳۰ء میں فارسی میں آپ نے اور مرزا نذر علی صاحب نے تحریرات شائع کیں ۔ مرزا نذر علی صاحب کا خطاب شیعہ حضرات کے لئے مخصوص تھا اور سب سے پہلے قاضی صاحب نے

سب لوگوں کو مخاطب کیا۔ ۱۹۰۵ء سے فارسی، پشتو اور اُردو نظم میں (سرحد میں) صرف آپ نے تبلیغ احمدیت شروع کی۔ ۱۹۱۹ء میں مسئلہ وحی و نبوت پر از روئے وحی حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) "النبوۃ فی القرآن" اور "النبوۃ فی الالہام" تصنیف کی۔ ۱۹۱۱ء میں تمام علماء کو سو روپیہ کا وعدہ کرتے ہوئے چیلنج دیا کہ وہ نزول وحی، نزول جبریل اور اجرائے نبوت کا منقطع ہونا قرآن سے ثابت کریں۔ آپ نے تعمیر مساجد کا کام ۱۹۱۹ء میں سب سے پہلے شروع کیا۔ خلافت ثانیہ کی تائید میں صرف آپ نے جنوری ۱۹۱۵ء سے کامیاب تبلیغ کی۔ آپ نے مولانا حسن خان کی بیعت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سے کرائی اور انہوں نے مولوی محمد علی سے تعلق منقطع کر لیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول کی دُعا تھی کہ آپ عمر کی فوج کے افسر ہوں چنانچہ آپ کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے جماعت ہائے سرحد کا امیر الامراء مقرر کیا۔

آپ کی اُردو تصانیف

(۱) النبوۃ فی القرآن (۲) النبوۃ فی الالہام (۳) النبوۃ فی الاحادیث (۴) چیلنج در بارہ نبوت بوعدہ یک صد روپیہ۔ علاوہ ازیں آپ نے پچاس کے قریب ٹریکٹ، کتب اور رسائل شائع کئے۔

فارسی تصانیف

(۱) در عدن (۲) احمد موعود (۳) وفات عیسیٰ (۴) آیت خاتم النبیین اور تفسیر سلف صالحین (۵) فضیلت حضرت محمدؐ بر جمیع رُسل، عقائد احمدیت (نظم)

پشتو تصنیفات

(۱) تفسیر القرآن (۲) پشتو زبان کے قواعد (۳) در عدن (پشتو نظم) (۴) ابلاغ حق (نو رسائل کا مجموعہ) (۵) حقیقۃ المہدی (۶) الاسلام (۷) مطالبہ ربانیت از روئے آیات قرآنیہ (۸) حقیقۃ النبوۃ (۹) حقیقت المسیح (۱۰) معراج نبی (۱۱) دیوان پشتو (۱۲) چالیس متفرق ٹریکٹ و رسائل۔

آپ کی اُردو شاعری اس لحاظ سے قابلِ تحسین ہے کہ آپ کی مادری زبان پشتو ہے پھر بھی آپ سادہ اور مناسب اُردو زبان میں اپنا مافی الضمیر بخوبی ادا کر دیتے ہیں ۔

نمونہ کلام

مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات

آرزو ہے مرے اللہ کہ انسان بنوں
تیرے احکام کا پابند مسلمان بنوں

مرا آقا، مرا شارع ہو محمدؐ عربی
عالمِ دین بنوں، حاملِ قرآن بنوں

بیعتِ احمدِ موعود کا پابند رہوں
مثلِ بوبکرؓ و عمرؓ، مظہرِ عثمانؓ بنوں

تیرا احمد ہے محمدؐ کا بروز اور غلام
میں غلام اس کا ہوں تابعِ فرمان بنوں

احمدیت کی غرض میں نے جو سمجھی یہ ہے
پہلے انسان بنوں پیچھے مسلمان بنوں

میں جو آدم ہوں تو آدم کی حقیقت ہے خاک
جب میں ناری نہیں کیوں مظہرِ شیطان بنوں

عقل کا راہنما ہے ترا الہام و کلام
کیوں تری وحی کا منکر بنوں نادان بنوں

میں محمدؐ کو کہوں فوت مسیحا کو حیات
بات کہنے کی نہیں کیوں کہوں نادان بنوں

اپنی باتوں کو سمجھنے کی مجھے دے توفیق
میں سخن فہم بنوں اور سخن دان بنوں

اہلِ عالم کو سناؤں ترے دین کا مژدہ
میں مبلّغ بنوں اور داعیِ فرقان بنوں

اسود و احمر ابیض کا بنوں میں خادم
مصدرِ حُسن بنوں، منبعِ احسان بنوں

مومنوں کے لئے بن جاؤں سراپا رحمت
دشمنوں کے لئے نوح کا طوفان بنوں

تو مجھے اپنی محبت کا پلا دے شربت
میں تجھے چھوڑ کے کیوں عابدِ اوثان بنوں

میں جو یوسف ہوں تو اخوان کی شکایت کیسی
وہ جو چاہیں کریں میں یوسفِ کنعان بنوں

قادیان دار وفا تھا مجھے معلوم نہ تھا
اس کا ہر ذرّہ دوا تھا مجھے معلوم نہ تھا
حضرت احمد موعود جماعت کا امام
مورد وحی خدا تھا مجھے معلوم نہ تھا
بیعت احمد موعود سے ہر اک مومن
پیکر صدق وصفا تھا مجھے معلوم نہ تھا

ہر ایک ملک میں چمکا ہے نام احمد کا
ہر ایک قوم کو پہنچا پیام احمد کا
ہے جس کے دل میں خدا و رسول کی عزّت
ضرور کرتا ہے وہ احترام احمد کا

تبلیغ

دُنیا میں پھلے پھولے مسلمان کی تبلیغ
ہر قوم کو ہوتی رہے قرآن کی تبلیغ
امریکہ و یورپ میں ہوں تعمیر مساجد
مسجد کے مناروں سے ہو آذان کی تبلیغ

جناب غلام محمد صاحب اختر اوچ شریف

یاد حبیب

آقا ترے مزار پہ جاتا ہوں بار بار
شاید کہ سیلِ اشک سے دل کا دُھلے غبار

آنکھوں کے سامنے بھی ہے آنکھوں سے دور بھی
گویا ہے لطف دید بعید و حضور بھی

ہر بات یاد آ کے ستاتی ہے اس قدر
دن میرے بیقرار ہیں راتیں ہیں غم اثر

ہر لمحہ دل میں رنج و الم کا ہے اژدہام
اکثر تصورات میں ہوتا ہوں ہم کلام

تیری نگاہ جود و کرم کا وہ التفات
ہے جس کی یاد چشم و دل وجاں کی کائنات

ہم غمزدوں کو مل نہ سکے گی وہ عمر بھر
ٹکرا کے آسمان سے لوٹ آئے گی نظر

لیکن خدا کا شکر ہے تو بامراد تھا
مضبوط کر گیا ہے خلافت کا سلسلہ

جناب خانصاحب منشی نعمت اللہ صاحب اَنور بدایونی

ہمارا پیشوا رہبر ہمارا
سراپا راستبازی کا نشاں ہے

امیر المومنین محمود احمد
اولی العزمی میں یکتائے زماں ہے

خدا رکھے اُسے دائم سلامت
ہمارا پیر اَب یہ نوجواں ہے

اُسی کے سر پہ ہے تاجِ خلافت
اُسی کے ہاتھ میں سب کی عناں ہے

یہی ہے راستبازوں کا شہنشاہ
جو دل پہ مومنوں کے حکمراں ہے

یہی مخزن ہے علم معرفت کا
یہی کانِ حقیقت بے گماں ہے

لٹاتا ہے خزانہ معرفت کا
سخاوت اُس کے چہرے سے عیاں ہے

ہمیں یہ کھول کر سمجھا رہا ہے
کہ اس میں سود ہے اس میں زیاں ہے

جناب محمد نواب خاں صاحب ثاقبؔ مرزا خانی
(مالیر کوٹلہ)

نمونہ کلام

اے خدا تو کسی مرد جری کو بھیج دے
ایسے نازک وقت میں اک متقی کو بھیج دے

جس کے دل میں درد ہو دین مبیں اسلام کا
جو بنے ہر دلعزیز ایسے ولی کو بھیج دے

ناتوانی نے ہمیں گھیرا ہے مولا المدد
ہم ضعیفوں کے لئے تو اک قوی کو بھیج دے

ہم کو عادت تھی کہ ہم کو قوت جاں ملتی رہے
دینے والا جو گیا ہے بس اسی کو بھیج دے

اپنے گھر تو نے بلایا ہے جو نورالدین کو
اس کے بدلے میں کسی مرد جری کو بھیج دے

جس کا سینہ ہو منوّر معرفت کے نور سے
نور دین کو بھیج یا نور ہی کو بھیج دے

علم پر پورا عمل ہو جو کہے کر کے دکھائے
مبتدی کو بھیج دے یا منتہی کو بھیج دے

جو محبان مسیحا کی خطا پوشی کرے
درگذر سے کام لے جو، ہاں اسی کو بھیج دے

تیرے در پر پیار سے مولا ہے فقیروں کی صدا!
صدقہ اپنے نام کا مرد سخی کو بھیج دے

دے گیا ہے دکھ کے نورالدین عالی جاہ کو
منتظر ہے ثاقبؔ حیراں کسی کو بھیج دے

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب دردؔ ایم اے

نمونہ کلام

مسجد فضل لندن کا افتتاح

مُبارک ہو محمود تجھ کو یہ مسجد
کرے گا تو عالم کو سر دیکھ لینا
ترے در پہ آئے ہیں اُمید لے کر
غریبوں کو بھی اک نظر دیکھ لینا

دورِ دوم

خالدِ احمدیت حضرت مولانا ابوالعطاءؒ صاحب جالندھری

ولادت : ۱۴۔ اپریل ۱۹۰۴ء مطابق ۲۷ محرم الحرام ۱۳۲۲ھ ہجری بروز جمعرات بمقام کریہا ضلع جالندھر۔

والدین : والد حضرت میاں امام الدین صاحب بیعت ۱۹۰۲ء ۔ وفات ۱۹۳۴ء ۔ والدہ حضرت عائشہ بی بی صاحبہ۔ وفات ۱۹۳۷ء

تعلیم : قادیان دارالامان میں ۱۹۱۶ء سے تعلیم کا آغاز کیا۔ سب ابتدائی اساتذہ رفقاء حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) تھے۔ ۱۹۲۴ء میں مولوی فاضل کیا۔ پنجاب یونیورسٹی میں اول ۱۹۲۷ء سے مبلغ سلسلہ کے طور پر خدمات کا آغاز ۔

مضمون نویسی : ۱۴ سال کی عمر میں پہلا مضمون اخبار "نور" میں شائع ہوا۔ زندگی میں ہزار ہا مضامین لکھنے کی توفیق ملی ۔

مناظرات : پہلا مناظرہ ۱۹۱۹ء یا ۱۹۲۰ء میں پندرہ سال کی عمر میں کیا بمقام راجووال ۔ بعد ازاں زندگی میں سینکڑوں مناظرات شاندار کامیابی کے ساتھ کئے ۔

دعوت الی اللہ : بلاد عربیہ میں دعوت الی اللہ کے لئے روانگی از قادیان ۱۳ اگست ۱۹۳۱ء (عمر ۲۷ سال) فلسطین، لبنان مصر اور شام میں ساڑھے چار سال تک کامیابی سے فریضہ دعوت الی اللہ ادا کرنے کے بعد قادیان واپس ۲۴ فروری ۱۹۳۶ء ۔

صحافتی خدمات : رسالہ فرقان قادیان کا آغاز ۱۹۴۲ء ۔ رسالہ الفرقان کی ربوہ سے اشاعت ستمبر ۱۹۵۱ء تا مئی ۱۹۷۷ء ۔ عربی میں سہ ماہی رسالہ البشارۃ الاسلامیہ الاحمدیہ کا آغاز ۱۹۳۳ء ۔ یہ رسالہ بعد ازاں البشریٰ کے نام سے ماہوار رسالہ بن گیا۔ اب تک جاری ہے۔ ربوہ سے عربی

رسالہ البشریٰ کا آغاز جولائی ۱۹۵۰ء ربوہ سے رسالہ تشحیذ الاذہان کا احیاء جون ۱۹۵۷ء

تدریسی خدمات: بطور استاد جامعہ احمدیہ۔ پرنسپل جامعہ احمدیہ۔ پرنسپل جامعۃ المبشرین ۱۹۴۲ء تا ۱۹۵۷ء لیکچرار دینیات تعلیم الاسلام کالج ۱۹۵۷ء تا ۱۹۶۲ء

تصنیفی خدمات: چھوٹی بڑی تصانیف کی مجموعی تعداد ایک سو سے زائد ہے۔

خدمتِ سلسلہ کے مناصب: ممبر تقویم کمیٹی ۱۹۳۹ء۔ ممبر افتاء کمیٹی ۱۹۴۴ء تا آخر۔ ممبر مجلس مذہب و سائنس ۱۹۴۵ء۔ قائد مجلس انصاراللہ مرکزیہ ۱۹۵۰ء تا دمِ آخر۔ نائب صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ۔ ممبر مجلس وقف جدید ۱۹۵۸ء تا دم آخر۔ قائم مقام وکیل التبشیر ۱۹۵۷ء میں ۷ ماہ صدر مجلس صحافیان ربوہ۔ صدر امداد گندم کمیٹی۔ ایڈیشنل ناظر تعلیم القرآن (وقف عارضی) صدر مجلس کارپرداز صدر انجمن احمدیہ۔ امیر مقامی ربوہ۔

تقریری خدمات: زندگی بھر یہ سلسلہ جاری رہا۔ جلسہ سالانہ قادیان بعد ازاں جلسہ سالانہ ربوہ میں بالعموم ہر سال خطاب کیا۔ تقاریر کی تعداد ۵۵۔ ہندوستان و پاکستان کے سینکڑوں شہروں اور دیہات میں ہزارہا علمی، تبلیغی اور تربیتی تقاریر کیں۔ متعدد کانفرنسوں میں شمولیت اور جماعت کی نمائندگی کی۔

اعزازات: ایک مناظرہ کے موقع پر حضرتِ مصلح موعود (اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو) نے سند نیابت عطا فرمائی بسنہ ۱۹۳۰ء۔ حضرت مصلح موعود نے خالدِ احمدیت کا خطاب عطا فرمایا ۱۹۵۶ء۔ وزیر اعظم پاکستان خواجہ ناظم الدین کو ملنے والے وفد میں شمولیت ۱۹۵۲ء۔ پاکستان کی قومی اسمبلی میں جانے والے وفد میں شمولیت ۱۹۷۴ء۔

اسفار: ہندوستان اور تقسیم ہند کے بعد پاکستان کے شہروں اور دیہات میں سینکڑوں بار گئے۔ علاوہ ازیں بلادِ عربیہ (فلسطین، لبنان، مصر اور شام) برطانیہ، ایران اور بنگلہ دیش کے سفر کیے۔

متفرقات: ساری زندگی وعظ و نصیحت کا سلسلہ جاری رہا۔ قادیان اور ربوہ میں متعدد بار اعتکاف کیا۔

اولاد: چار بیٹے اور نو بیٹیاں (دو بیٹیوں کی کم سنی میں وفات)

وفات: ۲۹ اور ۳۰ مئی ۱۹۷۷ء کی درمیانی شب ایک بجے۔ عمر عیسوی اعتبار سے ۷۳ سال۔ ہجری قمری اعتبار سے ۷۵ سال۔ تدفین قطعۂ خاص بہشتی مقبرہ ربوہ۔

نمونہ کلام

نغمۂ مہجور

کشتِ دل میں تخمِ اُلفت بو رہا ہے خوبرو
سُن رہا ہوں اُس کا نغمہ گو نہیں وہ روبرو

اس کے ہاتھوں نقشِ فطرت جلوہ گاہ حسن ہے
گا رہی ہیں جس فضا میں بُلبلانِ خوش گلو

حسن کو دیکھا کیا، پھولوں کو میں سونگھا کیا
پر کہاں مطلوب میرا، اور کہاں یہ رنگ و بو

جستجوئے ذاتِ وحدت سوئے صحرا لے چلی
ہم صفیرانِ چمن! تم کو مبارک ہاؤ ہو

ہوں تلاشِ یار میں دیوانہ مت سمجھو مجھے
میں عبث پھرتا نہیں اس جہاں میں کُو بکو

مدتوں تڑپا کیا، اور بارہا سجدے کئے
زاریاں بھی کر چکا، پوری نہ کی پر آرزو

دشتِ غربت میں گیا تو خود وہ یوں گویا ہوئے
امتحاں منظور تھا بس ہو گئے تم سرخرو

تشنگی بجھ جائے گی اجاتے رہیں گے ہم و غم
کلفتیں مٹ جائیں گی سنتے ہی اس کی گفتگو

منزلِ محبوب کا رستہ ہے خالدؔ پُرخطر
بن چلے اس پر نہیں ملتی جہاں میں آبرو

اے کہ زندہ تجھ سے ہے اسلامیوں کی داستاں

(یہ نظم ۱۹۳۲ء میں قیام فلسطین کے دوران لکھی گئی)

سرزمینِ معرفت اے جلوہ گاہِ قدسیاں
اے نشانِ ذاتِ حق اے مہبطِ کرّوبیاں

اے کہ تیرے نام پر سو بار جان و دل فدا
اے کہ زندہ تجھ سے ہے اسلامیوں کی داستاں

اے کہ تو ہے منبع علم و ہدیٰ فہم و ذکاء
برتر از چرخ چہارم تیرا رتبہ کیوں نہ ہو
وہ جری، باطل شکن، مامورِ حق احمد نبی
ہاں وہی تو جس نے باطل کو کیا پیوندِ خاک
مردہ روحوں کے لئے لایا جو پیغامِ حیات
دشتِ ظلمت میں بھٹکتے تھے جہاں کے فلسفی

پاسبانِ اُمتِ احمد ہوا محمود حق
یاد ہے وہ درسِ قرآں، روح پرور دلربا
فلسفی غرب دیکھا منطقی شرق بھی
"چھوٹی بستی" لوگ کہتے ہیں حقارت سے تجھے
یاد آیا جبکہ تو جب تھی ہماری درسگاہ
ایک مدت کے لئے گو ہم جدا تجھ سے ہوئے
آہ کیسی خوش گھڑی ہوگی کہ باتیل مرام

اے کہ تو ہے اس جہاں میں درسگاہِ عارفاں
جبکہ ہے نازل ہوا تجھ میں مسیحائے زماں
جس کی تقریروں سے گونج بار ہا ہفت آسماں
جس نے قم کہہ کر کئے زندہ ہزاروں نیم جاں
چشمہ کوثر بنا ہے جو برائے تشنگاں
آفتابِ حق سے خوب ہو گیا اب ضوفشاں
حسن و احساں میں جو ہے مثلِ مسیحائے زماں
مسجد اقصیٰ میں ہاں وہ مجمعِ پیر و جواں
پر نہ پایا اپنے آقا سا کوئی شیریں بیاں
پر سمجھتا ہوں تجھے میں اس زمیں کی کہکشاں
اور ہمارا مسکن و ماویٰ تھی اے جنت نشاں
ہر دلِ مضطر میں ہیں انوار تیرے ضوفشاں
باندھیں گے رختِ سفر ہم بھی برائے قادیاں

اخترؔ۔ جناب عبدالسلام صاحب ایم اے

جناب عبدالسلام صاحب اختر ایم۔اے ۱۴ جولائی ۱۹۱۶ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے نانا حضرت حافظ فیض الدین سیالکوٹ کی مسجد کبوتراں والی (جو آج کل جماعت احمدیہ سیالکوٹ کا مرکز ہے) کے بانی اور امام تھے۔ آپ کو قرآن شریف سے عشق تھا۔ نہایت بلند اور وجد آفرین آواز میں قرآن مجید کی تلاوت فرماتے اور ہر وقت ٹہلتے ٹہلتے بھی قرآن شریف کو بلند آواز سے پڑھتے رہتے۔ ان کا گھر اور مسجد کا صحن ہر وقت مردوں، عورتوں اور بچوں سے بھرا رہتا اور ہر فرد بقدر استطاعت ان سے قرآن قرآن شریف کا سبق لیتا۔ سبق لینے والوں کو یہ تلقین کی جاتی تھی کہ وہ بلند آواز سے ان کو دہرائے اور اتنی کثرت سے پڑھے کہ یہ آیات اس کی روح کا حصہ بن جائیں۔ چنانچہ مسجد میں صبح کی نماز سے لے کر عشاء کی نماز تک قرآن مجید پڑھنے والوں کا ہجوم رہتا۔ اور مسجد کے اندر اور باہر ایک عجیب اور مافوق العادت سی روحانی کیفیت چھائی رہتی۔ اختر صاحب کا بیان ہے کہ انہیں اچھی طرح یاد ہے کہ بعض نایاب پھل میوہ جات اور ادویہ جو شہر کے کسی حصہ میں بھی دستیاب نہیں ہوتی تھیں انھیں پہنچ جاتی تھیں اور لانے والے بعض ایسے لوگ ہوتے تھے (چھوٹی اور بڑی عمر کے) جو پبلک میں بہت کم نظر آتے تھے۔ اختر صاحب مزید وضاحت فرماتے ہیں۔

"ہمارا خاندان خدا کے فضل سے اچھا خاصہ تعلیم یافتہ ہے اور اس میں ڈاکٹر، انجنیئر اور پروفیسر وغیرہ بھی شامل ہیں لیکن گھر میں بعض اوقات جب جنات کا ذکر چلتا اور چھوٹے بڑے اپنے اپنے علم و فہم کے مطابق اس پر اظہار کرتے تو ہماری والدہ مرحومہ اکثر مسکرا کر خاموش ہو جاتیں۔"

اختر صاحب کی والدہ ماجدہ ایک ایسی خاتون تھیں جن کو خدا تعالیٰ نے اس کے کلام پاک اور اس

کے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت تھی، اور اس محبت میں فدائیت کا رنگ غالب تھا۔ اُن جیسی خاتون دنیا میں خال خال پیدا ہوتی ہیں۔ قرآن مجید کو کمال ترتیل کے ساتھ پڑھنے کا طریقہ انہوں نے اپنے والد مرحوم سے سیکھا تھا۔ اور اس میدان میں وہ قابل رشک شہرت کی مالک تھیں۔ قادیان میں ہر زنانہ جلسہ کے افتتاح پر قرآن مجید کی تلاوت وہی کرتی تھیں۔ ان کی زندگی تک قادیان میں بھی وہی درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ اپنے محلے کے علاوہ دوسرے محلہ جات سے بھی کثرت سے عورتیں اور بچے اُن سے قرآن مجید پڑھنے باقاعدگی سے آتے اور پھر صبح سے لے کر شام تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔ وہ کبھی تنہا نظر نہ آتیں۔ وہ بات بات پر قرآن مجید کی آیات کا حوالہ دیتیں اور انتہائی محبت اور عقیدت سے ان کی تشریح کرتیں۔ نانا جان اور والدہ ماجدہ کے کلام الٰہی کے ساتھ اس والہانہ اندازِ محبت نے اخترؔ صاحب کے لاشعور کو شدت کے ساتھ متاثر کیا۔ وہ اپنی سعید الفطرتی سے خود بھی ایک لگاؤ کلام الٰہی کے ساتھ رکھتے تھے جو ہر دو بزرگوں کے پاکیزہ نمونہ کی روشنی میں اور بھی ترقی کرتا گیا۔ زندگی کی ہر تلخی نے اس تعلق کی مٹھاس کو اور تیز کر دیا اور اب یہی وجد آفریں کیفیت اخترؔ صاحب کی روحانی غذا بن گئی ہے جس نے اُن کے کلام میں شیرینی اور کردار میں حسن پیدا کر دیا ہے۔

اخترؔ صاحب کی ابتدائی تعلیم بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ تعلیم کا بنیادی حصہ قادیان میں مکمل ہوا۔ آپ نے ۱۹۳۲ء میں میٹرک کرنے کے بعد اسلامیہ کالج لاہور میں ایف اے میں داخلہ لیا اور ۱۹۳۴ء میں یہ امتحان پاس کرنے کے بعد ناگپور یونیورسٹی (سی پی) سے بی اے اور ایم اے کیا اور ۱۹۳۹ء میں ایم اے (فلسفہ) کا امتحان امتیاز کے ساتھ پاس کیا اور تمام یونیورسٹی میں (فلسفہ میں) اول آئے۔ دوران تعلیم پروفیسر تاشر مرحوم ایم۔ اے ڈاکٹر ڈیش مکھ ایم اے پی ایچ ڈی (ناگپور یونیورسٹی) کے حسنِ ذوق اور سادگی طبع نے اخترؔ صاحب کو بے حد متاثر کیا۔ پنجاب اور سی پی کے تعلیمی معیار اور تمدنی خصوصیات ایک ایسا موضوع ہیں جن پر اخترؔ صاحب نے بیسیوں پبلک لیکچر دیئے اور بتایا کہ مسلمان آج کل کے زمانہ میں تعلیم کو عیش و عشرت کا ایک حصہ سمجھتے ہیں مگر ہندو ذہن نے تعلیم کے زمانے کو اپنی قومی بقا اور اقتصادی برتری کا ایک حصہ بنا کر اس سے فائدہ اٹھایا ہے۔ دراصل ذہنی تربیت کا انداز ہی آمدہ زندگی بناتا یا بگاڑتا ہے۔ اور ہندو قوم اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ وہ زندگی کے ہر دور کو

تجارتی نقطۂ نظر سے دیکھنے کی عادی ہے۔ اور زندگی کے حالات کو صرف مال اور اقتصادی معیار سے پرکھتی ہے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتی ہے۔

بہرکیف دونوں یونیورسٹیوں نے اختر صاحب کے دین پر مخصوص اثرات مرتب کئے۔ علمی و ادبی مجالس کے علاوہ تقریر و تحریر کے سلسلے بھی جاری رہے۔ حتیٰ کہ ۱۹۴۲ء میں آپ کو گورنمنٹ آف انڈیا جی۔ ایچ۔ کیو میں ملازمت مل گئی۔ آپ نے ابھی ساڑھے تین سال ملازمت کی تھی اور راولپنڈی میں مقیم تھے کہ حضرت مصلح موعود نے وہاں ایک لیکچر دیا جس میں فرمایا کہ اس وقت اسلام کو ایسے نوجوانوں کی ضرورت ہے جو اس کی اشاعت اور استحکام کی خاطر اپنی زندگیاں وقف کریں۔ جب حضور یہ لیکچر دے رہے تھے تو اختر صاحب حاضرین کی پہلی صف میں بیٹھے ہوئے تھے اور محسوس کر رہے تھے کہ گویا اس اعلان کے مخاطب اول آپ ہیں۔ چنانچہ جب لیکچر ختم ہوا اور دوسرے لوگوں کے ساتھ اختر صاحب بھی حضور کی خدمت میں ملاقات کے لئے حاضر ہوئے تو اختر صاحب نے حضور سے عرض کیا کہ کیا حضور کا منشاء ہے کہ خاکسار اپنی زندگی خدمتِ دین کے لئے وقف کر دے۔ حضور نے فرمایا۔ "ہاں۔ میں یہی چاہتا ہوں۔ بات یہیں پر ختم ہو گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد حضور کی طرف سے خط موصول ہوا جس میں یہ تحریر تھا کہ "آپ استعفا دیں اور یہاں آجائیں۔" اختر صاحب فرماتے ہیں کہ "اس ارشاد کو پڑھ کر زندگی کا دھارا یکدم دنیا سے دین کی طرف مڑ گیا۔ وقف کا معیار تو بڑی بات ہے میں حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ادنیٰ ترین خادم کے معیار کے مطابق بھی نہ اُس وقت تھا اور نہ اب ہوں۔ مگر اس بات کو اب چھبیس سال بیت گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر طوفان سے پار نکالا ہے۔ اور جیسے کوئی کسی کا ہاتھ پکڑ کر اس سے کام کرا لے۔ یہی کیفیت میری ہے۔ اسلام کے ادنیٰ ترین خدام میں بھی جو اوصاف ہونا چاہئیں میں اپنے اندر اُن کی بھی کمی محسوس کرتا ہوں۔ مگر اس کے باوجود دل کو ایک تسکین سی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک غیبی ہاتھ مجھے اُس شاہراہ پر لئے جا رہا ہے جس کی منازل جنت کے گہوارے اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں۔ اگر کسی کا زبانی دعویٰ محبت بھی قابلِ پذیرائی ہو سکتا ہے یا کوئی لہو لگائے بغیر بھی شہیدوں میں شامل ہو سکتا ہے تو شاید کسی شمار قطار میں میں بھی آجاؤں۔ ورنہ من آنم کہ من دانم۔"

وقفِ زندگی کے بعد اللہ تعالیٰ نے اختر صاحب کو سلسلہ عالیہ احمدیہ کی بعض نہایت عظیم الشان اور تاریخی تحریکوں میں حصہ لینے اور اہم اداروں میں بطور اولین کارکن کام کرنے کے مواقع حاصل ہوئے۔ ۱۹۴۵ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہوا نے تعلیم القرآن کی اہمیت بیان فرمائی اور اُس کے لئے ایک خاکہ تیار فرمایا کہ ملک کے طول و عرض سے لوگ قرآن مجید پڑھنے کے لئے قادیان آئیں۔ چنانچہ اختر صاحب کو یہ توفیق ملی کہ آپ کے ذریعہ اخبارات اور پوسٹر وغیرہ اس تحریک کو تمام جماعتوں میں پھیلانا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً ایک صد احباب قادیان پہنچے اور ایک ماہ تک قرآن مجید کو سبقاً سبقاً پڑھتے رہے اور یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آج تک جاری ہے۔

۱۹۴۷ء میں جب ملک تقسیم ہوا تو ربوہ کو جماعت احمدیہ کا پاکستانی مرکز منتخب کیا گیا۔ اس میں قیام اور دیگر انتظام کے لئے سب سے پہلا گروپ جو آبادکاری کی غرض سے بھیجا گیا تو اس جماعت کا پریذیڈنٹ بھی اختر صاحب کو بنایا گیا۔ اور دو سال تک اس بنجر زمین کو شاداب بنانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمام صعوبتوں اور تکالیف سے گزار کر اسے قابلِ رہائش بنانے کی توفیق اس مختصر سی جماعت کو عطا فرمائی جس کے سربراہ اختر صاحب تھے۔ یہ ایک طویل اور ایمان افروز داستان ہے جس کو قارئین تاریخ احمدیت کے صفحات میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

۱۹۶۱ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے گھٹیالیاں ضلع سیالکوٹ میں ایک کالج قائم کرنے کا ارادہ فرمایا۔ گھٹیالیاں کا علاقہ دُور افتادہ اور پس ماندہ ہے اور دُور دُور تک آمدورفت کی کوئی سہولت میسر نہیں۔ اختر صاحب کو اس کالج کا پہلا پرنسپل مقرر کیا گیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل اور اختر صاحب کی کوشش سے لاہور بورڈ آف ایجوکیشن نے اس کالج کو باقاعدہ منظور کر لیا اور اس کی سالانہ گرانٹ مقرر کر دی۔ اختر صاحب کی ان تھک اور بے لوث کوششوں سے کالج کی عمارت، ہوسٹل کی عمارت اور اسٹاف کوارٹر کی تعمیر عمل میں آئی اور آج یہ تعلیمی ادارہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہے مستقل طور سے منظور ہو چکا ہے اور باقاعدگی سے چل رہا ہے۔

اختر صاحب فرماتے ہیں۔

• میرا ایمان ہے کہ سچی اور بے لوث خدمت سے ہی زندگی میں حُسن پیدا ہوتا ہے

اور یہی حسن شاعری اور ادب عالیہ کی جان ہے۔ میں نے اپنے ادب میں اقبال کے تفکر، غالب کی معنویت اور جوش کے انداز بیان کو اپنے جذبات پر حاوی پایا ہے۔ ان تینوں عناصر کے ساتھ مذہب کی سنجیدگی اور روحانیت کا سرور گھل مل گیا ہے۔ یہ میں صرف شاعری ہی کو نہیں بلکہ میرے قصر حیات کو بھی جگمگانے کا موجب بنیں،،

اختر صاحب کے کلام میں سادگی، وفا اور متانت کے ساتھ ساتھ ہی ساتھ شعریت بدرجہ اتم موجود ہے آپ ایک خوش فکر اور قادر الکلام شاعر ہیں اور ہر صنف کلام پر آپ کو قدرت حاصل ہے۔ آپ نے ابوالاثر حفیظ جالندھری کے شاہنامہ اسلام کے طرز پر اور اسی بحر میں سلسلہ عالیہ احمدیہ کے چند تاریخی واقعات کو بڑی چابکدستی کے ساتھ نظم کا جامہ پہنایا ہے جس سے آپ کی مہارت فن کا ثبوت ملتا ہے۔ آپ کی منظومات سلسلہ کے موقر اخبارات و رسائل میں برابر اشاعت پذیر ہوتے رہے ہیں۔

نمونہ کلام

نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

دُنیائے دل کا مہر درخشاں کہوں تجھے
یا کل جہاں کا نیّر تاباں کہوں تجھے

جس کے نہ برگ و بار کبھی خشک ہو سکیں
وہ اک صدا بہار گلستاں کہوں تجھے

اے فطرت بلند کے اے دُرِ تابناک
خلق حسن کی شمع فروزاں کہوں تجھے

قوموں نے تجھ سے پائی تمدن کی آب و تاب
پھر کس طرح نہ ہادیٔ انساں کہوں تجھے

جس سے ہوئی یتیموں کے گھر میں بھی روشنی
اک چراغ شام غریباں کہوں تجھے

تو خلقت بشر میں ہر اک حسن کا کمال
ہر دل کا درد، درد کا درماں کہوں تجھے

وشت و چمن میں موج بہاراں تجھی سے ہے
اس بزم کن فکاں میں چراغاں تجھی سے ہے

السلام اے ہادی دنیا و دیں

اے رسولِ پاک اے خیر الانام
اے شہِ لولاک اے عالی مقام!
اے حبیبِ مالکِ خلد بریں
السلام! اے ہادیِ دنیا و دیں!
اے تہی دستوں کے سامانِ حیات
اے لبھی آنکھوں کی تنہا کائنات!
اے سرورِ جاں عشاقِ ازل!
اے دُرِّ نایاب، لعلِ بے بدل!
رفعتِ دیوار و در تیرے لئے
عزّتِ نوعِ بشر تیرے لئے
تو ہے ہر کشتِ دل آبِ رواں
دل نواز و دل گداز و دلستاں
بادشاہِ دولتِ قلب و نظر
خوش خصال و خوش خیال و خوش گہر
بے نواؤں کے لئے باغِ ارم
تشنہ کاموں کے لئے ابرِ کرم
منفعل دستِ سوالی ہے مرا
نامۂ اعمال خالی ہے مرا
سرورِ عالم شفاعت کیجیے
بے نوا کی کچھ حمایت کیجیے
آپؐ کی سرکار کیا سرکار ہے
آپ سے کس کا بڑا دربار ہے

دلبری و دلربائی کچھ نہیں
آپ کے بن یہ خدائی کچھ نہیں

احیاءِ موتیٰ کا ایک زندہ واقعہ!

عبدالکریم نامی ایک حیدر آبادی طالب علم کو باؤلے کتے کا کاٹنا اور پھر معجزانہ طور پر حضرت مسیح موعود کی دُعا سے اس کا شفا پانا

بیان کرتا ہوں اور اک واقعہ فیضانِ احمد کا
کہ جو ہے درحقیقت معجزہ۔ ایمانِ احمد کا
وہ روحِ پاک۔ اعجازِ دُعا بخشا گیا جس کو
قبولیت کا حُسنِ جانفزا بخشا گیا جس کو

کرشمہ ہے یہ اُس کے چشم و دل کی ہم نوائی کا
در عرشِ بریں تک ایک بندے کی رسائی کا

حضور پاک کی بستی میں کچھ خدام رہتے تھے
یہ علمِ دیں کے شیدائی تھے صبح و شام رہتے تھے

یہ قرب و دور سے آئے ہوئے تھے دین کے متوالے
کہ یہ دین کو تھے دنیا پہ مقدم جاننے والے

انہی میں ایک وہ کہ نام تھا عبدالکریم اُس کا
صفا و صدق سے لبریز تھا قلبِ سلیم اُس کا

برائے علمِ دیں یہ نوجواں آیا تھا دکن سے
کمال شوق سے کر شادماں آیا تھا دکن سے

اسے ایک حادثہ بالاتفاق نا روا کیسے
اُسے اک باؤلے کتے نے کاٹا اس کو کیا کہیے

بہت سی ادویہ سے بھی نہ جب یہ زخم بھر آیا
حضور پاک نے فوراً کسولی اس کو بھجوایا

کہ یہ اک منزلِ آخر تھی ایسے خستہ حالوں کی
میسر تھیں جہاں ممکن دوائیں باکمالوں کی

شفا پاتا نہ کوئی آ کے اس اصلاح خانے میں
تو موت اُس کی یقینی سمجھی جاتی تھی زمانے میں

یہ طالب علم پہنچا اور وہاں سے خوب چست آیا
بظاہر یہ نظر آتا تھا ہو کر تندرست آیا

مگر کچھ دن ہی گذرے تھے کہ اک موجِ بلا آئی
عجب وحشت عجب دیوانگی اُس میں اتر آئی

دہن میں کف بھر آتا، آگ کے شعلے نگاہوں میں
تشنج، تھرتھراہٹ، کپکپی۔ ہاتھوں میں بانہوں میں

ہوئی حالت جب اس انداز سے زیر و زبر اُس کی
تو پہنچائی گئی فوراً کسولی میں خبر اُس کی

مگر ماہرِ اطبا کی طرف سے جو جواب آیا
وہ مایوسی کا پیکر تھا جو غم کے ہمرکاب آیا

یہ لکھا تھا کہ اب کوئی دوا کام آ نہیں سکتی
حیات اب موت کے چنگل سے بچ کر جا نہیں سکتی

ملے صحت دوبارہ اس کو ایسا ہو نہیں سکتا
مرض ایسا ہے یہ جس کا مداوا ہو نہیں سکتا

حضور پاک کے پاس آدمی جب یہ خبر لایا
تو قلب پاک اک رقت کی کیفیت سے بھر آیا

یہ فرمایا کہ بیشک زخم کاری بھر نہیں سکتا
مگر وہ قادر مطلق تو کیا کچھ کر نہیں سکتا

بساطِ نقشِ عالم پہ دارائی اُسی کی ہے
کبھی دُنیا یہ مانے گی مسیحائی اُسی کی ہے

اُٹھائے آپ نے ہاتھ اور کہا اے رحمت باری
ترے قبضے میں ہے سب تندرستی ہو کہ بیماری

تو مالک ہے تو اس کی زندگی کو آسرا دیدے
مسافر ہے یہ طالب علم تو اُس کو شفا دیدے

مشیت ہو تری تو یہ مرض معدوم ہو جائے
تری قدرت ہے کیا دنیا کو یہ معلوم ہو جائے
خدا کی شان وہ ڈر کا اجل نے جس کو گھیرا تھا
وہ جس پہ دین کی دیوانگی کا گھپ اندھیرا تھا
وہ اب ہونے لگا مردِ متین آہستہ آہستہ
شعور و عقل کا نقش حسین آہستہ آہستہ

طویل اک عمر پائی اور رہا وہ شادماں ہو کر
مسیح پاکؑ کے احیاء موتیٰ کا نشاں ہو کر

سیرۃ حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کا ایک ورق

دلجوئی، دلنوازی اور اسلامی مساوات کا حیرت انگیز نمونہ!

محترم میاں نظام الدین صاحب لدھیانوی درویش کا حضرت مسیح پاک کے ساتھ ایک ہی پیالے میں کھانا کھانا

نگاہوں میں ہے اک آئینہ اوصافِ حجازی کا
بیاں کرتا ہوں اک اور واقعہ میں دلنوازی کا
نظیر اس کی نہ ہوگی بادشاہوں حکمرانوں میں
کہ یہ خود اک انوکھی داستاں ہے داستانوں میں
حضور مہدی موعود، نقشِ نور قرآنی
بروزِ مصطفےٰؐ۔ ظلِ نبیؐ۔ محبوب سبحانی
وہ خود مسجد میں اک دن شادماں تشریف رکھتے تھے
سرِ محفل میاں دوستاں تشریف رکھتے تھے
کئی چھوٹے بڑے تھے شاملِ احباب کا شانہ
کہ خود نورِ نبوت تھا شریکِ بزمِ جانانہ
اسی مجلس میں تھے اک دوست ساکن لدھیانے کے
کہ عاشق تھے مسیح قادیاں کے آشیانے کے
میاں کہلاتے تھے اور تھا نظام الدین نام اُن کا
ہوا کرتا تھا مسجد ہی کی قربت میں قیام ان کا
تمنا اُن کے دل میں تھی اگر کوئی تو بس اتنی
قریبِ مہدی دوراں جگہ مل جائے تھوڑی سی
شکستہ پیرہن، وارفتہ تن۔ لیکن حسیں چہرہ
پراگندہ حجابوں میں بھی تابندہ جبیں چہرہ
وہ اکثر گردِ شمع صورت پروانہ ہوتے تھے
بچشم و دل نثارِ جلوہ جاناں ہوتے تھے
غریبی، کسمپرسی، بے کسی آزار و لاچاری
یہ تھیں سنگین چٹانیں جو تھیں راہِ عشق میں بھاری

مگر شوقِ فراواں تھا کہ ہرگز کم نہ ہوتا تھا
چراغِ خانۂ اُلفت کبھی مدھم نہ ہوتا تھا

اُدھر مجلس کی یہ حالت کہ لوگ اور آتے جاتے تھے
جو آتے تھے وہ کوشش کر کے آگے بڑھتے جاتے تھے

نظام الدین بیچارے ہجومِ عام میں آ کر
کبھی ہٹتے اِدھر آ کر کبھی ہٹتے اُدھر جا کر

بالآخر جب کبھی شہزور آگے بڑھ کے جا پہنچے
یہ پیچھے ہٹتے ہٹتے جوتیوں کی حد تک آ پہنچے

سسک کر رہ گئی ہر اک تمنا، وائے مجبوری
کہ لاچاری تو خود ہے منزلِ مقصود سے دُوری

اُدھر خلاقِ عالم نے کرم کچھ ایسا فرمایا
کہ کل احبابِ مجلس کے لئے کھانے کا وقت آیا

دو رویہ ہو کے سب احباب کھانے کیلئے بیٹھے
کہ کھانا آ گیا تھا خود مسیحِ پاک کے گھر سے

نہ ہے تقدیرِ انسانی، نہ ہے انعامِ ربانی
زمیں پر بہہ رہا تھا عرش کے انوار کا پانی

مسیحِ پاک نے لیکن نظام الدین کو دیکھا
کہیں دُور ایک کونے میں انھیں بیٹھا ہوا پایا

معاً حضرت اٹھے تو سنبھالا اپنے دامن کا
اُٹھائیں روٹیاں کچھ اور پیالہ ایک سالن کا

کہا پھر اے نظام الدین بھائی آپ ادھر آئیں
یہ روٹی ہے یہ سالن۔ آؤ ہم دونوں اِدھر کھائیں

تبسم تھا مشیت کا عیاں اک اک ادا سے
کہ دونوں کھا رہے تھے مل کے کھانا اک پیالے سے

خجالت تھی اُدھر ایوانِ سطوت کے مکینوں پر
سرِ ہفت آسماں تھا۔ جذبہ مہر و جفا کیشی

ندامت کے پسینے آتے جاتے تھے جبینوں پر
نہ اس سے پیشتر دیکھی تھی یہ توقیرِ درویشی

سلام اُس پر اخوت کا سبق سکھلا دیا جس نے
مساواتِ محمدؐ کا عَلم لہرا دیا جس نے

آبد۔ قریشی عبدالرحمٰن صاحب آبد سیالکوٹی

قریشی عبدالرحمٰن صاحب آبد۔ آپ کے والد کا اسم گرامی قریشی غلام محی الدین ہے۔ آپ ۱۹۱۱ء میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کی ابتدا پسرور سے ہوئی اور وہیں سے میٹرک پاس کیا۔ اس کے بعد منشی فاضل اور انٹرمیڈیٹ کے امتحانات پنجاب یونیورسٹی سے پاس کئے۔

تلاش معاش کے سلسلہ میں آپ سکھر آئے اور ریلوے اسکول سکھر سے وابستہ ہو گئے۔ ۱۹۳۶ء سے بحیثیت ٹیچر ریلوے ہائی اسکول سکھر سے وابستہ رہے اور اب پنشن پا رہے ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد ادبی ذوق نے شعر کہنے اور مشاعروں میں شریک ہونے کی تحریک کی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تقسیم ملک سے پہلے آپ نے کچھ کہا ہی نہیں۔ بلکہ اس کے برعکس آپ ۱۹۲۷ء ہی سے اپنے جذبات کا اظہار شعروں کی صورت میں کرنے لگے تھے لیکن اصلاح کا موقعہ نہ ملا۔ دوران قیام سکھر حضرت حمید عظیم آبادی مرحوم سے استفادہ کا موقعہ ہاتھ آیا۔ مجلس ادب سکھر کے قیام کے بعد آپ خازن کے فرائض ایک مدت تک انجام دیتے رہے۔ آپ کے مطالعہ میں علامہ اقبال، مولانا حالی اور میر تقی میر کا کلام رہا ہے لیکن خاص طور سے آپ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود اور آپ کے نامور خلیفہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب المصلح موعود کے کلام سے متاثر ہیں۔ خدمت دین کا شوق اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا اظہار آپ کے کلام کی نمایاں خصوصیات ہیں اور یہ شعر حرز جان ہے ؎

جانم فدا شود بره دین مصطفےٰ
ایں است کام دل اگر آید میسرم

ملازمت کے فرائض کی بجا آوری کے دوش بدوش آپ نے ساری عمر خدمات سلسلہ کو با حسن

وجوہ ادا کرنے کی توفیق پائی اور یہ سلسلہ اب تک قائم ہے۔ محترم صوفی محمد رفیع صاحب امیر جماعت احمدیہ سکھر و شکارپور اور ڈویژنل امیر سندھ کی وفات کے بعد آپ کو بحیثیت امیر جماعت احمدیہ سکھر و شکارپور خدمات انجام دینے کی توفیق مل رہی ہے۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد آپ اپنے تعمیر کردہ مکان دارالامان سکھر میں قیام پذیر ہیں اور خدمات سلسلہ کے لئے ہمہ تن وقف رہے۔

نمونہ کلام ملاحظہ ہو :-

نعت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

دل میں حبیب پاک کی الفت لئے ہوئے ۔۔۔ ہوں مطمئن امید شفاعت لئے ہوئے
لاریب اُس پہ آتش دوزخ حرام ہے ۔۔۔ عاصی ہے سر پہ دامنِ رحمت لئے ہوئے
خلقِ عظیم کی ہے وہ نعمت لئے ہوئے ۔۔۔ ہر طور ہر طریق میں سبقت لئے ہوئے
دل میں یہی ہے تیرے صحیفے کو چوم لوں ۔۔۔ ہر سو پھروں حضورؐ کی برکت لئے ہوئے

پہنچا نہ کوئی اور نہ پہنچے گا تا ابد
وہ آمنہ کا لال ہے عظمت لئے ہوئے

تو جو گلشن میں کبھی جلوہ نما ہو جائے ۔۔۔ پھول کھل جائیں بہاروں کی فضا ہو جائے
اپنی رحمت سے مجھے شوق جبیں سائی دے ۔۔۔ سجدۂ شکر ترے در پہ ادا ہو جائے

تیرے محبوب کی الفت سے ہے محمود آید
کاش یہ حشر کے دن عہدہ برآ ہو جائے

ہوتے ہیں محبت میں کچھ ایسے بھی دیوانے ۔۔۔ آغاز سے بے پروا انجام سے بیگانے
صہبا کی تجلی سے محروم ہیں میخانے ۔۔۔ کس کام کے پھر ساغر کس کام کے پیمانے
دل غم سے بھر آتا ہے اکثر یں ہی ہوتی ہے ۔۔۔ کیوں یاد دلاتے ہو بھولے ہوئے افسانے

ہے غم کی آمد سوزش کیا شعر سے رغبت ہو
ہم آئے نہیں بس دل کو اس بزم میں بہلانے

مجھے ماسوا سے غرض نہیں مجھے تیری ذات سے کام ہے
یہی شغل ہے وہ شغل جو حیات عیش دوام ہے

جو ہے تیرا عارف خوش نظر نہیں دیکھتا وہ اِدھر اُدھر
کسی اور سے اُسے کیا غرض جسے صرف تجھ سے ہی کام ہے

تو کہاں نہیں تو کدھر نہیں یہ فریب اہل نظر نہیں
تو قریب تر رگ جان سے ہے یہ صلا تو برسرِ عام نہیں

تیری ذات ماسوا ماورا مرا غم ہے دولت سرمدی
مری زندگی کو فنا نہیں مرے عشق کو تو دوام ہے

یہ دیے ہیں ساغر اوّلیں یہ شریک محفل آخریں
جسے تیری ذات پہ ہے یقیں یہ اسی پہ تیرا انعام ہے

عمر کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ نے قریشی صاحب کو ایک ایسا کارنامہ انجام دینے کی توفیق فرمائی جس سے آپ کا نام تاریخ احمدیت میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ آپ نے سکھر میں اپنے مکان سے بالکل نزدیک احمدیہ دارالذکر کی تعمیر کا کام کئی سال کی مسلسل کوشش کے بعد تکمیل تک پہنچانے کی سعادت حاصل کی۔ آپ یکم مئی ۱۹۸۳ء کو اسی دارالذکر سے نکل کر گھر کی طرف آ رہے تھے کہ چند نامعلوم افراد نے آگے پیچھے سے آپ کو گھیر لیا اور چھریوں کی پیہم ضربات سے آپ کو شدید زخمی کر دیا۔ اسی حالت میں چھریوں کے وار سہتے ہوئے اپنے مکان میں داخل ہو گئے۔ حملہ آور فرار ہو گئے اور قریشی صاحب نے زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ قریشی صاحب کا جنازہ ربوہ لے جایا گیا جہاں قبرستان نمبر ایک میں تدفین عمل میں آئی۔ ربوہ کے لوگوں نے بڑی تعداد میں جنازہ میں شرکت کی اور مرحوم کے حق میں دعائے خیر مانگی۔ یہ حملہ آپ پر یکم مئی ۱۹۸۳ء کو ہوا۔

اعجاز۔ سعید احمد صاحب اعجاز سیالکوٹی

سعید احمد نام، اعجاز تخلص۔ آپ ۲۵ دسمبر ۱۹۱۲ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی عمر کے دس سال اپنے والد جناب احمد دین بال کے ساتھ ایبٹ آباد میں گزارے۔ گیارہویں سال وطن واپس ہوئے۔ چند ماہ بعد آپ کی والدہ ماجدہ نے انتقال کیا جس کا آپ کے دل پر گہرا اثر ہوا۔ آپ نے ساتویں جماعت تک اسلامیہ ہائی اسکول سیالکوٹ میں تعلیم پائی۔ پھر صوبہ بہار (بھارت) کے ایک صحت افزا مقام رانچی میں ایک سال رہنے کا اتفاق ہوا۔ میٹرک آپ نے دھن باد (صوبہ بہار) کے ہائی انگلش اسکول سے پاس کیا۔ بعد ازاں سائنس کالج پٹنہ سے ایف ایس سی کا امتحان پاس کیا۔ پھر ۱۹۳۹ء میں پٹنہ انجنیئرنگ کالج سے بی ایس سی کی ڈگری حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیمی مراحل طے کرنے کے بعد جولائی ۱۹۴۰ء میں پبلک ہیلتھ سرکل پنجاب پی ڈبلیو ڈی میں ملازم ہو گئے۔

آپ پیدائشی احمدی نہیں بلکہ چودھری محمد شریف صاحب مرحوم سابق امیر جماعت منٹگمری اور مرزا احمد بیگ صاحب ریٹائرڈ انکم ٹیکس آفیسر کی سعی تبلیغ سے ۱۹۲۹ء میں حلقہ بگوش احمدیت ہوئے اور اسی سال ماہ دسمبر میں جلسہ سالانہ کے موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سے دستی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ آپ ان دونوں مذکرہ الصدر بزرگوں کے تہِ دل سے ممنون ہیں جن کی تبلیغ سے آپ کو احمدیت میں داخل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔

اگرچہ آپ کو شعر و شاعری کے لئے سازگار ماحول میسر نہ آیا لیکن اپنی فطری صلاحیتوں کی بدولت آپ نے اچھا خاصہ شعری سرمایہ فراہم کر لیا۔ آپ کا دیوان (مجموعۂ کلام) ابھی تک زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر نہیں آیا۔ لیکن ادبی دنیا میں آپ اپنی نظموں، غزلوں، قطعات اور رباعیات کے ذریعہ کافی متعارف و مشہور ہو چکے ہیں۔ آپ کا "دھن باد" کا زمانۂ تعلیم کوئلہ کی کانوں کے ماحول

میں گزرا۔ بعد ازاں پٹنہ سائنس کالج کی کئی سال مسلسل کی   میں گزارنا پڑے۔ انجنیئرنگ کالج کا زمانہ مشینوں کی گڑگڑاہٹ میں بسر کیا۔ بعد ازاں تربیتی دور بنگال ناگپور ریلوے کی سنسان پٹری پر گزارا۔ تعلیم و تربیت کا یہ خشک اور طویل دور شعر و شاعری سے قطعاً عاری ماحول میں گزارنے کے بعد جب آپ نے ملازمت کی ابتدا کی تو وہاں شہروں کی گندی نالیوں کی تعمیر اور مرمت سے پالا پڑا ان عناصر کا جمالیات سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ طرفہ اجتماع نزدین ہے۔ ایک شاعر اور انجنیئر۔ ایک انجنیئر اور شاعری۔

آپ کی خوابیدہ شعریت کو بیدار کرنے والی پہلی چیز اقبالؔ کا کلام تھا جس کی بعض نظمیں آپ نے ایام طفولیت میں اپنی والدہ سے سنیں اور یہ کہنا بالکل درست ہوگا کہ والدہ مرحومہ کا ذوق ادب ہمیشہ کے لئے اعجاز صاحب کی روح میں بس کر رہ گیا۔ والدہ کی وفات اُن کے لئے ایسا صدمہ تھی جس کو وہ کبھی فراموش نہ کر سکے۔ اس کا بڑا لطیف اظہار انہوں نے اپنی نظم "سعی خام" میں کیا ہے۔ یہ نظم محمد حسن عسکری کے مرتبہ مجموعہ "میری بہترین نظم" میں شامل ہے۔ ایبٹ آباد جو گویا وادی کاغان کی تمہید ہے اُس کے دلکش مناظر نے ان کی طفولیت کے لاشعور پر گہرے نقوش چھوڑے۔ پُرعظمت زندگی کی تصویر، اُبلتے شفاف چشمے، پھول ستارے، دامن کوہ کے سبزہ زار اور ان سب کی بے آواز موسیقی نے ان کے قلب صافی پر گہرا اثر کیا۔ اعجاز صاحب کی منظر کشی اسی وادی کے جمالِ فطرت سے مستعار لی گئی ہے۔ گو بعد ازاں آپ نے برصغیر پاک و ہند کے دیگر دلکش و پُرفضا مقامات کے مشاہدات اور تاثرات کی بھی عکاسی کی ہے لیکن یہ مشاہدات نقش ثانی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اولیت ایبٹ آباد کے پہاڑوں وادیوں اور دیگر دلکش نظاروں کو حاصل ہے۔ "سوادِ شام" "تیتری" "کنارِ آبجو" "ایک منظر" "سکونِ رازِ فطرت" "کلی اور شاعر" "کنارِ آب رواں" "پھول اور ستارے" وغیرہ منظومات کا پس منظر نقش اول سے سجایا گیا ہے اور "کنارِ گنگ" "کشتی مری رواں رہے" "تالاب کے کنارے" وغیرہ منظومات نقش ثانی کی حیثیت رکھتی ہیں۔

آپ نے شعر و شاعری کے ابتدائی دور میں جو قبول احمدیت سے قبل کا زمانہ ہے متعدد رومانی رومانی نظمیں بھی لکھیں جن میں "سعی خام" "ملاقات" "آنکھ مچولی" "پھرتا ہوں آوارہ سا" "دیدہ نیلگوں"

سیہ پلکیں ،، "بھولی یادوں کے سائے ،، "نادار محبت کے حسین خواب" الفاظ و احساس کی نادرہ کاری کا حسین امتزاج ہیں۔ تخیلی منظومات میں "شعرِ ناتمام" "بوسۂ یزداں" "مآلِ کار" اور "ابدیت" بڑی بلند پایہ نظمیں ہیں۔

اعجاز صاحب کی ادبی زندگی کا آغاز "گل اور شاعر" والی نظم سے ہوا۔ اس کے بعد رباعیات کا دور آیا۔ اس دور میں آپ ایک رباعی گو شاعر کی حیثیت سے ادبی دُنیا میں متعارف ہوئے۔ اسی زمانے میں آپ نے بعض اچھوتی اور نہایت مختصر نظمیں بھی لکھیں "حلقہ اربابِ ذوق" کی طرف سے ہر سال طبع ہونے والی بہترین نظموں میں آپ کی مختصر نظمیں "حسینہ کی موت" اور "دیدۂ نیلگوں سیہ پلکیں" بڑی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی گئیں۔ آپ نے غزلیں کم اور رباعیات زیادہ لکھی ہیں۔ بیعت سے قبل کا کلام کا معتدبہ حصہ ۱۹۴۰ء تک اُردو کے مؤقر رسالوں ادبی دنیا، نیرنگِ خیال، عالمگیر، ادبِ لطیف ور رسالوں وغیرہ میں چھپتا رہا۔ اس کے بعد کثرتِ کار اور عدیم الفرصتی کی وجہ سے آپ اپنے کلام کو طبع کرانے کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے۔

برصغیر پاک و ہند کے مشہور ادیب میراجی نے اعجاز صاحب کی نظموں پر ریویو لکھے اور جی کھول کر داد دی۔ لیکن یہ شعر و شاعری کے زمانۂ عروج کی داستان ہے۔ ۱۹۴۰ء میں عمر خیام کی رباعیات کا مسٹر جیرالڈ والا ترجمہ پڑھنے کے بعد اس کے اُردو ترجمہ کا خیال پیدا ہوا جس کے نتیجہ میں کئی رباعیات کا ترجمہ نیرنگِ خیال میں شائع ہوا جس پر مصور مشرق عبدالرحمٰن چغتائی نے بڑی داد دی۔

قبل بیعت آپ نے عام اُردو شعراء کی ڈگر پر چل کر عشقِ مجازی کو اپنے توشِ طبع کا جولان گاہ بنایا لیکن بعد از بیعت آپ کی طبیعت نے پلٹا کھایا اور "عشقِ مجازی" کے رومان نے بتدریج حقیقت کی منازل طے کرنا شروع کیں اور آپ کے جذبات و احساسات میں بھی ایک غیر معمولی تغیر رونما ہوتا چلا گیا۔ آپ کے اس دور کا کلام آپ کے اس جذباتی تغیر کی نشاندہی کرتا ہے۔ آپ کے اس دور کی رباعیات و قطعات سے بھی یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ غیر ارادی طور سے ہی آپ کی شاعری میں ایک عجیب و عظیم تغیر رونما ہوا جو رفتہ رفتہ طبیعت ثانیہ بن کر آپ کی شاعری کا طرۂ امتیاز بن گیا۔ آپ کے اس دور کا کلام دس گیارہ سال سے سلسلہ کے آرگن روزنامہ "الفضل" میں شائع ہو رہا ہے۔

آپ کے اس دور کی منظومات میں سورۃ فاتحہ کا ترجمہ، استغفار، برکات وجدانی، اے اہل ربوہ، امیر المومنین، رموز، دعا، مقامات، موج نکہت، بہار حسن، نذرانہ عقیدت، رفتار زمانہ، سوز و ساز ذوق و شوق، حاجی نصیر الحق مرحوم، درد وداع، فضل عمر فاؤنڈیشن، پوچھنے والی ہے: شاہکار کی حیثیت رکھتی ہیں اور اہل ذوق کے دلوں میں اپنا مقام پیدا کر چکی ہیں۔

نمونہ کلام دور اوّل (قبل از قبول احمدیت)

کنار گنگ

کنار گنگ کے بیٹھا ہوں خاموش
ہوا ساکن ہے موج آب روپوش

بہت دلگیر ہے تاروں بھری رات
غلافِ گنبد نیلوفری رات

سکونِ آب دریا آئینہ ہے
ستارہ ننھا سا منہ دیکھتا ہے

تفکر میں شجر اس جا کھڑے ہیں
کناروں کے وہاں کچھ جھونپڑے ہیں

صدا بربط کی دھیمی آ رہی ہے
کسی نے راگنی اک چھیڑ دی ہے

گلوئے دختر دہقاں سے پیدا
کہ یہ نغمہ ہے تار جاں سے پیدا

سرایت کر رہا ہے سنگ میں راگ
لرزتا ہے عروقِ گنگ میں راگ

نظر آتا ہے یوں گویا کہ ہر شے
اسی کے سیل میں ڈوبی ہوئی ہے

سرور ایسا یہ دلکش دل نشیں ہے
مرے پہلو میں گویا دل نہیں ہے

طلوع سحر

بجھ گئے ہیں چراغ تاروں کے
زرد ہے چاند افق سے دھندلا سا

کھول دو مسکرا کے مست آنکھیں
اذن دو شب کو صبح ہونے کا

ہمسفر

چرخ سے ایک ستارہ ٹوٹا　　میری آنکھ سے آنسو ٹپکا
کھو گئے دونوں تاریکی میں

زورِ خطابت

عرش سے اک صدائے کن آئی　　کائنات اٹھی لے کے انگڑائی
کتنی پُر زور یہ خطابت تھی

بُلبُلہ

ننھے منّے بلبلے　　کس نے دریا پہ تجھے
کون سی نیلم پری　　پی کے ساری مے تری
تجھ کو خالی کر گئی

غزلیات

بے حجابانہ مرے پاس آئیے　　آئیے آ کر یہیں رہ جائیے
پھر کوئی تبسم اشارہ کیجئے　　نہ سمجھوں پھر وہی کہہ جائیے
شاداں ہو جاؤں گو پاؤں نہ بھید　　اس طرح کچھ زیرِ لب فرمائیے
مجھ کو دھوکا ہو نوازا آپ نے　　کاسہ سرِ یوں مرا ٹھکرائیے
کشمکش کا ہائے وہ عالم نہ پوچھ　　بڑھیے آگے اور پھر رک جائیے
پھر مری بے باکیاں ہیں منتظر　　پھر اُسی انداز سے شرمائیے

پھر اسی انداز سے شرمائیے
پھر اٹھاؤں آپ کو آغوش میں
آج جو چاہوں چھیڑنا تو سربسر
اور کبھی موقعہ ملے گر آپ کو
مت خدا را برگِ گل کو چومئے
یہ دل ہے اس کو روندیئے

چھپ کر دیوار سے لگ جائیے
پھر اُسی انداز سے گھر جائیے
پیکر شرم و حیا بن جائیے
چھیڑیئے اور چھیڑ کر چھپ جائیے
مت خدا را دُور سے ترسائیے
روندیئے مت پھول کو باز آئیے

دیکھئے اعجاز خاں اس چھیڑ پہ
اس ادائے ناز پہ مرجائیے

۲

شرمائیے آپ خونِ تمنا نہ کیجیے
اپنے ہلاک یار کو جینے بھی دیجیے
میں بھی گلو تو رکھتا ہوں مجھ کو نوازیئے
میرے بھی لب ہیں صورت ساغر
گل کیجیے چراغ کہ بڑھنے رہا ہے داغ
کرلینے دیجیے مجھے آغوش شوق وا
میرے حسین خوابوں کی دنیائے رنگیں
رکھئے نہ نرم ہاتھ میرے بازوؤں پہ آپ
لگ جائے اپنی ہی نہ کہیں آپ کو نظر

آجائیے وعدۂ فردا نہ کیجیے
یوں چشم نیم باز سے دیکھا نہ کیجیے
یہ التفات جانب ستا نہ کیجیے
کچھ لیجیے تو خواہش صہبا نہ کیجیے
خلوت کو عکس غیر سے رسوا نہ کیجیے
اور نقابِ حسن ابھی وا نہ کیجیے
حشر خرام سے تہ و بالا نہ کیجیے
پھر مردہ آرزوؤں کو زندہ نہ کیجیے
ہے ڈر کی بات آئینہ دیکھا نہ کیجیے

اعجاز نامرادیٔ دل دے رہی ہے درس
مرجائیے پہ اُن کی تمنا نہ کیجیے

رباعیات

۱. لا دیر نہ کر شباب میں دے ساقی
لا ساغر آفتاب میں دے ساقی

پیمانہ ہے ماہتاب مے ہے خورشید
خورشید کو ماہتاب میں دے ساقی

---

۲. اُٹھ چارہ ہر درد نہاں کر ساقی
سامانِ نشاطِ جاوداں کر ساقی
لا بادہ گلرنگ صراحی سے انڈیل
تفسیر ارم مے سے بیاں کر ساقی

اشرف ـ جناب مولانا محمد شفیع اشرف

محمد شفیع نام ۔ اشرف تخلص ۔ والد صاحب کا نام ڈاکٹر چوہدری محمد صدیق صاحب تھا۔ جو ۱۹۴۴ء میں بعمر ۴۰ سال انتقال کر گئے۔ آپ کے دادا حضرت میاں اللہ بخش صاحب حضرت اقدس مسیح موعود کے رفیق تھے۔ ہر دو حضرات اپنے علاقہ میں اپنے اثر و رسوخ اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کے سبب بہت احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ موضع اٹھوال ضلع گورداسپور میں پیدا ہوئے لیکن سارا بچپن قادیان میں گزرا۔ شعر گوئی میں اول اول حضرت خان صاحب مولوی ذوالفقار علی خان صاحب گوہر نے حوصلہ افزائی فرمائی۔ بعد ازاں محترم قاضی محمد ظہور الدین اکمل اور جناب قیس مینائی نجیب آبادی سے استفادہ کیا۔ حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری کی مجلس میں بیٹھنے کے نادر مواقع فراہم ہوئے وہ بھی اشرف صاحب کی حوصلہ افزائی فرماتے رہے اور اس طرح آپ کی شاعری بلند سے بلند تر مقامات پر پرواز کرتی رہی۔ اشرف صاحب فرماتے ہیں کہ میری نظمیں جب "الفضل" یا دوسرے رسائل میں شائع ہوتیں تو اُن کے بعض اشعار پر اپنی پسندیدگی کا اظہار فرماتے تھے۔ حضرت حافظ صاحب کی شاعری اور آپ کے ادبی مقام کے متعلق اشرف صاحب کی رائے ہے کہ وہ بہت بلند مقام پر فائز تھے۔ اس سلسلہ میں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور حضرت مرزا شریف احمد صاحب کے ارشاد کی تعمیل میں ان بزرگوں کے بعض مسودات لے کر میں حضرت حافظ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر استصواب کرتا رہا ہوں اور اسی امر سے حضرت حافظ صاحب کے ادبی مقام اور تبحر علمی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یوں بھی حضرت حافظ صاحب کا جو علمی و ادبی مقام تھا وہ نہ صرف جماعت کے اندر بلکہ دیگر ادبی حلقوں میں بھی فی الحقیقت منفرد اور نمایاں تھا۔ اشرف صاحب فرماتے ہیں کہ زمانہ قادیان میرے ایک ہم جماعت نوجوان نے ایک دفعہ اپنی ایک غزل حضرت ولی

شاہجہانپوری کو اصلاح کے لئے بھجوائی۔ مجھے آج تک اُن کا جواب یاد ہے جو یہ تھا کہ جس بستی میں مختار شاہجہانپوری ہے اصلاح لینے کی کیا ضرورت ہے۔

خاندانی حالات اور ازدواجی زندگی

اشرف صاحب کی شادی سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی مبارک تجویز اور ارشاد پر حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد ایم۔اے کی صاحبزادی محترمہ خاتم النساء درد صاحبہ سے ۱۹۵۶ء میں ہوئی تھی۔ ان کی اہلیہ محترمہ کو ایک شرف یہ بھی حاصل ہے کہ وہ حضرت سیدہ اُمّ ناصر مرحوم سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی رضاعی بیٹی ہیں۔

اشرف صاحب کے چار بچے ہیں۔ دو بیٹیاں اور دو بیٹے۔ بڑی لڑکی راشدہ اشرف اور چھوٹی خالدہ اشرف ہیں۔ اسی طرح بڑا لڑکا محمد احمد اشرف واقف زندگی ہے اور میڈیکل کالج اور دوسرا بیٹا محمود احمد اشرف ایف ایس سی کا طالب علم ہے۔

آپ کی تبلیغی خدمات کا ایک دفتر ہے جو اس مختصر تذکرہ میں سما نہیں سکتا۔ خدا کرے کہ اشرف صاحب اُن ایمان افروز حالات کو کتابی صورت میں قلم بند کر دیں۔

آپ کی تاریخ پیدائش ۱۵ اکتوبر ۱۹۲۹ء ہے۔ ۱۹۴۴ء میں جب آپ تعلیم الاسلام ہائی اسکول قادیان میں زیر تعلیم تھے۔ آپ کو زندگی وقف کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت مصلح موعود کے ارشاد کی تعمیل میں مدرسہ احمدیہ میں داخل ہو کر دسمبر ۱۹۵۲ء میں جامعۃ المبشرین ربوہ سے فارغ ہوئے۔ پہلی تقرری مارچ ۱۹۵۳ء میں ہفت روزہ "فاروق" لاہور کے ایڈیٹر کے طور پر ہوئی۔ بعد ازاں روزنامہ "المصلح" کراچی ہفت روزہ خورشید راولپنڈی اور ماہنامہ "خالد" ربوہ کی ادارت کرتے رہے ۱۹۶۰ء میں اور اس کے بعد آپ مرکزی دفاتر کے علاوہ ملتان، مری، راولپنڈی اور لاہور میں مربی سلسلہ کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۹۷۳ء سے ۱۹۷۶ء تک تین سال انڈونیشیا میں تبلیغی اور تربیتی فرائض انجام دیتے رہے۔ بعد ازاں اسلام آباد میں مربی سلسلہ کی حیثیت سے خدمات دین کی توفیق۔ اس کے بعد مرکزی دفاتر میں ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد (تعلیم القرآن) کے فرائض انجام دیتے رہے۔

شعر گوئی کا شوق آپ کو بچپن سے ہے۔ لیکن طبیعت پر زور دے کر لکھنے کے عادی نہیں۔
اب تک جو کچھ لکھا اس کا اکثر حصہ سلسلہ کے رسائل اور جرائد میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتا رہتا ہے۔
نمونہ کلام

سورۃ فاتحہ کا ایک منظوم تاثر

رواں ہے تری حمد کا میرے پیارے مرے لب پہ صاف اور شفاف دھارا
تری ذات ہے سب جہانوں کی والی، تری ذات ہے بے کسوں کا سہارا
تصدق تری شان رحمانیت کے، کہ بخشا ہے خود تو نے الفت کا جذبہ
وگرنہ کہاں میں کہاں ذات تیری، تیرا یہ بھی احسان ہے پروردگارا
ہجوم تجلی سے پُر نور کر دے مرے خانۂ دل کے تاریک گوشے
سرِ طور عشق و محبت تجھے خلوتوں میں ہے، میں نے پکارا
بدل دے مری ظلمت شام غم کو کبھی نور صبح مسرت میں مولا
میں قرباں تری جلوہ سامانیوں کے، محبت کا کوئی دکھا دے نظارا
تجھے واسطہ ہے تری احدیت کا مجھے واقفِ رمز توحید کر دے
مٹا دے جو ہے نقش باطل دوئی کا۔ من و تو کے پردے ہوں سب پارا پارا
ضلالت کی تاریکیوں سے بچا کر، مجھے راہِ حق پہ چلاتا چلا چل
مجھے اپنے عشاق کے ساتھ کر دے، چمکتا رہے میری قسمت کا تارا
نگاہِ کرم ہو کبھی اس طرف بھی، اِدھر بھی کبھی گوشۂ چشم رحمت
بڑی دیر سے تیرے در پہ کھڑا ہے تیرا اشرفؔ بیکس و بے سہارا

امتیاز ۔ جناب امتیاز احمد خاں لکھنوی

امتیاز احمد خاں نام امتیاز تخلص ۔ آپ ۲۵ر اگست سنہ ۱۹۳۳ء کو محلہ مدح گنج لکھنؤ (یوپی ۔ انڈیا) میں امجد خان کے گھر تولد ہوئے ۔ دادا کا نام احمد خاں صاحب تھا ۔ ناساعد حالات کی وجہ سے باقاعدہ تعلیم حاصل نہ کر سکے ۔ اردو لکھ پڑھ جانتے ہیں اور بقول خود کام چلا رہے ہیں ۔ علاج معالجہ کر کے اور دیگر ذرائع سے اپنی روزی حاصل کرتے ہیں ۔

ان کا بیان ہے کہ " پرانی زندگی یعنی قبل از قبول احمدیت بڑے دکھ درد اور حسرت کی زندگی تھی لیکن حلقہ بگوش احمدیت ہونے کے بعد مفلسی پر بھی مطمئن ہوں ۔"

اور یہ محسوس کرتا ہوں کہ یہ سب منجانب اللہ ہوا ۔ ورنہ میں کیا اور میری بساط کیا ۔ میں اخویم المکرم جناب وقار احمد خاں صاحب سیتاپوری کا بیحد ممنون ہوں جن کی بروقت رہنمائی نے مجھے مزید بھٹکنے سے بچا لیا ۔ آپ نے نہ صرف سلسلہ کا لٹریچر بھی فراہم کیا بلکہ اپنی ذاتی نیکی اور تقویٰ شعاری سے میرے دل میں احمدیت کی محبت کا بیج بویا اور بالآخر مجھے کھینچ کر آستانہ احمدیت پر لے گئے ۔ الحمد للہ کہ میں نے سنہ ۱۹۶۷ء میں فارم بیعت پُر کر کے باقاعدہ جماعت میں شمولیت کی توفیق پائی ۔ میں اس سلسلہ میں مولائے کریم کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے ۔ بیعت کے فوراً بعد لکھم پور کھیری میں جہاں میں اُن دنوں مقیم تھا مخالفت کا طوفان اُٹھا ۔ لوگوں نے مجھے ہر طرح رسوا و ذلیل کرنے پر کمر باندھی ۔ سوشل بائیکاٹ کیا اور یہاں تک عرصہ حیات تنگ کیا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر دوبارہ لکھنؤ آنا پڑا ۔ اب ارادہ ہے کہ بقیہ زندگی یہیں رہ کر خدمت دین میں لگا رہوں گا اور پیغام حق لوگوں تک پہنچانے میں کوشاں رہوں گا ۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے ۔"

قبول احمدیت سے قبل بھی آپ اسلام اور مسلمانوں کے لئے پہلو میں ایک درمند دل رکھتے

تھے اور مسلمانوں کی اخلاقی و روحانی پستی پر دل ہی دل میں کڑھتے اور اشعار کے ذریعہ اپنے درد کا اظہار
تلاش کرتے تھے۔ آپ کا ایک شعر اسی جذبہ کا غماز ہے ؎

وہی تحریک حق، اپنا وہی اعلان پیدا کر
مسلماں ہے تو مسلم کی بھی کچھ پہچان پیدا کر

سنہ ۱۹۷۱ء میں آپ کی ایک نظم "پیغام" اخبار کانپور میں شائع ہوئی تھی۔ یہ ایک قومی نظم ہے اور
عوام میں آج بھی جید مقبول ہے۔ ملاحظہ ہو۔

غافل مسلماں

کیوں بھٹکتا ہے دنیا کی راہوں میں تو تیری منزل تو قرآں کے پاروں میں ہے
وحدتِ حق کی تو ایسی شمشیر ہے تیرا جوہر عرب کے ستاروں میں ہے
سارے جگ میں مُسلّم تری شان تھی، حسن قول و عمل تیری پہچان تھی
دین احمدؐ سے غافل ہوا جب سے تو تیری دنیا بھی لاکھوں خساروں میں ہے
حملے قیصر کے بھی تو نے پسپا کئے۔ روم و ایراں بھی زیر نگیں تھے ترے
تو نے قوموں کو منزل پہ پہنچا دیا آج خود ہی کھڑا رہگذاروں میں ہے
اے مسلماں تجھے آج کیا ہو گیا فانی دنیا کی راہوں میں کیوں کھو گیا
پاس قول نبیؐ ہے نہ خوفِ خدا اس لئے در بدر بے سہاروں میں ہے
خود کو مُسلم اگر آج پہچان لے سارا عالم بھی رہبر تجھے مان لے
تو ہی فاتح زمانے میں کہلائے گا خود کو یہ جان لے خاکساروں میں ہے
گو نہ حاصل ہوں دنیا کے جاہ و حشم، ڈگمگائیں پہ نہ تیرے قدم
لاکھ طوفاں تجھ کو ڈراتے رہیں۔ تیری منزل ہی طوفاں کے دھاروں میں ہے
امتیازؔ اب تو بیدار ہو خواب سے اٹھ کفن باندھ لے سر سے تیار ہو
کہہ کے اللہ اکبر ذرا دیکھ تو آج بھی کیا اثر تیرے نعروں میں ہے

محمد سلیم اختر

نام محمد سلیم اختر، تخلص اختر، تاریخ پیدائش ۱۹۴۶ء

آپ کے والد صاحب رانا محمد اسمٰعیل صاحب تقسیم ہند کے بعد لاہور آ گئے اور وہیں ۱۹۴۸ء میں وفات پا گئے۔ آپ کے دادا علی بخش حضرت مسیح موعود کے ابتدائی ۳۱۳ رفقاء میں سے تھے۔ مینارۃ المسیح پر آپ کا نام مستری علی بخش وابلیہ کندہ ہے۔

آپ نے ہوش سنبھالا تو والد صاحب کو نہ پایا۔ بھائیوں نے میٹرک تک پڑھا یا۔ نصیب بدتر دنیا میں لایا۔ زمانے نے ستایا تو محنت مزدوری کر کے کمایا اور تعلیم جاری۔ آپ نے ایم اے (اردو) بی ایڈ کیا اور شعبہ تعلیم و تدریس سے وابستہ ہیں اور نصرت جہاں اکیڈمی چناب نگر ربوہ میں پڑھا رہے ہیں۔

آپ ۴ سال آرام کو سعودی عرب میں ملازم رہے اور حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ شاعری کا دورہ کبھی کبھی پڑا کرتا تھا۔ آپ کا پہلا شعر ۱۹۶۲ء کا ہے جب دسویں جماعت کے طالب علم تھے۔

خود غرض ہی تو ہے مرا سایہ
روشنی ہو تو ساتھ چلتا ہے

آخر ۱۹۸۴ء کے آرڈیننس کے بعد پکا دورہ پڑا۔ آپ کو نعت لکھنے کا شوق تھا سو ایک نعت کی اشاعت پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی طرف سے ایک ہزار روپے کا انعام موصول ہوا۔ کیسا بابرکت ہزار کا نوٹ تھا کہ ہزاروں روپے خرچ کئے اور نوٹ بدستور موجود۔ آپ کا زیادہ تر کلام رسالہ "لاہور" میں شائع شدہ ہے۔

ع بنا ہے کون شاعر اپنی کوشش سے زمانے میں
خدا کی دین ہے چاہے جسے بیمار کر دیوے

غزل

ہم نے دیکھے ہیں جہانبانوں کے تیور کتنے
کف اُڑاتے ہوئے دیکھے ہیں سمندر کتنے

سب پہ کھُل جائے گا، وہ وقت ہے آنے والا
دستگیری کے لئے آتے ہیں یاور کتنے

ایک در بند جو ہو جائے تو کیا غم اِن کو
کھُلتے رہتے ہیں فقیروں کے لئے در کتنے

عاشقی کھیل نہیں ہے، یہ وہ یم ہے جس میں
ڈوبتے دیکھے ہیں دُنیا نے شناور کتنے

مُوجبِ خستگی و گریہ نہیں عشق فقط
اِس سے اُجڑے ہوئے آباد ہوئے گھر کتنے

سادگی، خندہ لبی، نرمی و خوش گفتاری
ہیں گراں مایہ یہ انساں کے زیور کتنے

غمِ جاناں، غمِ دوراں، غمِ دنیا، غمِ دیں
ناتواں دل ہے مگر اس میں ہیں محشر کتنے

دل کو بھایا نہ بجز میر کوئی ریختہ گو
یوں تو گزرے ہیں زمانے میں سخنور کتنے

راہِ اُلفت نے تو کایا ہی پلٹ دی اختر
چل کے اِس راہ پہ ہم ہو گئے برتر کتنے

غزل

یہاں دستورِ جبر و ظلم ہے اس کے سوا کیا ہے
گھُٹو سہہ جاؤ ہر تلخی یہ مت پُوچھو، خطا کیا ہے

ہماری شُومیِ قسمت سے ایسے لوگ مُنصف ہیں
نہیں معلُوم خود جن کو بھلا کیا ہے بُرا کیا ہے

وہ پرچم لے کے تو نکلے ہیں اُلفت کا، وفاؤں کا
مگر اُن کو نہیں معلُوم الفت کیا، وفا کیا ہے

بھلا نرگس کو رنگ و بوئے گل کی کیا خبر ہو گی
کوئی پوچھے یہ بلبل سے کہ گلشن کا مزا کیا ہے

خبر کچھ اپنے عملوں کی نہیں خواہش مگر یہ ہے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

وہ گر جائے زمیں پر، گڑگڑائے، ایڑیاں رگڑے
اگر اُس پہ یہ کھل جائے کہ ظالم کی سزا کیا ہے

وہ نظریں جانچ لیتا ہے ارادے بھانپ لیتا ہے
دلوں کے بھید ہیں اُس پر عیاں اُس سے چھپا کیا ہے

وہ کُن کہہ دے تو آخر مشکلیں آساں ہو جائیں
وہ خالق ہے وہ مالک ہے بجز اُس کے آسرا کیا ہے

نعتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

آپ محبوبِ خدا، ہستی کا عنواں آپ ہیں
دینِ حق کے ماہِ کامل مہرِ تاباں آپ ہیں

گلشنِ اسلام میں ہے آپ کے دم سے بہار
دو جہانوں میں سراجِ بزمِ امکاں آپ ہیں

آپ ہیں معراج کا حاصل ہُوا جن کو شرف
میزباں جن کا ہوا یزداں وہ مہماں آپ ہیں

مسندِ شاہی نہ تخت و تاج خوش آئے جسے
بوریے کو جس نے زینت دی وہ سلطاں آپ ہیں

جن کی دربانی پہ جبریلؑ امیں کو ناز ہے
محفلِ کرّوبیاں جن پر سے نازاں آپؐ ہیں

آپؐ ہی نے مٹایا بندہ و آقا کا فرق
ہر کسی مجبور و بے کس کے نگہباں آپؐ ہیں

بحرِ عفو و درگزر جس نے لبالب کر دیا
آپؐ وہ ابرِ کرم ہیں ظلِ سُبحاں آپؐ ہیں

طبقۂ نسواں پہ ساپا کر دیا احسان کا
عالمِ نسواں کے حق میں ظلِ رحماں آپؐ ہیں

آپؐ اُمید و نوید جاں فزا و دل نواز
آسرائے عاصیاں بخشش کا ساماں آپؐ ہیں

اس پہ کر دیجے کرم اختر کو کر دیجے نہال
دو جہاں کے واسطے رحمت بداماں آپؐ ہیں

اس نعت کی اشاعت پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ہزار روپے کا انعام موصول ہوا۔

آذر۔ خلیل احمد آذر
کے قلم سے اپنا تعارف

خاکسار عاجز خود کو قابلِ ذکر تو نہیں سمجھتا مگر محسنوں کی فرمائش پر بھولی بسری قابلِ ذکر باتوں میں سے کچھ عرض کرتا ہوں۔ خاندانی طور پر برہمن ہوں۔ میرے دادا عبدالوہاب رفیق حضرت حضرت مسیح موعود تھے۔ دسمبر ۱۹۳۶ء میری پیدائش کا دن شہنشاہ جارج پنجم کی موت کے دن سے منسلک ہے۔ میرے دادا کو الہامی طور پر میرا نام غلام احمد بتایا گیا تھا۔ لیکن والدین نے الہام کے پیشِ نظر میرا نام خلیل احمد تجویز کیا۔ میرے حلقہ احباب میں اس عاجز کو ایک اچھا مصور اور سنگتراش سمجھا جاتا تھا لہٰذا میرے دوستوں نے آذر میرے نام کے ساتھ لگا دیا جو مجھے اچھا نہیں لگا۔ تاہم یہ کہ دوستوں کی دلآزاری نہ ہو میں نے اس کو "ذ" سے لکھنا شروع کر دیا جس کے معنے چنگاری کے ہوتے ہیں۔ اپنی تعلیم کے اوائل دَور میں "ذ" میں بہت پڑھا کرتا تھا اور رہائش چونکہ لدھیانہ محلہ جدید میں تھی یعنی دارالبیعت کے قریب تھی میں وہاں مغرب اور عشا کی اذان دیا کرتا تھا۔ ۱۹۴۷ء میں جب ہجرت کر کے پاکستان لاہور رتن باغ آئے تو میرے والد عبدالغفار صاحب لدھیانہ کیمپ ہی میں بیمار ہو کر فوت ہو گئے تھے اور ہم چار بھائی اور ایک بہن یتیم رہ گئے۔ رتن باغ میں چونکہ خاندانِ حضور اقدس اور آپ کے متعدد رفقاء (اللہ ان سے راضی ہوا) موجود تھے۔ اور مجھے ان سے اور خاندانِ مبارک سے اور حضرت مصلح موعود سے فیضیاب ہونے کا بھرپور موقعہ میسر آیا۔ ایک معمولی سا واقعہ درج کرتا ہوں میری تعلیم ختم ہو گئی تھی۔ اور میں نے اپنے تایا کے ساتھ مل کر بہت چھوٹی سی تجارت شروع کی جس کی کل مالیت سات آنے کی شکر قندی تھی جسے ہم اُبال کر بیچا کرتے تھے تو میری والدہ نے حضرت اماں جان سے دُعا کی درخواست کی۔ آپ نے دو

آپ نے اپنی جیب سے دیئے اور شکر قندی منگوائی اور وہاں موجود خواتین مبارکہ کو تقسیم کرکے پھر دُعا میں سب کو شریک فرمایا پس وہ دو آنے جو آپ کی جیب سے میری تجارت میں شامل ہوئے اور وہ دُعا جو آپ نے کی بے حد و نہایت برکت کا موجب ہوئی جس کا شمار ممکن نہیں سارا محلہ میرا مقروض ہوتا تھا اور چند ہفتوں میں ہی ایک نہایت حقیر سی تجارت ایک دکان کی صورت اختیار کر گئی (خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را) بہت پیارا ماحول تھا۔ بہت عظیم لوگ تھے بہت فیض پایا۔ بہت دعائیں اور دعاؤں کے ساتھ تربیت ملی اور آدمی کی صورت میں فرشتے دیکھے۔

دکان پر پڑیا بنانے کے لئے پرانے اخبار اور رسالے استعمال ہوتے تھے۔ وہی میرے زیر مطالعہ رہتے تھے۔ تقریباً ہر رسالہ کا مطالعہ کیا کرتا تھا۔ اس سے میری اردو معیاری ہو گئی پھر اس کے بعد کتب سلسلہ کا مطالعہ گویا سونے پر سہاگہ ہو گیا میری شاعری کا سب سے پہلا استاد درِّثمین ہے۔ مجھے چونکہ فصاحت اور بلاغت والا کلام بہت اچھا لگتا تھا اور یہ ایک فطری ذوق تھا۔ چنانچہ میں نے بہت چھوٹی عمر میں کہنا شروع کر دیا تھا۔ غالباً بارہ چودہ سال کی عمر میں بھی میرا کلام جلی حروف میں چھپا کرتا تھا۔ مثلاً

لیکے آغوش میں اک رات بہاروں کی طرح
سینکڑوں راتیں گزاری ہیں ستاروں کی طرح

یہ ایک لمبی نظم کا شعر ہے جو ہفت روزہ "قندیل" میں چھپی تھی جو پورے صفحہ پر آٹھ یا سات شعر تھے۔

میں نے شعر و شاعری کو کبھی ذریعہ معاش نہیں بنانا چاہا اور کوئی ایسی تمنا بھی نہیں کہ بڑے بڑے مشاعروں میں شرکت کروں اور شہرت حاصل کروں۔ میرے کاروبار کا تعلق مشینری سے ہے یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے مجھے ماشاء صلاحیتیں عطا کی ہیں اور ورکشاپ بھی دیا ہے۔ بظاہر لوہا اور شعر و سخن بہت مختلف مزاج رکھتے ہیں لیکن میری شخصیت میں اکٹھے ہیں۔ ۵۰ سال کا شعر و سخن کا بڑا ذخیرہ ہونا چاہیئے۔ لیکن اکثر محفوظ نہیں ہے۔ بہر حال جو یادداشت میں تھا پیشِ خدمت ہے۔

خلیل احمد آذر

نمونہ کلام

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں سے چند اشعار

اے شہنشاہِ دو عالم روحِ حق عالی مقام
زینتِ شرفِ خلائق الصلوٰۃ والسلام

علم وایثار واخوت بخشش وجود و سخا
سب ہی قدریں مرچکی تھیں آپ نے زندہ کیا

قدرتِ حق کے نشانوں سے کئے روشن ضمیر
رُستگاری پاگئے مظلوم بندوں کے اسیر

آپ نے روحوں کو بخشا مژدۂ اذنِ بقا
کر دیا آوارگاں کو عاشقِ ربِّ الوریٰ

استقامت صبر اعلیٰ خُلق اعلیٰ اجتہاد
اُمتوں کو درس دے کر کردیا دُنیا کا باد

مستعد جد و جہد جمع و مسا دیوانہ وار
درد میں دُنیا کے جا پہنچا درِ حاجت برار

رات صحرا ابتہال و درد آنسو اضطرار
کھینچ لایا عرش سے بندہ فرشتوں کی قطار

اس نے صحراؤں کو دیکھا اور سمندر کر دیا
سنگریزوں کو اٹھایا اور گوہر کر دیا

اس کی فطرت پہ ہے مترتب بناءِ کائنات
منتہائے آدمیت موجبِ محو و ثبات

اے شہنشاہ دو عالم مدحِ حق عالی مقام
وہ جری اللہ خلیفہ آپ کا قائم مقام

جس کو بھیجا آپ نے شفقت بھرا پیارا سلام
ہاں بدر و شمسِ عالم آپ کا مخلص غلام

وہ فدائے جاں مجسم عشق اور طاعت میں تمام
پھر تہی دامن اُٹھا ہے آپ کا لے کر پیام

پھر خدائے ذوالعجائب سے ہے اک نصرتِ عظیم
آپ کو بھولا نہ چھوڑا وہ کہ ہے مولا کریم

ہو رہا ہے آسماں سے پھر خوارق کا نزول
پھر بصائر آرہے ہیں ساری چھٹ جائے گی دھول

پُو پھٹی ہے غرب سے چہرہ نما ہے آفتاب
نیچ اعوج کے اندھیرے کھا رہے ہیں پیچ و تاب

پیار کا برہان کا قرآن کا تحفہ لئے
تمغۂ فرقاں سجائے جان کا تحفہ لئے

کوچہ کوچہ پھر رہے ہیں آج رحمت کے سفیر
ہو رہے ہیں آپ کے انوار سے روشن ضمیر

حضرت مسیح موعود کی شان میں

اے مہدیٔ معہود شب قدر کے پالے
سوئی ہوئی دنیا کے لئے جاگنے والے

بن کر رہے دنیا میں سحر رنگ اجالے
جاگی ہوئی راتوں کے تڑپتے ہوئے نالے

اے رحمتِ باری کے برستے ہوئے بادل
اغیار کی فوجوں پہ گرجتے ہوئے بادل

سیراب تری ذات سے صحرا و چمن زار
انگشت بدنداں ترے برہان پہ اغیار

اے شمس و قمر اپنے اجالوں کو ذرا دیکھ
فرقان کی آغوش کے پالوں کو ذرا دیکھ

لشکر ترا کفار سے ہے برسرِ پیکار
معمورۂ عالم پہ ہے توحید کی یلغار

سجدوں سے بدل جاتی ہے اسباب کی تاثیر
اشکوں سے رقم ہوتی ہے اقوام کی تقدیر

ہم موت کے مُونہہ میں مصائب کے ہیں عادی
کچھ اس سے سوا مانگ مرے سیّد و ہادی

قربانی و ایثار خداداد ہے ہم میں
اس فضل کا اظہار خداداد ہے ہم میں

قرآن کریم سے تعلق میں ایک تمنّا

مری نگاہِ تجسس میں روشنی بھر دے
دل و جگر میں اُتر میری آرزو کی طرح

مرے عمل میں نظر آ مثالِ روحِ رواں
مری رگوں میں تڑپ گردشِ لہو کی طرح

سمجھ رہا تھا کہ رنگین ہو ہی جائے گا
میں ایک کاغذی پیکر میں رنگ بھرتا رہا

نظر نظر میں لئے تھا محبتوں کے چراغ
ترے ضمیر میں خود کو تلاش کرتا رہا

ذوقِ نظارہ ترے پیار میں ڈھل تو جائے
پاس آ جا دلِ آزردہ بہل تو جائے

بے سحر ٹھٹھری ہوئی رات کا یخ بستہ فراق
ترے انفاس کی گرمی سے پگھل تو جائے

اصغر۔ جناب اکبر خاں صاحب اصغر کلانوری

اپنے نام اور تخلص میں اجتماع ضدین کی وضاحت اکبر خان صاحب نے خود اپنے ایک شعر میں فرما دی ہے ؎

زراہ انکساری خود کو میں اصغر ہی کہتا ہوں
مگر کچھ مہرباں احقر کو اکبر خان کہتے ہیں

اکبر خان صاحب اصغر کلانور اکبری ضلع گورداسپور جہاں اکبر بادشاہ تخت نشین ہوا تھا میں پیدا ہوئے۔ انقلاب ۱۹۴۷ء کے بعد سے آپ کراچی میں مقیم ہیں۔ کراچی کی تعریف بھی آپ نے نہایت چابکدستی سے دو مصرعوں کے اندر کر دی ہے۔ فرماتے ہیں۔

آ ہی بسے بے سوچے سمجھے ایسے شہر میں اصغر ہم
جس میں رہ کر ہو جاتے ہیں اپنے بھی بیگانے لوگ

سو پشت سے اصغر صاحب کے خاندان کا پیشہ سپہ گری چلا آیا ہے۔ آپ کے پردادا سردار جمن خان قلعہ نروٹ نیہل سنگھ کے قلعہ دار تھے۔ اور بحوالہ عمدۃ التاریخ سردار موصوف نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کو اسی جگہ شکست فاش دی تھی اسی لئے غالبؔ کا شعر حسب حال ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ؎

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری
کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں مجھے

اصغر صاحب کی ننھیال فیض اللہ چک بھی جو قادیان سے پانچ چھ میل کے فاصلے پر ایک بستی تھی۔ آپ نے کلانور سے فارسی مڈل پاس کرنے کے بعد گورداسپور کے ہائی اسکول سے فرسٹ ڈویژن سے کر میٹرک پاس کیا پھر رسول انجنیئرنگ اسکول سے اوورسیری کا ڈپلومہ حاصل کیا۔ اُردو فارسی اور دینیات کی

تعلیم اپنے وسیع مطالعہ کے ذریعہ حاصل کی۔ شعر و ادب کا ذوق عمر بھر اپنا رہا کہ سہ

چھٹتی نہیں ہے منہ سے۔ یہ کافر لگی ہوئی

شاعری کے متعلق آپ کی رائے کا اظہار آپ کی ایک غزل کے چند اشعار سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ وہ خود بھی نہیں جانتے کہ شعر کیوں کہتے ہیں۔ مگر کہتے ضرور ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ سہ

کوئی کہتا ہے مجھ کو سودائی ۔۔۔ کوئی ملہم سمجھ رہا ہے مجھے

خود ہی بجتی ہے ایک شہنائی ۔۔۔ دل پہ تنزیلِ شعر سے پہلے

فنِ تنقید لاف دانائی ۔۔۔ شاعری محض بے بسی اصغر

پیشہ کے لحاظ سے ان کا واسطہ عمر بھر اینٹ، چونے پتھر لوہے۔ لکڑی، سیمنٹ، ریت اور مٹی گارے سے رہا۔ وہ مدت العمر دریاؤں، صحراؤں اور طوفانوں سے برسرِ پیکار رہے۔ وہ جنگلوں، پہاڑوں، میدانوں ویرانوں اور آبادیوں میں مصروفِ کار رہے اور آخر کار ۱۹۵۶ء میں پاکستان پی ڈبلیو ڈی سے سبکدوش ہو کر ریٹائرڈ انجنیئر کہلائے اور گورنمنٹ آف پاکستان سے پنشن لے رہے ہیں۔

اصغر صاحب ایک ایسے شاعر ہیں جن کی شاعری میں شاعری فنِ تعمیر سے وابستگی کے باعث تعمیری پہلو زیادہ نمایاں ہے جو آپ کی مقصدی شاعری کا غالب عنصر ہے۔ آپ کی غزلوں میں تغزل ہے لیکن لطافت اور شائستگی کا پہلو لئے ہوئے جس میں بجر یانیت سے بلکل اجتناب برتا گیا ہے۔ وہ صرف تسکین ذوق کی خاطر شعر نہیں کہتے۔ ان کی زبان سادہ اور عام فہم ہے۔ ان کی نظموں میں برجستگی اور روانی کا قدم قدم پر احساس ہوتا ہے۔ آپ نے الفاظ کی شعبدہ گری پر معنویت کو ترجیح دی ہے اور کئی اعلیٰ مضامین نہایت عام فہم انداز میں بیان کئے گئے ہیں وہ اپنی کم مائگی اور بے بضاعتی کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں سہ

الفاظ کی خاطر تمھیں نغموں کی تلاش ۔۔۔ کیا عجز بیاں اپنا تمھیں سمجھاؤں

نقاش کے ذہن میں ہیں جو نغمے اے دوست ۔۔۔ اُن کے لئے الفاظ کہاں سے لاؤں

ایک جگہ فرماتے ہیں سہ

مرے دل میں لاکھوں تڑپتے ہیں نغمے ۔۔۔ ہوئے جو نہ شرمندہ خوش بیانی

اصغر صاحب کی ایک ہلکی پھلکی غزل ملاحظہ ہو۔ ؎

کون تھا اپنا کون پرایا | اپنی سمجھ میں خاک نہ آیا
عقل نے ساتھ دیا پر تھوڑا | عشق بھی ہم کو راس نہ آیا
دل کا راز کسی سے کہہ کر | ہم نے اپنا آپ گنوایا
جانے میں نے عرض کیا کیا | جانے آپ نے کیا فرمایا
آپ نے ایک دو دیدہ نظر کی | ہم نے دل کا کھوج نہ پایا
عشرت رفتہ کی یادوں نے | خوب ہنسایا خوب رُلایا
ہائے جوانی، ہائے اے پیری | چڑھتا سورج ڈھلتا سایہ
درد بھری تھی ایک کہانی | آج کھلا گل کل مرجھایا
کتنے رندوں کو ساقی نے | مے کہہ کہہ کر زہر پلایا

اپنے آپ کو دھوکے دے کر
اصغر ہم نے جی بہلایا

آپ کی غزلیات کے چند اشعار اور ملاحظہ ہوں۔ ؎

زندگی سوز عمل ہے زندگی ساز عمل | موت کیا ہے زندگی کا اک نیا پیغام ہے
ہے خوشی دیوانہ پن، احساس غم نامہ دہی | رنج و راحت سے گزر آرام ہی آرام ہے
دار کے قابل عمل کر اے شریعت در بغل | زینۂ ممبر پہ چڑھ جانا بھی کوئی کام ہے
تیرے مذہب میں دل آزاری نہیں کوئی گناہ | میں سمجھتا ہوں محبت ہی فقط اسلام ہے

اعجاز۔ شیخ اعجاز احمد سیالکوٹی

شیخ اعجاز احمد ایک بہترین نقاد نظم و نثر، بلند پایہ ادیب اور ادیب نواز آدمی ہیں شعر کہتے ہیں مگر کم۔ جو کچھ کہتے ہیں مگر خوب کہتے ہیں۔ لیکن شعرا کے زمرہ میں شمار ہونے میں انہیں تامل ہے اعجاز تخلص کرتے ہیں۔

شیخ اعجاز احمد ۱۸۹۹ء میں سیالکوٹ میں ایک نہایت معزز کشمیری خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال کے بھتیجے ہیں۔ آپ کے والد محترم شیخ عطا محمد مرحوم ایم ای ایس میں انجنیئر تھے۔ ڈاکٹر اقبال اور شیخ عطا محمد سگے بھائی تھے۔ ڈاکٹر صاحب کو اپنے بھائی شیخ عطا محمد سے بے حد محبت تھی۔ ایسی محبت جس کی مثال عام بھائیوں میں کم ملتی ہے۔ حقیقت میں وہ انہیں اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ ڈاکٹر اقبال نے بھائی سے اپنی محبت کا اظہار اشعار میں بھی جابجا کیا ہے چنانچہ ڈاکٹر صاحب جب بیرسٹری کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے عازم انگلستان ہونے لگے تو دہلی میں حضرت نظام الدین اولیا کے مزار پر حاضر ہوئے اور ایک بڑی پرسوز دعا کی جو بانگ درا میں "التجائے مسافر" کے عنوان سے درج ہے۔ اس دعا میں ڈاکٹر صاحب نے خدا تعالیٰ سے اپنے بھائی شیخ عطا محمد مرحوم کے لئے بالفاظ ذیل التجا کی ہے

وہ میرا یوسف ثانی وہ شمع محفل عشق ہوئی ہے جس کی اخوت قرار جاں مجھ کو
جلا کے جس کی محبت نے دفتر من و تو ہوائے عشق میں پالا کیا جواں مجھ کو
ریاض دہر میں مانند گل رہے خنداں کہ ہے عزیز تر از جان و جان جاں مجھ کو
شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے
یہ التجائے مسافر قبول ہو جائے

اسی طرح ڈاکٹر اقبال ایک دوسری نہایت پُرسوز نظم "والدہ مرحومہ کی یاد میں" جو بانگِ درا میں شامل ہے اپنی والدہ مرحومہ و مغفورہ سے اپنے اس بھائی کے متعلق فرماتے ہیں۔ ؎

عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی

وہ جواں قامت میں ہے جو صورتِ سروِ بلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند

کاروبارِ زندگانی میں وہ ہم پہلو مرا
وہ محبت میں تری تصویر، وہ بازو مرا

تجھ کو مثلِ طفلکِ بے دست و پا روتا ہے وہ
صبر سے ناآشنا صبح و مسا روتا ہے وہ

تخم جس کا تو ہماری کشتِ جاں میں بو گئی
شرکتِ غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی

شیخ عطا محمد کا انتقال ۱۹۴۰ء میں ہوا۔

شیخ صاحب کی ذہنی تربیت زیادہ تر اپنے گھر ہی میں ہوئی جس کی فضا نہایت پاکیزہ اور ماحول صیقل گرِ فکر و نظر تھا۔ مذہب و معاشرت کے مبادی آپ نے وہیں سے سیکھے۔

باقاعدہ تعلیم کے لئے آپ سیالکوٹ کے مشن اسکول میں داخل ہوئے اور وہیں سے ۱۹۱۴ء میں انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ شیخ اعجاز احمد صاحب کے چچا ڈاکٹر اقبال کے استاد میر حسن مرحوم اسی اسکول میں ٹیچر تھے۔ آپ ان کے شاگرد رہے اور ان کے فیضانِ صحبت سے خوب استفادہ کیا۔

اعلیٰ تعلیم کے لئے شیخ اعجاز احمد لاہور آگئے اور یہاں کے اسلامیہ کالج میں داخلہ لیا۔ تعلیم کالج کے دوران آپ نے تقریر و تحریر میں خوب نام پیدا کیا اور بارٹن ہسٹاریکل سوسائٹی کے سیکرٹری رہے۔

اسلامیہ کالج لاہور سے بی۔ اے پاس کرنے کے بعد آپ لاہور ہی کے لا کالج میں داخل ہو گئے اور ۱۹۲۱ء میں وکالت کی ڈگری حاصل کی۔ اب آپ سیالکوٹ واپس چلے گئے اور وہاں وکالت کی پریکٹس کرنے لگے۔

۱۹۲۶ء میں آپ سب جج بنا دیئے گئے جسے اب سول جج کہتے ہیں۔

کچھ عرصہ بعد لاہور ہائی کورٹ نے شیخ صاحب کو کمرشیل ٹریننگ کے لئے چھ مہینے کے واسطے بمبئی بھیجا۔ ۱۹۳۵ء میں آپ دہلی کے کمرشیل جج لگائے گئے۔ برطانوی حکومتِ ہند کا پایۂ تخت ہندوستان کا معاشرتی مرکز اور ملکی اور غیر ملکی صنعت کاروں کا مستقر ہونے کی وجہ سے دہلی کو خاص اہمیت حاصل تھی۔

اس لئے وہاں کمرشیل جج کا عہدہ قطعی طور پر غیر معمولی حیثیت رکھتا تھا ۔ ساتھ ہی تحریص اور لالچ کا میدان بہت وسیع تھا لیکن آپ نہ صرف اس میں کامیاب رہے بلکہ وہاں اس عہدہ پر آپ کے چھ سال فائز رہنے سے خود اس عہدہ کا وقار بلند سے بلند تر ہو گیا ۔

یوں تو آپ کے بے مثال انصاف کے بیسیوں واقعات کی گونج متحدہ ہندوستان کے گوشے گوشے میں اکثر سنائی دیتی تھی ۔ ایک واقعہ نے دہلی کے پورے معاشرے پر گہرا اثر کیا جس کا تذکرہ کئی سال تک دہلی کی ہر مجلس ، ہر گلی کوچے میں ہوتا رہا ۔ بات یہ تھی کہ مسلمانان دہلی کے ایک قبرستان کی وقف زمین کے ایک حصے پر ایک بڑے تاجر نے قبضہ کر رکھا تھا ۔ زمین بہت قیمتی تھی اور رقبہ خاصا وسیع تھا ۔ اس معاملہ میں اس تاجر کی حمایت کے لیے اس کے پیچھے کئی خان بہادروں اور سرمایہ داروں کی قطار کھڑی تھی جن کے رسوخ کا سکہ دہلی سے بمبئی تک چلتا تھا ۔ اُن کے منہ آنے کی کسی میں جرأت نہ تھی ۔ مگر کسی غریب نے نالش داغ ہی دی ۔ مقدمہ شیخ صاحب کے سپرد ہوا ۔ سماعت مقدمہ کے دوران سامعین اور تماشائیوں کا یہ تاثر تھا کہ انصاف کی یہ کرسی ایسی ہے کہ خود ملک معظم بھی اس پر بیٹھ جائے تو وہ مجبوراً فیصلہ خان بہادروں ہی کے حق میں دے گا ۔ انہیں کون ناراض کر سکتا ہے ۔

کئی طویل سماعتوں کے بعد شیخ اعجاز احمد نے اس مقدمہ کا فیصلہ تاجر کے خلاف سنایا تو دہلی سے لے کر بمبئی تک تمام سرمایہ دار طبقہ سناٹے میں آگیا ۔ غیر متوقع فیصلہ پر دہلی کے تمام اخبارات نے خاص ضمیمے شائع کئے ۔ مسلمان غرباء نے ہر بازار اور ہر کوچے میں جلوس نکالے ۔ ہزاروں اور سینکڑوں کی تعداد میں مسلمان گروہ در گروہ دیوانہ وار اللہ اکبر کے نعرے لگاتے پھرے ۔ کئی گروہوں نے چیتھڑوں سے سرمایہ داری کے بُت بنا کر بازاروں میں جلائے اور وہ غل غپاڑہ ہوا کہ پولیس کو نظم اور ضبط قائم رکھنا مشکل ہو گیا ۔

شیخ اعجاز احمد چھ سال بعد دہلی سے امرتسر چلے گئے ۔ وہاں تھوڑے عرصہ بعد فوڈ ڈیپارٹمنٹ میں لے لئے گئے ۔ تقسیم ملک پر حکومت پاکستان نے آپ کو مرکزی فوڈ ڈیپارٹمنٹ کا مستقل جائنٹ سیکرٹری مقرر کیا ۔ ۱۹۵۲ء میں آپ اس اسامی سے ریٹائر ہوئے اور پی آئی ڈی سی کے سیکرٹری بنا دیئے گئے ۔ وہاں سے آپ ۱۹۵۶ء میں ریٹائر ہوئے تو اقوام نے اپنی تنظیم ایف اے او (فوڈ اینڈ ایگریکلچر آرگنائزیشن)

کی طرف سے آپ کو حکومت پاکستان کا ایڈوائزر مقرر کر دیا۔

شیخ اعجاز احمد نہایت پاکیزہ کردار، وسیع النظر، راست گفتار اور فراخ مشرب انسان تھے۔ ان کے ان ہی اوصاف کی وجہ سے شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال مرحوم کو اپنے اس بھتیجے سے بے حد محبت تھی چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی وصیت کے ذریعہ اپنے بچوں کے جو تین ولی مقرر کئے تھے ان میں ایک شیخ اعجاز احمد تھے دوسرے دو ولی چودھری محمد حسین اور منشی طاہر الدین تھے۔

شیخ اعجاز احمد ایک بلند پایہ ادیب اور شاعر ہیں مگر انہیں تمام فنون لطیفہ سے گہرا فطری لگاؤ ہے ممکن ہے ان سب کی پوری تکنیک پر آپ کو پورا عبور حاصل نہ ہو مگر ان کے متعلق آپ کی رائے ہمیشہ درست تسلیم کی گئی ہے۔ ذوق ایک وجدانی چیز ہے تکنیک سراسر اکسابی ہے۔ وجدان کبھی غلطی نہیں کرتا۔

آپ کے قیام دہلی، امرتسر اور کراچی کے دوران شعراء ادبا کا جم غفیر ہمیشہ آپ کے گرد و پیش رہا اور آپ کی پسند کو اپنی نظم و نثر کی صحت اور فصاحت و بلاغت کے لئے سند سمجھا۔

شیخ صاحب مستقل طور پر کراچی میں مقیم ہیں مگر اپنے فرائض کی بجا آوری کے لئے اور بعض دوسری وجوہ کے باعث لاہور آتے رہتے ہیں۔ آپ گزشتہ تین سال سے انجمن ترقی ادب ماڈل ٹاؤن سے منسلک ہیں اور اس کی مجلس انتظامیہ کے ممبر ہیں۔ اس کے کئی انعامی مشاعروں میں آپ جج کے فرائض بھی سرانجام دے چکے ہیں۔ شعر و ادب سے آپ کے غیر معمولی لگاؤ کا اندازہ اس حقیقت سے ہو سکتا ہے کہ انجمن ترقی ادب کے مشاعرہ میں شرکت کی خاطر دو دفعہ آپ اپنا غیر ملکی دورہ دو ایک دن کے لئے ملتوی کر دیتے رہے۔

(منقول از باران نو۔ شائع کردہ انجمن ترقی ادب لاہور صفحہ ۲۶۹ تا ۲۷۰)

اسلام ۔ عبدالسلام اسلام

نام عبدالسلام، تخلص اسلام ۔ قدیمی تعلق انڈیا کے ضلع جالندھر سے ہے۔ آپ کے والد صاحب کا نام چوہدری حشمت علی اور آرائیں برادری سے تعلق ہے۔ اسلام صاحب کے والد محکمہ نہر میں پٹواری تھے۔ ۱۹۴۷ء سے آپ کا خاندان سابقہ ضلع منٹگمری (ساہیوال) میں رہائش پذیر ہوا۔ عبدالسلام اسلام ۱۹۳۶ء میں پیدا ہوئے میٹرک کے بعد پرائیویٹ طور پر بی اے کیا۔ کراچی میں ماڈرن موٹرز میں بحیثیت کیشئر ملازمت کی اس کے علاوہ لاہور، سانگلہ ہل اور گوجرانوالہ میں بھی سروس کے لئے مقیم رہے

عبدالسلام اسلام کا کلام الفضل، مصباح، انصاراللہ اور دیگر جماعتی پرچوں میں شائع ہو رہا ہے۔ آپ کا کلام الفضل انٹرنیشنل میں بھی چھپ رہا ہے۔ آج کل ریٹائرڈ زندگی گزار رہے ہیں اور ربوہ میں رہائش پذیر ہیں۔

نمونہ کلام

شانِ قرآن پاک

قرآن وہ کتاب ہے جس کا نہیں جواب ۔۔۔ اس کی تجلیات سے اُٹھتے ہیں سب حجاب

ہے نغمگی رچی ہوئی الفاظ میں اگر ۔۔۔ معنوں میں اس کے مضمر آہنگ انقلاب

ہاں چھیڑتا ہے فطرتِ انساں کا ساز یہ

ہر آنکھ پر ہے کھولتا ہستی کا راز یہ

کیا دیکھے کوئی روشنی اُمّ الکتاب کی — کہ جس میں آب و تاب ہے صد آفتاب کی
ہستی کے کارواں کو ہے بانگِ رحیل یہ — توصیف کیا کرے کوئی حق کے رباب کی

آیا ہے آسماں سے یہ پیغامِ زندگی
نوعِ بشر کے واسطے ہے جامِ زندگی

اس کے نکات نو بنو کھلتے ہیں ہر زماں — ابلغ سطور اِس کی ہیں مانندِ کہکشاں
سوتے ہیں اِس سے پھوٹتے تازہ علوم کے — ایمان و معرفت کا ہے یہ چشمۂ رواں

قرآں محیط لاجرم سارے علوم پر
خورشید حاوی جس طرح ماہ و نجوم پر

اہلِ عرب کو ناز تھا اپنی زبان پر — جاں تک لڑا وہ دیتے تھے زورِ بیان پر
اک امتیازی شان تھی اُن کے کلام میں — چھائے ہوئے تھے نطق سے سارے جہان پر

سوزِ کلامِ حق سے وہ ایسے بھسم ہوئے
غیروں کو کہتے تھے "عجم" "وہ خود عجم" ہوئے

یوں کھینچتا ہے نقشہ یہ غیب و حضور کا — جس میں نہیں شائبہ عیب و قصور کا
"بالغیب" سے پہنچاتا ہے حق الیقین تک — اعجاز کم نہیں ہے یہ قرآں کے نور کا

"مضطر" اگر یہ کہتا ہے "میرے مجیب سن"
اس کی صدا بھی آتی ہے "اِنّی قریب" سُن!

لفظوں میں اس کے ہے معجزی آواز دلگداز — پیغام اس کا عین ہے انسانیت نواز
اس کی نظر میں یکساں ہیں اقوامِ شرق و غرب — کرتا نہیں یہ اسود و احمر میں امتیاز

حاصل جو اس کا "رحمت للعالمیں" ہوا
منسوب ملک و قوم سے یہ بھی نہیں ہوا
محدود اک جہان تک یہ بھی نہیں ہوا

تکمیل دین حق یہی، بنیاد بھی یہی　　آئندہ دور کا مگر مسناد بھی یہی
ہیبت زدہ دجال ہے گر اس کے سامنے　　یاجوج اور ماجوج کا صیاد بھی یہی

تجدید دین حق کا سب ساماں اسی میں ہے
نوع بشر کے درد کا درماں اسی میں ہے

اُترا یہ نور، نور پہ بدلائے نور سے　　ہے نسبتِ ازل جسے جلوۂ طور سے
وہ طور کا تجلی بھی مدغم اسی میں ہے　　کہ چاند کچھ جدا نہیں سورج کے نور سے

یہ آفتاب ہے میرے رب رحیم کا
یہ جلوۂ عظیم ہے مولا کریم کا

اختر ۔ سید اختر حسین اختر اورینوی

سید اختر حسین نام ۔ اختر تخلص ۔ آپ کی تاریخ ولادت ۱۹ اگست ۱۹۱۱ء ہے ۔ آپ نے ابتدائی اور مذہبی تعلیم گھر پر حاصل کی ۔ میٹرک ۱۹۲۶ء میں مونگھیر ضلع اسکول سے فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا ۔ آئی ایس سی (آنرز) کا امتحان سائنس کالج پٹنہ سے ۱۹۲۸ء میں پاس کیا پھر آپ نے میڈیکل کالج میں دو سال سے زیادہ عرصہ تک تعلیم پائی لیکن بیماری کی وجہ سے وقفہ پڑ گیا ۔ ۱۹۳۲ء میں پٹنہ یونیورسٹی میں بی اے آنرز کیا ۔ بعد ازاں ۱۹۳۶ء میں آپ نے فرسٹ کلاس ایم اے کیا اور یونیورسٹی بھر میں اول رہے ۔ ۱۹۵۷ء میں پٹنہ یونیورسٹی سے ڈی لٹ (اردو) کی ڈگری حاصل کی ۔ آپ کے مقالہ کا موضوع تھا "بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقاء ۱۹۵۷ء تک" دوسری جلد زیر تحریر ہے جو ۱۸۵۷ء سے ۱۹۵۷ء تک کے ارتقاء پر مشتمل ہوگی ۔ آپ کے قول کے مطابق ہنوز تعلیم جاری ہے ۔

آپ کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں ۔

۱۔ شہنشاہ حبش ۔ ۵ ۔ ایکٹ کا المیہ سن اشاعت ۱۹۳۸ء ۔ مکتبہ اردو لاہور

۲۔ مشعل و بس مشعل یا (افسانے)

۳۔ کلیاں اور کانٹے (")

۴۔ انار کلی اور بھول بھلیاں (")

۵۔ سیمنٹ و ڈائنامیٹ (")

۶۔ ایک کاروباری (ناولٹ)

۷۔ اقبال (تنقیدی مقالہ رسالے کی صورت میں)

۸۔ تنقید جدید (مقالے)

۹۔ تحقیق و تنقید (مقالے)
۱۰۔ قدر و نظر (")
۱۱۔ بہار میں اُردو زبان و ادب کا ارتقاء ۱۹۵۷ء تک (مقالہ)

مطبوعہ و غیر مطبوعہ نظموں کا مجموعہ ابھی شائع نہیں ہوا۔ افسانوں کا پانچواں مجموعہ تیار ہے۔ ایک ناول "تعبیر" تیار ہو رہا ہے۔ دوسرا "کارواں" زیر تحریر ہے۔

آپ کی نظمیں مندرجہ ذیل رسائل میں چھپتی رہی ہیں۔

"رومان" (لاہور) "ساقی" (دہلی) "ادب لطیف" (لاہور) "درویش" اور "بدر" (قادیان) وغیرہ

آپ کے متعلق چند آراء ملاحظہ ہوں۔

• اختر اورینوی نے بھی تنقید کی طرف توجہ کی ہے۔ ان کے مضامین کا ایک مجموعہ "کسوٹی" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ دوسرا "تنقید جدید" پریس میں ہے۔ اقبال پر بھی انہوں نے ایک چھوٹی سی کتاب لکھی ہے۔ انھیں سے ان کے خیالات کا اندازہ ہوتا ہے۔

"وہ ادب و شعر میں ماحول و وراثت کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ ماحول میں شخصی اور سماجی دونوں کا اس پر اثر ہوتا ہے اور وراثت میں شخصی اور ادبی دونوں کے اثرات نظر آتے ہیں۔ ایک جگہ انہوں نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ "ادب و شاعری پر اجتماعی تماشہ کے دماغ کا اثر پڑتا ہے کیونکہ فنکار کی نفسی ترکیب اجتماعی رجحانات سے متاثر ہوتی ہے اور تخلیق فن دماغ کے کارخانے میں ہوتی ہے۔ یہ اجتماعی نفسی تماشہ قانون ورثہ اور ماحول کے مطابق حال اور ماضی کی ادبی، اخلاقی، سیاسی اور اقتصادی خصوصیات سے متاثر ہوتا ہے۔ لہٰذا ادب و شاعری کی پیدائش اور ان کی نوعیت کی تشکیل میں مذکورہ چیزوں کا بڑا دخل ہے۔" (اختر اورینوی غالب کے بعد سالنامہ ادب لطیف صہ ۵۲ ۱۹۳۹ء)

وہ اگرچہ ادب کو اجتماعی اور سماجی زندگی کی پیداوار سمجھتے ہیں۔ لیکن ادب کے اشتراکی نظریے کے قائل وہ بھی نہیں ہیں۔ ان کا میدان اس سے مختلف ہے لیکن ان کے تنقیدی نظریات کے سائنٹفک ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان کی بنیادیں عقل و شعور پر استوار ہیں۔

اختر اورینوی اپنی علمی تنقید میں پہلے ماحول اور وراثت کا جائزہ لیتے ہیں اور اس سلسلہ میں ان کی

محبت نہایت خیال انگیز ہوتی ہے۔ وہ بہت گہرائی میں جانے کی کوشش کرتے ہیں پھر ادبی ماحول اور ذہنی ساخت کے اثرات بھی دکھاتے ہیں۔ تہذیب اور کلچر کے اثرات کا بھی تجزیہ کرتے ہیں اور پھر فنی خوبیوں کا بھی پتہ لگاتے ہیں مثلاً غالب کے متعلق ایک جگہ اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ "غالب ایک دوراہے پر کھڑا تھا اُس کے زمانے میں ایک عصر ختم ہو رہا تھا اور دوسرا شروع۔ غالب دونوں کے درمیان تھا اور ایک نفسی دمسے میں مبتلا۔ عصر دہلی کے فلسفیانہ رجحانات کے ساتھ بدلتی ہوئی فضا کے ابتدائی عناصر بھی غالب کی شاعری میں ظاہر ہوتے ہیں۔" غرض یہ کہ اسی طرح وہ تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی تنقید میں تجزیہ کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے۔ .

(ڈاکٹر عبادت بریلوی "اُردو تنقید کا ارتقاء ص۴۳۱، ۴۳۲)

"یہ نیا زکم و بیش ۳۹-۱۹۳۸ء کا زمانہ ہے اس وقت اُن فنکاروں کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے فنکار بیک وقت چمک اُٹھے جن کی فنکاری نے ادبی دُنیا میں ایک دھوم مچا دی۔ انھیں افسانہ نگاروں میں کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، اوپندر ناتھ اشک، سعادت حسن منٹو، عصمت چغتائی، احمد ندیم قاسمی، فیاض محمود، دیوندر ستیارتھی، اختر انصاری، اختر اورینوی، حسن عسکری اور ممتاز مفتی وغیرہ شامل ہیں۔ ان سب کے موضوعات میں تنوع ہے اور ان کے پیش کرنے کا انداز بھی ایک دوسرے سے مختلف ہے لیکن ایک بات سب میں مشترک ہے اور وہ یہ کہ سب کے سب زندگی کو بہت قریب سے دیکھتے ہیں اور اُس کے مختلف پہلوؤں کی تصویریں مختلف رنگوں کی آمیزش سے تیار کرتے ہیں۔ انہوں نے زندگی کے کسی رخ کو بھی نہیں چھوڑا۔ انھیں کے طفیل آج اُردو نگاری اتنی بلندی پر نظر آ رہی ہے۔"

(ڈاکٹر عبادت بریلوی۔ تنقیدی زاویے ص۲۶۵)

مشاہدہ تیز ہے۔ گہری نظر ڈالتے ہیں۔ نفسیات کے ماہر ہیں۔ کردار مبالغہ سے پاک ہیں۔ "کلیاں اور کانٹے" "انارکلی اور بھول بھلیاں" ناول اور مختصر افسانے کا امتزاج ہیں۔ یہ کتابیں ایک قسم کا سکون بہم پہنچاتی ہیں۔

بسملؔ۔ جناب آفتاب احمد صاحب بسملؔ

آفتاب احمد نام۔ بسملؔ تخلص۔ آپ محمد عالم خاں صاحب (مرحوم) سابق امیر جماعت احمدیہ راولپنڈی کے فرزند اکبر ہیں۔ جن کا انتقال ۱۹۳۱ء میں ہوا۔ بسمل صاحب ۱۹۱۹ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے لیکن قیام زیادہ تر لاہور، راولپنڈی اور کراچی میں رہا۔ سولہ سال کی عمر میں شعروشاعری سے رغبت پیدا ہوئی لیکن کسی استاد کی شاگردی اختیار نہیں کی۔ ابتدا غزل سے ہوئی اور اس دور میں اختر شیرانی کے رنگ تغزل سے متاثر رہے۔ یہ سلسلہ سولہ برس تک جاری رہا۔ بعد ازاں نظم کی طرف رجحان ہوا اور اس صنف میں جوش ملیح آبادی کا اسلوب بیان مدنظر رہا۔ جس کا اثر ان کی متعدد منظومات سے نمایاں ہے۔ بالآخر مذہبی رجحان تمام دیگر میلانات پر غالب ہونا شروع ہوا اور آپ نے قومی ملی اور اصلاحی کام کی طرف اپنی تمام توجہ مبذول کر دی جس کے نتیجہ میں گزشتہ پندرہ سولہ سال سے آپ کی تمام منظومات پر قومی و مذہبی رنگ غالب ہے۔ آپ نے اس عرصہ میں حمد و نعت کے علاوہ سلسلہ احمدیہ کے متعلق واقعاتی نظمیں بھی کثرت سے لکھی ہیں جو تاریخ احمدیت ہی کا ایک حصہ شمار کی جاسکتی ہیں۔ اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔

آپ کو قدرت نے ایک دردمند دل عطا فرمایا ہے جو ہر غیر معمولی واقعہ سے متاثر ہو کر اپنے جذبات کا اظہار اشعار کی صورت اور منظومات کے روپ میں کرتا رہتا ہے۔ اب غزل لکھنے کا اتفاق شاذ کے طور پر ہوتا ہے لیکن آپ کا خامہ حقیقت رقم آپ کے پاکیزہ جذبات کا اظہار مذہبی رنگ رکھنے والی واقعاتی نظموں میں اکثر کرتا ہے۔

آپ گزشتہ ۳۵ سال سے پہلے آل انڈیا ریڈیو۔ بعد ازاں ریڈیو پاکستان سے منسلک چلے آرہے ہیں۔ آل انڈیا ریڈیو دہلی، کراچی اور پشاور میں تقسیم ملک سے قبل مترجم کی حیثیت سے کام کرتے

دیے۔ ۱۹۴۸ء میں پاکستان آگئے اور آپ بجا طور سے اس فخریہ اعلان کے مستحق ہیں کہ سب سے پہلا اعلان جو پاکستان براڈ کاسٹنگ سروس کے ریڈیو اسٹیشن پشاور سے ۱۳۔ اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کی درمیانی شب میں بارہ بج کر ایک منٹ پر ہوا وہ اناؤنسر کی حیثیت سے بسمل صاحب نے کیا۔ علاوہ ازیں ریڈیو پاکستان کراچی کے افتتاح کے موقعہ پر بھی سب سے پہلا اعلان جو "ترے نام سے ابتداء ہو رہی ہے" کے متبرک عنوان سے ہوا۔ بسمل صاحب ہی اس کے اناؤنسر تھے۔ ریڈیو پاکستان کراچی میں ڈیڑھ سال تک اناؤنسر کی حیثیت سے خدمات انجام دینے کے بعد آپ خبروں کے شعبے سے منسلک ہو گئے اور اپنی مفوضہ خدمات کو احسن طریق پر بجا لاتے رہے۔

بسمل صاحب ذاتی وجاہت کے ساتھ ہی ساتھ حسنِ اخلاق کی دولت سے بھی مالا مال نظر آتے ہیں۔ آپ سالمتہ مزاج، نفیس طبع اور نرم خو طبیعت کے مالک ہیں اور یہی اوصاف آپ کی شاعری کے آئینہ میں بھی بتمام وکمال جلوہ گر ہیں۔

نمونہ کلام

نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

شاہِ جہان و فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
ہادی برحق نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم

باعثِ تخلیق دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
رحمت کامل خلق مجسم صلی اللہ علیہ وسلم

دونوں جہاں میں آپ معظم صلی اللہ علیہ وسلم
آپ موخر آپ مقدم صلی اللہ علیہ وسلم

شافع محشر، مالک کوثر نبیوں کے سرتاج پیغمبر
رہبر کامل ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

شانِ رسالت جانِ قیادت فخرِ رسل سرتاپا رحمت
آپ کے دم سے عظمتِ آدم صلی اللہ علیہ وسلم

مہرِ نبوت تاجِ رسالت آپ ہی کے شایاں ہے یہ عظمت
سب نبیوں کے آپ ہیں خاتم صلی اللہ علیہ وسلم

مہرِ درخشاں، ماہِ منور مخزنِ حسن و نور سراسر
دونوں جہاں کے نیرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

ذکر سے اُن کے دل کو راحت نام سے اُن کے روح کو فرحت
یاد میں اُن کی آنکھ ہے پُرنم صلی اللہ علیہ وسلم

تن من میرا آپ پہ قربان آپ کی طاعت میرا ایماں
میرے لبوں پہ جاری ہردم صلی اللہ علیہ وسلم

بسمل آپ پہ دل سے فدا ہے ورد زباں پہ صبح و مسا ہے
صلی اللہ علیہ وسلم، صلی اللہ علیہ وسلم

خلافت

اللہ کی اک نعمت عظمیٰ ہے خلافت
مومن کے لیے مژدۂ دلکش ہے خلافت
گرتی ہوئی ملت کا سہارا ہے خلافت
حق یہ ہے نبوت کا تتمہ ہے خلافت
ہے نخل نبوت تو ثمر اس کا خلافت
ہے شمس نبوت تو قمر اس کا خلافت

اللہ کی نصرت ہے خلافت کی بدولت
تبلیغ میں وسعت ہے خلافت کی بدولت
اسلام کی عظمت ہے خلافت کی بدولت
ملت میں اخوت ہے خلافت کی بدولت
اسلام اگر جسم تو جاں اس کی خلافت
یہ لعل و جواہر ہے تو کان اس کی خلافت

مومن ہیں جو، قرآں میں وعدہ ہے یہ اُن سے
ایماں کے ساتھ اُن کے گر اعمال ہیں اچھے
اللہ نوازے گا انہیں فضل سے اپنے
بخشے گا خلافت انہیں خاص اپنے کرم سے
خوف اُن کا مبدل باماں ہو کے رہے گا
زیر اُن کے لئے سارا جہاں ہو کے رہے گا

جب تک رہی اسلام میں موجود خلافت
دنیا میں مسلماں رہے با عزت و عظمت
جس وقت چھنی اِن سے یہ اللہ کی نعمت
عزت رہی باقی نہ کوئی شان نہ شوکت
حاکم تھے مگر ہو گئے محکوم جہاں میں
مغلوب ہوئے بن گئے مظلوم جہاں میں

لیکن یہ خدا نے دو جہاں کا تھا نوشتہ — اسلام میں اک بار ہو پھر زندگی پیدا
اللہ نے آخر کیا اس وعدہ کو ایفا — مبعوث ہوا دُنیا میں موعود مسیحا

پھر بخشی مسلمانوں کو اُس نے وہی نعمت
یعنی کہ خلافت علیٰ منہاجِ نبوت

موعود مسیحا نے براہین قوی سے — ادیانِ زمانہ کے اُڑائے وہ پرخچے
اسلام کو حاصل ہوا غلبہ نئے سر سے — ظلمت ہوئی کافور پھر اس نورِ قمر سے

آخر وہ مسیحا بھی ہوا دہر سے رخصت
اور اپنی جماعت کو یہ کی اُس نے وصیت

"رخصت کی گھڑی تم پہ بہت سخت بنے گی — رحلت سے مری مومنوں کی جان پہ بنے گی
تقدیر ہے یہ ہو کے بہرحال رہے گی — تسکین تمہیں "قدرتِ ثانی" سے ملے گی

وہ "قدرتِ ثانی کہ جو ہے دائمی نعمت
انعامِ خداوندی ہے نام اس کا خلافت"

پس حسبِ وصیت جو صحابہ میں تھا افضل — اِس قدرتِ ثانی کا بنا مظہرِ اوّل
وہ دین کا تھا نور، وہ صدق میں اکمل — اس دور کا صدیق تھا مومن تھا مکمل

گر غور کریں تھا یہی مفہوم وصیت
یہ قدرتِ ثانی ہے حقیقت میں خلافت

اِس قدرتِ ثانی کی ہے کیا اصل حقیقت — آیا ہے مراد "انجمن" اِس سے کہ خلافت
اُس مرسلِ ربانی نے خود کی ہے وضاحت — فرمایا" ازل سے ہے یہ اللہ کی سُنت

دو قدرتیں ظاہر وہ کیا کرتا ہے اپنی
تم کو بھی دکھائے گا وہ اب قدرتِ ثانی

اس قدرتِ ثانی کے مظاہر جو بنیں گے — اللہ کی رحمت سے سدا پھولے پھلیں گے
وہ دین کی تبلیغ شب و روز کریں گے — اور خدمتِ اسلام میں مصروف رہیں گے

ان نوروں میں اک مصلح موعود بھی ہو گا
وہ فضل عمر بھی ہے وہ محمود بھی ہو گا"

اس لفظ عمر میں تھے یہ پوشیدہ معانی
اس "قدرت ثانی" کا وہ ہے "مظہر ثانی"
جب ہو گئی اس طرح سے تعیین زمانی
مومن کے لیے اِک ہی کافی ہے نشانی

پس حضرت محمود کی حقانی خلافت
تائید میں ہر طرح کی رکھتی ہے شہادت

اللہ ہمیشہ یہ خلافت رہے قائم
احمد کی جماعت میں یہ نعمت رہے قائم
ہر دور میں یہ نور نبوت رہے قائم
یہ فضل ترا تا بہ قیامت رہے قائم

جب تک کہ خلافت کا یہ فیضان رہے گا
ہر دور میں ممتاز مسلمان رہے گا

دوستوں سے

آپ کو مجھ سے یہ شکوہ ہے کہ چپ رہتا ہوں
گیت لکھتا ہوں کوئی اور نہ غزل کہتا ہوں
مجھ میں پہلی سی وہ اب شوخیٔ گفتار نہیں
سرد جذبات ہیں، وہ گرمیٔ افکار نہیں
ہے کہاں آج وہ رنگین بیانی میری
سرد کیوں پڑ گئی وہ شعلہ فشانی میری
اب نہ جذبات میں طوفاں ہے نہ کوئی ہلچل
کیا ہوا مجھ کو کہ دنیا ہی گئی میری بدل
اب نہ وہ زور بیاں ہے نہ خیال آرائی
مہ وشوں کا نہ کوئی ذکر بصد رعنائی

نازنینوں کی اداؤں کی کوئی بات نہیں
لب و رخسار کی رنگین حکایات نہیں

آپ کا شکوہ سر آنکھوں پہ شکایت تسلیم
مجھ کو احساس ہے خود اس کا مگر میرے ندیم

میں نے دیکھے ہیں ان آنکھوں سے کچھ ایسے منظر
روح بھی جن کے تصور سے لرز جاتی ہے
نقش ہے جس کا اثر آج بھی لوحِ دل پہ
ذکر سے جن کے خرافت کو حیا آتی ہے

نازنینانِ وطن خاک بسر دیکھی ہیں
بھوک کے مارے بلکتے ہوئے ننھے بچے
عصمتیں کتنی سرِ رہگذر دیکھی ہیں
ماؤں کی گود میں دم توڑتے میں نے دیکھے

ٹھوکریں مارتے انسانوں کو انساں دیکھے
سرکشوں کو نئی کاریں میں کرتے دیکھا
شکل انسان میں کچھ ایسے بھی حیواں دیکھے
اور انسان کو فٹ پاتھ پہ مرتے دیکھا

میں نے انسان کی تذلیل کے منظر دیکھے
میں نے مظلوم کی آہوں کا دھواں دیکھا ہے
خاک میں لوٹتے سرگشتہ مقدر دیکھے
چشم نمناک کا دلدوز سماں دیکھا ہے

عدل و انصاف کے پیکر میں بلا کو دیکھے
اطلس و دیبا میں لپٹی ہوئی لاشیں دیکھیں
بھیس میں راہبروں کے کئی ڈاکو دیکھے
چیتھڑے اوڑھے نظر آئے کئی زہرہ جبیں

برص کے داغ چھپائے ہوئے غازے کی تہیں
میں نے دیکھی ہیں ملمع جنہیں خود آپ کہیں

ایسے ماحول میں ذکرِ لب و رخسار ہو کیا
گیت کس طرح لکھوں شوخیٔ گفتار ہو کیا

غزلیات

آج بھی اُن سے وہی ربط نہاں ہے کہ جو تھا
دل اسیرِ خمِ گیسوئے بُتاں ہے کہ جو تھا

مضطرب دل میں وہی ایک کسک ہے کہ جو تھی
آج بھی سر پہ وہی کوہِ گراں ہے کہ جو تھا

ہم پہ اُن کی وہی پہلی سی جفا آج بھی ہے
اُن پہ ہم کو وہی اگلا سا گماں ہے کہ جو تھا

اب بھی تقدیر کی گردش کا ہے انداز وہی
وہی اسلوبِ جہاں گذراں ہے کہ جو تھا

اُن کی ہر بات سے اب بوئے نفاق آتی ہے
اب وہ اخلاص کا احساس کہاں ہے کہ جو تھا

ترکِ اُلفت سے بھی دل کو نہ ہوئی کچھ تسکین
اشک خوں آج بھی آنکھوں سے رواں ہے کہ جو تھا

اُن سے مل کر بھی مرا سوزِ دروں کم نہ ہوا
دلِ مضطر میں وہی دردِ نہاں ہے کہ جو تھا
شوخیٔ حُسن وہی عشق پہ قدغن بھی وہی
یعنی اب بھی وہی دستورِ جہاں ہے کہ جو تھا

حیات بارِ گراں ہے چلے چلو چپ چاپ
یہاں زباں ہی زباں ہے چلے چلو چپ چاپ
مصیبتیں جو پڑیں ہنس کے جھیلتے جاؤ
مجالِ شکوہ کہاں ہے چلے چلو چپ چاپ
کسی کا مونس و ہمدم ہے یاں نہ کوئی رفیق
یہ شہرِ مطلبیاں ہے چلے چلو چپ چاپ
اُمید رکھیں تو کس سے بھروسہ کس پہ کریں
ہمارا کون یہاں ہے چلے چلو چپ چاپ
ہجومِ یاس میں جاتی رہی شکیبائی
نہ تابِ آہ و فغاں ہے چلے چلو چپ چاپ
رہِ حیات میں بچھڑے ہیں کس قدر ساتھی
نہ جانے کون کہاں ہے چلے چلو چپ چاپ
یہ زندگی جسے سمجھے ہو منزلِ مقصود
یہ راستے کا نشاں ہے چلے چلو چپ چاپ
گِلہ کرو نہ زمانے کی کج ادائی کا
کہ یہ تو رسمِ جہاں ہے چلے چلو چپ چاپ

قطعات

جس قدر بھی ہو سکے اے نیک خُو
خرچ کر اللہ کے رستے میں تو
صاف ارشادِ خداوندی ہے سُن
لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوا

چاہتے ہو تم کہ پاؤ مدعا
کوششیں اپنی رکھو جاری سدا
ہے دُعا بھی اک ضروری شے مگر
لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی

بسمل ۔ جناب فضل الرحمٰن صاحب بھیروی

فضل الرحمٰن نام ۔ بسمل تخلص ۔ آپ کے والد ماجد حضرت مولوی حاجی عبدالرحمٰن صاحب کو حضرت حکیم الامت مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح اوّل کی ایک عزیزکے دوست شریکا بجائی ہونے کا شرف حاصل تھا ۔ آپ اپنے خاندان کے پہلے فرد تھے جس نے قادیان جاکر حضرت مسیح موعود (آپ پرسلامتی ہو) کے دستِ حق پر بیعت کرنے کا شرف حاصل کیا ۔ ان کے دادا جان کو اپنے بیٹے کا بیعت میں داخل ہونا پسند نہ آیا کیونکہ آپ کے خیال میں حضرت مہدی السلام کے متعلق احادیث میں جو نشانیاں بیان کی گئی تھیں اُن پر (نعوذ باللہ) حضرت مرزا صاحب پورے نہ اُترتے تھے ۔ اسی خیال کو دل میں لے کر قادیان گئے کہ احادیث کی رو سے مرزا صاحب کو قائل کر کے اپنے ہونہار بیٹے کو واپس لے آئیں گے لیکن حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کی مجلس میں بیٹھے اور حضور کے دلائل کو سُنا تو خود بیعت کرنے پر مجبور ہو گئے ۔ بعد ازاں سارا خاندان حلقہ بگوش احمدیت ہو گیا ۔ بسمل صاحب کے تایا جان حضرت حاجی فضل الٰہی صاحب مرحوم (مدفون ربوہ) نے بھی بیعت کرلی ۔ اور تادمِ آخر اس عہد کو نبھایا ۔

بسمل صاحب کے والد ۱۹۲۳ء میں فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے مکہ مکرمہ پہنچے تو بوجہ تبدیلی حکومت دو ماہ تک مدینہ شریف جانے کا راستہ حکماً بند کر دیا گیا ۔ آپ فریضہ حج ادا کرنے کے بعد مکہ سے جدہ تشریف لے گئے اور حضرت صاحبزادہ میاں وسیم احمد کے نانا جان حضرت سیٹھ ابوبکر یوسف صاحب کے مکان پر سکونت پذیر ہو گئے اور اس خیال میں تھے کہ راستہ کھلے تو مدینہ منورہ کی زیارت سے شرف یاب ہو کر بھیرو واپس جائیں لیکن یہ حسرت پوری نہ ہوئی ۔ جدہ میں وفات پا کر وہیں مدفون ہوئے ۔ بسمل صاحب کی عمر اس وقت پندرہ سال تھی ۔ آپ نے ۱۹۲۶ء میں ٹی آئی ہائی اسکول قادیان سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور کچھ ٹریننگ حاصل کر کے اسکول ماسٹر بن گئے ۔ دورانِ ملازمت منشی

فاضل ایف اے اور بی اے پاس کر کے لاہور ٹریننگ کالج میں داخل ہوگئے اور بی ٹی کی ڈگری حاصل کی۔ سنہ ۱۹۶۰ء میں آپ ملازمت سے سبکدوش ہوگئے۔

سنہ ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں آپ کا بھیرہ والا مکان اور سامان لوٹا اور جلایا گیا۔ قریباً ایک لاکھ روپیہ کا نقصان ہوا۔ آپ پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ سر پر زخم آئے لیکن اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا۔ آپ اس وقت جماعت احمدیہ بھیرہ کے امیر تھے۔ حالات اس درجہ ناسازگار ہوگئے کہ زیادہ عرصہ بھیرہ میں رہنا ناممکن ہوگیا۔ اس لئے ترکِ سکونت کر کے ربوہ چلے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا مکان بنانے کی توفیق عطا کی۔ بھیرہ والا مکان اگرچہ سہ منزلہ تھا لیکن صرف ۴ مرلے پر تھا۔ ربوہ میں ۴۰ مرلے پر مکان بنانے کی توفیق ملی جو پیشتر کے مقابلہ میں دس گنا ہے۔

آپ نے سنہ ۱۹۶۲ء میں "بھیرہ کی تاریخ احمدیت" طبع کرائی تھی جس میں بزرگان سلسلہ مثلاً حکیم الامت حضرت مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح اول، حضرت مفتی محمد صادق صاحب، حضرت حکیم فضل دین صاحب، حضرت سید امیر حسین شاہ صاحب کے علاوہ پنجابی کے مشہور احمدی شاعر مولوی دلپذیر صاحب اور ان کے صاحبزادے ڈاکٹر منظور صاحب کے حالات بھی درج ہیں۔ حضرت مولوی دلپذیر صاحب پنجابی کے وہ مشہور شاعر ہیں جنہوں نے قرآن شریف کی منظوم تفسیر پنجابی زبان میں لکھی تھی۔ اس کے علاوہ "گلزار مکہ" اور "گلزار مدینہ" میں جملہ مناسک حج اور زیارت کی معلومات ہیں۔ علاوہ ازیں تیس کے قریب دیگر کُتب بھی تصنیف فرمائیں۔ آپ کے صاحبزادے ڈاکٹر منظور احمد صاحب سے مرکزی نظام اصلاح وارشاد نے کتاب "ھدی للمتقین" لکھوا کر شائع کی۔ حضرت مفتی خادم حسین صاحب (رفیق بشمول ۳۱۳) بھی اعلیٰ پایہ کے شاعر تھے۔ انھوں نے ایک معرکۃ الآرا کتاب "تحقیق واقعاتِ کربلا" بھی لکھی تھی۔ اسی طرح مولوی محمد حسین صاحب احمد آبادی بھی پنجابی کے اچھے شاعر تھے۔ اُن کی ایک پنجابی مناجات بہت مشہور اور زبان زد خلائق ہے۔

تبسّل صاحب جامعہ احمدیہ میں انگریزی کے استاد کی حیثیت سے خدمات بجا لاتے رہے ہیں۔ آپ کے صاحبزادے محمود مجیب اصغر صاحب اسلام آباد میں سول انجنیئر اور بڑے ہی مخلص سلسلہ کی خدمات بجالانے والے تھے۔ آپ کے مضامین اکثر روزنامہ الفضل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ ایک

عرصہ تک نوابشاہ میں بھی رہے اور خاکسار سے مخلصانہ تعلقات قائم ہوئے۔

نمونہ کلام

"مولا بس"

اہلِ عالم کو مال کی ہے ہوس
ہم کو مدِّ نظر ہے "مولا بس"

صرف رزق حلال ہے مقصود
ماسوا اس کے سب ہے خار و خس

جاہ و منصب پہ لوگ مرتے ہیں
شہد پر جیسے اگرے ہے مگس

خاتم الانبیاء محمّد ہیں
اُن پہ آکر ہوئی نبوت بس

احدیت کی خوب ہے تسلیم
ہم نہ ہوں گے کبھی اسیر ہوس

دست و بازو سے کمائیں اگر
راہِ مولا میں دیں گے پورے وس

قافلہ ہے یہ جاں نثاروں کا
سُن رہے ہے سبھی صدائے جرس

سارا عالم ہو خادمِ اسلام
ہے یہی آرزو یہ خواہش بس

مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات

خداوند تو اپنا فضل کر دے
مرے دل میں محبت اپنی بھر دے

محبت پاک لوگوں کی عطا کر
فدائی اپنے بندوں کا تو کر دے

عطا ہو دین کی خدمت کی طاقت
مجھے خدّام احمدیں سے کر دے

ملے عمرِ دراز اور تندرستی
مرا گھر رزقِ طیّب سے بھی بھر دے

کمی آئے نہ در تکمیل حاجت
غنی ہے تو غنا میں حصّہ کر دے

تری رحمت ہے جاری کل جہاں میں
مری بخشش کے ساماں جلد کر دے
میں جس پر چل کے تیرے پاس پہنچوں
عطا مجھ کو وہ سیدھی راہ کر دے
ہمارا قادیاں جلدی ملے اب
یہ ایام جدائی ختم کر دے
ملے اسلام کو غلبہ شتابی
یہ دن ادبار کے اب دُور کر دے
یہی بسمل دُعا ہے دردِ دل سے
رضا اپنی عطا اللہ کر دے

مناجات

مَیں اعمالِ شنیع پر ہوں پشیماں
عذابِ نار سے ہوں سخت لرزاں
نہیں حد و شمار سہو و عصیاں
سہارا ہے تری رحمت کا سر آں
مجھے مہلت جو اب تک تُو نے دی ہے
تری رحمت پہ مری جان قرباں
مَیں لے آیا ہوں بس جانِ لرزاں
نگاہ سرمسار و قلب گریاں
ٹھکانا ہو جہاں میں میرا کیونکر
اگر ہو جائیں سب اعمال عُریاں
تیری رحمت نے کی ہے پردہ پوشی
رہا میں تیری چادر میں ہی پنہاں
مری فریاد سُن اے جانِ جاناں
نہ مجھ کو چھوڑ اب حیراں و ترساں
محمد پر ہماری جاں فدا ہے
وہ ہے اُمّت کا اپنی خود نگہباں
مسیح پاک کی صورت میں آ کر
چھڑایا ہم سے ہے سب سہو و عصیاں
وہ برکت دی ہے ہم کو تُو نے مولا
کہ دشمن دیکھ کر ہوتا ہے حیراں
دُعا ہر دم مرے لب پر یہی ہے
الٰہی عاقبت محمود گرداں

نعت

اے ہاشمی قریشی اُونچے گھرانے والے
لاکھوں سلام تم پر مکّے مدینے والے

تم اسمِ بامسمّٰی یعنی کہ ہو محمّد
تعریف کے ہو قابل رتبہ پانے والے

تم خاتمِ رُسل ہو محبُوبِ کبریا ہو
نبیوں میں سے افضل اعلیٰ مقام والے

تعلیم جو تھی ناقص منسوخ حق نے کردی
اکمل تریں شریعت قرآں کو لانے والے

لات و منات سارے اوندھے گرانے والے
توحید حق کا جھنڈا اُونچا اٹھانے والے

منعم علیہ کا درجہ ہم کو دلانے والے
اور تربیت سے اپنی حق سے ملانے والے

حالت شرحِ صدر کی سب کو بتانے والے
شق معجزہ قمر کا ظاہر دکھانے والے

اللہ سے حکم پا کر سب کو سُنانے والے
خود مستقیم رستہ ہم کو دکھانے والے

محمّد رحمۃ للعالمیں ہے
پیامی اس کا خود روح الامیں ہے

محمّد مصطفےٰ شمس الضحیٰ ہے
مسیحِ آخر زماں ماہ جبیں ہے

محمّد منفرد صادق امیں ہے
جہاں میں اس کا ثانی ہی نہیں ہے

بیاں الفاظ میں ہو شان اس کی
یہ مجھ عاجز سے تو ممکن نہیں ہے

وہ ہفت افلاک سے آگے گیا ہے
رسائی اس کی تا عرشِ بریں ہے

خدا تک اب رسائی کا ذریعہ
فقط اسلام کا حبل المتیں ہے

خوشی سے کرو ذکرِ الٰہی
یہی کچھ مصلحت کے اب قریں ہے

مثیلِ مہدی آخر زماں یہ
بشیر الدین محمود حسیں ہے

کناروں تک زمیں کے دیں کا چرچا
ہے پہنچایا اُسے صد آفریں ہے

بجے گا دیں کا جلدی ہی ڈنکا
بفضلِ حق یہ بسمل کو یقیں ہے

بادل کبھی چھپا نہ سکا شمس کی ضیا
جھکڑ ہزار پر نہ بجھا چاند کا دیا

اس زندگی کے طور نرالے ہیں دوستو
عاشق جو مر گیا ہے حقیقت میں ہے جیا

اک جام بھر کے میں نے محبت کا ہے پیا
اس کا خمار عمر کے انجام تک رہا

اُلفت کا میں نے چپکے سے اظہار تھا کیا
اتنی سی بات یار نے طوفاں کیا بپا

جاں دے کے ہم نے یار کی حاصل ہے کی رضا
اقرار ہے یہ رُوح کہ سودا نہ تھا بُرا

اس کی نگہ ناز کی لذت عجیب تھی
رگ رگ میں اثر پہنچا ہے محظوظ میں ہوا

عشقِ رسُول پاکؐ رگ و پے میں رچ گیا
بسمل نہیں ہے اور کچھ درکار ماسوا

حق تعالیٰ ہے کہ جو دم ساز ہے
آدمی تو ہر طرح ناساز ہے

خوب تھیں باتیں ہوئیں معراج شب
اس کا احمدؐ ہو گیا ہمراز ہے

ایک دم میں فرش تا اوجِ فلک
مردِ مومن کی بڑی پرواز ہے

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا
دل کا جلنا تو فقط آغاز ہے

دفعتہً لگتی ہے آکے سر پہ وہ
اس کی لاٹھی میں نہیں آواز ہے

اب نہیں اغیار کا مجھ کو ہے خوف
خود خدا اپنا ہوا دم ساز ہے

منہ زبانی دعویٰ الفت ہیچ ہے
مردِ مومن وہ کہ جو جانباز ہے

ہے بشیر الدین جو محمود ہے
بسمل ناچیز تو ایاز ہے

چودھری بشیر احمد خاں صاحب

چودھری بشیر احمد خاں ایک بلند پایہ ادیب، اچھے شاعر اور بہترین نقاد ہیں۔ آپ موضع چھور کالوان تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ کے ایک نہایت معزز گھرانے میں یکم جون ۱۹۰۰ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم چودھری غلام احمد صاحب پابند صوم وصلوٰۃ اور اہل دل بزرگ تھے۔ وہ سرکاری ملازمت میں تھے اور لدھیانہ، دہلی وغیرہ میں متعین رہے۔ چودھری بشیر احمد خاں ہر جگہ ان کے ہمراہ رہے آپ کی ابتدائی دینی تربیت آپ کے والد بزرگوار ہی کے فیضِ نظر سے ہوئی۔ ۱۹۱۲ء میں وہ انتقال فرما گئے۔

چودھری بشیر احمد خاں نے انٹرنس کا امتحان گورنمنٹ ہائی اسکول سیالکوٹ سے پاس کیا۔ انٹرنس پاس کرنے کے بعد آپ نے اسلامیہ کالج لاہور میں داخلہ لیا اور وہاں سے ۱۹۲۲ء میں بی۔ اے پاس کیا۔ کالج میں آپ کو عربی کے مضمون اور شعر و شاعری سے بہت شغف رہا۔ ۱۹۲۵ء میں آپ نے لا کالج لاہور سے ایل ایل کا امتحان پاس کیا اور لاہور ہی میں وکالت کی پریکٹس شروع کر دی۔ آپ پانچ سال تک وکالت کی پریکٹس کرتے رہے پھر پی سی ایس جوڈیشنل کے امتحان میں شریک ہو گئے جس میں نمایاں کامیابی حاصل کی اور ۱۹۳۰ء میں سب جج بنا دیئے گئے۔

دس سال تک آپ سب جج رہے اور بھیرہ، مظفر گڑھ، جگادھری، دہلی وغیرہ میں آپ کا تقرر رہا۔ ۱۹۴۰ء میں آپ مرکزی حکومت ہند کے محکمہ سپلائی میں چلے گئے۔ ۱۹۵۵ء میں آپ پاکستان کے محکمہ سپلائی سے پلاننگ کمیشن میں متعین ہوئے اور ۱۰ نومبر ۱۹۵۶ء کو آپ پاکستان انڈسٹریل کریڈٹ اینڈ انوسٹمنٹ کارپوریشن کے جسے اختصار سے "پک اک" کہا جاتا ہے۔ ڈپٹی مینجنگ ڈائریکٹر لاہور ریجن مقرر ہوئے۔ تا حال آپ اسی عہدہ پر فائز رہے اور ماڈل ٹاؤن لاہور میں رہائش پذیر رہے۔

چوہدری بشیر احمد خان کا حلقہ احباب ہمیشہ بہت وسیع رہا ہے۔ اعلیٰ معاشرتی حلقوں میں آپ کا بہت احترام کیا جاتا ہے۔ آپ کی گفتگو میں تنقید کا پہلو اور خود اعتمادی کی جھلک نمایاں ہوتی ہے۔ طبیعت میں فراخی اور نظر میں وسعت ہے۔ آپ کی پیدائش یکم جون کو ہوئی۔ علم نجوم کی زبان میں آپ کا بحیثیت مجموعی کردار آفتاب اور عطارد کا کامیاب ترین و حسین امتزاج ہے۔

چوہدری صاحب شعر کے حسن و قبیح، صنائع بدائع وزن اور بحر سے پوری طرح واقف ہیں خود شعر کہہ سکتے ہیں اور کہہ لیتے ہیں لیکن آپ کو شعراء کی صف میں شامل ہونے سے اس لئے احتراز ہے کہ آپ کبھی کبھار جو کچھ کہتے ہیں وہ شاذ کے ذیل میں آتا ہے اور شاذ کے ذیل میں آنے والا سخن ور آپ کے نزدیک پختہ شاعر نہیں ہوتا۔ شعر پر آپ کی تنقید ہمیشہ معیاری اور بے لاگ ہوتی ہے اصناف شاعری میں سے آپ کو غزل پسند ہے اور غزل میں حسرت موہانی کا انداز زیادہ مرغوب ہے۔

آپ کو ہزار ہا شعر زبانی یاد ہیں۔ جن کے برمحل استعمال کی بدولت بعض دفعہ بے کیف سے بے کیف محفل بھی رنگ پر آجاتی ہے۔ آپ پابند صوم و صلوٰۃ اور اہل دل ہیں۔ مذہبی کتب اور شعر و شاعری کا مطالعہ آپ کا خاص شغف ہے۔ فلاکت زدہ شعراء اور ادباء کی دامے درمے مدد کرتے رہتے ہیں۔ تعمیری نقطہ نظر رکھنے والا انداز زندگی آپ کو بہت پسند ہے وہ خواہ کسی کا ہو۔

آپ انجمن ترقی ادب ماڈل ٹاؤن کے وائس پریذیڈنٹ رہے اور اس کے معاملات میں ہر لحاظ سے گہری دلچسپی لیتے رہے۔

(منقول از "یارانِ نو" شائع کردہ انجمن ترقی ادب لاہور)

بآبر۔ ظہور الدین بآبر ایم اے

آپ ۱۹۴۲ء میں قادیان میں پیدا ہوئے۔ تعلیم ربوہ میں حاصل کی۔ چند سال پرائیویٹ ملازمت کی۔ اس کے بعد محکمہ تعلیم سے وابستہ ہو گئے۔ ۳۵ سال تدریسی و انتظامی فرائض سرانجام دے کر پرنسپل گورنمنٹ کمرشل کالج کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔ بحیثیت پرنسپل گورنمنٹ ٹریننگ انسٹیٹیوٹ وزیر آباد کالج میگزین "قندیل" شائع ہوا۔ اسی طرح چنیوٹ گورنمنٹ انسٹیٹیوٹ کے پرنسپل کی حیثیت سے آپ کی کوشش سے کالج میگزین "فانوس" شائع ہوا۔ آپ کی شاعری کا مجموعہ "میری نظمیں" کے عنوان سے زیر ترتیب ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی نثر میں ۱۔ طلباء کے ساتھ ساتھ ۲۔ میری یادیں ۳۔ میرے اساتذہ ۴۔ میرے صاحب تخلیقات بھی زیر ترتیب ہیں۔

امید ہے شعر و ادب کی دنیا میں آپ کی تخلیقات ایک اہم اضافہ ثابت ہوں گی۔ آج کل آپ کا زیادہ وقت مطالعے اور تصنیف کے کاموں میں گزرتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ انجمن خادمان دبستان امیر مینائیؒ کے سیکرٹری رابطہ و اشاعت کی حیثیت سے خدمات بجا لا رہے ہیں۔

نمونہ کلام

خاموش ہو گیا ہے چمن بولتا ہوا

کانوں میں زندگی کا رس گھولتا ہوا ۔۔۔ باتوں میں اپنی لعل و گہر رولتا ہوا

کیا رنگ تھا عجیب سوال و جواب کا ۔۔۔ وہ آگہی کے سینکڑوں در کھولتا ہوا

کس بات کو کہیں کہ وہ بات خوب تھی ۔۔۔ ہر بات تو وہ جیسے کرے تولتا ہوا

اس کے بغیر چھا گئی ہر سمت تیرگی — خاموش ہو گیا ہے چمن بولتا ہوا
کیا جانئے کہ کیسے سنبھلے ہوئے ہیں ہم — ورنہ تو ٹوٹ جاتا یہ دل ڈولتا ہوا

مسرور نے دلوں کو بہت حوصلہ دیا
اور زندگی کا ایک نیا ولولہ دیا

پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی یاد میں

سلام اس پر کہ علم و حکمت میں کتنا اونچا ہے نام جس کا
سلام اس پر کہ غیر سارے بھی مانتے ہیں مقام جس کا
سلام اس پر کہ اک کرشمہ تھی ذات جس کی حیات جس کی
سلام اس پہ وطن کی حرمت کی پاسداری پیام جس کا

ملے تھے اعزاز دنیا بھر سے سلام تجھ کو نگر نگر سے
امام رابع کی شفقتوں کا بڑا تھا اعزاز اپنے گھر سے
رہا سدا تجھ پہ رب کا سایہ کبھی نہ کبر و غرور کیا
ملے جو تجھ کو مقام عالی نہ چھپ سکیں گے کسی نظر سے

زمانے بھر کی حدوں سے آگے گیا تھا فکر و خیال تیرا
کہ برق و جوہر کی طاقتوں کا ہے ایک کرنا کمال تیرا
یہ ایک نوبل کی بات کیا ہے ابھی تو اور اعتراف ہوں گے
بھلا سکے گی نہ تجھ کو دنیا کبھی نہ ہو گا زوال تیرا

پرویز پروازی - جناب ناصر احمد صاحب قادیانی

نام ناصر احمد۔ قلمی نام پرویز پروازی۔ تعلیم ایم اے پی ایچ ڈی۔ صدر شعبہ اُردو تعلیم الاسلام کالج ربوہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو قادیان ضلع گورداسپور پنجاب میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم تعلیم الاسلام ہائی اسکول میں حاصل کی۔ ۱۹۵۸ء میں تعلیم الاسلام کالج ربوہ سے بی۔اے (آنرز) ۱۹۶۰ء میں پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج سے ایم۔اے اور ۱۹۶۶ء میں پنجاب یونیورسٹی سے پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

آپ جناب مولانا احمد خان صاحب نسیم کے فرزند ارجمند اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کے ایک ہونہار خادم ہیں۔ جناب احمد خان صاحب نسیم سلسلہ عالیہ احمدیہ کے ممتاز مبلغ ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد اور صدر انجمن احمدیہ کے ممبر ہیں۔

پرویز صاحب کو اردو زبان، اُردو ادب اور شعر و شاعری کی طرف میلان قدرت کی طرف سے ودیعت ہوا ہے اور آپ زبان و ادب کی خدمت کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ آپ کے رشحاتِ قلم ملک کے مؤقر جریدوں میں اشاعت پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ آپ ایک نہایت درجہ منکسر المزاج اور بااخلاق انسان ہیں۔ آپ کے خوبصورت چہرہ سے ذہانت اور شرافت کے آثار ہویدا ہیں۔

نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

زباں پہ جب بھی محمدؐ کا نام آئے گا
حریم عرش بریں سے سلام آئے گا

یہی ہیں معنی ختم المرسلین کہ دنیا میں
جب آئے گا تو اُسی کا غلام آئے گا

بہ فیض پرتو مہر جمال مصطفویؐ
شب آچکے گی تو ماہ تمام آئے گا

اُسی کے نور سے سینوں میں روشنی ہوگی اُسی کے ہاتھ سے کوثر کا جام آئے گا
گلوں کو پیرہنِ برگ تر عطا ہوگا کلی کو بادِ صبا کا پیام آئے گا

یہ پانچ شعر ہیں پرویزؔ میرا زادِ سفر
یہ زاد وہ ہے جو منزل پہ کام آئے گا

میرا آقا

کیا خوف مجھ کو روزِ جزا کے حساب کا ہم نام ہوں میں ناصرِ عالی جناب کا
آنکھیں وہ جیسے نور کی ندی چڑھی ہوئی چہرہ وہ جیسے پھول کھلا ہو گلاب کا

کٹھن ہیں مرحلے گو ہجر کی فصیلوں کے بڑے ہیں حوصلے لیکن ترے قتیلوں کے
کبھی تو رحمتِ بارانِ اشک ہو ان پہ ترس گئے ہیں کنارے اداس جھیلوں کے
دلیل بن گیا اُن کے لئے ترا چہرہ اگرچہ لوگ تو قائل نہ تھے دلیلوں کے

تبسّم ۔ جناب عبدالرشید صاحب تبسّم ایم ۔ اے

نام عبدالرشید، تبسم تخلص ۔ ۲۹ جون ۱۹۱۱ء کو صبح ساڑھے تین بجے گورداسپور کے مضافاتی گاؤں ادھلہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش کے وقت بہت بارش ہوئی۔ شدتِ گرما میں اسے نیک فال سمجھا گیا۔

آپ کے دادا مولوی اللہ دین اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم تھے۔ وہ مدتوں دلی میں مغل شہزادوں کے اتالیق رہے۔ رخصت پر وطن آئے تو اسی دوران میں غدر ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اب انھوں نے ادھلہ ہی میں اسکول قائم کر دیا جس میں دور دور سے آکر طلبا داخل ہوتے رہے۔ ان کے شاگردوں میں شیخ امیر علی مرحوم سیشن جج اور دیوان بہادر راجہ نریندر ناتھ کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ شیخ سر عبدالقادر مرحوم نے تبسم صاحب کی کتاب "دوست اور دشمن" پر جو دیباچہ لکھا ہے اس میں انھوں نے ذکر کیا ہے کہ شیخ امیر علی مرحوم مولوی اللہ دین کے حالات اکثر سنایا کرتے تھے جب انگریزی حکومت کا قیام ہوا اور گورنمنٹ نے گورداسپور میں ہائی اسکول قائم کیا تو مولوی صاحب اس اسکول کے پہلے ہیڈ ماسٹر مقرر کئے گئے۔ تبسّم صاحب کے والد چودھری عبدالغفور مرحوم صوفی منش آدمی تھے وہ سرکاری ملازمت میں تھے۔

تبسم صاحب نے ادھلہ ہی کے رہنے والے مولوی غلام رسول مرحوم سے پانچ سال کی عمر میں قرآن پڑھا اور آخری پارہ حفظ کیا۔ اس کے بعد آپ کو گورنمنٹ ہائی اسکول گورداسپور کی پہلی جماعت میں داخل کیا گیا۔

موزونی کلام کا جوہر خدا نے آپ کو پیدائش ہی سے عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ نے گیارہ سال کی عمر میں شعر کہنا شروع کیا۔ آپ نے سب سے پہلی جو نظم لکھی اس کا ایک شعر محفوظ رہ گیا ہے ۔

میں جو گزراں کے کوچے سے وہ فرمانے لگے
آج سے ایک اور بازہ ہمارا ہو گیا

بارہ سال کی عمر میں جبکہ آپ اسکول کی ساتویں جماعت کے طالب علم تھے آپ کی پہلی نظم وطن سے تعلق "ہندوستان" کے عنوان سے لاہور کے رسالہ نونہال میں چھپی۔ اس نظم پر رسالہ کے ایڈیٹر نے ایک حوصلہ افزا نوٹ بھی لکھا جس میں اس ننھے منے شاعر کو بڑی داد دی۔

اسی زمانے میں گورنمنٹ ہائی اسکول گورداسپور کے نئے ہیڈ ماسٹر احمد دین مقرر ہوئے۔ یہ صاحب کسی زمانے میں امان اللہ خان والی افغانستان کے اتالیق رہ چکے تھے۔ اور انگریزی فارسی اور اردو کے بڑے عالم اور صاحب ذوق تھے۔ انہوں نے آتے ہی تبسم صاحب کو اپنی علمی سرپرستی میں لے لیا۔

ان دنوں گورداسپور کی ایلیٹ لائبریری میں باقاعدگی سے ہر ماہ مشاعرہ ہوا کرتا تھا۔ ایک دفعہ منتظمین نے بڑے پیمانہ پر ایک طرحی مشاعرہ کا اہتمام کیا جس کی صدارت کے لئے بسمل الہ آبادی تشریف لائے۔ مصرع طرح کا قافیہ ردیف "تصویر ہے"۔ "تقریر ہے" وغیرہ تھا۔ ہیڈ ماسٹر کے ایما پر تبسم صاحب نے بھی طرح غزل کہہ ڈالی اور ہیڈ ماسٹر صاحب انہیں اپنے ہمراہ مشاعرہ میں لے گئے۔ مشاعرہ شروع ہوا تو ہیڈ ماسٹر صاحب نے صدر کی اجازت سے ایک مختصر سی تقریر کی جس میں حاضرین سے اپنے اس شاگرد کا تعارف کرایا۔ اس کے بعد تبسم صاحب سے غزل سنی گئی۔ اس غزل کا صرف مطلع محفوظ رہا ہے۔ ؎

پردہ حسنِ ازل میں خندہ زن تقدیر ہے
خود ادا موسیٰ کی موسیٰ کے لئے زنجیر ہے

غزل بہت پسند کی گئی اور مشاعرہ کے اختتام پر بسمل صاحب دیر تک تبسم صاحب سے باتیں کرتے رہے اور ان کی حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ اس وقت تبسم صاحب کی عمر تیرہ سال تھی اور یہ پہلا مشاعرہ تھا جس میں انھوں نے شرکت کی۔

حافظ احمد دین نے تبسم صاحب سے انٹرنس کے انگریزی نصاب میں شامل ایڈیسن اور لانگ مین

کی نظموں کا اُردو نظم میں ترجمہ کیا اور ایسے چارٹ بنوائے جن میں انگریزی نظم اور اس کا منظوم اُردو ترجمہ آمنے سامنے دیا گیا۔ ان نظموں کو طلباء کے ذہن نشین کرانے کے لئے اسکول کے کمروں میں آویزاں کئے گئے۔

ان ہی دنوں سیاسی اصلاحات کے سلسلہ میں سائمن کمیشن ہندوستان آیا تو وہ گورداسپور بھی گیا وہاں سے اس کی روانگی کے وقت اُسے الوداع کہنے کے لئے اسکول کے قریب سے گزرتی ہوئی سڑک کے دونوں طرف اسکول کے تمام طلبا رکھڑے کئے گئے جن کی تعداد ایک ہزار سے اُوپر تھی۔ انگریز ڈائریکٹر تعلیم بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے سائمن کمیشن کے ممبروں سے حافظ احمد دین کا تعارف کرایا تو حافظ صاحب کی علمیت اور فراست کی بڑی تعریف کی۔ اس پر کمیشن کے ایک ممبر نے حافظ صاحب سے مخاطب ہو کر کہا۔

"مسٹر ہیڈ ماسٹر! آپ نے اس اسکول میں کون سی خصوصیت پیدا کی ہے جو کسی دوسرے اسکول میں پیدا نہیں ہو سکتی۔"

ہیڈ ماسٹر نے فوراً جواب دیا۔ "جناب میں نے درحقیقت یہاں ایک خصوصیت پیدا کر ڈالی ہے۔ وہ خصوصیت ابھی پیش کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر ہیڈ ماسٹر صاحب نے تبسم کو بلایا اور انھیں آگے کر کے کمیشن کے اُس ممبر سے کہا۔ "یہ ہے میرے اسکول کی خصوصیت جو ملک بھر کے کسی دوسرے اسکول میں نہیں۔ میرا یہ شاگرد امسال انٹرنس کا امتحان دے گا۔ یہ اُردو میں ایسی نظمیں لکھتا ہے جو ایمرسن اور لونگ فیلو کی نظموں سے کسی طرح کم نہیں ہوتیں۔ اس نے اِن انگریزی نظموں کی بعض نظموں کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اس کے ترجمے میں اصل انگریزی نظموں کا زورِ بیان برقرار ہے۔ کاش اس وقت کوئی مستشرق آپ کے ہمراہ ہوتا جو انگریزی اور اُردو نظموں کا تقابل کر کے اپنی رائے دے سکتا۔"

کمیشن کے ممبر بے حد محظوظ ہوئے۔ انہوں نے انگریز ڈائریکٹر تعلیم سے کہا۔

"یہ آپ کا ذمہ رہا کہ مذکورہ انگریزی نظموں اور اس طالب علم کے منظوم ترجموں کی نقل ہمیں بھیج دیں۔ ہم بڑی خوشی سے اُن کا تقابلی مطالعہ کریں گے۔"

بعد میں وہ نظمیں انھیں ارسال کر دی گئیں۔ تبسم صاحب اسکول میں وظیفہ خوار رہے گورنمنٹ ہائی اسکول گورداسپور سے میٹرک پاس کرنے کے بعد تبسم صاحب نے لاہور کے اسلامیہ کالج میں داخلہ لیا۔ عمر میں یہ پہلا موقعہ تھا کہ تبسم صاحب لاہور آئے۔ لاہور آتے ہی خوش قسمتی سے ان کی ملاقات مولانا عبدالمجید سالک مرحوم سے ہو گئی۔ محمد دین تاثیر اور مولانا علم الدین سالک اس وقت اسلامیہ کالج میں لیکچرار تھے۔ چند ہی دنوں میں تبسم صاحب اُن سے گھل مل گئے۔ تبسم صاحب ڈاکٹر اقبال کے کلام سے بڑے مسحور تھے۔ یہ لاہور آئے تو ڈاکٹر صاحب سے ملنے کے لئے بہت بیتاب تھے۔ تبسم صاحب کا حافظہ بہت اچھا تھا۔ تین چوتھائی بانگ درا انہیں خود بخود یاد ہو چکی تھی۔ انھوں نے دو ایک مرتبہ تاثیر صاحب سے کہا کہ وہ ڈاکٹر اقبال سے اُن کی ملاقات کرا دیں۔ مگر تاثیر صاحب یہ کہہ کر ٹال دیتے رہے کہ ڈاکٹر صاحب مبتدی شاعروں کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں تم اُن سے نہ ملو۔ قسمت نے تبسم صاحب کی مدد کی اور ڈاکٹر صاحب سے ان کی ملاقات کا انتظام خود بخود بڑے ڈرامائی انداز سے ہو گیا۔ اُن ہی دنوں تبسم صاحب نے ساٹھ ستر شعر کی ایک قومی نظم لکھی، جسے ایک صحبت میں انھوں نے مولانا عبدالمجید سالک کے ایما پر پڑھ دیا۔ اس صحبت میں مولوی غلام محی الدین قصوری بھی موجود تھے۔ وہ اس وقت انجمن حمایت اسلام کے اسسٹنٹ سیکرٹری تھے۔ نظم سننے کے بعد انھوں نے کہا۔

"تبسم صاحب آپ یہ نظم انجمن حمایت اسلام کے آیندہ اجلاس میں پڑھیں گے جو ایک مہینے تک ہونے والا ہے اسے روک لیجیے۔ اس وقت تک کسی رسالے میں شائع نہ کرائیے۔"

تبسم صاحب نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہہ دیا میں یہ نظم انجمن کے صرف اسی اجلاس میں پڑھوں گا جو ڈاکٹر اقبال کی صدارت میں ہو۔ ایک اجلاس کی صدارت پہلے ہی ڈاکٹر صاحب کے لئے مخصوص ہو چکی تھی۔ مولوی صاحب تبسم صاحب سے متفق ہو گئے۔ لیکن متعلقہ اجلاس کا وقت آیا تو ڈاکٹر صاحب نے گھر سے پیغام بھیج دیا کہ ان کے دانت میں تکلیف ہے وہ اجلاس کی صدارت کے لئے نہیں آسکتے۔ اس پر مولوی محی الدین قصوری اسٹیج سے اُٹھ کر گئے کہ خود جا کر ڈاکٹر صاحب کو لانے کی کوشش کریں اور تبسم صاحب یہ سمجھ کر کہ ڈاکٹر اقبال اب نہیں آئیں گے خاموشی سے کھسک گئے اور ہوسٹل سے اپنی

کن ہیرے کر ورنس گارڈن چلے گئے اور وہاں بیٹھ کر شام تک مطالعہ کرتے رہے۔ اُدھر مولوی صاحب ڈاکٹر اقبال کو اُن کے گھر سے اپنے ہمراہ لے آنے میں کامیاب ہو گئے۔ اب ڈاکٹر اقبال کی صدارت میں اجلاس شروع ہوا تو تبسم صاحب کو تلاش کیا جانے لگا۔ مگر یہ کہیں نہ ملے۔ مولوی صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو بتا دیا کہ تبسم صاحب یہ سمجھ کر بھاگ گئے ہیں کہ آپ صدارت کے لئے نہیں آئیں گے۔ بہر حال جب تبسم صاحب اس صورت حال سے آگاہ ہوئے تو انھیں بہت صدمہ ہوا۔ دوسرے دن بعد دوپہر یہ اپنی نظم لے کر ڈاکٹر اقبال کی کوٹھی پہنچ گئے۔ اُس زمانے میں ڈاکٹر صاحب میکلوڈ روڈ پر رہا کرتے تھے تبسم صاحب وہاں پہنچے تو اتفاق سے ڈاکٹر صاحب باہر کھڑے اپنے ملازم علی بخش سے کوئی بات کر رہے تھے۔ بات ختم کر کے انہوں نے تبسم صاحب کی طرف توجہ کی اور انھیں اپنے ساتھ ڈرائنگ روم میں لے گئے اور ان کی آمد کی وجہ پوچھی۔ تبسم صاحب نے کل کا واقعہ بیان کر کے نظم ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ میں تھما دی۔ ڈاکٹر صاحب نے عینک لگائی اور نظم پڑھنا شروع کر دی۔ نظم ختم کرنے کے بعد فرمایا۔

"نظم بہت اچھی ہے۔ بڑا ہی اچھا ہوتا کہ تم اجلاس میں موجود رہتے اور یہ نظم وہاں پڑھ دی جاتی۔" پھر فرمایا: "مولوی صاحب نے مجھے بتایا ہے کہ تمھیں مجھ سے ملنے کا بہت شوق ہے مگر تم مجھ تک آتے ہوئے جھجکتے رہے۔ میں تو درویش آدمی ہوں۔ تمھارا دل جب چاہے آجایا کرو۔"

تبسم صاحب نے جرأت کر کے کہہ دیا: "میں ہر روز حاضر ہو جایا کروں گا۔" اس پر ڈاکٹر صاحب ہنس پڑے اور فرمایا۔

"نہیں۔ ہفتہ میں ایک دن ٹھیک رہے گا۔ کوئی خاص دن مقرر کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہفتہ میں کسی ایک دن آجایا کرو۔"

چنانچہ تبسم صاحب ہر ہفتے ڈاکٹر اقبال کی خدمت میں پہنچ جاتے رہے۔ یہ سلسلہ دو سال تک جاری رہا۔

آپ نے ۱۹۳۲ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔ اے پاس کیا۔ جہاں کئی انعامات حاصل کئے۔ بعد میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے کی ڈگری لی۔ کالج سے فارغ ہو کر اخبار نویسی کا پیشہ اختیار کیا۔ بعض روزنامہ اخبارات اور ماہوار رسائل کے ایڈیٹر رہے۔ کچھ عرصہ میاں سر فضل حسین مرحوم کے ساتھ ان کی

سیاسی پارٹی میں پبلسٹی سیکرٹری کے طور پر اور ان کے انتقال کے بعد کچھ مدت اسی حیثیت سے سر سکندر حیات مرحوم کے ساتھ کام کیا۔ جون ۱۹۴۱ء میں تبسم صاحب مرکزی حکومت ہند کے کسٹم ڈیپارٹمنٹ میں ملازم ہو گئے۔ اور نئی دہلی، احمد آباد، بمبئی، شاہجہانپور، سیالکوٹ اور لاہور میں متعین رہے ملک کی تقسیم پر اُن کی یہ ملازمت پاکستان میں بھی جاری رہی۔ گیارہ سال یہ ملازمت کرنے کے بعد ۱۹۵۲ء میں استعفیٰ دے کر دو سال ادارہ ثقافتِ اسلامیہ کے پبلسٹی آفیسر رہے۔ یہاں ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کی علمی صحبت سے فائدہ اٹھایا۔ اسی دوران میں مولانا جلال الدین رومی کی فارسی تصنیف "فیہ ما فیہ" کا اردو ترجمہ "ملفوظات رومی" کے نام سے کیا اور اس کے متن کے متعلق ایک تحقیقاتی مقالہ لکھ کر پیش لفظ کے طور پر شامل کتاب کیا۔ ملفوظات رومی کے دو ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ تصوف سے دلچسپی رکھنے والے حلقوں میں یہ کتاب بہت مقبول ہے۔ جنوری ۱۹۵۵ء سے آپ رسالہ امداد باہمی کے ایڈیٹر ہیں اور یہی آپ کا ذریعہ معاش ہے۔

تبسم صاحب رفاہ عامہ کے کئی اداروں کے سرپرست، پریذیڈنٹ اور سیکرٹری رہے ہیں آپ دو سال (۳۵-۱۹۳۴ء) آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے اسسٹنٹ سیکرٹری رہے۔ کئی سال سے سوسائٹی فار موشنگ سائنٹیفک نالج کے ماہوار رسالہ روشنی کے اعزازی چیف ایڈیٹر رہے۔ ۱۹۶۱ء سے آپ انجمن ترقی ادب ماڈل ٹاؤن لاہور کے پریذیڈنٹ رہے۔ اور اس وقت تک اس انجمن کے ایک سو مشاعروں کی صدارت کر چکے ہیں۔

آپ انگریزی، فارسی اور عربی پر پورا عبور رکھتے تھے۔ ہندی جانتے ہیں۔ گذشتہ پچیس سال سے فرصت کے اوقات میں علم نجوم آپ کا محبوب مشغلہ ہے۔ اردو میں بے شمار افسانے، کہانیاں، مختلف شعبہ ہائے علوم سے متعلق سینکڑوں مضامین بے شمار نظمیں اور غزلیں لکھ چکے ہیں۔ ایک ناول "وزیر اعظم" اور افسانوں کا ایک مجموعہ "دوست اور دشمن" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ "دوست اور دشمن" کا دیباچہ شیخ سر عبدالقادر مرحوم نے رقم کیا۔ فارسی میں بھی کئی غزلیں کہہ چکے ہیں۔

۱۹۳۶ء میں آپ کی نظم "غلاموں کی بغاوت" پر متحدہ ہندوستان کے بعض رسائل نے تبسم صاحب کو والٹیر آف ایشیا کا خطاب دیا تھا۔ ۱۹۴۳ء میں ماہنامہ نیرنگ خیال نے آپ کو لسان العصر کا

کا خطاب دیا۔

کالج کی تعلیم سے فارغ ہو کر آپ نے تمام مروجہ مذاہب کا بڑی دقیق نظر سے تقابلی مطالعہ کیا اور بالکل غیر جانبدار ہو کر کیا۔ مختلف مذاہب کی بیسیوں کتابیں پڑھنے اور ان مذاہب کے ممتاز رہنماؤں سے مسلسل اور تفصیلی تبادلہ خیالات کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ صرف اسلام ہی زندہ اور بہترین مذہب ہے۔ خداوند تعالیٰ کی ہستی کے متعلق آپ کے دل میں کبھی شک پیدا نہیں ہوا۔

آپ کی عمر شدید آزمائشوں اور مصائب و آلام میں گزری ہے۔ اِس کے باوجود آپ انتہا درجہ کے رجائی ہیں۔ آپ کے کلام میں اُمید اور یقین کا عنصر بہت غالب ہے۔ تبسم صاحب کو یقین ہے کہ طویل عرصہ سے دُنیا بھر کے شعرا اور پوری انسانیت کے لئے جس خوشگوار انقلاب کے خواب دیکھے اور عالم خیال میں گیت گاتے رہے آخر اُس کا وقت آگیا ہے اور اس انقلاب کا آغاز ہو چکا ہے۔"

نمونہ کلام

دُعا

الٰہی! ہر طرف جلووں سے اک محشر بپا کر دے
مری آوارہ نظروں کو حقیقت آشنا کر دے

جہاں کو دے وہ ذوقِ خود نمائی جس طرف دیکھوں
ہر اک ذرہ وفورِ شوق سے آغوش وا کر دے

نہیں خواہش کہ بحرِ بیکراں بن کر اُچھل جاؤں
میں دریا ہوں مجھے تو شوکتِ دریا عطا کر دے

سکونِ دل پیامِ موت ہے اہلِ محبت کو
مجھے اک اضطرابِ جاوداں یارب عطا کر دے

حقیقت میں مرا دل ایک مشتِ خاک ہے لیکن
جو تو چاہے تو اس کو اِک نظر میں کیمیا کر دے

بھٹکتے پھر رہے ہیں اہلِ دل کوئے محبت میں
مرے ہر داغِ دل کو مشعلِ راہ وفا کر دے

ترا بندہ ہوں مجھ کو غیر کا سائل نہ بننے دے
مجھے اپنے کرم سے بے نیازِ ... ماسوا کر دے

بے چارہ گروں کو عمر بھر احساسِ ناکامی
مرے دردِ محبت کو یکسر لا دوا کر دے

گر اس پر نامِ غیر آئے تو جل جائے زباں میری
خیالِ غیر کو دل کے لیے تیرِ قضا کر دے

بنا بیٹھا ہوں اپنا آشیاں اک شاخِ نازک پر
اسے طوفانِ برق و باد سے ناآشنا کر دے

تیری درگاہ میں آیا ہے وہ اک آرزو لے کر
تبسمؔ کو الٰہی کامیاب مدعا کر دے

تیرے جلووں میں کبھی حائل کوئی پردہ نہ تھا
کون سے دن تھے کہ تیرے حُسن کا چرچا نہ تھا

اک قیامت تھا سدا تیری جوانی کا نکھار
تیری اس ہستی سے پہلے بھی کوئی تجھ سا نہ تھا

شہر میں میرے جنوں سے تیری بدنامی سہی
وادی و صحرا میں تیرا حسن کب رسوا نہ تھا

اجنبی سی بزم، اور اُس پر یہ تیری بے رُخی
یوں تو میں پہلے بھی تنہا تھا مگر اتنا نہ تھا

مانگتا ہوں چاند سے شب کو سکونِ دل کی بھیک
عشق اتنا بے نوا ہے یہ کبھی... سوچا نہ تھا

پوچھتا پھرتا ہوں ہر آہو سے میں اپنا پتہ
کھو گیا ہوں میں، مجھے اندازہ صحرا نہ تھا

کچھ تو ہوتا عام دیوانوں سے اس کا امتیاز
تیرے دیوانے کو یوں پتھر پڑیں زیبا نہ تھا

ایک فریبِ نو سے بہلاتا ہوں دل کو ہر سحر
کب مجھے منظور تیرا وعدۂ فردا نہ تھا

قتل پر پرسش ہے اب کوئی، نہ کوئی خوں بہا
عاشقوں کا خون اس بستی میں یوں سستا نہ تھا

کوچہ دلدار ٹھہرا زندگی کی رہ گزر
اِس گلی سے بچ کے چلنے کا کوئی رستا نہ تھا

یاد آتے ہیں تبسمؔ آج وہ فرصت کے دن
دل نہ تھا بیتاب جب سر میں کوئی سودا نہ تھا

اک گھٹی سی آہ کو آہِ رسا کس نے کہا
مجھ شکستہ پا کو منزل آشنا کس نے کہا

میں ہوں اور سنسان گلیاں رات کے پچھلے پہر
لیکن اہلِ شہر سے یہ ماجرا کس نے کہا

دو نگاہوں کا تصادم، دو دلوں کی دھڑکنیں
عشق کا عالم ہے کچھ اس کے سوا کس نے کہا

آنکھوں آنکھوں میں ہوا کرتا ہے دل کا فیصلہ
یہ فسانہ آج تک کس نے سُنا کس نے کہا

عشق کا بیمار مر سکتا نہیں جب موت سے
مجھ مریضِ جاں بلب کو لا دوا کس نے کہا

پانی پانی ہے ندامت سے وہ تیرے سامنے
تجھ سے گُل کا راز اے بادِ صبا کس نے کہا

کاروانِ گُل کے پیچھے ہے خزاں کی گرد بھی
اِس نظارے کو بہارِ جانفزا کس نے کہا

تو نے کی ہوگی ضرور اس سے تبسم التجا
کھُل گئے خود ورنہ وہ بندِ قبا کس نے کہا

وہ مری آنکھوں سے اوجھل ہے نہ میرے دل سے دُور
ہائے مجبوری کہ بیٹھا ہوں اُس محفل سے دُور

لذّتِ آوارگی سے ہوں سدا صحرا نورد
آ کے منزل تک نکل جاتا ہوں پھر منزل سے دُور

لامکاں کی سمت رہ رہ کر کھنچا جاتا ہے دل
کوئی تکمیل بخش جلوہ ہے مہِ کامل سے دُور

میرے دل میں آرزو کوئی نہ ہے لب پہ سوال
وہ کھڑے شرما رہے ہیں ہٹ کے کچھ سائل سے دُور

عشق کی آوارگی خود بن گئی زنجیرِ پا
قیس جا سکتا نہیں لیلیٰ! تری محمل سے دُور

دیکھ لیں کس پل ابھی بپھرے ہوئے طوفان کا
ناخدا اے چل سفینے کو ذرا ساحل سے دُور

وہ ملاتے ہیں نظر ایک ایک سے میرے سوا
بجلیاں گرتی ہیں کشتِ عشق کے حاصل سے دُور

اے تبسم شہر میں تم عشق کر سکتے نہیں
رکھ سکو گے ناصحوں کو تم یہاں مشکل سے دُور

غلاموں کی بغاوت

(آخری بند)

آنکھ مل کر اس طرح لیتا ہے انگڑائی غلام
ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیتا ہے زنجیریں تمام

تیغِ ہمت ٹیک کر اٹھتا ہے صدیوں کا اسیر
دیکھتا ہے گھوم کر حیرت سے اُس کو چرخِ پیر

اُس کی چشمِ خشمگیں میں بجلیوں کا پیچ و تار
اور نفس میں سینکڑوں شعلوں کا پنہاں التہاب

کوہ کا زہرہ پگھل جاتا ہے مارے خوف کے
پھر نکلتا ہے لہو رگہائے سنگ و خشت سے

اس کی ہیبت سے لرز اُٹھتے ہیں دشت و کہسار
دیوِ استبداد کو چڑھتا ہے لرزے سے بخار

آسماں پر آتشِ دوزخ ، زمیں پر بجلیاں
عرصۂ ہستی میں ہر سو آگ کا دریا رواں

اس طرح ہوتی ہے اس ردِّ عمل کی ابتدا
گوشے گوشے سے ستم کاری کی آتی ہے صدا

متحد ہو کر ہم رانِ سے ہوئے تقدیر کے
دام پھیلاتے ہیں ہر سو مکر اور تزویر کے

سامنے حق کے سیاست بارور ہوتی نہیں
تیرگی کو نور پہ حاصل ظفر ہوتی نہیں

غیض کا اظہار یوں کرتے ہیں تن کر اہلِ شر
جس طرح پھنکارتا ہے سانپ زر پہ بیٹھ کر

راہ میں آتے ہیں گو خاشاک کے بند گراں
آتشِ سیّال کا تھمتا نہیں سیلِ رواں

جھونکتی ہے موت اس میں ہستی کی خاک جب
آنکھ سے چربی کے پردے دُور ہو جاتے ہیں سب

گھیر لیتی ہے قضا ہر موذی ناکام کو
چھوڑ دیتی ہیں نجس روحیں خبیث اجسام کو

دہر سے مٹتا ہے اس خبیثِ مجسم کا نشاں
سینۂ گیتی سے ٹل جاتا ہے اک بارِ گراں

توڑ دیتا ہے وہ جب ہر گردنِ مغرور کو
مردِ حُر کہتی ہے دنیا بندۂ مجبور کو

ایک ہی جھٹکے میں دیتا ہے وہ سب کس بل نکال
ذہنِ انساں سے نکل جاتے ہیں ژولیدہ خیال

تیغ سے ہوتا ہے قائم آدمیت کا وقار
کر نہیں سکتا کوئی انساں انساں کو شکار

تسنیم - میر اللہ بخش صاحب تسنیم

میر اللہ بخش نام، تسنیم تخلص۔ تاریخ ولادت ۱۹۰۲ء۔ آپ کے آباؤ و اجداد دو صدی پیشتر کشمیر سے ہجرت کر کے موضع تلونڈی راہوالی ضلع گوجرانوالہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ تسنیم صاحب بھی آج کل معہ دیگر افراد خاندان یہیں مقیم ہیں۔ آپ نے انگریزی میں ایف اے تک تعلیم پائی اور پنجاب سے منشی فاضل کیا۔ دو سال تک اسلامیہ کالج لاہور میں طبیہ کلاسز میں طب کی تعلیم حاصل کی اور جناب حکیم علی احمد صاحب نیر واسطی کے مطب میں نسخہ نویسی کی۔ دہلی میں مفتی کفایت اللہ صاحب مرحوم کے مدرسہ امینیہ میں سال تک علوم عربیہ کا مطالعہ کیا اور وہیں چند ماہ کے لئے جمعیت العلمائے ہند کے آرگن "الجمعیۃ" میں مترجم کے فرائض انجام دیئے۔ گیارہ سال اپنے گاؤں تلونڈی راہوالی میں ایک لوئر مڈل اسکول میں بطور استاد خدمات بجالانے کا موقع ملا۔ گزشتہ جنگ عظیم (۱۹۴۲ء تا ۱۹۴۷ء) کے دوران فوج سے وابستہ رہے۔

آپ نے سولہ سترہ سال کی عمر سے ہی شعر کہنے شروع کر دیئے تھے۔ اپنی موزونی طبع اور علمی و ادبی رجحان کے باعث آپ بہت جلد قادر الکلام شعراء کی صف میں آ کھڑے ہوئے۔ فن شعر میں آپ نے کسی شاعر سے تلمذ اختیار نہیں کیا۔ البتہ دوران قیام دہلی آپ نے اپنی چند غزلیات نواب سراج الدین خان صاحب سائل دہلوی کو دکھائیں اور اصلاح لی۔ آپ کا منظوم کلام کئی ہزار اشعار پر مشتمل ہے لیکن بہت تھوڑا کلام اخبارات و رسائل کی زینت بن سکا ہے۔ آپ کا میلان طبع نظم کی طرف زیادہ ہے۔ غزل کے میدان کو آپ نے اپنی جولانگاہ نہیں بنایا۔ الا ماشاءاللہ۔

آپ پیدائشی احمدی نہیں بلکہ ۱۹۳۰ء میں آپ کو سلسلہ احمدیہ سے وابستہ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ سلسلہ میں شمولیت سے قبل آپ نے ہر رنگ کی نظمیں لکھیں۔ لیکن حلقہ بگوش احمدیت ہونے کے بعد اکثر

پر مذہبی رنگ غالب ہوتا چلا گیا۔ آپ کو اُردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں شعر کہنے کی مہارت حاصل ہے۔ شیخ خادم حسین صاحب نیاز سابق سیکشن آفیسر وزارتِ خارجہ پاکستان آپ کے ہم مکتب ہیں۔

نمونہ کلام دورِ اوّل (قبل از قبولِ احمدیت)

محبت میں مرے دل کی وہی افتاد ہے اب تک — تصور میں تیری دوشیزگی آباد ہے اب تک
وہی نالے، وہی آہیں وہی فریاد ہے اب تک — وہی تیرا ستم ہے اور وہی بیداد ہے اب تک
مجھے تو یاد ہے اب تک، مجھے تو یاد ہے اب تک

مرے خوابوں کی دُنیا میں ابھی تیرا بسیرا ہے — ابھی تک من میں تیری مسکراہٹ کا سویرا ہے
جگر میں درد ہے تیرا لبوں پر ذکر تیرا ہے — محبت میں تیری بیتاب دلِ ناشاد ہے اب تک
مجھے تو یاد ہے اب تک، مجھے تو یاد ہے اب تک

نہ تھا ممکن کہ میں دل میں ترے آباد رہ سکتا — میں اس قابل نہ تھا شاید کہ تجھ کو یاد رہ سکتا
تری نظروں سے گر کر کس طرح دلشاد رہ سکتا — وہ ناشاد تمنا خانماں برباد ہے اب تک
مجھے تو یاد ہے اب تک، مجھے تو یاد ہے اب تک

نظارے دم بخود ہیں رنگ پھیکا ہے فضاؤں کا — ہے خالی کیف و مستی سے لب دامن ہواؤں کا
بس اک تیرے نہ ہونے سے لٹا سب حسن گاؤں کا — ہے سونی ہر گلی ہر کوچہ غیر آباد ہے اب تک
مجھے تو یاد ہے اب تک، مجھے تو یاد ہے اب تک

وہ پیپل کے درختوں کے گھنے ٹھنڈے جواں سائے — تری خاطر ابھی تک ہیں کھڑے دامن کو پھیلائے
کہانی پیار کی شاید تو پھر بھی آ کے دہرائے — اسی اُمید پر دل سبز کھیتوں کا ہے شاد اب تک
مجھے تو یاد ہے اب تک، مجھے تو یاد ہے اب تک

شکستہ دل ہوں بیکس ہوں سراپا آہ و زاری ہوں — میں تیرے پیار کا تیری محبت کا بھکاری ہوں
مری آشاؤں کی دیوی ترا ادنیٰ پجاری ہوں — مگر تیرے تغافل کی وہی افتاد ہے اب تک
مجھے تو یاد ہے اب تک مجھے تو یاد ہے اب تک

تڑپ اٹھتا ہے دل اب بھی جو تیرا ذکر آتا ہے
بہار عہد ماضی کے فسوں میں ڈوب جاتا ہے
گزشتہ زندگی کے جانفزا نقشے دکھاتا ہے
اسے تیری محبت پہ ہے پورا اعتماد اب تک
مجھے تو یاد ہے اب تک، مجھے تو یاد ہے اب تک

کلام دور ثانی (بعد از قبول احمدیت)

اذاں سحر کی ہوئی مسجد مبارک میں
ادب سے سن کے فرشتوں نے پر سمیٹ لئے
چراغ بجھنے لگے آسماں سے تاروں کے
کسی نے رات کے لعل و گہر سمیٹ لئے

ہوئی افق سے جو ہلکی سی روشنی کی نمود
سیاہیاں شب تیرہ کی تھرتھرانے لگیں
عجیب کیف سا چھانے لگا فضاؤں پر
ہوا میں نزہتیں جنت کی مسکرانے لگیں

کبھی کبھی کوئی مرغا بلند کر کے صدا
سکوتِ صبح کا آئینہ توڑ دیتا ہے
نشے میں پاؤں کی ٹھوکر سے بادہ خانے میں
بہک کے جیسے کوئی مینا توڑ دیتا ہے

ہر ایک سمت اک اظہار نا پذیر سرور
ہر آدمی کا جسے کرتا ہے دل محسوس
جہاں کو کرتی ہے دل کھول کر عطا فطرت
وہ کیف جس سے منور ہے روح کا فانوس

تجلیوں سے تخیل کا ہے افق روشن
ہر ایک ذرے میں ہے آب و تاب سینائی
نمازیوں کے قدم اٹھ گئے سوئے مسجد
دلوں میں شوقِ عبادت نے لی ہے انگڑائی

جبیں میں سجدوں نے گھبرا کے آنکھ کھولی ہے
ہے بیقرار طبیعت میں ایک شیریں گداز
خشوع کروٹیں لینے لگا ہے سینوں میں
چلو ادا کریں مسجد میں جا کے نماز

ثاقبؔ ۔ جناب محمد صدیق صاحب ثاقبؔ زیروی

محمد صدیق نام، ثاقبؔ تخلص، آبائی وطن ضلع فیروز پور، تعلیم بی اے، ادیب فاضل، ذریعہ معاش، صحافت۔

ثاقبؔ صاحب اکتوبر ۱۹۱۰ء میں اپنے آبائی وطن زیرہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد حکیم اللہ بخش خاں صاحب حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کے ایک فدائی اور درویش رفیق تھے۔ اُردو، پنجابی، فارسی چاروں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ مگر نمائش یا اشاعت اور تشہیر سے بیزاری کی حد تک گریزاں۔ ثاقبؔ صاحب نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہ زہد و اتقاء، نماز، روزہ تہجد تسبیح و تحمید سے معمور و مملو تھا۔ حضرت مسیح موعود کا ورد گھر میں اس قدر تھا کہ ساتویں جماعت تک ثاقبؔ صاحب کو "درثمین" اردو اور "کلام محمود" دونوں مجموعے زبانی یاد ہو گئے تھے۔ آٹھویں جماعت یعنی ۱۹۳۱ء میں اسکول کی ایک تقریب سے متعلق پہلی بھرپور نظم کہی۔ ثاقبؔ صاحب کی والدہ ماجدہ نے ثاقبؔ تخلص تجویز فرمایا جو تھوڑے ہی عرصہ میں اس قدر نام عوام و خواص حتی کہ اعزہ و اقارب کے ذہنوں سے بھی غائب ہو گیا۔ آپ نے ۱۹۳۵ء سے ۱۹۳۶ء کے وسط تک مختلف سرکاری محکموں میں ملازمت کی۔ ۱۹۳۶ء میں "انقلاب" لاہور کے مدیر شہیر مولانا عبد المجید سالک مرحوم و مغفور کے پاس پہنچے اور ڈیڑھ سال تک "انقلاب" کے ادارہ تحریر سے منسلک رہے۔ بعد ازاں ملک کے مختلف روزنامہ جرائد میں کالم نویسی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ۱۹۵۲ء کے اوائل میں ہفت روزہ "لاہور" جاری کرنے میں کامیاب ہو گئے جو اپنے مزاج و انداز کا واحد قومی ہفت نامہ ہے اور جس کی پالیسی ثاقبؔ صاحب کے مزاج و فکر کا دوسرا رُخ تصور ہوتی ہے۔

شاعری میں آپ کو تمام اصناف سخن پر کامل عبور حاصل ہے۔ نظم ہو یا غزل، نعت ہو یا حمد

باری تعالیٰ عزاسمہٗ ہر جگہ آپ کو منفرد انداز میں نظر آتا ہے۔ آپ نے قطعات بھی لکھے اور رباعیات بھی اور ساتھ ہی ساتھ دوسرے اصناف سخن میں بھی طبع آزمائی کی۔ قبل از تقسیم ملک آپ کے تین مجموعے شائع ہو چکے تھے۔ ۱۔ ہمارے نغمے ۲۔ ماہ کامل ۳۔ دور خسروی۔ ۱۹۴۷ء کے بعد پاکستان میں آپ کا کلام جو نعتوں، غزلوں اور نظموں پر مشتمل ہے "شہابِ ثاقب" کے نام سے زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر قبول عام کا شرف حاصل کر چکا ہے۔ علاوہ ازیں ادبی و تہذیبی مکاتیب کا مجموعہ "اس بازار میں" کے عنوان سے شائع ہو کر داد فصاحت وصول کر چکا ہے۔ آپ کو قدرت نے لحن داؤدی عطا کیا ہے جو ایک خداداد نعمت ہے اور جس کے بل بوتے پر یہ ہر مشاعرے میں بے پناہ مقبولیت حاصل کر لیتے تھے۔

آپ نے اپنی تمام صلاحیتیں سلسلہ کی خدمات کے لئے اعزازی اور طوعی رنگ میں وقف کر رکھی تھیں اور اس سلسلہ میں آپ اپنوں اور بیگانوں کی سلسلہ کے خلاف پھیلائی ہوئی بدگمانیوں، افتراؤں اور کذب بیانیوں کا بروقت محاسبہ کرتے اور عقلی و نقلی دلائل و شواہد سے ان کا تارو پود بکھیر کر رکھ دیتے تھے۔ اس سلسلہ میں آپ کو ذہنی اور مالی لحاظ سے ابتلاؤں کے ایک طویل دور سے گزرنا پڑا۔ لیکن آپ نے حق گوئی کا دامن کسی حال میں بھی نہ چھوڑا اور ایک مجاہد کی طرح اس قلمی جہاد میں آخر تک مصروف رہے۔

ثاقب کی شاعری کے متعلق ہمارا بیان تشنہ رہ جائے گا اگر ہم یہاں "ثاقب کا تعارف" از مولانا عبدالمجید سالک کے چند اقتباسات یہاں نقل نہ کر دیں۔ سالک صاحب فرماتے ہیں۔

"شعر و موسیقی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ثاقب کو ان دونوں سے بہرہ وافر ملا ہے۔ اُن کے شعر میں ایسا درد و سوز اور ان کے نغمے میں ایسی کشش موجود ہے کہ جب وہ مشاعروں کی اسٹیج پر آتے ہیں تو حاضرین نقش بدیوار ہو جاتے ہیں اور داد و تحسین کے غلغلہ انداز وقفوں کے سوا آخر تک نقش بدیوار ہی رہتے ہیں..... ان کی شاعری کو دیکھئے فکر میں جدت تو ہے ابتذال نہیں۔ دین اور حمیت دین تو ہے ملائیت نہیں، عشق تو ہے لیکن فسق کا شائبہ تک نہیں۔ غریبوں کی مصیبتوں پر آنسو ہیں۔ موجودہ

نظام عدم مساوات کے خلاف طیش ہے لیکن کیموزم نہیں ..... ثاقب کی نعت میں پرانے نعت گویوں کی توصیف رخ وگیسوئے محمد نہیں۔ نہ نئے مداحوں کا انقلابی لہجہ ہے بلکہ کچھ ایسا سمویا ہوا انداز ہے جس میں حضورؐ کی تعلیمات کی عظمت کے ساتھ ہی ساتھ حضورؐ کے ساتھ عشق و شیفتگی کی وہ کسک بھی موجود ہے جو ہر مسلمان کے گوشۂ دل کا عزیز ترین سرمایہ ہے۔ مسلمانوں کے قلوب میں عشق رسول کو زندہ رکھنے کا بہترین تبلیغی نسخہ یہی ہے کہ اس قسم کی نعتوں کو رواج دیا جائے ...... غزل میں ثاقب شدتِ اظہار کا قائل نہیں صرف شدتِ احساس کا قائل ہے۔ وہ واردات کو دل کی گہرائیوں تک محسوس کرتا ہے لیکن اظہار کے وقت احتیاطاً دائیں بائیں نگاہ ڈال لیتا ہے کہ کوئی ان واردات کو عریاں نہ دیکھ لے۔ ایک غمناک تاثر ایک محتاط رکھاؤ ایک شریفانہ عشق ثاقب کی غزل کی خصوصیت ہے..... ثاقب کی نظموں میں معاشرتی مسائل کی طرف اشارے بھی ہیں محبت کے اُن معاملات کا تذکرہ بھی ہے جس کے لئے "ظرف تنگنائے غزل" کافی نہ تھا۔ حب وطن کے نہایت مخلصانہ اور سچے جذبات بھی ہیں۔"

ثاقب صاحب کے کلام کا یہ ایک مختصر لیکن نہایت جامع و مانع تعارف ہے جس کی روشنی میں اگر قارئین کرام "شہابِ ثاقب" کا مطالعہ کریں گے تو شاعر کے کلام محاسن کو جانچنے اور پرکھنے میں بڑی مدد ملے گی۔ قارئین سے درخواست ہے کہ وہ ثاقب صاحب کی مندرجہ ذیل نظموں کا مطالعہ ضرور کریں۔

"کیف سحر"، "وقت التجا"، "وطن"، "جہاں میں ہوں"، "میں کہاں آنکلا"، "مزار نور جہاں"، "اس موڑ کے آگے منزل ہے"، "مادرِ مجاہد"

"شہابِ ثاقب" کے چیدہ چیدہ و منتخب اشعار ملاحظہ ہوں۔

اب تو کلیوں کو بھی چومو گے تو آنچ آئے گی
پھولوں کی مہک کم نہیں کانٹوں کی چبھن سے

ہم نے دہکا دیا داغوں سے گلستان غزل
کس کس سے کوئی دامن احساس بچائے

ہنس ہنس کے بڑھاتا ہوں میں یوں حوصلۂ دل
رو رو کے کوئی جیسے بجھی شمع جلائے

سفینوں کے بھروسے پہ خدا کو بھولنے والو
سفینوں کو تو ہوتے نذرِ طوفاں ہم نے دیکھا ہے

جو میں کہوں ترک آرزو کو تو کون مانے گا میری بات
جو تم کروگے وفا کی باتیں کسے اعتبار ہوگا

تمھاری یاد بھی پہروں کے بعد آتی ہے
نوازشاتِ غمِ روزگار کیا کہنا

انھیں کے دم سے قائم ہے وقارِ بیخودی ثاقب
وہ دیوانے میسر جن کو جامِ جم نہیں ہوتے

صراحیاں بے نصیب بادہ نہ رنگِ محفل نہ کچھ ارادہ
اگر یہی تیرا میکدہ ہے تو میکدے کو سلام ساقی

جب غم میں ہو لطفِ عیش نہاں پھر غم کا مداوا کون کرے
بیزار ہو دل جب جینے سے جینے کی تمنا کون کرے

ہم ان کو اپنا جانتے ہیں وہ غیر کو کہتے ہیں اپنا
بس اتنی سی لغزش پہ ثاقب اپنے کو پرایا کون کرے

زندگی کا بار جب ہنس کر اٹھا سکتا ہوں میں
موت کی تلخی کو کب خاطر میں لا سکتا ہوں میں

نظر ملا نہ سکیں گردشیں زمانے کی
ہجومِ غم میں ادا سیکھ مسکرانے کی

بچا کر برق کا خطرہ نہ خوفِ باد مگر
قفس میں بات کہاں پھر بھی آشیانے کی

بہار آئی ہے ہر اک غنچے نے رنگیں پیرہن بدلا
جنوں پھر ناپتا آیا ہے میرے جیب و داماں کو

حمد

اے مرے ہادیِ ازل

رازِ بقائے زندگی کیا ہے مجھے بتا بھی دے
جینے کا ولولہ بھی دے مرنے کا حوصلہ بھی دے

عرصۂ روزگار میں الجھا ہوں میں ذات سے
اے مرے ہادیِ ازل مجھ کو مرا پتا بھی دے

محفلِ ہست و بود ہے کس کے لئے سجی ہوئی
محفلِ ہست و بود کا سرِ نہاں بتا بھی دے

تیری نوازشات سے قلب ہے مطمئن مگر
مجھ کو تو اپنے عشق کی دولتِ بے بہا بھی دے

طور بھی ایک امتحاں، دار بھی ایک امتحاں
ختم بھی کر یہ سلسلہ جلوۂ رخ دکھا بھی دے

ہوئی ہوئی ہے زندگی کھوئی ہوئی ہے زندگی
خواب زدہ حیات کو خواب سے تو جگا بھی دے

کاسۂ شوق لے کے تو آیا ہے اُن کے رُوبرو
آنکھوں ۔ سے التجا بھی کر دل سے صدا بھی دے

ظلمتِ غم میں تابکے کوئی رہے گا مبتلا
تاروں بھری حیات کا راستہ اُسے دکھا بھی دے

بخشش و عفو کا چمن جس سے بہار ہو
مجھ سے گنہگار کو ایسی کوئی سزا بھی دے

محفلِ کائنات سے ٹوٹے بھی حلقہ جمود
بربطِ صبح و شام کو نغمۂ دلکشا بھی دے

یوں ہی رہے تمام عمر دردِ وفا کا سلسلہ
ثاقبِ خستہ حال کو وہ غم دیرپا بھی دے

نعت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم
عالم اسلام بحضور خیر الانام

تباہیوں کا طلب گار ہو گیا ہوں میں
زیاں شعار و خطا کار ہو گیا ہوں میں

ضمیر مجھ سے خفا، بدگمان ہے دل مجھ سے
نہ جانے کتنا گنہ گار ہو گیا ہوں میں

تو آفتاب ہے میرے دل و نظر کو جگا
اندھیری شب کا پرستار ہو گیا ہوں میں

حضورؐ اسیلِ حوادث رُکے گا کیا مجھ سے
کہ آج ریت کی دیوار ہو گیا ہوں میں

زمانے بھر نے کیا سخت اختلاف مگر
زمانے بھر کا طرفدار ہو گیا ہوں میں

حضورؐ کا سہ دل ہے مری نگاہوں میں
حضورؐ حاضرِ دربار ہو گیا ہوں میں

پھر آج طور مری آنکھ میں اُتر آیا
پھر آج طالبِ دیدار ہو گیا ہوں میں

حرم نشیں ترے قرباں نواز دے مجھ کو
قریبِ سایۂ دیوار ہو گیا ہوں میں

نگاہ و دل پہ ہے طاری غنودگی ثاقب
سمجھ رہا تھا کہ بیدار ہو گیا ہوں میں

منقبت حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو)

یہ اظہار ارادت بھی ہے اقرار صداقت بھی
تیرے ہر عزم کو حاصل تھی تائید مشیت بھی

کہاں قسمت میں یہ معراج توفیق و سعادت بھی
کہ تبلیغ ہدایت بھی ہے، تجدید ہدایت بھی

فقط عزم و عمل سے فطرتوں کے رُخ پلٹ ڈالے
یہ ایماں کی حرارت بھی ہے، ایماں کی کرامت بھی

یہ بزم ناز ہے کس جاں نثارِ دینِ احمدؐ کی
یہاں تو سرنگوں ہے کج کلاہوں کی رعونت بھی

یہ کس کا نام آیا غیرت توحید کے لب پر
زمانہ گوش بر آواز بھی ہے محو حیرت بھی

ترے نعروں سے بے دینی کے ایواں ہی نہیں لرزے
اڑی ہے بے طرح دیکھا ریاکاروں کی رنگت بھی

یقیناً تھے وہ قسمت کے دھنی تقدیر کے یاور
رہی جن کو میسر تیری صحبت بھی سیادت بھی

خدا کی رحمتیں تجھ پر کہ تجھ سے نوعِ انساں کو
ملی ایماں کی دولت بھی بصیرت بھی شجاعت بھی

اپنے ساقی سے

(یہ وہ نظم ہے جس کو پہلی مرتبہ ثاقبؔ صاحب کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی موجودگی میں سنانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ مرتب)

ساغر بادۂ عرفان پلا دے ساقی
میری سوئی ہوئی تقدیر جگا دے ساقی

فقط اک جام جو اس ہوش کے عقدے کھولے
فقط اک جام جو دیوانہ بنا دے ساقی

مجھ سے غم دیدہ پہ ہو جائے وہ چشم الطاف
جگمگا اٹھیں مرے سارے ارادے ساقی

زمزمۂ نور سے یوں چھیڑ رباب ہستی
قلب بیتاب کا ہر ذرہ دعا دے ساقی

تجھ سے اقوام زمانہ کو ہے برکت مطلوب
میری بگڑی ہوئی قسمت بھی بنا دے ساقی

تجھ کو مولا نے کیا عطر رضا سے ممسوح
یہ مہک گلشن عالم میں بسا دے ساقی

تو نے جاری کیا خمخانۂ تحریک جدید — اس سے بڑھ کر تجھے توفیق خدا دے ساقی
اپنے ثاقب کو جو احساس کی دولت بخشی
تجھ کو اس لطف کی اللہ جزا دے ساقی

(یہ وہ اشعار ہیں جو حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کی تصنیف لطیف "سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب" کی حکومت کی طرف سے ضبطی کا حکم پڑھ کر ارتجالاً ثاقب صاحب کی زبانِ قلم پر آ گئے۔ مرتب)

منادی

تقدیس کی تو ضبط ارادت کی جلا ضبط — پھر شہر وفا میں ہوئی ہر رسم وفا ضبط
اس دور ہوس کار کے اللہ رے تیور — ہر گرمیِ آزاد وفاؤں کا صلا ضبط
پر ہول اندھیروں کا تقاضہ ہے یہ پیہم — کر لیجئے پُر نور سویروں کی ضیا ضبط
ہر طرف ہے تہذیب فرنگی کی منادی — اسلام کی تائید میں اُٹھے جو صدا ضبط
تہذیبِ کلیسا پہ کوئی حرف نہ آئے — اس راہ میں حائل ہے جو کعبے کی ردا ضبط
بندے کو خدا ماننے والوں کی یہ ضد ہے — توحید پرستوں کی ہو ایک ایک ادا ضبط
ترتیب گلستان کے یہ انداز تو دیکھو — صرصر رہے آزاد مگر موج صبا ضبط
توقیر محمدؐ پہ ہر اک وار گوارا — لیکن لبِ مسلم کی ہر اک آہ و بکا ضبط
انصاف کہیں تشنۂ تکمیل نہ رہ جائے — کر لیجئے بے کس کا ہر اک لفظ دعا ضبط
بے نور بصیرت سے کہاں دور ہے اک دن — قرآں پہ قدغن ہو تو ناموسِ خدا ضبط

اُس نام کی تضحیک ہی کیا اُس کا صلا ہے
جس نام کی برکت سے تمھیں ملک ملا ہے

غزلیات

رات کے پچھلے پہر جب اشک بھر لاتا ہے دل
اشک کے ہر ایک قطرے میں نظر آتا ہے دل

صبح تک شاید نہ میں ہوں اور نہ یہ سازِ حیات
ڈوبتے جاتے ہیں تارے بیٹھا جاتا ہے دل

وہ تبسم آفریں چہروں سے کھاتے ہیں فریب
جب کوئی بے ساختہ ہنستا ہے بھر آتا ہے دل

حُسن و لطف ہے نہ اہلِ عشق کو اس کی خبر
کس طرح اک اجنبی صورت پہ آجاتا ہے دل

تھا کبھی میری نگاہوں میں وفا کا اک مقام
اب وفا کا نام سن کر ڈوب سا جاتا ہے دل

عشق کی کشتی کا ساحل سے بھلا کیا واسطہ
کھاتا جاتا ہے تھپیڑے جھومتا جاتا ہے دل

دور ہوتا ہوں تو رہتی ہے نگاہوں کو تلاش
حُسن کے نزدیک جاتا ہوں تو گھبراتا ہے دل

ہر قدم پر مشکلیں ہیں عشق غیرت مند کو
جُرم کرتی ہیں نگاہیں اور شرماتا ہے دل

شام سے یوں صبح کرتا ہوں فراقِ دوست میں
دل کو سمجھاتا ہوں میں اور مجھ کو سمجھاتا ہے دل

عشق میں ثاقبؔ نگاہیں تو عبث بدنام ہیں
ہم نے دیکھا ہے نظر سے پیشتر آتا ہے دل

چڑھتے سورج کی کرنوں کو چھینٹ لیا ہے کس نے مسل کے
کس کے قدم سے پھوٹ رہے ہیں نور کے سوتے ہلکے ہلکے

پینے سے انکار کسے ہے پینا تو ایمان ہے اپنا
پر وہ خانہ ساز نہ پئیں گے جو اُس مست نظر سے چھلکے

ساون کی بدمست ہوا اُس نے کچھ ایسی جوت جگائی
ذہن سے غم یوں اترا جیسے گوری کے سر سے آنچل ڈھلکے

قلب و نظر کو ڈس لیتی ہے اَن دیکھے غنچوں کی چٹک بھی
اے پھولوں کے راج دلارے سوچ سمجھ کر خوب سنبھل کے

لائے مقدر اُن اشکوں کا جو برہن کی دھیر بندھائیں
جو ساجن کا جشن منانے والے نین سے اُس کاجل کے

میرے لئے حجاب بنے ہیں جو میرے لئے آنکھیں بچھی ہیں
صاف پتے دیتے ہیں گواہی بھیگے بھیگے پل آنچل کے

ساغر کے پرتو میں ہوگی ثاقبؔ کی توجیہہ پہ ثنا
لطف رہے گر دیکھیں تماشا رند بھی میخانے چل کے

خلیل۔ قریشی خلیل احمد خلیل

نام۔ خلیل۔ ولدیت محمد شفیع۔ آپ کی جائے پیدائش کنری سندھ ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم وہیں سے حاصل کی۔ آپ نے اردو میں ایم اے کیا۔ ۱۹۸۶ء میں روزگار کے سلسلہ میں کراچی میں تشریف لے آئے اور یہاں ۱۵ سال تک ایک پرائیویٹ فرم میں ملازمت کی۔ اور اس کے بعد اپنا جنس کا کاروبار کرتا رہا۔ آپ کا کلام جماعت کے اخبار اور رسائل کی زینت بنتا رہا ہے۔

نمونہ کلام

صلہ وفا کا نہیں کچھ تو یار دینا تھا
نہیں تو پشت پہ خنجر ہی مار دینا تھا

غم جہاں کو بھی ہنس کر گزار دیتا میں
مگر یہ دل بھی تو با اختیار دینا تھا

جھلس رہا تھا بدن دھوپ کی تمازت سے
شجر بھی راہ میں پروردگار دینا تھا

دیا تھا حسن اگر ان کو اس سخاوت سے
تو ہم کو دل پہ بھی کچھ اختیار دینا تھا

چراغ نور جلایا تھا اس نے ظلمت میں
اسے تو سب نے ہی کافر قرار دینا تھا

خلیل آپ کا بن جاتا بندہ بے دام
فقط پیار سے اس کو پکار دینا تھا

کاغذی پیرہن ہے جس کا
شہر کو وہ ردائیں کیا دیتا

ہاتھ جب بندھ چکے ہیں منصف کے
ظالموں کو سزائیں کیا دیتا

منصفی چپ تھی عدل بہرہ تھا
مقبروں پر صدائیں کیا دیتا

اوس سی پڑ گئی ارادوں پر — راکھ کو میں ہوائیں کیا دیتا
آپ اُس یار کے ولی ٹھہرے — آپ کو میں دُعائیں کیا دیتا
دل کی بستی میں وہ نہاں ہے خلیقؔ
طور پر میں صدائیں کیا دیتا

چشم میخانے کا لب ہیں جام و پیمانے کا نام — تیرا ہنسنا ہے بدن میں جان پڑ جانے کا نام
زندگی ہے تیری خوشبوؤں سے مہکانے کا نام — حُسن تیرا ہے بہاروں پر شباب آنے کا نام
اک اداسی چھا رہی تھی اندھے آشام پہ — ہے تیری آواز ساقی جام چھلکانے کا نام
سن کے چرچے چار جانب اس میر گلفام کے — تتلیاں لیتی نہیں ہیں باغ میں جانے کا نام
اب کبھی ناکامیوں کا نام مت لینا خلیقؔ
اب ذرا لے زیست کو خوشیوں سے مہکانے کا نام

فلک پہ اک بچھونا چاہتا ہوں — تیرے آنچل پہ سونا چاہتا ہوں
میں اب کشتی ڈبونا چاہتا ہوں — تیری آنکھوں میں کھونا چاہتا ہوں
تیری یادوں کے دریا میں اُتر کر — دکھوں کے داغ دھونا چاہتا ہوں
وہ جس نے شیشہ دل کو ہے توڑا — میں اس پتھر کا ہونا چاہتا ہوں
محبت کی سنہری ڈوریوں میں — گُلِ عشرت پرونا چاہتا ہوں

خالد۔ جناب محمد شریف صاحب گوئیکی

محمد شریف نام، خالد تخلص۔ آپ ۲۷ جنوری ۱۹۲۰ء کو گوئیکی ضلع گجرات (پنجاب) میں شمس الدین صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ کے والد صاحب (مرحوم) ۱۹۱۳ء میں حلقہ بگوش احمدیت ہوئے تھے۔ وہ ایک مخلص، دیندار، تہجد گزار اور مخلوق خدا سے محبت کرنے والے بزرگ تھے۔ وہ خود تعلیم یافتہ نہیں تھے لیکن انھیں اپنی اولاد کو تعلیم دلانے کا بڑا شوق تھا۔

خالد صاحب نے تیرہ سال کی عمر میں گاؤں کے مڈل اسکول سے آٹھویں جماعت کا امتحان دے کر کامیابی حاصل کی۔ بعد ازاں میٹرک اور ایف اے کے امتحانات بورڈنگ ہاؤس میں رہ کر گجرات کے زمیندار اسکول اور کالج سے پاس کئے ۱۹۴۲ء میں بی اے کیا۔ تعلیم مکمل ہو جانے کے بعد آپ نے ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۶ء تک تقریباً چار سال جنگ عظیم دوم میں خدمات انجام دیں اور اسی زمانہ میں شاعری کا شوق پیدا ہوا جس کے نتیجہ میں چند نظمیں اور غزلیں معرض وجود میں آئیں۔ دوران ملازمت آپ نے تقریباً سارا ہندوستان بشمول کلکتہ و بمبئی دیکھ ڈالا۔ آٹھ ماہ کے لئے سنگاپور بھی قیام کرنا پڑا۔ اپریل ۱۹۴۶ء میں فوجی ملازمت سے فارغ ہو کر آپ نے اپنی زندگی خدمت سلسلہ کے لئے وقف کر دی۔ حضرت مصلح موعود نے آپ کو تحریک جدید میں بطور نائب وکیل الدیوان تعینات فرما دیا۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں قادیان سے پاکستان تشریف لائے اور لاہور میں عارضی طور سے دفاتر قائم کر دیئے گئے تو خالد صاحب نے بھی اپنے فرائض سنبھال لیے۔ جس وقت ربوہ میں خیمہ بستی آباد ہوئی تو خالد صاحب معہ دیگر کارکنانِ جماعت کے ربوہ منتقل ہو گئے اور ۱۹۵۱ء تک بطور نائب وکیل الدیوان تحریک جدید میں فرائض انجام دیتے رہے۔

۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۶ء تک آپ لاہور میں قیام پذیر رہے اور اس عرصہ میں آپ نے تمام توجہ

تکمیل تعلیم پر مرکوز رکھی۔ اس کا نتیجہ بڑا شاندار نکلا۔ آپ نے پہلے بی ٹی کا امتحان پاس کیا، پھر انگریزی میں ایم اے کیا اور سب سے آخر میں ایل ایل بی کا امتحان بھی پاس کر لیا اور اس طرح آپ ایم اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ بن گئے۔

لاہور سے واپسی پر حضرت مصلح موعود نے آپ کو اولاً تعلیم الاسلام ہائی اسکول بعد ازاں تعلیم الاسلام کالج میں بطور واقف زندگی استاد مقرر کر دیا اور ۱۹۷۲ء میں خالد صاحب پنشن کے حقدار قرار پائے۔ آپ نے فرائض سے سبکدوشی کے بعد ربوہ ہی میں وکالت شروع کر دی۔

آپ کے مشاغل میں مطالعہ کتب، مضمون نگاری اور احباب کی مجالس منعقد کرنا شامل ہیں۔ ۱۹۴۲ء کے بعد آپ نے شعر گوئی کی طرف بالکل توجہ نہیں کی لیکن آپ کو اچھے اشعار اب بھی پسند آتے ہیں۔ خواہ وہ اُردو کے ہوں یا پنجابی کے، فارسی کے ہوں یا پنجابی کے، فارسی کے ہوں یا عربی کے، ہندی کے ہوں یا انگریزی کے۔ آپ انگریزی ادب سے بطور خاص متاثر ہیں۔ آپ کئی درسی کتابوں کے مرتب اور کئی کتابوں کے ناشر بھی ہیں۔ اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے اور آپ اس کو آئندہ بھی جاری رکھنا چاہتے ہیں۔

نمونہ کلام

کوشش پیہم سے اک دارالاماں پیدا کریں
اِس جہانِ بے اماں میں اک مکاں پیدا کریں

پھونک دیں باغِ عمل کے جو خس و خاشاک کو
سوزشِ پنہاں سے ایسی بجلیاں پیدا کریں

سازِ فطرت کے ترنم سے کریں جو آشنا
گلشنِ ہستی میں ایسے نغمہ خواں پیدا کریں

تا بکے ابرِ بہاری کا کریں ہم انتظار
قطرۂ شبنم سے بحرِ بیکراں پیدا کریں

عالمِ بے کیف بھی آئے نظر خلدِ بریں
وہ نگاہِ شوق میں رنگینیاں پیدا کریں

منزلیں جن کی طلب میں خود بخود آگے بڑھیں
راہِ حق میں ہم کچھ ایسے کارواں پیدا کریں

بادِ صرصر کے حوادث میں رہیں ثابت قدم
عزم میں کوہِ گراں کی سختیاں پیدا کریں

باد و باراں ہوں نگہباں بجلیاں جس کا چراغ
شاخِ تقویٰ پر اِک ایسا آشیاں پیدا کریں

ہوں اگر مقصودِ دل کشفِ رموزِ کائنات
مہر و ماہ و مشتری سے رازداں پیدا کریں

جس جگہ خالد نہ ہو حرص و ہوس کا نام تک
وہ زمیں پیدا کریں وہ آسماں پیدا کریں

کوئل سے خطاب

اے طائرِ رنگیں نوا
شیریں ادا و دلربا
ہیں تیرے نغمے جانفزا
ہاں گائے جاہاں گائے جا

اُف کس قدر دل سوز ہے
تیری نوا دل دوز ہے
یہ اضطراب و بیکلی
دل سوز ہے جاں سوز ہے

ہے گلشن و گلزار بھی
صحرا بھی لالہ زار بھی
ہیں کیف زا صبح و مسا
ہیں سبزہ و کہسار بھی

جوشش و نشاط انگیزیاں
آموں کے جھنڈ اور مستیاں
چھائی ہوئی ہیں بدلیاں
یہ رُت یہ موسم یہ سماں

سارا جہاں عبرت کدہ
لیکن تو کیوں ہے غمزدہ
یہ عالم جنت نشاں
کیوں بن گیا ماتم کدہ

شاید کہ تو مہجور ہے
اپنے پیا سے دُور ہے
جور و جفا کے ہاتھ سے
تو کس قدر مجبور ہے

ہاں یہ بہار جانفزا
دلکش یہ روحانی فضا
گر وہ نہیں تو کچھ نہیں
بے کیف ہیں صبح و مسا

بس گائے جا شیریں بیان
خالد کے دل کی ترجماں
یہ درد و غم کی داستاں
اے طائرِ محوِ فغاں

عطاء المجیب راشد

آپ قادیان دارالامان میں ۲۰ اگست ۱۹۴۳ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم کا نام حضرت مولانا ابوالعطاء صاحبؓ جالندھری جو اپنی غیر معمولی خدماتِ دینیہ کی وجہ سے جماعت میں خوب معروف ہیں۔ حضرت مُصلح موعود نے خالدِ احمدیت کے خطاب سے نوازا۔

آپ نے ابتدائی تعلیم احمد نگر اور بعد ازاں ربوہ میں مکمل ہو کر ۱۹۵۹ء میں میٹرک کیا۔ ۱۹۶۳ء میں بی اے اور ۱۹۶۵ء میں ایم اے عربی کیا۔ بعد ازاں ۱۹۶۶ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کیا۔ آپ یونیورسٹی میں اول رہے۔ مختلف تعلیمی اعزازات کی بناء پر آپ نے تین گولڈ اور ایک سلور میڈل حاصل کیا۔ ایم اے کا امتحان دیتے ہی آپ نے زندگی وقف کر دی اور چار سال تک جامعہ احمدیہ میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۶۹ء میں شاہد کا امتحان اعزاز کے ساتھ پاس کر کے تعلیم مکمل کرتے ہی خدمتِ دین کے عملی میدان میں آ گئے۔

ایک سال کے دفتری تجربہ کے بعد آپ کی پہلی تقرری ستمبر ۱۹۷۰ء میں بطور نائب امام مسجد لندن ہوئی۔ اس دوران ایک ماہ بطور مبلغ ہالینڈ میں بھی گزارا۔ تین سال بعد پاکستان واپس آنے پر قریباً سوا سال صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے خدمت کی اور فروری ۱۹۷۵ء میں بطور امیر و مبلغ انچارج جاپان خدمت کا آغاز کیا۔ یہاں سے آپ کو جنوبی کوریا میں مشن کے قیام کے سلسلہ میں متعدد بار جانے کا موقع ملا۔ اکتوبر ۱۹۸۳ء میں آپ پاکستان واپس آئے اور ایک ماہ قیام کے بعد ۱۶ نومبر ۱۹۸۳ء کو بطور امیر و مبلغ انچارج و امام مسجد لندن آپ برطانیہ تشریف لائے جہاں اب تک آپ کو بطور مبلغ انچارج برطانیہ و امام مسجد لندن خدمت کی توفیق مل رہی ہے۔

آپ نے ۱۹ سال کا عرصہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے قرب میں گزارا اور

اکثر سوال و جواب کی محفل میں حضور کے ساتھ بیٹھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ خلافتِ خامسہ کے انتخاب کے وقت آپ نے سیکرٹری مجلس انتخاب خلافت کی اہم اور تاریخی ذمہ داری احسن رنگ میں ادا کی۔ آپ کو مرکزی نمائندہ کے طور پر فلسطین، مارشیس، جاپان، ہالینڈ، ڈنمارک، آسٹریلیا، سنگاپور، انڈونیشیا، سعودی عرب اور بحرین کے ممالک کا دورہ کرنے کی سعادت بھی مل چکی ہے۔ آپ متعدد کتب کے مصنف ہیں اور آپ کے قلم سے سینکڑوں مضامین جماعتی اخبارات و رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ تقاریر کے میدان میں بھی آپ کو نمایاں مقام حاصل ہے۔

آپ کی شاعری کا آغاز حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی علالت کے دوران اکتوبر ۲۰۰۲ء میں ہوا اور آپ کی سب سے پہلی دعائیہ نظم "تو تو ہر بات پہ قادر ہے شفا کے مالک" نے کافی مقبولیت حاصل کی۔ آپ اچانک اس میدان میں آئے اور شعر و شاعری کا سلسلہ بڑی باقاعدگی کے ساتھ جاری ہے۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی موجودگی میں بعض مشاعروں میں کلام سنانے کا موقع بھی مل چکا ہے۔

نمونہ کلام

بدرگاہِ ربّ العالمین

تُو تو ہر بات پہ قادر ہے شفا کے مالک!
دستِ قدرت کا ہے مرہون یہ سارا عالم
تیرے اک "کُن" پہ ہے موقوف جہاں کی تقدیر
تیرے اک حکم سے مِٹ جاتے ہیں سب کرب و الم
تو رگِ جاں سے بھی اقرب ہے تری ذات سمیع
تو تو سُن لیتا ہے مُضطَر کی دُعائیں ہر دم
تیرا فرماں ہے، پکارو! میں سنوں گا تم کو
واسطہ تیری بشارت کا ہے وعدے کی قسم

میرا محسن، میرا محبوب ہے بیمار بہت
شافی و کافی مرے اللہ تری نظرِ کرم!
بخش دے عمرِ خضر اور شفائے کامل
سر بسجدہ تری چوکھٹ پہ ہوں اے فیضِ اتم
کتنے کشکول دھرے ہیں ترے پیارے کے لئے
ہیں ہر اک دیس میں عشاق کی آنکھیں پُر نم
تیرے بِن کون بھرے گا یہ ہمارے کشکول!
ایک تیرا ہی درِ فیض کھلا ہے ہردم

زندگی کے جام تو نے چار سو بانٹے ہمیش

قرب کا طالب رہا، قربِ خدا کو پا لیا
بندۂ حق نے بسرعت مدعا کو پا لیا
زندگی کا لمحہ لمحہ وقف تھا جس کے لئے
جان کی بازی لگا کر اُس خدا کو پا لیا
زندگی تیری مثالی تھی، مثالی موت بھی
دے کے سب کچھ اِک متاعِ بے بہا کو پا لیا
"موت کے پیالوں میں بٹتی ہے شرابِ زندگی"
تیرے اُٹھنے میں اِس رازِ بقا کو پا لیا
زندگی کے جام تو نے چار سو بانٹے ہمیش
مردہ روحوں نے حیاتِ جاں فزا کو پا لیا
ابنِ مریم کو ملا تھا حق سے وہ دستِ شفا
جاں بہ لب لوگوں نے بھی جامِ شفا کو پا لیا
کون کہتا ہے کہ تُو موجود اب ہم میں نہیں
کام زندہ ہیں ترے، تو نے بقا کو پا لیا

زندۂ جاوید آقا! رحمتیں تجھ پہ مدام
جا کے بھی جانے نہ والے! برکتیں تجھ پہ مدام

مرحبا صد مرحبا

حزن کے بادل چھٹے گزری شبِ تاریک و تار — گلشنِ احمد میں پھر آئی بہار اندر بہار
قدسیوں میں تذکرہ ہے حضرتِ مسرور کا — ہے یہی نغمہ لبوں پہ ہر کہیں لیل و نہار

مرحبا اے آنے والے! مرحبا صد مرحبا
رحمت و فضل و کرم کی بارشیں تجھ پہ سدا

سر بسجدہ ہیں جبینیں لطف اور احسان پر — حق تعالیٰ کی عطا پر اُس کے اس احسان پر
غمزدہ چہرے دمک اُٹھے ہیں سب یکلخت ہی — قدرتِ ثانی کے جلوہ کی نرالی شان پر

مرحبا اے آنے والے! مرحبا صد مرحبا
رحمت و فضل و کرم کی بارشیں تجھ پہ سدا

دین کی مضبوطی کے ساماں کر دیئے مولا نے پھر — خوف سب جاتا رہا اللہ کی رسّی تھام کر
ملّتِ احمد کو پھر سے مل گیا عزمِ جواں — سوئے منزل ہے رواں یہ قافلہ بارِ دگر

مرحبا اے آنے والے! مرحبا صد مرحبا
رحمت و فضل و کرم کی بارشیں تجھ پہ سدا

نورِ دیں نے دی بشارت اپنی اک تقریر میں — دل یہ کہتا ہے کہ پوری ہو گی اب تفسیر میں
قدرتِ حق نے بٹھایا تجھ کو اس مسند پہ ہے — اب وہی کافی ہے ہر دم ایک اک تدبیر میں

مرحبا اے آنے والے! مرحبا صد مرحبا
رحمت و فضل و کرم کی بارشیں تجھ پہ سدا

تیرا آنا قدرتِ قادر کا اِک زندہ نشاں — کارواں بڑھتا چلے گا ہر زمان و ہر مکاں
نصرتِ مولیٰ کا وعدہ عرش سے تیرے لئے — تیرے پیاروں کی دعائیں ساتھ تیرے ہر زماں

مرحبا اے آنے والے! مرحبا صد مرحبا
رحمت و فضل و کرم کی بارشیں تجھ پہ سدا

بندگی

کیا شکر کروں تیری عنایات کا مولیٰ — اے کاش کسی طور یہ حق کچھ تو ادا ہو
ہے بندگی تیری تو عجب شان کی حامل — افلاک نشیں ہے جو ترے در کا گدا ہو
ہر روز مزہ پاتا ہوں دنیا کے خدایا — اک بار عبادت کا مزا بھی تو چکھا ہو
ہر ایک دعا جذب کی لذت سے ہو بھرپور — جو لفظ کہے روح وہ ہونٹوں سے ادا ہو
دل میرا معلق ہو ترے گھر میں کچھ ایسے — رگ رگ میں نشہ تیری عبادت کا بسا ہو
تابع رہے یہ زیست سدا تیری رضا کے — خوشنودی کی ہر آن مرے سر پہ ردا ہو
روشن رہے یہ میرا جہاں نور سے تیرے — محشر میں بھی یہ نور مرا راہنما ہو

بیٹھا ہوں تہی دست تری راہ میں یارب
ہے نام عطا، خیر سوالی کو عطا ہو

سفرِ زندگی

پھیلا ہے سامنے مرے لندن کا مستقر — اترا ہے اک جہاز، تو اک مائلِ سفر
ہے آنے جانے والوں کی اک بھیڑ اور بہت — ہیں محوِ انتظارِ عزیزانِ منتظر
ہر روز ہے رواں دواں خلقِ خدا یہاں — ہے دیکھتی یہ سلسلہ ہر شام، ہر سحر
بیٹھا ہوا مطار پہ میں سوچتا رہا — اسباق اس نظارے میں کتنے ہیں مستتر
دنیا میں جو بھی آیا ہے اک روز جائے گا — اور جو سفر عدم کا ہے اس سے نہیں مفر
پروانہ ہر بشر کو ملا زندگی کا ہے — منزل معین اس کی ہے آئے نہ گو نظر
راہِ حیات میں ہیں نشیب اور فراز بھی — کتنے ہی موڑ آتے ہیں اس رہ میں پُرخطر
کب آئے گی ندا اور کہاں ہو گی اس کی شام — کوئی نہیں یہ جانتا کس کو ہے یہ خبر

یہ زندگی سفر ہے، سفر زندگی کا نام
خوش بخت وہ بشر ہے جو لوٹے گا بافظر
ہر لمحۂ حیات ہے اس بات کا نقیب
طولِ امل کو چھوڑ دو کہ ہے وقت مختصر
محدود زندگی کا ہر اک لمحہ مثلِ زر
ضائع نہ ہو دقیقہ کوئی یوں کرو بسر
اے راہروانِ زیست سنو، دن ہے ڈھل رہا
ہمت کرو بلند اور قدموں کو تیز تر

راشدؔ ہجومِ خلق پہ ڈالو ذرا نظر
دُنیا مسافرانِ عدم کا ہے مستقر

التجا

سن لے مری مولیٰ دعا
مَیں ہوں فقیر بے نوا
کس سے کروں میں التجا
کوئی نہیں تیرے سوا
جاؤں تو مَیں جاؤں کہاں
ہے اور کس کا دَر کھلا
کافی ہے تو میرے لئے
تو ہی تو ہے اک آسرا
تو بخش دے میرے گناہ
کر دے معاف اب ہر خطا
رحم و کرم کی ہو نظر
میں تیرے در پہ ہوں کھڑا
رحمت تری ہے بے کراں
تجھ کو اسی کا واسطہ
ربِّ عطا! میرے خدا
سُن لے یہ میری التجا

راشدِ خستہ جاں کی سُن
ہے دے رہا کب سے صدا

سلیم۔ سید محمد میاں سلیم شاہجہانپوری

سید محمد میاں نام، سلیم تخلص۔ آپ کی پیدائش ۲۰ اپریل ۱۹۱۱ء کو یوپی (انڈیا) کے مردم خیز شہر شاہجہانپور میں ہوئی۔ آپ کا آبائی وطن گلاؤٹھی ضلع بلند شہر (یوپی) ہے جو برصغیر پاک و ہند کا ایک مشہور اور مردم خیز قصبہ ہے۔ جہاں مسلمانوں میں سادات اور ہندوؤں میں بنیوں کی آبادی تھی۔ آپ کے والد مرحوم کا نام سید محمد علی میاں تھا جن کا شجرہ نسب حضرت امام بخاریؒ سے جا ملتا ہے سید محمد علی میاں کا تعلق محکمہ پولیس سے تھا اور بسلسلہ تبادلہ آپ یوپی کے مشہور شہر شاہجہانپور آئے اور ان کی ملاقات حافظ سید مختار احمد صاحب مختار شاہجہانپوری سے ہوئی جن کا شمار اُس زمانہ میں شاہجہانپور کی سربرآوردہ شخصیتوں میں ہوتا تھا اور جن کو اردو کے مسلم الثبوت استاد حضرت امیر مینائیؒ سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ حضرت حافظ صاحب مرحوم و مغفور کی رفاقت ایسی دامن گیر ہوئی کہ سید محمد علی میاں صاحب نے مستقل طور سے شاہجہانپور میں سکونت اختیار کر لی۔ انہوں نے ۱۹۲۲ء میں شاہجہانپور ہی میں انتقال کیا اور وہیں سپردِ خاک کر دیئے گئے۔

سید صاحب کی وفات کے بعد سلیم صاحب اور ان کے برادرِ اصغر سید احمد میاں براہِ راست حضرت حافظ سید مختار احمد میاں کی کفالت میں آ گئے۔ حضرت حافظ صاحب نے نہ صرف دونوں بھائیوں کی کفالت ہی کی بلکہ ایسے رنگ میں تربیت فرمائی کہ دونوں بھائی زیورِ علم اور حسنِ اخلاق سے آراستہ ہو کر بہت تھوڑے عرصہ میں نگاہوں کا مرکز بن گئے۔

تعلیم

سلیم صاحب نے پرائمری تک تعلیم محلہ ترین نلکی کے ایک مدرسہ میں پائی۔ جہاں تیسری جماعت

تک تعلیم مکمل کرنے کے بعد محلہ کٹیا ٹولہ کے مشہور اسکول روزیگو دام میں داخلہ لیا۔ یہاں چار سال تک تعلیم پاکر اور نمایاں کامیابی حاصل کرنے کے بعد ۱۹۲۶ء میں مشن ہائی اسکول شاہجہانپور کی فرسٹ ایر اسپیشل کلاس میں داخلہ ملا جو اُردو مڈل اسکول کے طلبہ کے لئے بطور خاص قائم کی گئی تھیں۔ اسپیشل کلاس کی سیکنڈ ایر میں کامیابی کے بعد اُسی اسکول کی آٹھویں جماعت میں داخلہ ملا اور ۱۹۳۱ء میں سلیم صاحب نے انٹرنس (میٹرک) کا امتحان پاس کر لیا۔ اسی دوران سنہ ۱۹۳۰ء میں "منشی" کا امتحان فارسی میں الہ آباد بورڈ سے پاس کیا اور دوسرے سال یعنی سنہ ۱۹۳۱ء میں "منشی کامل" (فارسی) کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ سنہ ۱۹۳۲ء میں پٹنہ ٹریننگ کالج سے تدریسی امتحان ایس ای ٹی (SIX MONTHLY EXAMINATION FOR TEACHERS) کی سند حاصل کی۔ سنہ ۱۹۳۳ء میں ایڈوانسڈ اُردو (ادیب فاضل) کا امتحان پاس کیا۔ ترک وطن کے بعد جب سلیم صاحب نے نواب شاہ سندھ میں ملازمت کی ابتداء کی تو یہاں سندھی زبان کا محکماتی امتحان (SINDHI LANGUAGE EXAMINATION) بھی امتیاز کے ساتھ پاس کیا۔

یہ تو تھا سلیم صاحب کی باقاعدہ دنیوی تعلیم کا مختصر سا خاکہ جس نے اُن کی معیشت کو بھی بقدر ضرورت سہارا دیا اور اس علمی منظر کشی کے لئے بھی کینوس کا کام دیا جو قدرت نے ان کی علمی و ادبی کاوشوں کے لئے مقدر کر رکھا تھا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ سلیم صاحب کی ٹھوس تعلیم کا اصل منبع تو حضرت مختار شاہجہانپوری کی نابغۂ روزگار ہستی تھی جس کے وجود سے شب و روز علم کی نہریں جاری تھیں اور جس کی مجلس علم و ادب میں ہمہ وقت عامی سے لے کر اعلیٰ ترین شخصیات کا جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ سلیم صاحب کو حضرت مختار شاہجہانپوری کے اُس نادر الوجود کتب خانہ سے بھی بقدر ظرف استفادہ کا نادر موقعہ قدرتاً فراہم ہو گیا جس کی بیش قیمت کتب ایک تشنۂ علم کی سیرابی کا موثر و مفید ذریعہ بننے کی پوری صلاحیت رکھتی تھیں۔ یہاں سلیم صاحب کو نہ صرف داستانِ امیر حمزہ سے لے کر طلسم ہوشربا کے تمام دفاتر بلکہ طلسم نوراَفشاں کی دونوں جلدوں کے بذوق و شوق مطالعہ کرنے کا زمانہ طالب علمی ہی سے موقع فراہم ہوا۔ بلکہ جوں جوں آپ کی عمر میں اضافہ ہوتا گیا، سلیم صاحب کے ذوقِ مطالعہ میں بھی اسی کے بقدر اضافہ و دلچسپی بلکہ انہماک کی کیفیت پیدا ہوتی چلی گئی۔ حافظ صاحب کے اس

ذخیرۂ کتب میں ہر قسم کی کتابیں موجود تھیں۔ مثلاً سید علی بلگرامی کی تصنیف "تمدن عرب"، مولانا شبلی نعمانی کی سیرۃ النبیؐ۔ مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کے فتاویٰ کی تمام جلدیں فتاویٰ رضویہ کے نام سے۔ سرسید احمد خاں کی تمام تصانیف۔ مولانا عبدالحلیم شرر کے تمام ناول۔ فسانۂ آزاد کی چاروں جلدیں، تیرتھ رام فیروز پوری کے انگریزی ناولوں کے اُردو تراجم، مشہور زمانہ انگریزی زبان کے ناول نگار رینالڈس کے ناولوں کے ترجمے۔ ہندوستان کے مختلف مکتبہ خیال کے علماء کی تصانیف۔ رامائن، مہابھارت، بھگوت گیتا اور بائبل کے مختلف نسخے (OLD & NEW TESTAMENT) ستیارتھ پرکاش، ایرانی خطاط یاقوت رقم کا مطلّا نسخہ قرآن کریم جو لاجوردی رنگ کی جدولوں اور آیات کے سنہرے طلائی دائروں سے مزین تھا۔ دیوان حافظ کا چہار صد سالہ پرانا مخطوطہ۔ کتب احادیث، کتب تفاسیر کتب تاریخ و سیر، منطق و فلسفہ، علم کلام، علم اسماء الرجال، علم ہیئت وغیرہ وغیرہ۔

رسائل میں "معارف" اعظم گڑھ، "زمانہ" کانپور، "علی گڑھ منتھلی" "مخزن" لاہور، "دلگداز" لکھنؤ "نقاد" آگرہ، "نگار" فتح پور (بعد ازاں لکھنؤ) "خدنگ نظر" حیدرآباد دکن، "پیام یار" لکھنؤ اور دیگر بے شمار جرائد و رسائل جن کے فائل موجود تھے۔ سارا گھر ان اخبارات و رسائل سے اٹا پڑا تھا۔ تخت پر اخبارات کے انبار، میزوں اور چارپائیوں پر رسائل و جرائد کے ڈھیر، الماریوں میں کتابوں اور رسالوں کے مجلد فائل غرضیکہ سارا مکان ایک وسیع و عریض کتب خانہ کا منظر پیش کرتا تھا۔ اس پر مستزاد حضرت حافظ صاحب کی بھاری بھرکم شخصیت جو بجائے خود ایک چلتی پھرتی انسائیکلوپیڈیا کا درجہ رکھتی تھی۔

حضرت حافظ صاحب کے پاس ہمہ وقت آنے جانے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا جن میں ہر طبقۂ خیال اور ہر درجہ کا علم رکھنے والے اشخاص شامل ہوتے تھے۔ الیکشن کے زمانے میں اہل سیاست بھی اُن کے گھر کا طواف کرتے نظر آتے تھے۔ کیونکہ وہ ایک نامی گرامی خانوادے کے ایک ذمہ دار فرد تھے اور اپنی خاندانی و ذاتی وجاہت میں بھی ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ اُن کے معتقدین و مداح شہر کے مختلف حصوں میں آباد تھے اس لئے حضرت حافظ صاحب کو شہر میں ایک متوازن قوت (POWER BALANCE) حاصل تھی۔ اسی لئے حضرت حافظ صاحب کو سیاست کے میدان میں

وہی اہمیت حاصل تھی جو ان کو علمی و ادبی حلقوں میں حاصل تھی ۔ اہل علم، ادیب، شاعر، فلسفی، صحافی اور حکیم سب اُن سے اکتسابِ فیض کے لئے حاضر ہوتے تھے ۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ حضرت علامہ اقبال بھی اُن سے ملاقات کے لئے تشریف لائے تھے ۔

سلیم صاحب حضرت حافظ صاحب کی ان علمی و ادبی مجالس میں اکثر شرکت کا موقعہ پاتے رہے اور لاشعوری طور سے حضرت حافظ صاحب کے زورِ بیان، اندازِ تخاطب اور طرزِ استدلال سے استفادہ کرنے کے زریں مواقع حاصل کرتے رہے ۔ کسی فرد کو مروجہ تدریسی ذرائع سے حصولِ علم کے جو مواقع حاصل ہو سکتے ہیں اُن کے فقدان کے باوجود سلیم صاحب نے حضرت حافظ صاحب کی صحبت میں رہ کر وہ کچھ حاصل کر لیا جو ایک رواجی ادیب فاضل اور مولوی فاضل اپنی تمام تر کوشش کے باوجود حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا ۔ اِلّا ماشاء اللہ ۔ سلیم صاحب اپنی سوانح حیات "میری علمی و ادبی خدمات" کے نام سے مرتب کر رہے ہیں جن سے اُن کے علمی، ادبی اور ملی خدمات کا کچھ اندازہ لگایا جا سکے گا ۔

بقول سلیم صاحب حضرت مختار شاہجہانپوری نے اُن کی صرف ایک فارسی نعت، ایک فارسی نظم اور چند اردو غزلیات پر اصلاح دی ۔ ان کے اکثر کلام پر اصلاح اس زمانہ کے مسلم الثبوت استاد اعتبار الملک حضرت دل شاہجہانپوری نے دی جو حضرت امیر مینائی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور حضرت جلیل مانکپوری کی وفات کے بعد جانشین امیر مانے گئے ۔ رہنمائے تعلیم لاہور کے دل نمبر میں جناب سلیم شاہجہانپوری کا کلام اُن کے خوشگوار تلامذہ کے ذیلی عنوان میں مع چند منتخب اشعار موجود ہے ۔

سلیم صاحب کی سب سے پہلی کاوشِ سخن ۱۹۲۷ء میں مشن ہائی اسکول شاہجہانپور کے سالانہ میگزین میں مطالعہ کتب کے عنوان سے اشاعت پذیر ہوئی ۔ بعد ازاں ہفت روزہ "المیزان" شاہجہانپور میں ان کی غزلیات شائع ہونا شروع ہوئیں ۔ رفتہ رفتہ ملک کے دوسرے اخبارات و رسائل میں اشاعت کا یہ سلسلہ جاری رہا ۔ تقسیم برصغیر کے بعد جب سلیم صاحب ترک وطن کر کے پاکستان آئے اور سندھ کے مشہور شہر نوابشاہ میں مستقلاً سکونت پذیر ہو گئے تو سلسلہ ملازمت کے ساتھ ہی ساتھ

مشق سخن بھی جاری رہی اور تبادلوں کے سلسلہ میں جہاں بھی گئے شعر وسخن کی محافل قائم کرتے رہے اور خاموشی کے ساتھ ادب کی خدمت جاری رکھی جو آج تک باوجود پیرانہ سالی اپنے شباب پر ہے۔

سلیم صاحب ہندوستان سے لے کر پاکستان تک درجنوں شاگردوں کو فیض پہنچا چکے ہیں اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ آپ ایک قادر الکلام شاعر ہونے کے علاوہ نثر نگاری میں بھی اپنا ایک منفرد مقام رکھتے ہیں اور آپ کی یہ ادبی کاوشیں بھی رسائل واخبارات کی زینت بنتی رہتی ہیں لیکن آپ کی زیادہ تر توجہ کا مرکز نظم ہی ہے۔ آپ ایک اچھے نقاد اور مورخ بھی ہیں اور آپ کی نثری کاوشیں ضخیم کتب کی صورت اختیار کر چکی ہیں۔

جہاں تک آپ کی جماعتی خدمات کا تعلق ہے تو مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ سلیم صاحب نے اسے ہمیشہ دوسرے فرائض پر فوقیت دی ہے اور اس سلسلہ میں یہ شعر آپ کی ملی خدمات کی صحیح ترجمانی کرتا ہوا نظر آتا ہے ؎

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

آپ نے جب سے ہوش سنبھالا اپنے ماحول کو دینی رنگ میں رنگین پایا لہٰذا خود کو بھی اُسی رنگ میں رنگین کرنے پر لاشعوری طور سے مستعد ہو گئے۔ بسلسلہ ملازمت یا بسلسلہ سیر وسیاحت جہاں بھی گئے اعلاءِ کلمۃ الحق کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا جس کے نتیجہ میں بہت سی سعید روحیں آپ کی ہم خیال بن گئیں۔ آپ نے اِن واقعات کو ایک علیحدہ کتاب کی صورت میں ترتیب دیا ہے جو اپنی اشاعت کی منتظر ہے۔ (انجم نقوی)

نمونہ کلام

حمد باری تعالےٰ عزّ اسمہ

دل کو رنگِ خود نمائی دوں
ہر طرف میں ہی میں دکھائی دوں

تو ہی معبود ہے تو ہی مسجود
یہی کہتا ہوا سنائی دوں

تیری توحید کے الاپوں راگ
دل کو ہر شرک سے رہائی دوں

شائبہ بھی دوئی کا جس میں ہو
تیری وحدت کو وہ اکائی دوں

دل میں اُبھرے جو تیرا نقش جمیل
نقد جاں بہر رونمائی دوں

مجھ کو حاصل ہے اب مقام فنا
خود کو بھی کس طرح دکھائی دوں

فکر آزاد، دل بھی آوارہ
کس کو الزام نارسائی دوں

کون مشکل کشا ہے تیرے سوا
بس ترے نام کی دہائی دوں

فاش کر دوں خودی کا راز سلیم
نفس کو اذن خود نمائی دوں

ثنائے ساقی کوثر

اللہ رے فیضِ ساقی کوثر سرشت کا
اُمت پہ جس نے کھول دیا در بہشت کا

کایا پلٹ کے رکھ دی ہر اک بدنہاد کی
چولا بدل کے رکھ دیا ہر بد سرشت کا

مومن بنایا مشرک و آتش پرست کو
قبلہ درست کر دیا دیر و کنشت کا

مہکے ہیں باغ سیرت خیر البشر کے پھول
نقشہ جما ہوا ہے نظر میں بہشت کا

طائف کی سرزمیں نے دیکھا یہ ماجرا
بدلہ دعائے خیر تھا ہر سنگ و خشت کا

کی جس نے دل سے طاعتِ محبوب کبریا
دوزخ کا خوف اس کو نہ ارماں بہشت کا

رکھا ہے جس نے پیش نظر اسوۂ رسول
طالب کبھی نہ ہوگا وہ دنیائے زشت کا

آنکھیں ہوئی ہیں اشکِ ندامت سے ہمکنار — عنوان مغفرت ہے مری سرنوشت کا

میں ہوں غلام شافعِ روزِ جزا سلیمؔ
کیا خوف ہو مجھے مرے اعمالِ زشت کا

غزل

عجیب رنگ ہیں دُنیائے بے ثبات کے رنگ — توہمات کے سائے، تصورات کے رنگ

فنا پذیر ہیں ہر لحظہ کائنات کے رنگ — فقط قریبِ نظر ہیں تعینات کے رنگ

جمے نظر میں جو اُس جانِ کائنات کے رنگ — تو ماند پڑ گئے سب گلشنِ حیات کے رنگ

یہ سبزہ زار، یہ گلشن، یہ ابر و بادِ بہار — ہیں تیری ذات کے مظہر تری صفات کے رنگ

غبارِ دل جو ندامت کے اشک برسائے — مری نظر میں جھلکنے لگیں نجات کے رنگ

ہزار حیف کہ اخلاص کا چلن نہ... رہا — نظر نظر میں سجے ہیں تکلفات کے رنگ

ہر ایک قلب ہے آماجگاہِ بغض و حسد — ہر اک نظر سے عیاں ہیں تعصبات کے رنگ

تمام عالمِ انسانیت ہے خون آلود — لہو کے رنگ میں ڈوبے ہیں شش جہات کے رنگ

فقیہِ شہر نے بدلے ہیں علم کے بل پر — ہر ایک لفظ کے معنی ہر ایک بات کے رنگ

ہماری عیش پرستی کا حشر کیا ہوگا — نظر نواز ہیں ہر سو تعیشات کے رنگ

عیاں ہو کس طرح وحدانیت کا رنگ سلیمؔ
نہاں ہوں قلب میں جب ماورائے ذات کے رنگ

ہاں اس طرف بھی اے نگہِ لطفِ یار دیکھ — ہم کر رہے ہیں کب سے ترا انتظار دیکھ

ہوتی نہیں یہ چشم کبھی اشکبار دیکھ — تو میرا ضبط دیکھ مرا حالِ زار دیکھ

بلبل نے آشیانہ چمن سے اٹھا لیا — اہلِ چمن فراق میں ہیں دلفگار دیکھ

سبزے میں وہ مہک ہے نہ پھولوں میں وہ مہک — ہر گوشۂ چمن میں خزاں کی بہار دیکھ

نالے ہیں عندلیبِ چمن کی زبان پر
گلشن میں آج زاغ وزغن کی پکار دیکھ

انصاف تیرے ہاتھ ہے ربِ کائنات
دشمن کی سرکشی پہ مرا انکسار دیکھ

دُنیا ہوئی ہے خون کی پیاسی مرے کریم
اب کوئی بھی نہیں ہے مرا غمگسار دیکھ

سچ بولنا گناہِ کبیرہ ہے ان دنوں
تو مجھ پہ جبر دیکھ، مرا اختیار دیکھ

ہر روز ایک صدمۂ تازہ ہے جانگداز
اِس قلبِ سوگوار کا صبر و قرار دیکھ

لغزش کا ہو گماں مرے پائے ثبات پر
اس درجہ ہو نہ جائے کہیں حال زار دیکھ

دامانِ صبر چھوڑ نہ بیٹھے دلِ حزیں
اپنوں پہ بھی نہیں مجھے اختیار دیکھ

خود ہو نہ جاؤں اپنی نظر میں ذلیل و خوار
دشمن نے کر دیا ہے مجھے اتنا خوار دیکھ

مولا مجھے سکون کی دولت نصیب ہو
میری طرح نہیں ہے کوئی بیقرار دیکھ

اے دل وفورِ رحمت پروردگار دیکھ
اُجڑے ہوئے چمن کی خزاں میں بہار دیکھ

ہنس ہنس کے پی رہا ہے جو تلخابۂ حیات
کتنا دیا ہے اُس نے تجھے اختیار دیکھ

ابرِ کرم محیط ہے کل کائنات پر
تو انتشار رحمت پروردگار دیکھ

مایوسیوں کو مُنہ نہ لگا اے وفا سرشت
اُمید کے چراغ کی لو بار بار دیکھ

بنجر زمیں کی فکر نہ کر اے رہینِ غم
ہر سمت لہلہاتے ہوئے مرغزار دیکھ

اشجار ہیں لباس سے عاری تو غم نہ کر
یہ ہے نشانِ آمدِ فصلِ بہار دیکھ

نا منصفی کا دور بھی ہے اب قریب ختم
تو نے خزاں تو دیکھ ہی لی اب بہار دیکھ

سرفراز۔ جناب سید سرفراز علی صاحب شاہجہانپوری

سید سرفراز علی صاحب ولد سید نیاز علی صاحب تلہر ضلع شاہجہانپور (انڈیا) میں پیدا ہوئے آپ کے تین صاحبزادے اور دو بیٹیاں ہیں۔ بڑے صاحبزادے رضوان احمد میفورڈ (MEEFO RD) ۔ کینیڈا میں میڈیکل پیتھالوجسٹ ہیں۔ عثمان احمد صاحب ٹورنٹو (TORONTO) کناڈا میں منسٹری آف ہاؤسنگ میں پلانر ہیں اور چھوٹے صاحبزادے عرفان احمد واہ کینٹ میں ہیں۔ بڑی صاحبزادی شادی شدہ ہیں اور چھوٹی بیٹی بھی واہ کینٹ میں ہیں۔

آپ شاہجہانپور کی مشہور آرڈی نینس فیکٹری میں ملازم تھے اور وہیں سے تقسیم برصغیر کے بعد ہجرت کر کے سیالکوٹ آ گئے اور عرصہ تک خدمات ملک بجا لاتے رہے۔ بعد ازاں واہ کینٹ چلے آئے اور اب ملازمت سے سبکدوشی کے بعد مستقل طور سے وہیں سکونت پذیر ہیں۔

شاعری کا شوق آپ کو بچپن سے تھا کیونکہ اس زمانہ میں شاعروں کا بہت زور تھا۔ ہر محلہ میں ماہانہ مشاعرے منعقد ہوا کرتے تھے جن میں سرفراز صاحب کو شرکت کا موقعہ ملتا تھا۔ وہیں سے شعر کہنے کا شوق پیدا ہوا اور بقول خود جوڑ توڑ کرنا شروع کر دیا۔ مشاعروں میں " " نے ہمت بندھائی اور مشق جاری رہی۔ سب سے پہلے آپ نے اسکول کی تقریبات پر طبع آزمائی شروع کی اور حسنِ اتفاق سے سالانہ ٹورنامنٹ کے مشاعرہ میں آپ کی نظم بہت پسند کی گئی اور انعام کی مستحق قرار پائی۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

ہے سلام آج سے ساقی ترے میخانے کو — کوئی جنبش نہ ابھی تک ہوئی پیمانے کو

پھر بھی تا حشر رہا سلسلہ باقی اس کا — مختصر لاکھ کیا عشق کے افسانے کو

دیکھ لیتے کہیں پھر موسم گل میں یارب — دست رنگیں میں چھلکتے ہوئے پیمانے کو

جب نہ آنکھوں میں رہی دید کی قوت باقی	ہائے کب آئے وہ صورت مجھے دکھلانے کو
کہہ دو ناصح سے چلا جانے میں اک سوچ میں ہوں	آ گیا پھر یہ ستمگر مجھے بہکانے کو

آپ کی وہ بیاض جس میں آپ کا چیدہ چیدہ کلام درج تھا گم ہو جانے کی وجہ سے آپ کا منتخب کلام دستیاب نہ ہو سکا۔ تاہم جو اشعار حاصل ہو سکے ہیں ہدیہ ناظرین کئے جاتے ہیں۔

آپ کے صاحبزادے رضوان احمد جب عازم سفر ہوئے اُس موقعہ پر آپ نے جو نظم لکھی اس کے چند اشعار یہ ہیں۔ ؎

اے نورِ نظر اے لختِ جگر، اے راحت جان آرام پدر
تم جاتے تو ہو لندن کو مگر یہ بات بھی رکھنا پیش نظر
سنتا ہوں بہت کھو جاتے ہیں رنگین فضاؤں میں جا کر
ڈرتا ہوں نہ تم پہ ہو جائے اُن بے خوشبو پھولوں کا اثر
تثلیث کے مرکز میں جا کر توحید کے شیدا خیال رہے
ہے دین مقدم دُنیا پر یہ ہے فرمانِ فضل عمرؓ
قرآن تمہارا ہادی ہو تم اس پہ عمل کے عادی ہو
ہو دل میں تمہارے یاد خدا دن رات ہوں یا ہوں شام و سحر
ہم سب کی دُعائیں کثرت سے ہمراہ تمہارے جائیں گی
آزردہ نہ ہو رضوان تمہیں کرنا ہے ہزاروں میل سفر

ربوہ میں

سکون و راحت و آرام جان پاتا ہے ربوہ میں	کہ ہر اک احمدی دوڑا چلا آتا ہے ربوہ میں
شنیدہ کے بود مانند دیدہ یہ مثل سچ ہے	زبانی کیا بتائیں کیا نظر آتا ہے ربوہ میں

قریب آکر تو دیکھو دُور ہی سے دیکھنے والو ‏ کہ دل تسکین پاتا ہے کہ گھبراتا ہے ربوہ میں
یقیں ہے آپ بھی مجبور ہو جائیں گے کہنے پر ‏ خدا کی شان کا جلوہ نظر آتا ہے ربوہ میں
بپا کرتا ہے روز و شب خزانہ علم و عرفاں کا ‏ علوم معرفت کا ایک سخی داتا ہے ربوہ میں
مجھے تو سرفراز آتا ہے رشک اُس مرنے والے پر ‏ جو بعد مرگ بھی قسمت سے آجاتا ہے ربوہ میں

سجّاد۔ سیّد سجاد احمد صاحب قادیانی

سیّد سجاد احمد صاحب ابن مکرم سیّد علی احمد صاحب ۱۳، ۱۴ ستمبر کی درمیانی شب قادیان میں پیدا ہوئے۔ ابوالاکمل مولانا امام الدین صاحب گولیکی والوں نے جو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے مریدان باصفا میں سے ایک تھے اذان دی جو مسجد مبارک میں تہجد کے نوافل ادا کرنے آئے تھے۔ آپ کے والد سیّد علی احمد صاحب موضع رجاؤلی ضلع انبالہ کے رہنے والے تھے۔ وہ اپنی نخیال کے ذریعہ احمدیت سے متعارف ہوئے۔ قادیان آئے اور حضرت بانی سلسلہ کی زیارت اور بیعت سے مشرف ہوئے اور پھر قادیان ہی کے ہو رہے۔ آپ سجادہ نشین تھے اور رجاولی ضلع انبالہ اور اس کے ارد گرد سات مواضعات میں آپ کی اراضیات تھیں جنھیں چھوڑ کر ۱۹۲۳ء میں قادیان آ گئے۔ آپ کی روایات مریدان باصفا کے رجسٹر میں درج ہیں۔

تقسیم ملک کے بعد ربوہ چلے آئے اور یہیں ۱۹۵۵ء میں انتقال ہوا اور بہشتی مقبرہ میں مدفون ہوئے۔

سجّاد صاحب تقسیم ملک تک قادیان میں رہے۔ کچھ عرصہ بطور اسسٹنٹ ایڈیٹر روزنامہ الفضل خدمات بجالانے کی توفیق ملی۔ بعد ازاں کوئٹہ میں ایک ادبی رسالہ کی ادارت کا موقعہ ملا اور کچھ عرصہ یہاں قیام کیا۔ روزنامہ الفضل میں کام کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ میں ادبی ذوق پیدا ہوا۔ یہ صفت آپ کے لاشعور میں کہیں دبی پڑی تھی جس نے موقعہ پاتے ہی انگڑائی لی اور آپ کو ادباء کی صف میں ایک خاص مقام پر فائز کر دیا۔ حضرت مولانا امام الدینؓ، حضرت قاضی ظہور الدین اکملؓ، حضرت مولانا شیر علیؓ اور دیگر علمائے سلسلہ سے استفادہ کا موقعہ ملا۔ آپ کے ایک استاد محمود احمد صاحب خلیل تھے جو اب اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ انہوں نے سجّاد صاحب کو صنف شعر سے متعارف کرایا اور بحور اور اوزان سے

روشناس کرایا۔ آپ نے میر قاسم علی صاحبؓ کی ذاتی لائبریری اور خلافت لائبریری سے (جو اس زمانہ میں "صادق لائبریری" کہلاتی تھی) بھرپور استفادہ کیا۔ ملازمت کے سلسلہ میں آپ کو تھرپارکر (سندھ) ملتان، لاہور، جہلم اور جوڑانوالہ میں مختلف اوقات میں قیام کرنا پڑا۔ سید صاحب جہاں بھی گئے ادبی حلقوں سے رابطہ قائم رکھا۔ آپ کا کلام سلسلہ کے جملہ اخبارات و رسائل میں اشاعت پذیر ہوتا رہا۔
آپ نے نثری مضامین بھی لکھے اور اپنے قلم کے خوب خوب جوہر دکھائے۔

تصنیفات

جون ۱۹۸۰ء میں آپ نے حضرت اماں جان کی سیرت پر ایک کتاب بنام "ایک مبارک نسل کی ماں" شائع کی جس کا پہلا ایڈیشن ختم ہو چکا ہے۔ دوسرا ایڈیشن اشاعت کے لئے تیار ہے۔

فضل عمر فاؤنڈیشن کا انعامی مقابلہ

"حروف و اعداد کے اسرار" پر آپ نے ایک بسیط مقالہ رقم فرمایا۔ یہ مقالہ آپ کی تحقیقی کاوش کا شاہکار تھا۔ فضل عمر فاؤنڈیشن نے اس مقالہ کو انعام یافتہ قرار دیا اور دو ہزار پانچ سو روپیہ کا انعام عطا فرمایا۔ اس مقالہ کی تحریر کے محرک حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے وہ الفاظ تھے جو آپ نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب "ازالہ اوہام" کے صفحہ ۱۸۲ پر تحریر فرمائے۔ آپ نے فرمایا۔

"اس عاجز کے ساتھ اکثر یہ عادۃ اللہ جاری ہے کہ وہ سبحانہ بعض اسرار اعداد و حروف تہجی میں میرے پر ظاہر کر دیتا ہے۔"

یہ ایک نئی اور دلچسپ تحقیق ہے اور سید صاحب اسے کتابی صورت میں شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

خاندانی حالات

آپ کی دو بیویاں ہیں۔ پہلی شادی سیدہ امینہ بیگم صاحبہ بنت مکرم سید نعمت علی شاہ صاحب

مرحوم سے ۱۹۵۱ء میں ہوئی۔ ان سے دو بیٹے سید جواد احمد اور سید شمشاد احمد اور پانچ بیٹیاں ہوئیں جو ہنوز بقید حیات ہیں۔

آپ کی دوسری اہلیہ مریم سلطانہ صاحبہ بنت مکرم عنایت اللہ خاں صاحب مرحوم ہیں جن کے شوہر محمد احمد خاں صاحب ٹل ضلع کوہاٹ میں شہید کر دیئے گئے تھے۔ چار کمسن بچے موجود تھے۔ ۱۹۶۱ء میں سید صاحب نے ان سے شادی کی ان کے بطن سے ایک لڑکا اور دو بچیاں تولد ہوئیں بیٹے کا نام سید منور احمد ہے اور تینوں بچے بقید حیات ہیں۔

شاعری میں تلمذ

سید صاحب نے اس فن میں باقاعدہ کسی اُستاد کے سامنے زانوئے تلمذ نہیں کیا لیکن آپ کو قادیان میں ایک نہایت بابرکت علمی و ادبی ماحول میسر رہا۔ حضرت مولانا امام الدین صاحب فانی حضرت قاضی ظہور الدین صاحب اکمل۔ مولوی محمد یعقوب صاحب طاہر۔ رحمت اللہ خاں صاحب شاکر حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بسمل۔ حضرت حافظ مختار احمد شاہ صاحب شاہجہانپوری۔ حضرت میر قاسم علی صاحب۔ حضرت مولانا ذوالفقار علی خاں صاحب گوہر۔ حافظ سلیم احمد صاحب اٹاوی مولانا مصلح الدین صاحب راجیکی۔ حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیر۔ شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی۔ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب اور دیگر صاحبانِ علم و فضل سے براہِ راست استفادہ کے مواقع میسر آتے رہے۔ ان صاحبان علم و عمل بزرگوں کی صحبت نے لاشعوری طور پر اُستادی کے خلاء کو باحسن وجوہ پورا کر دیا۔

دورانِ قیام کوئٹہ آپ نے پروفیسر آغا محمد صادق صاحب اور پروفیسر شمس الضحیٰ صاحب علیگ کو اپنا کلام دکھایا اور اصلاح لی۔ مضامین نثر کے سلسلہ میں آپ نے ابتداً حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل اور ان کے نامور فرزند عبدالرحیم صاحب شبلی ایم کام اور خواجہ غلام نبی صاحب مرحوم ایڈیٹر الفضل سے راہنمائی حاصل کی۔

دینی خدمات

جب تک قادیان رہے۔ مجلس اطفال الاحمدیہ اور مجلس خدام الاحمدیہ کی تنظیموں میں ہمیشہ کسی نہ کسی عہدہ پر کام کرنے کا موقعہ ملا۔ قادیان سے ہجرت کے بعد جہاں کہیں بھی رہے۔ قائد، سیکرٹری مال، نائب قائد کے عہدوں پر کام کرتے رہے۔ مرکزی تنظیم مجلس انصار اللہ میں بطور نائب قائد اشاعت خدمات بجالانے کا موقعہ ملا۔ جلسہ سالانہ کے دوران کچھ عرصہ تک اشاعت و پریس کی ڈیوٹی پر خدمات انجام دیں۔ مجلس انصار اللہ کے سالانہ اجتماع پر اشاعت و پبلسٹی کی خدمت پر بطور نائب ناظم کئی سال سے خدمات بجالا رہے ہیں۔

صحبت صالحین

حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب مختار شاہجہانپوری کی صحبت سے آپ کو استفادہ کا کافی موقعہ ملا۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضرت حافظ صاحبؓ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ ۱۹۴۳ء سے ۱۹۴۵ء تک (قادیان میں) آپ مہمان خانہ کی نئی عمارت کے ایک حصہ میں اقامت پذیر رہے۔ وہاں کئی بار ملاقات کا موقعہ ملا۔ قادیان سے ہجرت کے بعد جودھامل بلڈنگ کے ایک کمرے میں کافی عرصہ تک آپ کا قیام رہا۔ وہاں بھی سید صاحب شرف نیاز حاصل کرتے رہے۔ بعد ازاں حضرت حافظ صاحب ربوہ میں رہائش پذیر ہوئے تو سید صاحب جب کبھی ربوہ آتے حضرت حافظ صاحب کی خدمت میں حاضری دینا ضروری سمجھتے۔ نومبر ۱۹۵۵ء میں سید صاحب کے والد نے انتقال فرمایا۔ ان کی وفات کے بعد حضرت حافظ صاحب کا سید صاحب سے اصرار تھا کہ جلد جلد ملتے رہا کرو۔ کیونکہ سید صاحب کے والد صاحب تو حافظ صاحب سے اکثر ملتے رہتے تھے۔ سید صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت حافظ صاحب کی مجلس علم وعرفان میں شمولیت ازدیاد ایمان و ایقان کا موجب ہوتی۔ آپ کے کمرہ میں کسی صاحب نے جلی حروف میں یہ شعر لکھ کر آویزاں کر دیا تھا جو آپ کی شخصیت اور آپ کے ماحول کی بھرپور عکاسی کرتا تھا ؎

بیا در ذیلِ مستاں تا بہ بینی عالمے دیگر
بہشتے دیگر و ابلیس دیگر آدمے دیگر

اس مجلس میں شامل ہونے والا ہر شخص اپنے آپ کو حقیقتاً ایک نئی دنیا میں محسوس کرتا تھا اور کیف و سرور سے سرشار ہو کر اس مجلس میں دوبارہ شامل ہونے کی خواہش دل میں لئے ہوئے رخصت ہوتا تھا۔ افسوس کیسے کیسے پیارے وجود ہم سے جدا ہو گئے۔ ؎

وہ صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

نمونہ کلام

بہت تیز آندھی اٹھی دوستو ہر اک سمت تھی تیرگی دوستو
بہت دیر تک کچھ نہ آیا نظر ہر اک راہ تھی اجنبی دوستو
بڑے حوصلے سے گذاری ہے عمر شکایت کسی سے نہ کی دوستو
طلوعِ سحر کے ہیں آثار سب شبِ غم بھی آخر کٹی دوستو
بظاہر تو کوئی بھی صورت نہ تھی نباہی مگر دوستی دوستو
خجل ہو کے کیا دیکھتے ہو ہمیں
تمہارے ہیں ہم آج بھی دوستو

دھیمی ہوئی ہے نبض کی رفتار دیکھئے کب تک جیئے کا آپ کا بیمار دیکھئے
کرتا ہے کون عشق کا اظہار دیکھئے ملتا ہے کون آپ کو دلدار دیکھئے
دنیائے بے ثبات کی رفتار دیکھئے گرنے لگی ہے ریت کی دیوار دیکھئے
ظلم و ستم پہ آپ کو شرمندگی نہیں کیا ہو گیا ہے آپ کو سرکار دیکھئے
ہر ہر قدم پہ جلوۂ جاناں ہے ضو فگن ہونے لگی ہے بارشِ انوار دیکھئے

ان گھور اندھیروں میں تجلّی کا سبب ہیں ۔۔۔ ہے مصلحت وقت کہ ہم مہر بلب ہیں
شکوہ نہ کیا ہم نے کبھی اپنی زباں سے ۔۔۔ لیکن تری سرکار سے انصاف طلب ہیں
ہر دَور میں دیکھا ہے بصیرت کی نظر سے ۔۔۔ اُس پیکر انصاف کے جلوے بھی غضب ہیں
پہلے سے بھی ہیں تیز قدم راہِ وفا میں ۔۔۔ واماندہ و افسردہ نہ پہلے تھے نہ اب ہیں

ان لوگوں کی تعظیم کرو اہل گلستاں
جو لوگ کہ تزئین گلستاں کا سبب ہیں

شمسؔ۔ جناب مولانا جلال الدین صاحب سیکھوانی

جلال الدین نام شمسؔ تخلص، خالد احمدیت خطاب

حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے نہایت مخلص اور قدیمی رفیق باصفا حضرت میاں امام الدین صاحب سیکھوانی کے ہاں بمقام سیکھواں ضلع گورداسپور پیدا ہوئے سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود نے حضرتِ میاں امام الدین صاحب اور اُن کے دونوں بھائیوں کا ذکر اپنی کتب میں جابجا بڑے تعریفی الفاظ میں فرمایا ہے اُنہیں اپنے تین سو تیرہ رفیقان باصفا کی فہرست خاص میں شامل فرمایا ہے

صغر سنی میں حضرت مولانا کے والدین آپ کو حضرت مسیح موعود کی خدمت میں لے جایا کرتے تھے اور حضور محبت سے اپنا دستِ شفقت آپ کے سر پر پھیرا کرتے تھے

زمانۂ طالب علمی میں آپ کا قد میانہ، گول چہرہ، سرخی مائل گندم گوں رنگ، خوبصورت شکل وشباہت تھی۔ آپ اچکن اور شلوار کے ساتھ پگڑی استعمال کرتے اور سادہ جوتا پہنتے تھے۔ لباس آپ کا ہمیشہ صاف ستھرا اور سادہ ہوتا تھا۔ صفائی آپ کے مزاج میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ متبسم چہرہ، معدرس نگاہ اور ذہین دماغ کے مالک تھے۔ ہر ملنے والا آپ کے اخلاق کریمانہ کا گرویدہ نظر آتا تھا۔

ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے وطن سیکھواں میں حاصل کی۔ بعد ازاں ۱۹۱۰ء میں مدرسہ احمدیہ قادیان کی پہلی جماعت میں داخل ہوئے اور ترقی کے مدارج طے کرتے ہوئے ۱۹۱۹ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

قسام ازل نے آپ کو ایک اعلیٰ درجہ کا دماغ اور فہم و ذکا کا مالک بنایا تھا لیکن آپ نے اپنی شبانہ روز محنت اور ریاضت سے اُس میں چار چاند لگا دیئے تھے۔

حضرت مولانا ابتدائے عمر ہی سے طبعاً جفاکش اور محنت و ریاضت کے عاشق تھے۔ اور اس عادت نے آئندہ زندگی میں آپ کو بے نظیر کامرانیاں عطا کیں۔

حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسے اساتذہ کی شاگردی نصیب ہوئی جو اپنی ذات میں کوہ گراں کی حیثیت رکھتے تھے۔ مثلاً حضرت سیدنا مصلح موعود ۲۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ۳۔ حضرت حافظ روشن علی صاحب ۴۔ حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب ۵۔ حضرت قاضی امیر حسین صاحب بھیروی ۶۔ حضرت سید میر محمد اسحٰق صاحب ۷۔ حضرت مولوی غلام نبی صاحب مصری (۸) حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب جلالپوری۔

حضرت مولانا صاحب روزانہ اپنے گاؤں سکھواں سے پاپیادہ چل کر قادیان پہنچتے اور پڑھائی کے بعد مسجد اقصیٰ میں بیٹھ کر اپنے سبق کو دہراتے اور شام کو قبل مغرب گھر پہنچ جاتے۔ اکثر اوقات حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کا درس سن کر روانہ ہوتے لیکن اگر کسی روز دیر ہو جاتی تو پھر قادیان ہی میں رک جاتے۔ دو سال تک اسی لگن کے ساتھ تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔

اس زمانہ میں تبلیغ کے میدان میں مجاہدین کی ضرورت تھی جو اپنی ساری زندگی خدمت دین کے لئے وقف کر کے فریضہ اعلائے کلمۃ اللہ ادا کریں۔ لہٰذا حضرت مصلح موعود نے اس ضرورت کے پیش نظر ۷ دسمبر ۱۹۱۷ء کو احباب جماعت کو وقف زندگی کی تحریک فرمائی۔ اس اعلان پر ۶۳ نوجوانوں نے اپنے آپ کو بطور واقفین زندگی حضور کے سامنے پیش کیا جن میں حضرت مولانا شمس صاحب بھی شامل تھے۔

سیدنا حضرت مصلح موعود نے واقفین کی دینی تربیت کے لئے مبلغین کلاس کا اجراء فرمایا اور ۲۱ جون ۱۹۲۱ء کو یہ کلاس جاری ہوئی جس کے استاد حضرت علامہ روشن علی صاحب مقرر ہوئے۔ اس کلاس میں مولانا شمس کے ساتھ مولانا غلام احمد صاحب بدوملہی، مولانا ظہور حسین صاحب اور حضرت مولانا شہزادہ خان صاحب جیسے نامور علماء و فضلاء شامل تھے۔ بعد ازاں حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب بھی اس جماعت میں شامل ہو گئے۔ اس سلسلہ میں خود مولانا شمس صاحب کا بیان ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں۔

"جب میں ۱۹۱۹ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کر چکا تو حضرت مصلح موعود نے میرے لئے ایک نصاب تعلیم تجویز کیا۔ اس نصاب میں سب سے بڑا آئٹم حضرت اقدس مسیح موعود کی کتب کا مطالعہ اور اُن کا خلاصہ نکالنا تھا۔ اس اثنا میں مجھے چھ ماہ کے لئے نظارت تالیف و تصنیف میں بھی کام پڑا۔ اُس وقت حضرت حافظ صاحب مرحوم بھی اُسی نظارت میں بطور نگران کام کرتے تھے اور درد صاحب مرحوم ناظر تھے۔ اس چھ ماہ کے عرصہ میں حضرت حافظ صاحب مرحوم کی نگرانی میں میں نے چند کتب اور بہت سے مضامین لکھے۔ ۱۹۲۰ء میں جب مولوی ظہور حسین صاحب اور مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی وغیرہ مولوی فاضل کا امتحان پاس کر چکے تو مبلغین کلاس جاری کی گئی جس کا سب سے پہلا طالب علم خاکسار تھا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب بھی اس کلاس میں شامل ہو گئے۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ ہمیں حضرت حافظ صاحب مرحوم جیسے مشفق و مہربان اور اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا عالم باعمل ملا جنہوں نے کمال ہمدردی اور بے مثل شفقت اور بے لوث محبت اور خاص محنت و توجہ سے رات دن ایک کر کے ہمیں خدا تعالیٰ کی پاک کتاب اور احادیثِ رسولؐ اور دیگر علوم مروجہ کی کُتب پڑھائیں۔" (الفرقان دسمبر ۱۹۶۰ء صفحہ ۳۶)

حضرت مولانا شمس صاحب حضرت حافظ روشن علی صاحب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"یہ میری خوش قسمتی تھی کہ مولوی فاضل کا امتحان پاس کرنے کے بعد مجھے آپ کی صحبت میں چار پانچ سال متواتر رہنا پڑا۔ تقریباً تین سال تک باقاعدہ آپ سے مبلغین کلاس میں تعلیم پائی۔ آپ نے جس محبت اور شفقت سے میری تربیت فرمائی اور اپنے ساتھ تبلیغی دوروں پر لے جا کر مناظرات کی مشق کرائی وہ میں بھول نہیں سکتا۔ اُستادوں میں آپ کی نظیر شاذ و نادر ہی ملے گی۔ آپ کو مجھ سے خاص طور سے محبت تھی۔ تبلیغی دوروں میں اکثر دفعہ آپ مجھے اپنے ہمراہ لے جایا کرتے اور ہم مبلغین کلاس میں پڑھتے تھے۔ اُس وقت دوسرے دن جو درس قرآن مجید اور احادیث کا ہوتا تھا اس کی تیاری کے لئے آپ مجھے

بلواتے اور میں آپ کو تفسیریں اور احادیث کی شروح سنایا کرتا جس سے مجھے ازحد فائدہ پہنچا۔ آپ کے ساتھ میں نے دہلی، مونگھیر، بھوپال، ڈیرہ دون، منٹگمری، پٹیالہ، سیالکوٹ، لاہور، نارووال، گجرات، جلال پور جٹاں، جہلم، مالیر کوٹلہ وغیرہ شہروں کا دورہ کیا۔

تبلیغ و تصنیف کا آغاز

حضرت مصلح موعود اپنی خلافت سے قبل مدرسہ کے منتظم اعلیٰ تھے۔ آپ چھٹیوں کے زمانہ میں طلبہ کے گھروں کو جاتے وقت بالخصوص اس امر کی تلقین فرماتے کہ گھروں میں جاکر اردگرد کے دیہات کا دورہ کرنا چاہیئے اور کلمۂ حق کی تبلیغ کرنی چاہیئے۔ چھٹیوں سے واپس آنے پر اساتذہ بڑی کلاس کے طالب علموں کو چھٹیوں کے واقعات سنانے کا بھی موقعہ دیتے تاکہ دوسروں کو بھی شوق پیدا ہو بلکہ دیہات میں اس طرح دورہ کرنے کا نتیجہ میں کسی مولوی سے گفتگو کا موقعہ ملتا۔ جو ہم لوگوں کے مناظرہ کا فن سیکھنے کا موجب ہوتا۔

ایسے مکالمے اور ایسے تبادلۂ خیالات ۱۹۱۶ء کی چھٹیوں سے ہماری کلاس کے شروع ہو گئے۔ ۱۹۱۷ء میں تو پھر رپورٹیں بھی اخبارات میں شائع ہونے لگیں (اس سلسلہ میں محترم شمس کا مناظرہ پکیوال پہلی دفعہ منظر عام پر آیا۔ مضامین لکھنے کی ابتداء بھی ۱۹۱۸ء سے ہوئی جو ۱۹۱۹ء میں جلد ہی ترقی پاگئی۔ حضرت مصلح موعود نے ۱۹۱۹ء میں نظارتوں کا اجراء کیا تو شمس صاحب کو تالیف و اشاعت کی نظارت میں کام کرنے کا موقعہ ملا۔ اُن دنوں مولوی فضل دین وکیل بھی بعض کتب کی تصنیف میں مشغول تھے۔ اور شفیق استاد حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب بھی۔ شمس صاحب کو انہی دونوں بزرگوں کے ساتھ کام کرنے کا موقعہ ملا۔ جوابی مضامین کی تحریک زیادہ تر حضرت قاضی اکمل کی طرف سے ہوتی رہی۔

شعر گوئی کی ابتدا

حضرت قاضی اکمل جو سلسلہ کے ممتاز شاعر بھی تھے کی تحریک اور توجہ دلانے پر حضرت مولانا شمس نے شعر گوئی کی طرف بھی توجہ کی اور آپ "ابوالشمار" کنیت کے ساتھ تشحیذ الاذہان اور اخبار فاروق

کے صفحات پر جلوہ گر ہونے لگے۔ آپ کی منظومات سے پتہ چلتا ہے کہ قسّام ازل نے آپ کی فطرت میں شعر گوئی کا ملکہ بدرجہ اتم ودیعت کیا تھا جو آپ کی گوناگوں دینی و ملی خدمات کی وجہ سے پروان نہ چڑھ سکا اور دیگر مصروفیات کی چکا چوند میں اپنی تابانی کا بھرپور مظاہرہ نہ کر سکا۔ تاہم جو کچھ بھی آپ کے قلم حقیقت رقم سے صفحۂ قرطاس پر جلوہ گر ہوا وہ آپ کی قادر الکلامی پر دال ہے۔ آپ کی منظومات کے چند نمونے پیش خدمت ہیں۔

بیانِ اہلِ درد

گوہر و مختار جب ہوں مدح خواں اہلِ درد
شمس کیا ہو تجھ سے پھر تعریف شانِ اہلِ درد

درد والوں کا نہیں دُنیا میں گو پُرساں کوئی
غم نہیں اللہ تو ہے قدر دانِ اہلِ درد

حیف جو بیہودہ ہیں پروردۂ آغوشِ مکر
اُن کی خواہش تھی کریں وہ امتحانِ اہلِ درد

آگیا احرار پر اک انقلابِ ناگہاں
عرش سے ٹکرا گئی جب آہ و فغانِ اہلِ درد

قہرِ حق تھی حضرت محمود کی یلغار بھی
مُنہ کے بل اوندھے گرے ہیں دشمنانِ اہلِ درد

تا خُو نمک بھی لگا لو تم و لیکن دشمنو
تم مٹا سکتے نہیں ہرگز نشانِ اہلِ درد

کامیابی ہو یقینی کیوں نہ اہلِ درد کی
حضرت محمود ہیں جب پاسبانِ اہلِ درد

کچھ نہیں حاجت ہمیں تیغ و تفنگ و توپ کی
ہے دُعائے نیم شب تیر زبانِ اہلِ درد

سرنگوں ہو جائیں گی ساری زمینی طاقتیں
اُن پہ جب حملے کرے گا آسمانِ اہلِ درد

اور بھی دنیا میں ہوں گے جا بجا رسوا و خوار
جو رہے برجا چھوڑ دیں ایذا اہلِ درد

آج جتنی چاہیں دے لیں گالیاں پروا نہیں
کل یہی بدگو بنیں گے مدح خوانِ اہلِ درد

دشمنوں سے تم یہ کہہ دو شمس بے خوف و خطر
روز افزوں ہوگی قدر و عزّ و شانِ اہلِ درد

شوقؔ ۔ عبدالحمید خاں صاحب شوقؔ گورداسپوری (حال سیالکوٹ)

عبدالحمید خاں نام، شوقؔ تخلص۔ موضع فتو وال ضلع شکر گڑھ گورداسپور (بعد از تقسیم ملک ضلع سیالکوٹ) پنجاب کے رہنے والے آپ کے والد کا نام فتح الدین تھا جو آپ کے بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ آپ نے ایک نہایت عبادت گذار اور شب زندہ دار والدہ کی گود میں پرورش پائی۔ جماعت چہارم پاس کرنے کے بعد فارسی اور عربی ایک عالم دین سے پڑھی۔ مڈل کا امتحان اعزاز کے ساتھ پاس کر کے وکٹوریہ ہائی اسکول اسکالرشپ حاصل کی، ایس وی، میٹرک اور منشی فاضل کے امتحانات فرسٹ ڈویژن میں پاس کئے اور ادیب فاضل کے شاگردوں کو تعلیم دیتے دیتے خود بھی یہ امتحان پاس کر لیا۔ آپ کی ساری عمر درس و تدریس میں گذری۔ شعر و شاعری کا ذوق ابتدا سے تھا لیکن کسی سے باقاعدہ اصلاح کی نوبت نہیں آئی۔ ماشاء اللہ چھ سعادت مند بچوں کے باپ ہیں جن کی تعلیم و تربیت آپ کی زندگی کا سرمایہ ہے۔ ساٹھ سال کی عمر میں سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہو کر۔ الفتح حاجی چوک پیر غازی روڈ اچھرہ میں مقیم رہے۔

۱۹۲۶ء میں گورنمنٹ نارمل اینڈ ہائی اسکول گورداسپور کے ہوسٹل میں ایک ہم جماعت احمدی طالب علم سے "کشتی نوح" لے کر پڑھی اور اسی وقت سے آپ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے قائل ہو گئے۔ بعد ازاں محترم مرزا عبدالحق ایڈووکیٹ گورداسپور (حال پراونشل امیر صوبہ پنجاب) مقیم سرگودہا کی نورانی صورت اور پاکیزہ سیرت آپ کے دل میں گھر کر گئی اور چند روز بعد جب آپ کی عمر صرف سترہ یا اٹھارہ سال تھی سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے حضور حاضر ہو کر بیعت کر لی۔ کہتے ہیں ؎

نمونہ کلام

نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

لازم ہے احترام رسول کریمؐ کا
ہے عرش پہ مقام رسول کریمؐ کا

ہر ذرہ کائنات کا پڑھنے لگا درود
نکلا جو منھ سے نام رسول کریمؐ کا

دونوں جہاں بنے تو بنے آپ کے لئے
ارض و سما تمام رسول کریمؐ کا

ختم الرسل حضورؐ کی ہے ذات لاجواب
ما فوق ہے مقام رسول کریمؐ کا

صل علیٰ کا ورد ہے میری زبان پہ
لب پہ ہے میرے نام رسول کریمؐ کا

دونوں جہاں میں اسم محمدؐ کی روشنی
دونوں جہاں میں نام رسول کریمؐ کا

کس درجہ رام ہو گئے سنتے ہی سنگدل
شیریں ہے وہ کلام رسول کریمؐ کا

پڑھتا ہے خود خدا بھی درود آپ پر مدام
کتنا ہے احترام رسول کریمؐ کا

میری زبان شوق پہ رہتا ہے ذکر خیر
دن رات صبح و شام رسول کریمؐ کا

فضائل قرآن

قرآن گل شگفتہ توحید کا ہے نام
تکمیل دین کی مے کا چھلکتا ہوا ہے جام

فصل خزاں کا دور ہوا ختم بالیقیں
دائم بہار پر ہے یہ معجز نما کلام

شیریں و دلپذیر ہے کیا اس کی ابتدا
وجد آفریں ہے نور سے معمور اختتام

ہر حرف اور پاش میں پنہاں ہے راز زیست
ہر لفظ ہے شراب حقیقت کا ایک جام

جو مبتلائے عشق قرآن کریم ہے
ان کو ملا حیات میں اک دائمی مقام

اُمّ الکتاب رونقِ بستانِ زندگی — اُمّ الکتاب نورِ صداقت کا اہتمام

اے بے خبر بخدمتِ قرآن کمر بہ بند — دنیا و دین کی نعمتیں تجھ کو ملیں مدام

مخلوق اپنے خالق و مالک سے ہے جُدا — تہذیبِ مغربی نے بچھایا ہوا ہے دام

خدامِ دینِ احمدِ مرسل کا فرض ہے — قرآن کے علوم کو پھیلائیں صبح و شام

ہوتا ہے آسماں سے انوار کا نزول — جب بھی پڑھیں خلوص و محبت سے یہ کلام

تسکینِ قلب و روح کا ساماں ہے یہ شوقؔ
اس کے بغیر دولتِ دنیا ہے سب حرام

خلافت

خلافت باعثِ صد جلوہ ہائے نورِ یزدانی — خلافت سرِ شان و شوکتِ آیاتِ قرآنی

خلافت رحمتِ حق مظہرِ صد لطفِ ایمانی — خلافت آفتاب و نیرِ ملت کی تابانی

خلافت ظلمتِ کفر و ضلالت کے لیے مشعل — خلافت نعرۂ حق، نغمۂ توحیدِ ربانی

نگاہِ بوبکرؓ سے دشمنانِ دین پراگندہ — شکستہ ہیبتِ فاروقؓ سے اجسامِ شیطانی

خلافت دولتِ گم گشتۂ انساں ناطاقت — خلافت برکتِ صبر و رضا و عشقِ عثمانیؓ

اے ناداں خلافت کی بجان و دل اطاعت کر — اسی میں آج پوشیدہ ہے معراجِ مسلمانی

خلافت نے بشر کو عشق کے وہ راز بتلائے — کہ جن کو دیکھ کر ہوتی ہے حیرت کو فراوانی

خلافت نے وہ حُسنِ زندگی بخشا ہے دنیا کو — چمکتی ہے جمالِ پاک سے عالم کی پیشانی

خلافت کیا ہے انوارِ نبوت کا تتمہ ہے — انہیں انوار سے روشن ہے چشمِ نوعِ انسانی

خلافت کی ردائے نُور چھینے کوئی ناممکن — خدا خود کر رہا ہے جب خلافت کی نگہبانی

بحمد اللہ عروجِ آدمِ خاکی کا دور آیا
میسر ہے ہمیں پھر شوقؔ یہ انعامِ رحمانی

دُعا

پروردگار آئے ہیں تیری جناب میں
دستِ دُعا اُٹھائے ہوئے اضطراب میں

ہم بے کسوں کا ایک سہارا تو ہی تو ہے
کوئی نہیں جہاں میں ہمارا تو ہی تو ہے

راہِ ھدیٰ پہ چلنے کی توفیق بخش دے
جذبِ علیؓ و آتشِ صدیقؓ بخش دے

علم و عمل میں آپ ہی اپنی نظیر ہوں
مردانِ حق شناس ہوں روشن ضمیر ہوں

تیرے کرم سے قوم کے خدام بن سکیں
بندوں کے خیر خواہ و دل آرام بن سکیں

ناکامیوں سے دُور رہے اپنی زندگی
دُکھ درد رنج و غم نہ سہے اپنی زندگی

پکڑیں نہ بھول کر بھی ضلالت کا راستہ
حاصل رہے ہمیشہ ہدایت کا راستہ

یارب نہ کیجیو ہمیں اہلِ حسود سے
ہر اک ہو فیض یاب ہمارے وجود سے

ایمان بخش دے ہمیں عزت نصیب ہو
اے شوقؔ اتحاد کی دولت نصیب ہو

صدائے حق

یہ دَورِ مہدیؑ آخر زماں ہے
کہاں ہے طالبِ صادق کہاں ہے

ہوا گلزارِ دیں سرسبز و شاداب
جدھر دیکھو بہارِ جاوداں ہے

بڑھے کیوں اب نہ شان و شوکتِ دین
کہ یہ عیسیٰ و مہدی کا زماں ہے

نہ ہو مومن کبھی رحمت سے مایوس
کہ مایوسی تو کافر کا نشاں ہے

شہادت دے چکے شمس و قمر بھی
پھر اب کیوں آنکھ سوئے آسماں ہے

چلو مہدی کی خدمت میں چلو تم
وہی درمانِ دردِ جاں ستاں ہے

وہی اسلام کا ہمدرد و مونس
وہی اسلامیوں کا پاسباں ہے

وہی عیسیٰؑ وہی مہدیؑ دوراں
وہی موعود ادیانِ جہاں ہے

وہی غالب ہوا ہر معرکہ میں
یہی اس کی صداقت کا نشاں ہے

مقابل جو ہوا اس نے پچھاڑا
یقیناً وہ خدا کا پہلواں ہے

وہ جس کی مدح ہے میری زباں پر
غلام احمد شاہِ جہاں ہے

بہت شیطان نے کی سعی لیکن
نتیجہ اس کی کوشش کا کہاں ہے

اٹھو ڈھونڈو متاعِ آسمانی
یہ دُنیا تو مقامِ امتحاں ہے

صدائے حق سنائے جاؤں گا شوقؔ
دہن میں جب تلک گویا زباں ہے

شمس
شمس الاطباء جناب حکیم محمد صدیق صاحب

محمد صدیق نام، شمس تخلص۔ آپ کا خاندانی پیشہ طب ہے۔ آپ نے پرنانا حکیم رحیم اللہ صاحب اپنے زمانے کے ایک ممتاز طبیب تھے جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ذاتی معالج اور شاہی طبیب بھی تھے۔ آپ کو مہاراجہ کی طرف سے جاگیر بھی عطا کی گئی تھی جس میں حکیم صاحب نے ایک محل قلعہ رحیم اللہ تعمیر کرایا تھا جس کی نسبت سے اس گاؤں کا نام بھی قلعہ رحیم اللہ مشہور ہوا لیکن کچھ عرصہ بعد یہ محل اور گاؤں سب دریا برد ہو گئے۔ قلعہ رحیم اللہ میں بسنے والوں نے ایک دوسرا گاؤں آباد کیا لیکن اس کا نام بھی قلعہ رحیم اللہ ہی رکھا جو آج بھی ضلع شیخوپورہ میں لاہور سے پچیس میل جانب غرب واقع ہے۔

حکیم صاحب کا جدی خاندان بھی نامور طبیب خاندان ہے۔ آپ کے چچا حکیم احمد الدین صاحب مرحوم موجد طب جدید و بانی انجمن خادم الحکمت شاہدرہ لاہور کا طبی دنیا میں ایک بلند مقام حاصل تھا۔ اور حاذق اطباء آپ کی شاگردی میں فخر محسوس کرتے تھے۔ آپ نے فن طب میں انقلاب آفرین اصلاحات کیں اور علم طب اور اطباء کی جو گرانقدر خدمات انجام دیں اُن کے پیش نظر اظہار تشکر کے طور پر طبیہ کالج دہلی کے اجلاس میں کانفرنس کی طرف سے متفقہ طور سے آپ کی خدمت میں استاد الاطباء کا خطاب اور سنہری تمغہ پیش کیا گیا اور اس طرح تمام حکماء نے عملی طور سے آپ کو اپنا استاد تسلیم کر لیا۔

۱۸۹۶ء میں حکیم احمد الدین صاحب کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دستِ حق پرست پر بیعت کر کے سلسلہ عالیہ میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔

حکیم محمد صدیق صاحب نے طبی اور دینی تعلیم حضرت حکیم احمد الدین صاحب سے ہی حاصل کی۔ کیونکہ صغر سنی سے ہی آپ حکیم صاحب مرحوم کی کفالت میں آ گئے تھے۔ حکیم صاحب مرحوم نے طب

جدید کی ترویج کے لئے طبیہ کالج قائم کیا تھا۔ اُسی کالج سے تعلیم پاکر صدیق صاحب نے افتخار الاطباء ممتاز الاطباء اور شمس الاطباء کی سندات حاصل کیں۔ کالج کی تعلیم مکمل ہونے پر کالج کی منتظمہ کمیٹی نے آپ کو پروفیسر مقرر کردیا اور دو سال بعد آپ کالج کے نگرانِ اعلیٰ مقرر ہو گئے۔ بعد ازاں حسنِ کارکردگی پر انجمن خادم الحکمت کے سالانہ جلسہ پر آپ کو فاضل الاطباء کی اعزازی سند بھی عطا کی گئی حضرت حکیم احمد الدین صاحب کو طبی کتب کی تصنیف کے لئے فراغت اور یکسوئی کی ضرورت تھی۔ اس لئے مطب کی ذمہ داری اور ترسیل ادویہ کا کام بھی صدیق صاحب کے سپرد کر دیا۔ بعد ازاں مزید فراغت حاصل کرنے کے لئے حکیم احمد الدین صاحب مرحوم نے رسالہ استاذ الاطباء کی ادارت کے فرائض بھی صدیق صاحب کو سونپ دیئے۔ سنہ ۱۹۳۰ء میں حضرت حکیم صاحب کے انتقال کے بعد جو جماعت احمدیہ شاہدرہ کے امیر بھی تھے حکیم محمد صدیق صاحب کو جماعت شاہدرہ نے اپنا نیا امیر منتخب کیا۔ حضرت حکیم احمد الدین صاحب چونکہ رفیق حضرت مسیح موعود تھے اور قادیان میں مدفون ہوئے۔ اس لئے قدرتاً صدیق صاحب کے دل میں بھی قادیان میں سکونت اختیار کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ بالآخر ۱۹۳۱ء میں آپ مستقلاً ترک سکونت کرکے قادیان دارالامان میں جا بسے۔ آپ نے اپنے انتقال مکانی کی خبر بذریعہ رسالہ استاذ الاطباء تمام ممبران تک پہنچادی۔ اس لئے کام میں کوئی فرق نہ آیا اور بغیر کسی رکاوٹ کے برابر جاری رہا۔ آپ کے قادیان پہنچنے پر دیہاتی مبلغین کی پہلی کلاس کا اجراء ہوا۔ اور چونکہ ان طلبہ کے تعلیمی پروگرام میں طبی تعلیم بھی لازمی قرار دی گئی تھی اس لئے حضرت مصلح موعودؓ کی ہدایت کے ماتحت صدیق صاحب کو ان کی طبی تعلیم پر مامور کر دیا گیا۔ قادیان میں رہنے کی وجہ سے حکیم صاحب کو حضرت مصلح موعودؓ کو قریب سے دیکھنے اور تخلیہ میں ملاقات کا بھی موقعہ ملتا رہا۔ حضور کبھی کبھی حکیم صاحب کو بغرض طبی مشورہ و علاج بھی طلب فرمایا کرتے تھے۔

بقول حکیم صاحب حضورؓ فرمایا کرتے تھے کہ:۔

"خدا تعالیٰ نے میری حس اتنی تیز بنائی ہے کہ مجھے دودھ سے اس جانور کی بو آجاتی ہے جو اس جانور نے کھایا ہو۔"

حکیم صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے حضورؓ کی اس بات کا بذاتِ خود تجربہ کرنے کا موقعہ ملا اور

وہ اس طرح کہ حضورؓ نے حکیم صاحب کو بغرضِ علاج طلب فرمایا۔ اُس وقت حضور کو نقرس کی شدید تکلیف تھی۔ حضور کے پیروں اور گھٹنوں پر بہت ورم تھا جس کی وجہ سے اتنا شدید درد تھا کہ کپڑے کا مس بھی ناقابلِ برداشت تھا۔ حکیم صاحب نے سفوف جیشی م۲ استعمال کرنے کو دیا۔ دوسرے روز معلوم ہوا کہ درد میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ اس لئے حکیم صاحب نے جیشی م۲ کے بجائے جیشی نمبر ۳ کی خوراکیں حضور کی خدمت میں بھیج دیں۔ حضور نے ایک خوراک کھانے کے بعد حکیم صاحب کو فون کیا اور دریافت فرمایا کہ کیا دوا تبدیل کر دی ہے کیونکہ اس کے ذائقہ میں فرق ہے۔ حکیم صاحب نے جواباً عرض کیا کہ حضور دوا تو تبدیل نہیں کی صرف ایک نمبر کم کر دیا ہے۔ (یہ امر ملحوظِ خاطر رہے کہ سفوف جیشی نمبر ۳ میں کھنڈ کے دس ہزار ذروں میں ایک ذرہ دوا کا ہوتا ہے) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مصلح موعودؓ کی لطافتِ حِس اتنی شدت کی کن انتہاؤں تک پہنچی ہوئی تھی کہ اتنے قلیل مرکب میں دوا کا ذائقہ محسوس کر لیا بلکہ اُس ذائقہ کے ناقابلِ ذکر فرق کا بھی امتیاز کر لیا۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

تقسیم ملک یعنی ۱۹۴۷ء تک صدیق صاحب قادیان ہی میں رہے۔ ۱۹۴۷ء میں بڑی بے سروسامانی کی حالت میں لاہور پہنچے لیکن ان نامساعد حالات میں بھی آپ نے ہمت نہ ہاری اور لاہور سے ایک رسالہ "اشاعت الحکمت" کے نام سے جاری کر دیا۔ تاکہ ملک و قوم کی جو خدمات وہ قادیان میں بجا لا رہے ہیں ان میں تعطل واقع نہ ہو جائے۔ اس کے علاوہ آپ نے ماحول کی سنگینی اور غیر یقینی حالات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے وہ تمام مجربات جن پر کافی وقت صرف کیا جا چکا تھا اور جن میں سے بعض شائع بھی کئے جا چکے تھے یکجا کئے اور بعد ترتیب انہیں بیاض الاطباء کے نام سے کتابی صورت میں شائع کر کے ایک ایک جلد تمام ممبران کی خدمت میں ارسال کر دی۔

سات سال تک لاہور میں جانفشانی اور تندہی سے کام کرنے کے بعد حکیم صاحب ۱۹۵۴ء میں ربوہ آ گئے اور حسبِ سابق خاموشی کے ساتھ خدمتِ خلق کے فریضہ کو بااحسن وجوہ انجام دیتے رہے ہیں۔

ربوہ آنے کے بعد حکیم صاحب کو حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں باریابی کا شرف اکثر حاصل ہوتا رہا۔ جب حضور بغرضِ علاج یورپ تشریف لے گئے تو وہاں سے واپسی کے کچھ عرصہ

بعد حضور نے حکیم صاحب کو طلب فرمایا اور کیفیت مزاج سے آگاہ کیا۔ بعد معائنہ حکیم صاحب نے ایک دوا استعمال کرنے کا مشورہ دیا۔ حضور نے فرمایا یہ دوا ہالینڈ کے ایک ڈاکٹر نے تجویز کی تھی مگر اس کے استعمال سے فائدہ نہیں ہوا۔ اس پر حکیم صاحب نے ایک دوسری دوا کا نام پیش کیا۔ حضور نے فرمایا یہ دوا جرمنی کے ایک ڈاکٹر نے تجویز کی تھی لیکن اس سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ پھر حکیم صاحب نے ایک تیسری دوا کی نشاندہی کی تو حضورؒ نے مسکرا کر فرمایا کہ دیکھئے وہ سامنے اسی دوا کی شیشی رکھی ہوئی ہے۔ یہ دوا جاپان کے ایک ڈاکٹر نے تجویز کر کے رکھی تھی میں اسے استعمال تو کر رہا ہوں لیکن فائدہ محسوس نہیں ہو رہا۔ اس پر حکیم صاحب نے عرض کیا کہ حضور اب میں خود دوا بنا کر حضور کی خدمت میں پیش کروں گا۔ چنانچہ دوسرے روز حکیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دوا پیش کی۔ حضور نے فرمایا حکیم صاحب اس میں افیون کا جزو تو نہیں ہے۔ حکیم صاحب نے عرض کیا نہیں حضور اس میں افیون نہیں ہے۔ حضور فرمانے لگے کہ میں جب چھوٹا بچہ تھا تو میری دیکھ بھال کے لئے جو عورت مقرر کی گئی تھی وہ مجھے افیون دے کر سلایا کرتی تھی اس لئے افیون خواہ کسی کم مقدار میں کیوں نہ ہو مجھ پر اس کا بہت مضر اثر پڑتا ہے۔ اس لئے میں کوئی ایسی دوا استعمال نہیں کر سکتا جس میں افیون کا جزو شامل ہو۔

مذکورہ بالا واقعات سے اگر ایک طرف حضورؒ کی فطری صلاحیتوں کی نشاندہی ہوتی ہے تو دوسری طرف حکیم صاحب کی اس خوش بختی پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ حضور اپنے خدام کی صلاحیتوں کے کتنے قدردان تھے اور وقتاً فوقتاً ان کو مشورہ پیش کرنے کی سعادت کے مواقع فراہم کرتے رہتے تھے۔

نمونہ کلام

شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کروں کیا مدحتِ شانِ محمدؐ — خدا خود ہے ثنا خوانِ محمدؐ
وہ بن جاتا ہے ممدوحِ بشر خود — جو ہو مدحت گرِ شانِ محمدؐ
کروں کس منہ سے ذکرِ لالہ و گل — نظر میں ہے گلستانِ محمدؐ

زمین و آسماں و ماہ و خورشید　　سبھی ہیں زیرِ احسانِ محمدؐ
سکھاتا ہے جو انساں کو معاف　　وہی تو ہے دبستانِ محمدؐ
جو خاطر میں نہ لاتے تھے کسی کو　　بنے آخر غلامانِ محمدؐ
ارادہ قتل کا جو لے کے آئے　　بنے وہ جانثارانِ محمدؐ
مٹا دی سطوتِ باطل خدا نے　　بڑھا دی شوکت و شانِ محمدؐ
ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و حیدرؓ　　یہ تھے گل ہائے بستانِ محمدؐ

دلیلوں کی ضرورت شمس کیا ہے
محمدؐ خود ہیں برہانِ محمدؐ

ابطالِ تثلیث

کوئی خوبی نہیں انسان کی انساں ہونا　　گر نہ آتا ہو اُسے بندۂ رحماں ہونا
زندگی ایسوں کی کیا خاک ہے اس دنیا میں　　جن کو آتا نہ ہو اسلام پہ قرباں ہونا
کم نہیں قتل سے انسان کا یہ فطرت سے سلوک　　بدلے توحید کے تثلیث پہ نازاں ہونا
حیف اس آنکھ پہ جس آنکھ کو آتا ہے نظر　　عاجز انساں کا بھی ثانیِ یزداں ہونا
وائے وہ چشم غلط بیں کہ جسے آئے نظر　　خالقِ ارض و سمٰوات کا انساں ہونا
کیا برابر کبھی خالق کے ہوئی ہے مخلوق　　کس طرح مانے کوئی دونوں کا یکساں ہونا
جرم و عصیاں سے نہ روکے کا کبھی کفارہ　　کہ ہے کفارے کا پھل کثرتِ عصیاں ہونا
شورِ تثلیث پہ حسرت سے یہ کہتی ہے زمیں　　ایسی بستی سے تو بہتر تھا بیاباں ہونا

یاالٰہی نہ رہے کوئی بھی مشرک باقی
ساری دنیا کا دکھا دے تو مسلماں ہونا

احمدی بچوں کا ترانہ

ب پہ آتی ہے جو دل میں تھی تمنا میری ‎ ‎ ‎ ‎ نندگی دیں پہ قرباں ہو خدایا میری

ساری دُنیا کو شناسائے حقیقت کر دوں ‎ ‎ ‎ ‎ ظرف مینوش میں صہبائے حقیقت بھر دوں

نور توحید سے دُنیا میں اُجالا کر دوں ‎ ‎ ‎ ‎ دُور دنیا سے میں عصیاں کا اندھیرا کر دوں

محو دنیا سے ستم اور جفائیں کر دوں ‎ ‎ ‎ ‎ نُور اسلام سے پُر نور فضائیں کر دوں

پیش کر دوں وہ ترا عکس کہ زہر گردوں ‎ ‎ ‎ ‎ فنِ تصویر میں آئینہ کو حیراں کر دوں

قلب مضطر کے لئے اس کے ساماں کر دوں ‎ ‎ ‎ ‎ ہر تپش خورد بیاباں کو گلستاں کر دوں

خاک آلودہ ہر انساں کو اُٹھا لوں بڑھ کر ‎ ‎ ‎ ‎ ناتوانوں کو مصیبت سے چھڑا لوں بڑھ کر

بھولے بھٹکوں کے لئے مجسم ہادی ہو جاؤں ‎ ‎ ‎ ‎ خفتۂ محمل کے لئے بانگِ درا ہو جاؤں

شل پروانہ مجھے سوز دروں مرے یارب ‎ ‎ ‎ ‎ روشنی علم وہدایت کی فروں دے یارب

دُرِّ نایاب کی حسرت کا پیاسا کر دے ‎ ‎ ‎ ‎ میں خزف چیں نہ ہوں لعل شناسا کر دے

خاتم دہر میں چمکوں میں نگینہ بن کر
بحر عصیاں سے نکل جاؤں سفینہ بن کر

شاؔد۔ جناب ماسٹر محمد ابراہیم صاحب شاد

(شیخوپورہ)

آپ کا نام محمد ابراہیم اور تخلص شاد ہے۔ آپ ۴ جنوری ۱۹۱۲ء کو میاں اللہ دتا صاحب ساکن کوٹ رحمت خاں چک نمبر ۲۲ ضلع شیخوپورہ کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ نے ۱۹۲۶ء میں مڈل پاس کیا بعد ازاں محکمانہ امتحانات جے وی اور ایس وی بھی پاس کئے۔ مڈل پاس کرنے سے پہلے آپ کو احمدیت سے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا۔ آپ ۱۹۲۲ء میں ابھی مڈل کلاس کی پہلی جماعت ہی میں شامل ہوئے تھے کہ ان کے والد احمدیت میں داخل ہو گئے۔ شاد صاحب اس موقعہ پر بسلسلہ تعلیم گھر سے باہر تھے اس لئے والد صاحب کی بیعت سے ان پر کوئی خاص اثر مرتب نہ ہوا۔ آپ نے قرآن کریم دوران پرائمری تعلیم ہی پڑھ لیا تھا۔ پرائمری اسکول میں آپ کو اپنے احمدی استاد کی وجہ سے نماز کی عادت پڑ گئی۔ آپ کے اُستاد ماسٹر محمد شریف صاحب سکنہ سہارن ضلع گوجرانوالہ تھے جو نہایت مخلص احمدی تھے اور ہمیشہ شاد صاحب کو اپنے ساتھ نمازوں میں ساتھ لے جاتے۔ علاوہ ازیں نماز بھی سبقاً سبقاً انھوں نے ہی سکھا دی تھی۔ بعد ازاں شاد صاحب کی خوش نصیبی سے مڈل کلاس میں بھی ایک احمدی اُستاد قاضی ضیاء اللہ ساکن حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ مل گئے۔ ان سے بھی مذہبی رنگ میں استفادہ کرنے کا موقعہ میسر آیا۔ مڈل پاس کرنے کے بعد جب آپ گھر واپس آئے تو بقول ان کے گھر کا نقشہ ہی تبدیل پایا۔ آپ کے والد صاحب نہایت مخلص احمدی تھے اور ناخواندہ ہونے کے باوجود تبلیغ کا بہت جوش رکھتے تھے۔ شاد صاحب کو والد صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب "کشتی نوح" اور "اسلامی اصول کی فلاسفی" پڑھنے کو دیں۔ شاد صاحب نے ان کتب کے علاوہ اور بھی کئی کتب مطالعہ کیں۔ اس دوران آپ اخبار "الفضل" کا بھی مسلسل مطالعہ کرتے رہے اور پھر اسی سال جلسہ سالانہ

قادیان جاکر حضرت مصلح موعود کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے کی توفیق ملی۔ اسی سال آپ نے ایک پرائمری اسکول میں بطور معلم ملازمت اختیار کرلی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کو دعوت الی اللہ کے نئے مواقع حاصل ہوئے۔ آپ اپنی دینی معلومات میں اضافہ کے ساتھ ہی ساتھ دعوت الی اللہ میں بھی مشغول رہے۔ آپ نے اپنے محکمہ کے ہر افسر کو جس کے ساتھ کچھ وقت بسر کرنے کا موقع ملا۔ دعوت الی اللہ کی اور پیغام حق پہنچایا۔ اس زمانے میں بعض مخالفِ احمدیت افسران سے بھی سابقہ پڑا لیکن خدا تعالیٰ نے ہر ایک شر سے محفوظ رکھا۔ اسی زمانہ میں آپ کو شعر گوئی کی طرف توجہ ہوئی۔ جو کچھ دل میں آیا اسے نظم کا جامہ پہنایا۔ اور بعض ہم مدرسین سے اصلاح لیتے رہے اور ترقی کی منازل بڑی سُرعت سے طے کرتے رہے۔

خدماتِ سلسلہ

آپ ہمیشہ موسم گرما کی تعطیلات تبلیغ کے لئے وقف کرتے رہے۔ قیام پاکستان سے قبل آپ نے ڈیرہ وال افغاناں ضلع امرتسر، بیاس ضلع امرتسر، رعیہ ضلع امرتسر، بھیڑی شاہ رحمان ضلع گوجرانوالہ، احمد نگر، خانکی ضلع گوجرانوالہ اور دیگر کئی مقامات پر موسم گرما کی تعطیلات تبلیغ کے لئے وقف کیں جن کے خوش کن نتائج برآمد ہوئے۔

۱۔ ایک مرتبہ غالباً ۱۹۳۵ء میں خان عبد المجید خان صاحب کی زیرِ قیادت موضع گگڑے وال ضلع امرتسر جانے کا اتفاق ہوا۔ خان صاحب نے شاد صاحب کو وہاں ایک بی اے بی ٹی اسکول ماسٹر کو تبلیغ کرنے کے لئے بھیجا۔ یہ ماسٹر صاحب سخت مخالف احمدیت تھے۔ یہاں تک کہ احمدیت کا نام سُننا بھی گوارا نہ کرتے تھے۔ شاد صاحب حسبِ ہدایت خان عبد المجید خان صاحب اُن ماسٹر صاحب کے ڈیرے پر پہنچے۔ اُس وقت سخت گرمی پڑ رہی تھی۔ اُن کے صاحبزادے سے شاد صاحب کی ملاقات ہوئی وہ اپنے والد صاحب کو بُلا لائے۔ دورانِ گفتگو جب اُن ماسٹر صاحب کو یہ معلوم ہوا کہ شاد صاحب احمدی ہیں اور تبلیغ کا پروگرام بنا کر آئے ہیں تو وہ سخت ناراض ہوئے اور قتل کر دینے کی دھمکی دی اور دریا میں پھینک دینے کا ارادہ ظاہر کیا اور اپنی مدد کے لئے گاؤں کے دیگر اشخاص کو لانے کے لئے

ڈیرہ سے باہر نکل گئے۔ یہ کہتے ہوئے کہ " ابھی آتا ہوں اور تیرا انتظام کرتا ہوں "۔ شاد صاحب کا اس جگہ کوئی واقف نہ تھا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا شروع کی۔ قریباً نصف گھنٹہ بعد وہ ماسٹر صاحب تشریف لائے لیکن اکیلے نہ تھے بلکہ ان کے ساتھ گاؤں کے دو آدمی اور بھی تھے۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ ابھی ہمارے گاؤں سے چلے جاؤ ورنہ تمھاری خیر نہیں۔ شاد صاحب نے اُن لوگوں کو بتایا کہ وہ اس علاقہ میں بالکل اجنبی ہیں اور واپس کے راستہ سے بھی واقف نہیں۔ وہ بولے ہم تمہیں رستہ دکھاتے ہیں۔ شاد صاحب ان کے ساتھ ہو لئے کیونکہ اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ شاد صاحب کو ایک گہرے نالے میں جو دریا میں جا ملتا تھا لیکن اُن دنوں خشک تھا۔ شاد صاحب کا اس واقعہ سے خوفزدہ ہونا فطری تھا لیکن انہوں نے ہمت نہ ہاری، زیر لب دعا بھی کرتے رہے اور ان مخالفین کو جنہوں نے اس وقت معاندین کا روپ دھار لیا تھا تبلیغ بھی کرتے رہے اور دل میں یہ سوچ کر خدا کا شکر ادا کرتے رہے کہ مولا کریم نے ان کو میدانِ تبلیغ میں شکست دی تو یہ اوچھے ہتھیاروں پر اُتر آئے ہیں اور مجھے گاؤں سے نکال باہر کرنے میں ہی عافیت جانتے ہیں۔ بہرحال جب اُس نالے سے باہر آئے تو وہ شاد صاحب کو پختہ سڑک کی طرف جانے والی راجباہ کی پٹری پر ڈال کر خود واپس گاؤں چلے گئے، اور تاکید کر گئے کہ آئندہ اس گاؤں میں آنے کی جرأت نہ کرنا۔ شاد صاحب سے پہلے یہ لوگ ایک احمدی کے ہاتھ پیر باندھ کر دریا میں پھینک چکے تھے اور دوسرے احمدی کی زبان پر اُسترہ رکھ دیا تھا۔ لیکن ان تمام مخالفانہ اور معاندانہ سرگرمیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ اگلے سال ان مخالف احمدیت ماسٹر صاحب کا بیٹا احمدی ہو گیا اور اس گاؤں کا ایک موچی بھی حلقہ بگوشِ احمدیت ہو کر خان عبدالمجید خان کے پاس ڈیرہ والی چلا گیا۔

۲۔ ایک دوسرا تبلیغی واقعہ یہ ہے کہ شاد صاحب ایک سال بیاس ضلع امرتسر تبلیغی دورے پہ پہنچے۔ بیاس کے قریب سکھوں کا ایک مذہبی مرکز ہے جو دریائے بیاس کے مغربی کنارے پہ واقع ہے۔ وہاں شاد صاحب کو تبلیغ کا اچھا موقعہ میسر آیا۔ خوب تبلیغ کی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کے بارے میں اُن کی کتابوں سے حوالہ پڑھ کر سنائے۔ سارا دن خوب تبلیغ کی اور شام کو موضع دھیہ ضلع امرتسر اپنے ہیڈ کوارٹر واپس آ گئے۔

۳۔ ۱۹۳۵ء میں مریم آباد ضلع شیخوپورہ میں عیسائیوں کے ساتھ مناظرہ کیا۔ اور علاقہ کے مسلمانوں کو اس مناظرہ میں شامل کر کے اسلام کی صداقت پر تقاریر کیں۔ شاد صاحب کے ساتھ اس موقعہ پر میاں محمد امیر صاحب احمدی سابق بھاگا بھٹیاں ضلع گوجرانوالہ بھی تھے۔ تقریباً پانچ گھنٹہ تک گفتگو ہوتی رہی۔ علاقہ کے تمام مسلمانوں پر اس مناظرہ کا بہت اچھا اثر ہوا۔

۴۔ ایک سال ۱۹۳۶ء میں ٹھٹھری شاہ رحمان ضلع گوجرانوالہ میں رخصتیں وقف کرنے کی توفیق شاد صاحب کو ملی۔ وہاں بھی خوب تبلیغ ہوئی۔ وہاں کے مقامی گدی نشینوں کی طرف سے کسی مولوی کو مزار کے حلقہ میں تقریر کی اجازت نہ تھی لیکن شاد صاحب نے لوگوں سے مل کر تقریر کا موقع نکال لیا۔ وہ لوگ گوجرانوالہ سے ایک مولوی صاحب کو لے آئے تھے اُن سے مناظرہ بھی کیا جو بہت کامیاب رہا۔

۵۔ قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء میں جب کہ شاد صاحب مومن مڈل اسکول میں کام کر رہے تھے وہاں ایک سٹیشن ماسٹر چوہدری بشیر احمد صاحب سے تعلقات قائم ہوئے۔ چوہدری صاحب ۱۹۴۷ء میں وارد پاکستان ہوئے تھے اور احمدیت کی وجہ سے کچھ کچھے کچھے سے رہتے تھے۔ اُن کے ساتھ شاد صاحب کو اُٹھنے بیٹھنے کا موقعہ ملا تعلقات استوار ہوئے۔ اسکول میں سیلاب آجانے کی وجہ سے اکثر وقت ان کے پاس گزارنے کا موقعہ ملا۔ شاد صاحب اپنے ہمراہ درثمین رکھتے تھے اور اکثر خوش الحانی کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا شیریں کلام پڑھتے رہتے تھے۔ اسٹیشن ماسٹر صاحب کو کچھ توجہ پیدا ہوئی اور کئی دن تک فرمائش کر کے درثمین کی منظومات سنتے رہے یہاں تک کہ شرح صدر حاصل ہو گیا اور انھوں نے اسی زمانہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے دست حق پرست پر رتن باغ لاہور میں بیعت کر لی اور خدام احمدیت میں شامل ہو گئے۔ لیکن اس واقعہ کے بعد علاقہ میں شاد صاحب کی سخت مخالفت شروع ہو گئی۔ افسران محکمہ تعلیم تک جھوٹی شکایات کی گئیں جس کے نتیجہ میں شاد صاحب کا تبادلہ چھور چک نمبر ۱۱ ضلع شیخوپورہ کر دیا گیا۔ یہ اگست ۱۹۴۹ء کی بات ہے اُس وقت سے آج تک شاد صاحب یہیں مقیم ہیں اور خدمات سلسلہ بجا رہے ہیں۔

شاد صاحب فطری طور سے شاعر واقع ہوئے ہیں اس لئے ابتدائے عمر سے اس طرف رغبت رہی جس کا ثبوت یہ ہے کہ جب بھی کوئی کتاب، اخبار یا رسالہ ان کے مطالعہ میں آتا تو سب سے پہلے

نگاہیں منظومات کو تلاش کرتیں۔ نظموں کو بغور بشوق پڑھتے اور اپنے لئے شاعری کا راستہ ہموار کرتے رہے۔ ابتداءً اپنا کلام چند احباب کو دکھاتے رہے۔ بعض نظموں کی اصلاح کا کام ثاقب زیروی صاحب نے انجام دیا۔ محترم جناب محمد احمد صاحب مظہر امیر جماعت ہائے احمدیہ لائل پور (فیصل آباد) نے بھی شاد صاحب کی بعض نظموں کی نوک پلک درست کی۔ شاد صاحب ان تمام حضرات کے ممنون ہیں جنہوں نے کسی نہ کسی رنگ میں یہ علمی و ادبی خدمات انجام دیں اور محمد ابراہیم صاحب کو شاد بنانے میں ان تمام بزرگوں کی اصلاحی امداد کا بڑا دخل ہے۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مصلح موعودؓ کی شاعری کے متعلق شاد صاحب کے تاثرات

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو اپنے متعلق خود تحریر فرماتے ہیں۔ ؎

کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلق
اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

حضور نے نظم کی صورت میں جو کچھ بھی تحریر فرمایا ہے وہ صرف عامۃ الناس کی ہدایت اور راہنمائی کے پیش نظر معرض وجود میں آیا ہے۔ بعض لوگ نثر کی سلاست و روانی کو پسند کرتے ہیں اور بعض لوگ نظم کی طرف میلان رکھتے ہیں اور موزوں کلمات اور شاعرانہ اثر کہانیاں اُن کی طبیعت کو موہ لیتی ہیں۔ ماموریں من اللہ کو چونکہ خدا کی تعلیم اور روحانی برکات تمام لوگوں تک پہنچانے کا فریضہ انجام دینا ہوتا ہے اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی مختلف الخیال لوگوں کی طبائع کا لحاظ فرماتے ہوئے نثر کے ساتھ ہی ساتھ نظم کو بھی اظہار خیال کا ذریعہ بنایا اور اس میدان میں بھی نمایاں کامیابیاں حاصل کیں۔ حضور نے توحید باری تعالیٰ اور محامد خاتم النبیین کے ایسے زاویئے اجاگر کئے جو آج تک دو سرے مداحین خدا و رسولِ خدا کی چشم ذہانت سے پوشیدہ تھے۔ آپ نے اپنے زمانہ کی مروجہ و فرسودہ شاعری کا رُخ ہی پلٹ دیا اور ایک جدید شاعری کی بنیاد ڈالی جو تا قیام قیامت

دلوں کو گرماتی اور دماغوں میں روشنی پیدا کرتی رہے گی۔ حضور علیہ السلام کو اصطلاحی زبان میں شاعر کہنا تو سوء ادبی ہے لیکن یہ کہنا مبنی برحقیقت ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنی نظموں میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ دل کے سچے اور ہمدردانہ خدمات کا آئینہ دار ہے۔ یہ ایک قلب صافی کی ترجمان پاکیزہ شاعری ہے جو قلوب میں گھر کئے بغیر نہیں رہتی۔ اکثر لوگ تعصب اور تنفر کی بنا پر حضور کی کتب کا مطالعہ نہیں کرتے لیکن جن کو اس سعادت سے بہرہ مند ہونے کا موقعہ میسر آجاتا ہے وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ حضور علیہ السلام نے اُردو زبان کے علاوہ فارسی اور عربی میں بھی بہت کچھ ارشاد فرمایا ہے تاکہ اکناف عالم میں کوئی قوم اس چشمۂ فیض سے محروم نہ رہے۔ اُردو درثمین اور فارسی درثمین کے علاوہ حضور کا عربی کلام حضور کی مختلف کتب میں بکھرا پڑا ہے جو ابھی تک درثمین عربی کی صورت میں مدون نہیں کیا گیا مگر حضور کی کتب میں وہ عربی نظمیں موجود ہیں اور ایسے فصیح و بلیغ قصائد حضور نے رقم فرمائے ہیں کہ شعرائے عرب بھی اُن کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ حضرت مسیح موعود نے بعض اعجازی منظومات کے بارے میں چیلنج بھی کئے مگر کوئی بھی حضور کے مقابل آنے کی جرأت نہ کر سکا۔

حضرت مُصلح موعُود کا پاکیزہ کلام اور اُس کی خصوصیات

حضرت مصلح موعود (اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو) کی شاعری بھی اپنے اندر ایک عجیب رنگ رکھتی ہے حضور نے کبھی طبیعت پر زور دے کر نہ لکھا لیکن ایسی پیاری پیاری نظمیں حضور کے قلم سے نکلیں جو دماغوں سے کبھی محو نہیں ہو سکتیں اور رہتی دنیا تک ہمارے اور ہماری آئندہ نسلوں کے لئے مشعل راہ کا کام دیتی رہیں گی۔ دوست اور دشمن سب ان سے مستفید ہوں گے۔ حریم ادب میں حضورؓ کا مقام بہت بلند ہے۔ اسلام اور احمدیت کی تاریخ کے صفحات حضورؓ کے نام سے مزین ہوں گے۔

اُردو زبان کے متعلق شاد صاحب نے ترقیات کا ایک لائحہ عمل تیار کیا ہے جو انہیں کے الفاظ میں ہدیہ ناظرین ہے۔ فرماتے ہیں۔

" اردو ہماری اپنی زبان ہے کیونکہ یہ حضرت مسیح موعود اور حضور کے خلفاء کی زبان

ہے۔ انہوں نے ہمیشہ قوم سے خطاب اسی زبان میں کیا ماسوائے چند عربی و فارسی کتب کے باقی سلسلہ کی تمام کتب اُردو زبان میں ہیں لہٰذا ہر احمدی اُردو زبان کی ترقی کا دل وجان سے خواہاں ہے۔ اس کو عالمگیر زبان بنانے کے لئے ہمیں ہر آن سعی کرنی چاہیئے۔ میرے خیال میں مندرجہ ذیل اقدامات اس سلسلہ میں ضروری ہیں۔

۱۔ ہماری درسی کتب جو اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہیں سب کی سب نستعلیق رسم الخط میں طبع ہونا چاہئیں کسی دوسرے رسم الخط کو اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔

۲۔ ہماری دفتری زبان کلیۃً اور فوری طور پر اُردو ہونی چاہیئے اور ہمارے سیاست دانوں کو فوری طور پر اس طرف توجہ کرنی چاہیئے۔

۳۔ اسکولوں اور کالجوں میں اُردو کو لازمی قرار دیا جائے اور کسی طالب علم کو اُردو کے علاوہ امتحان میں شامل ہونے کی اجازت نہ ہونی چاہیئے۔

۴۔ روزانہ گفتگو میں اُردو کو رواج دینا چاہیئے اور اپنے گھروں میں بچوں کو دودھ کی طرح اردو کو استعمال کرانا چاہیئے۔

۵۔ غیر ملکی زبانوں کو اختیاری قرار دینا چاہیئے اور کسی امتحان میں بھی کسی غیر ملکی زبان کو لازمی قرار نہ دیا جانا چاہیئے اور اُردو کے مقابلہ میں عملی طور سے کسی دوسری زبان کو برتری حاصل نہ ہونا چاہیئے۔

۶۔ جو کتابیں غیر زبانوں میں شائع ہوں اُن کے تراجم اُردو میں شائع کر دیئے جائیں اور لفظی ترجمہ ہو تاکہ سب لوگ سمجھ سکیں۔

۷۔ اُردو زبان میں جو اغلاط رائج ہو رہی ہیں اُن پر کڑی نظر رکھی جائے۔ اہل علم اصحاب کو اس طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے اکثر الفاظ غلط مروج ہو رہے ہیں۔ "ذال" اور "ز" میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔ بعض الفاظ کے ہجے علاقائی طرز کا شکار ہو رہے ہیں۔ لہجہ کے تغیر و تبدل کا اثر بھی غالب آ رہا ہے۔ صاف ستھری اور دھلی دھلائی اُردو ہمارے روزمرہ استعمال میں آنا ضروری ہے۔

۸۔ علمی مطبوعات میں بھی احتیاط کی ضرورت ہے۔ کتابت اچھے کاتبوں سے لکھوانا بھی زبان کی ایک اہم خدمت ہے۔ ہر سرکاری وغیر سرکاری مطبع میں اردو دان ہونا چاہئیں جو اگر اہل زبان اور ادیب ہوں تو زیادہ مناسب ہے۔

۹۔ علمی اور ادبی رسالوں اور ماہناموں میں اصلاح اغلاط کے عنوان سے فہرستیں شائع ہونی چاہئیں تاکہ غلطیوں کے رواج پا جانے کے امکانات کم سے کم تر ہو جائے۔

۱۰۔ شعرا حضرات بھی اس خدمت میں دیگر اہل قلم کا ہاتھ بٹائیں کیونکہ زبان کی خدمت ان کا بھی اہم فریضہ ہے۔

۱۱۔ کوئی مذہبی کتاب اُردو ترجمہ کے بغیر شائع نہ کی جائے۔ قرآن کریم کے عربی متن کے ساتھ تحت اللفظ ترجمہ ضرور ہونا چاہیے۔ اسی طرح حدیث اور کتب فقہ کے بارے میں عمل کیا جائے۔

۱۲۔ تمام ٹریننگ کالجوں اور اسکولوں میں ہر قسم کی تعلیم اُردو میں ہونی چاہیے۔ ہمارے تمام صناع اور انجنئر اُردو میں تعلیم حاصل کریں۔

۱۳۔ ان تمام امور میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے دُعاؤں سے بھی کام لینا ضروری ہے کیونکہ فضل ایزدی کے بغیر کوئی امر پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔

حمد و ثنا

حمد و ثنا کے لائق یا رب ہے تیرا نام — کون و مکاں کے خالق! عالی مقام تیرا
تو نے ہماری خاطر سب نعمتیں بنائیں — حاصل جہاں میں سب کو ہے فیض عام تیرا
جنگل کے سب درندے ہر قسم کے پرندے — کرتے ہیں ذکر سارے ہر صبح و شام تیرا
لاریب سب جہاں میں قانون تیرا جاری — بے عیب چل رہا ہے ہر سو نظام تیرا

ارض و سما میں ہر جا قائم تری حکومت
عالم کا ذرہ ذرہ ادنیٰ غلام تیرا
شمس و قمر ستارے تو نے بنائے سارے
ہے مستفیض جن سے ہر خاص و عام تیرا
دُنیا میں ذکر تیرا باقی ہے سب اندھیرا
دل مطمئن ہو جس سے وہ ہے کلام تیرا
دین متین زندہ ۔ قرآن پاک زندہ
زندہ نبی محمدؐ، خیر الانام تیرا
رحمت تری خدایا ہم سب کا ہے سہارا
کر فضل و رحم ہم پر بخشش ہے کام تیرا
ہم شاد ہوں الٰہی تیرے کرم سے ہر دم
نازل و فضل و رحمت ہم پر مدام تیرا

افتخار انبیاءؑ تجھ پر سلام

اے محمدؐ مصطفٰے تجھ پر سلام
احمد خیر الوریٰ تجھ پر سلام
اے حبیبِ کبریاؑ تجھ پر سلام
افتخار انبیاء تجھ پر سلام
نعمتِ توحید دی تو نے ہمیں
بانیٔ دین ھدیٰ تجھ پر سلام
باعثِ تکوین عالم ہیں حضورؐ
اے خدا کے مدعا تجھ پر سلام
تو نے دی ہم کو شریعت لازوال
دین حق کے رہنما تجھ پر سلام
آخری پیغام حق قرآن پاک
تجھ پہ ہی نازل ہوا تجھ پر سلام

کاشف اسرار ربانی ہے تو
اے حقیقت آشنا تجھ پر سلام
تیرے خادم ہیں مثیلِ انبیاء
تجھ کو یہ منصب ملا تجھ پر سلام
لا جرم تو رحمۃ اللعالمین
مونس خلق خدا تجھ پر سلام
تو علیٰ وجہ البصیرت بے نظیر
مخزنِ جود و سخا تجھ پر سلام
تو نے روشن کر دیئے دونوں جہاں
مشعل نور و ضیاء تجھ پر سلام

سیدی انت مدینة العلوم
وعلي بابها تجھ پر سلام

کفر کے لشکر کو اے بطلِ جلیل
تو نے پسپا کر دیا تجھ پر سلام

تو نے اعجاز شفائے روح سے
ہم کو زندہ کر دیا تجھ پر سلام

موجب صد برکت و رحمت ہے تو
پیکرِ مہر و وفا تجھ پر سلام

حسنِ یوسف اور دمِ عیسیٰ ملے
اور موسیٰ کا عصا تجھ پر سلام

تو نے غالب کر دیا دین قویم
اے رسولِ مجتبیٰ تجھ پر سلام

تیری طاعت میں مرے پیارے نبیؐ
ہم نے حق کو پا لیا تجھ پر سلام

ناز ہے تیری غلامی پر ہمیں
اے مرے فرمانروا تجھ پر سلام

پڑھتے ہیں ہم ہر گھڑی تجھ پر درود
کہتے ہیں صلی علیٰ تجھ پر سلام

بادۂ عرفاں خدا کے نام پر
ساقیٔ کوثر! پلا تجھ پر سلام

آرزو نے شاد ہے آقا یہی
جان تجھ پر ہو فدا تجھ پر سلام

شبیرؔ۔ جناب شبیر احمد صاحب سیالکوٹی

شبیر احمد نام، شبیرؔ تخلص۔ ۲۸ نومبر ۱۹۱۷ء کو سیالکوٹ صدر بازار کے ایک معزز احمدی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد صاحب حافظ عبدالعزیز صدر بازار میں اتنی جائیداد کے مالک تھے کہ ایک محلہ ان کے نام سے عزیز محلہ کہلاتا ہے۔ یہ جائیداد کچھ موروثی اور کچھ پیدا کردہ تھی۔ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت ۱۸۹۲ء میں کی تھی۔ اختلاف عقائد کے باوجود وہ غیروں میں بڑے احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ امانت و دیانت کا اتنا اعلیٰ معیار رکھتے تھے کہ ایک غیر از جماعت انجمن بنام اصلاح المسلمین نے عرصہ دراز تک آپ کو اپنا اعزازی امین بنائے رکھا۔ جب ان کی صحت بتقاضائے عمر بہت کمزور ہو گئی تو ۱۹۵۱ء میں اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْن۔

شبیر صاحب نے مڈل تک تعلیم مشن مڈل اسکول میں حاصل کی جو صدر بازار میں اُن کے مکان کے عین مقابل واقع تھا۔ بعدہٗ میٹرک کا امتحان تعلیم الاسلام ہائی اسکول قادیان سے پاس کیا۔ قادیان میں دو سال رہائش رکھنے کے بعد پھر سیالکوٹ آ گئے اور مرے کالج سیالکوٹ میں بی اے تک تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۳۸ء میں ڈگری حاصل کرنے کے بعد ۱۹۴۰ء تک مختلف ملازمتیں کیں۔ اسی زمانہ میں ایک ہفتہ وار اخبار بنام "سدا بہار" کے لئے جو نکلسن روڈ لاہور سے شائع ہوا کرتا تھا مضامین نظم و نثر تحریر کئے۔ اس زمانہ میں شبیر صاحب کیفیؔ تخلص کیا کرتے تھے۔ شبیرؔ صاحب کی اُس زمانہ کی ایک غزل جس کا مطلع تھا ؎

تھا مرا بھی اس چمن میں آشیاں کیسے کہوں
عہدِ ماضی کی یہ رنگیں داستاں کیسے کہوں

اپنے حلقہ احباب میں بہت مقبول ہوئی اور چونکہ شبیر صاحب کو فطرت کی طرف سے خوش الحانی کی نعمت بھی عطا ہوئی ہے اس لئے آپ کے احباب اس غزل کی اکثر فرمائش کرتے رہتے تھے۔

ترکِ شعر گوئی

شبیر صاحب کے ایک بزرگ نے آپ کا رجحان شاعری کی طرف دیکھ کر ایسی طنز آمیز نصیحت فرمائی کہ آپ نے عرصہ تک شعر گوئی سے کنارہ کشی اختیار کئے رکھی۔ آپ نے ۱۹۴۰ء سے ۱۹۵۱ء تک محکمہ ملٹری اکاؤنٹس میں گیارہ سال ملازمت کرنے کے بعد حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر خدمتِ دین کی خاطر زندگی وقف کرنے کی سعادت حاصل کی۔ آپ ۱۹۵۱ء سے آج تک ربوہ میں مقیم ہیں اور خدمات بجا لا رہے ہیں۔ اولاً تحریک جدید میں نائب وکیل المال کے عہدہ پر بعد ازاں ۱۹۵۵ء میں وکیل المال کی حیثیت سے خدمات بجا لانے کی توفیق ملی۔ ربوہ کے ماحول اور خصوصاً خدام الاحمدیہ کے ولولہ انگیز پروگراموں سے متاثر ہو کر دوبارہ اپنے خیالات کو تحریر کا جامہ پہنانے کا موقع ملا۔ خدام کی منزل سے نکل کر جب انصار اللہ کے گروہ میں شامل ہوئے تو وہاں مجلس کے صدر صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب کی پاکیزہ صحبت میں مزید حوصلہ افزائی ہوئی اور طبیعت میں اعتماد پیدا ہوا اور آپ کا کلام سلسلہ کے رسائل و جرائد کی زینت بننے لگا۔ ماہنامہ خالد، ماہنامہ تشحیذ الاذہان، ماہنامہ تحریک جدید اور مجلہ الفرقان کے علاوہ سلسلہ عالیہ کے آرگن روزنامہ الفضل میں بھی آپ کے رشحاتِ قلم شائع ہو کر شائقین سے داد فصاحت وصول کرتے رہتے ہیں۔ جلسہ سالانہ پر آپ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کلام سناتے ہیں تو سامعین پر ایک وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ایک طرف امام الزماں کا پُر اثر، پُر حکمت وجد آور روحانی کلام اُس پر شبیر صاحب کی خوش الحانی عجیب روحانی ماحول پیدا کر دیتی ہے اور دلوں میں اہتزاز کی لہریں جوش مارنے لگتی ہیں۔ خصوصاً حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ شعر تو حاضرین کے قلوب کو رقت سے بھر دیتا ہے۔ ؎

کیوں عجب کرتے ہو گر میں آ گیا ہو کر مسیح
خود مسیحائی کا دم بھرتی ہے یہ بادِ بہار

نمونۂ کلام

مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات

تیرے ہم نے جتنے بھی بیمار دیکھے
مسیحا صفت اُن کے کردار دیکھے

نہ دیکھا کوئی تجھ سا دلدار ہم نے
جہاں میں بہت یوں تو دلدار دیکھے

نہ پایا وفا کا کہیں ان میں جوہر
فقط نام کے سب وفادار دیکھے

وہیں جوش میں آیا دریائے بخشش
جہاں پر معاصی کے انبار دیکھے

ملی مجھ کو لاتقنطوا سے تسلی
یہ ارض و سما جب شرربار دیکھے

مجھے اپنے پہلو میں تو نے جگہ دی
رقیبوں کے جب تو نے اطوار دیکھے

گلے سے لگایا اس آشفتہ سر کو
کرم تیرے ایسے کئی بار دیکھے

الٰہی یہ شبیر محشر کے دن بھی
ترا لطف دیکھے ترا پیار دیکھے

غزل

میں غریب اور بے نوا ہی سہی
ہیچ و ناچیز و خاک پا ہی سہی

کچھ تو جینے کا کیجیے سامان
اک تبسم کا آسرا ہی سہی

کون ہو گا رفیق پائے جنون
ہمسفر آج آبلہ پا ہی سہی

دل کو بھاتے ہیں درد کے نغمے
دشت میں قیس کی صدا ہی سہی

کچھ تو تیرا نشان نظر آیا
ایک دھندلا سا نقش پا ہی سہی

ہم نہ چھوڑیں گے اپنی راہِ وفا
چرخ شبیر کج ادا ہی سہی

پاکستانی افواج کو خراجِ عقیدت

اپنے وطن کے پاسبانوں سے

اے وطن کے پاسبانو تم پہ ملت کا سلام
تم نے ارضِ پاک کو سینچا لہو سے صبح و شام
موجزن ہے آج ہر دل میں تمہارا احترام
صدق سے کہہ رہا ہے آج یہ ہر خاص و عام
اے وطن کے پاسبانو تم کو ملت کا سلام

لے کے اپنا ساز و ساماں جب بڑھے اصحابِ فیل
کر دیا اُن کو ابابیلوں نے رسوا و ذلیل
ہاتھیوں پر بجلیاں بن کر گرے ابطالِ جلیل
ذلت اعدا پہ ہے شاہد چونڈے کا مقام
اے وطن کے پاسبانو تم کو ملت کا سلام

ہو زمین پر دشمنوں کے واسطے سیلِ رواں
اور سمندر پر تمہارا بحریہ ہے حکمراں
کنبرا و زیٹ کی تم نے اڑائیں دھجیاں
بھارتی اب بھول کر لیں گے نہ سرگودھے کا نام
اے وطن کے پاسبانوں تم پہ ملت کا سلام

تم نے دی دادِ شجاعت ہر محاذِ جنگ پر
چوڑیاں سے مونا باؤ تک دکھایا کرو فر
تم نے جنرل چودھری کی توڑ کر رکھ دی کمر
ضرب کاری کھاتے ہی چلا اٹھا وہ "رام رام"
اے وطن کے پاسبانو تم پہ ملت کا سلام

اے جیالے نوجوانو تم تو ہو آنِ وطن
گونج اٹھتے ہیں تمہارے نام سے کوہ و دمن
گا رہا ہے اب تمہاری شان میں سارا چمن
اے وطن کے پاسبانو تم پہ ملت کا سلام

سوچ کا انداز

ہجوم غم میں ترا غم ہی سب سے بالا ہے
یہ دل بھی سوچ کے انداز میں نرالا ہے

اگرچہ مجھ کو اندھیروں نے گھیر رکھا ہے
مگر مکیں ہے جہاں تو وہاں اجالا ہے

مبادا عشق کے دامن پہ داغ لگ جائے
کسی ستم کا ہے شکوہ نہ آہ و نالہ ہے

ہوا تھا دل میں جو پیوست تیرا تیرِ نظر
ترے ہی دستِ کرم نے اُسے نکالا ہے

رقیب لاکھ ڈراتے رہیں عقوبت سے
نگاہِ عشق نے حربہ یہ دیکھا بھالا ہے

لگا کے دل نہیں راس آئے گی تن آسانی
یہ عشق کھیل نہیں استروں کی مالا ہے

ہوا ہی چاہتی ہے کشتِ دل ہری شبیر
کہ میری آنکھ سے چشمہ اُبلنے والا ہے

وارداتِ قلبی

گاہے گاہے دل ناداں مچل جاتا ہے
لاکھ روکوں پہ وہ ہاتھوں سے نکل جاتا ہے

نیم جاں دیکھ کے کہتے ہیں سرِ بزم رقیب
آج جاتا ہے یہ بیمار کہ کل جاتا ہے

تیری یادوں سے ہے رونق میری تنہائی میں
وقت آئے بھی جو مشکل کا تو ٹل جاتا ہے

تنگ آ جاتا ہوں میں ہجر سے گاہے لیکن
مر گزرنے کا خیال آ کے بدل جاتا ہے

گرچہ محروم ہے دل لذتِ دیدار سے اب
ایم ٹی اے دیکھ کے وہ کچھ تو بہل جاتا ہے

غم دیا آپ نے تو صبر کی تلقین بھی کی
یاد آتی ہے نصیحت تو سنبھل جاتا ہے

اپنے آقا کی نوازش پہ ہے نازاں شبیر
جس کا ہر لطف مرے شعر میں ڈھل جاتا ہے

جوشِ جنوں

ان کے کوچہ میں ہے جانے کا ارادہ میرا
آج دیکھیں گے سبھی لوگ تماشا میرا

شام کا وقت ہے قابو میں نہیں قلبِ حزیں
منتظر ہے کسی گلفام کا شیشہ میرا

عشق کی فیضِ رسانی کا عجب عالم ہے
قید تنہائی میں ہوں شہر میں چرچا میرا

ملنے والی ہے مجھے حسن سے شاید خیرات
آج ہے جوشِ جنوں لرزاں ہے کاسہ میرا

پتھروں سے ہی نکل آئیں گے چشمے اک دن
کوہ شکنی کے لئے وقف ہے تیشہ میرا

پھول کو پھول کہا اس میں برائی کیسی ؟
پھول کو خار کہوں یہ نہیں شیوہ میرا

ایک درویش سے موقعہ ہے دعا لینے کا
مہرباں ہو کے کرو ٹھنڈا کلیجہ میرا

مفتئ شہر نے میخانہ مقفل کر کے
کر دیا گویا کٹھن چین سے جینا میرا

منبعِ نور ہے شبیر کی منزل پیارو
کیا ہوا گر ذرا تاریک ہے رستہ میرا

حاصل نہ ہوا کچھ بھی تمہیں عشقِ بتاں سے

اچھا نہ کبھی ہوگا یہ بیمار زباں سے
کچھ چارہ گری اس کی کرو دردِ نہاں سے

خود اپنے ہی ہاتھوں سے چمن تم نے اجاڑا ہے
اب کام بنے گا نہ فقط آہ و فغاں سے

اللہ رے خوش فہمئ اربابِ زمانہ
مرعوب وہ کر لیں گے ہمیں تیغ و سناں سے

جل جاتے ہیں تو جلتا ہے گر ایک نشیمن
شکوہ مجھے ہو سکتا نہیں برقِ تپاں سے

چرکے وہ لگاتے ہیں ہمیں ظلم و ستم کے
دھو لیتے ہیں ہم قلب و جگر اشکِ رواں سے

آؤ تو ذرا کوچۂ محبوبِ ازل میں
حاصل نہ ہوا کچھ بھی تمہیں عشقِ بتاں سے

شبیر اگر شور ہے ہر سمت تو کیا ڈر
رکتے ہیں کبھی قافلے آوازِ سگاں سے ؟

شکیبؔ ۔ جناب ارشاد احمد صاحب ایم اے

ارشاد احمد نام، شکیبؔ تخلص، والد کا نام قریشی کمال الدین صاحب۔
سندھ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل اور بسلسلہ ملازمت جیکب آباد میں قیام ہے
آپ روزنامہ مشرق، کراچی کے نمائندہ اور ایک سنجیدہ صحافی اور قلم کار ہیں۔ اُردو سندھی دونوں زبانوں میں عبور حاصل ہے اور بلا تکلف دونوں زبانوں میں گفتگو کرتے اور مضامین لکھتے ہیں۔ اُردو شاعری میں سلجھا ہوا ادبی ذوق رکھتے ہیں۔ آپ کی منظومات ہفت روزہ لاہور اور دیگر رسائل و جرائد میں اشاعت پذیر ہوتی رہتی ہیں۔ کلام میں پختگی اور سنجیدگی کا عنصر نمایاں ہے۔ جیکب آباد کے ادبی حلقوں میں آپ کی شخصیت نمایاں ہے۔
آپ نے ۱۳ اگست ۱۹۶۰ء کو سلسلہ عالیہ احمدیہ میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کی اور نمایاں خدمات انجام دینے کی توفیق پائی۔ آپ جماعت احمدیہ جیکب آباد کے صدر بھی رہے۔ اب انتقال کر چکے ہیں۔

نمونۂ کلام

پیمانِ وفا

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح موعود کی نظم "نونہالانِ جماعت مجھے کچھ کہنا ہے"
متاثر ہو کر

ضائع ہم آپ کا پیغام نہ ہونے دیں گے | سرنگوں پرچمِ اسلام نہ ہونے دیں گے
دام ہمرنگ زمین لاکھ بچھائے باطل | طائرِ دل کو تہِ دام نہ ہونے دیں گے

اپنے اعمال کی تقویٰ پہ بنا رکھیں گے
دعوتِ فسق کبھی عام نہ ہونے دیں گے

بڑھتے جائیں گے سوئے منزلِ مقصود مدام
راہ میں سست کبھی گام نہ ہونے دیں گے

خدمتِ دین کے عوض نفس کو اپنے ہرگز
ہم کبھی طالبِ انعام نہ ہونے دیں گے

آپ کے فیض سے چمکا ہے جو مہرِ انور
ہم اُسے زیبِ رخِ شام نہ ہونے دیں گے

لاکھ طوفاں اٹھیں ظلم کے لیکن دل کو
ناشکیب آپ کے خدام نہ ہونے دیں گے

آپ سے عہد جو باندھا ہے تو ان شاء اللہ
اُس کی رسوائی سرِ عام نہ ہونے دیں گے

وہ چند آنسو مری آنکھوں سے جو وقتِ دعا نکلے
بتاؤں کیا تمہیں گوہر وہ کتنے بے بہا نکلے

ابھی تک دیکھ لے آکر یہ دامن سے ہیں وابستہ
ترے گلشن کے کانٹے تجھ سے بڑھ کر باوفا نکلے

یہ ناممکن ہے وہ سازش عمل سے بے اثر ہوتے
یقیں ہیں ڈوب کر بندے کے دل سے جو دعا نکلے

ابھی تو نامہ بر کو دیکھ کر دل کی یہ حالت ہے
نہ جانے کیفیت کیا ہو اگر وہ آپ آ نکلے

بنے کا تیرا کیا واعظ جنہیں کہتا ہے تو کافر
اگر وہ روزِ محشر سب کے سب ہی باخدا نکلے

وہ دیوانے جنہوں نے خون سے سینچا تھا گلشن کو
وہی اخلاق کے پیکر یہاں بے دست و پا نکلے

نہیں یہ بزدلی، یہ ہے کمالِ خلقِ انسانی
جفائیں کرنے والوں کے لئے دل سے دعا نکلے

جونہی دیکھا مجھے بڑھ کے شکیب آیا جو جنت میں
فرشتے حشر میں اپنے پرانے آشنا نکلے

شاکرؔ جناب رحمت اللہ صاحب آف فیض اللہ چک

شاکرؔ صاحب ۱۹۰۱ء میں فیض اللہ چک متصل قادیان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا نام حافظ نور محمد تھا۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے آپ کا نام رحمت اللہ تجویز فرمایا۔ شاکرؔ تخلص آپ نے اختیار کیا۔

آپ نے پرائمری تک تعلیم اپنے گاؤں فیض اللہ چک میں حاصل کی۔ ۱۹۱۰ء میں تعلیم الاسلام ہائی اسکول میں داخل ہوا اور میٹرک تک تعلیم پائی۔ آپ کو بچپن ہی سے ایک اعلیٰ علمی ماحول میسر آگیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول و ثانیؓ کے درس القرآن، علماء سلسلہ کی صحبت اور ذاتی شوق مطالعہ نے آپ کی رواجی تعلیم کو باحسن وجوہ پورا کر دیا۔

ملازمت

ابتداءً بعض سرکاری محکموں میں تین چار ملازمت کی۔ اس سلسلہ میں فیروز پور آرسنل، ملٹری اکاؤنٹس لاہور اور ایم ای ایس نوشہرہ چھاؤنی میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ لکھنے پڑھنے کا شوق ابتداء سے تھا جو آخر تک قائم رہا۔ لاہور میں مولانا عبد المجید صاحب سالک مدیر انقلاب کی تحریک پر پروفیسر غیاث اللہ کے ساتھ مل کر ایک پندرہ روزہ رسالہ "نی نیشنل میگزین جاری کیا جو کچھ عرصہ بعد بند ہو گیا۔ بعد ازاں سالک صاحب نے آپ کو ادارہ انقلاب میں شامل کر لیا۔ اسی دوران روزنامہ "الفضل" کے نائب مدیر میاں نذیر احمد صاحب کا انتقال ہو گیا تو ایڈیٹر صاحب نے الفضل میں ایک معاون ایڈیٹر کے لئے اعلان کیا۔ شاکرؔ صاحب نے "انقلاب" کا خیال ترک کر کے درخواست روانہ کر دی جو منظور ہو گئی اور وہ ستمبر ۱۹۲۷ء میں قادیان آگئے اور اس طرح ان کے والد مرحوم کی دیرینہ

خواہش پوری ہوگئی کہ شاکر صاحب قادیان ہی میں رہیں۔ آپ نے ایک لمبا عرصہ ادارہ الفضل میں خدمات انجام دیں اور تقسیم ملک کے بعد ۱۹۵۰ء میں اخبار سے سبکدوش ہو کر سیالکوٹ میں رہائش اختیار کرلی۔ یہاں سے ایک پرچہ "پنچایت" کی ادارت کرتے رہے پھر اپنا ہفتہ وار اخبار "نور" جاری کیا مگر پہلے مارشل لاء لگنے پر اُسے بند کر دیا۔

شاعری میں آپ نے کسی کو استاد نہیں بنایا اور نہ کسی سے اصلاح لی۔ اپنے جذبات کا اظہار اپنی ذمہ داری پر ہی کرتے رہے۔ ازراہِ کسرِ نفسی فرماتے ہیں کہ میں اُستاد بننے کے قابل ہی نہیں ہوں اس لئے کوئی شاگرد بھی نہیں۔

خاندانی حالات

آپ کے والد صاحب حضرت مرزا صاحب سے ان کے دعویٰ سے قبل ہی نیازمندی کا تعلق رکھتے تھے اور اکثر حضور کی صحبت سے فیض یاب ہوتے تھے۔ حضور کے مریدان باصفا (۳۱۳ احباب) کی فہرست میں شامل ہیں اور اولین بیعت کنندگان میں سے ہیں۔ زمیندار تھے لیکن اپنی زمینیں مزارعت پر دے رکھی تھیں اور اپنی زندگی تعلیم قرآن کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ بچوں بوڑھوں اور عورتوں کو قرآن کریم بلا معاوضہ پڑھاتے تھے۔ قریباً سو سال عمر پائی۔ دسمبر ۱۹۴۶ء میں بمقام قادیان وفات پائی اور بہشتی مقبرہ کے قطعہ صحابہ میں مدفون ہیں۔ آپ کی والدہ بھی بہشتی مقبرہ میں مدفون ہیں۔ والد صاحب کے نیک نمونہ سے اُس علاقہ میں احمدیت خوب پھیلی اور اکثر لوگ داخل احمدیت ہو گئے۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی کتب، سلسلہ کے لٹریچر اور تاریخ احمدیت میں حافظ نور محمد صاحب کا ذکر محفوظ ہو کر تاریخ احمدیت کا ایک حصہ بن چکا ہے۔ اصحاب احمد کی جلد ایک میں اُن کے حالات مفصل درج ہیں۔

آپ کی دینی و ملی خدمات

آپ کی تمام تر خدمات "الفضل" کے ساتھ وابستہ

تھیں۔ مخالفین کے ساتھ مجادلہ جاری رہا۔ بے شمار مضامین، خطبات جمعہ، تقاریر اور رپورٹیں ضبط تحریر میں لانے کی توفیق ملی۔ جو اشاعت پذیر ہوتی رہیں۔ حضرت مصلح موعود نے جب تحریک جدید کا اجراء فرمایا تو اس خواہش کا اظہار کیا کہ شعرائے احمدیت اسے نظم کا جامہ پہنائیں۔ شاکر صاحب نے تحریک جدید کے تمام پہلوؤں کو ایک نظم میں اجاگر کیا اور یہ نظم حضور کو بیت المبارک میں سنائی حضور نے بعض جگہ اصلاح فرمائی۔ بعد ازاں وہ نظم شائع ہو گئی۔

۱۔ آپ نے ایک مجموعہ تاریخ اسلام سے اخلاق فاضلہ کے بارے میں نوجوان صحابہ کرامؓ کے سنہری کارناموں پر مشتمل ایک کتاب شائع کی جو بہت مقبول ہوئی۔ حضرت مصلح موعود نے اظہار خوشنودی فرمایا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے کتاب کا تعارف تحریر فرمایا۔ اس کتاب کا بنگالی زبان میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے اور انڈونیشین میں بھی۔

۲۔ ایک رسالہ "سرفروشان اسلام" مرتب کیا جسے محکمہ تعلقات عامہ پنجاب نے خرید کر خود شائع کیا اور ملٹری کی لائبریریوں میں تقسیم کیا۔ اس رسالہ کا پیش لفظ حضرت مولانا عبدالمجید سالک مدیر "انقلاب" نے لکھا تھا۔

۳۔ بعض اہم معاملات میں آپ کو نمائندگی کا موقعہ میسر آیا۔ ۱۹۴۶ء میں لارڈ ویول وائسرائے ہند نے ہندوستان کے تمام سیاسی لیڈروں کی ایک کانفرنس شملہ میں منعقد کی۔ حضرت مصلح موعود نے ان تمام لیڈروں کے نام ایک پیغام شائع فرمایا۔ اُن لیڈروں سے ذاتی طور پر مل کر وہ پیغام پہنچانے کی سعادت شاکر صاحب کو حاصل ہوئی۔ تقسیم پنجاب کے سلسلہ میں حضور نے جو وفد اس وقت کے ہندو، مسلم اور سکھ لیڈروں سے ملاقات کے لئے روانہ کیا اُن میں بھی شاکر صاحب شامل تھے۔

شاعری کی ابتدا اور اس کے محرکات

شاعری کی ابتدا ۱۹۱۳ء سے سمجھنی چاہیئے مگر یہ ابتدا صرف دلچسپی تک محدود تھی۔ اس زمانہ کی کوئی نظم اب شاکر صاحب کو یاد نہیں۔ بیرونی محرکات میں حضرت قاضی ظہور الدین اکمل کا

کلام ہے کیونکہ اُس زمانہ میں اسی کلام کا چرچا تھا۔ اکمل صاحب پیغامی دوستوں کے مقابلہ میں نظمیں لکھتے رہتے تھے۔ شاکر صاحب کو طبعاً شعر و شاعری کی طرف میلان تھا۔ آپ نے بھی شعر کہنا شروع کیا۔ چنانچہ اُسی زمانہ کا یہ شعر ہے ؎

دوستو محمود احمد کو ستانا چھوڑ دو
قادیاں کو چھوڑ کر لاہور جانا چھوڑ دو

اُس زمانہ میں آپ کی منظومات "الحکم" وغیرہ اخبارات میں شائع ہوئیں لیکن شاکر صاحب کے پاس ان کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ آپ کی پہلی نظم اخبار "الفضل" میں ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی۔

پسندیدہ شعراء

آپ شعراء سے متاثر ہونے کے بجائے شعر سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ آپ کا کہنا ہے کہ بعض غیر معروف شاعر بھی بعض اوقات بہت ہی خوبصورت شعر کہہ لیتے اور معروف شعراء کا سارا کلام بھی ایک ہی پایا کا نہیں ہوتا۔ احمدی شعراء میں حضرت مصلح موعود، حضرت میر محمد اسمٰعیل، حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوری، حضرت قاضی ظہور الدین صاحب اکملؔ، مولانا ذوالفقار علی خان صاحب گوہرؔ، میر قاسم علی خان صاحب رام پوری آپ کے پسندیدہ شاعر ہیں۔ مبشر احمد صاحب راجیکی، عبدالمنان ناہیدؔ، سلیم شاہجہانپوری، حسن رہتاسی اور ثاقب زیروی کا کلام آپ کو پسند ہے۔ غیر احمدی شعراء میں آپ غالبؔ، حسرتؔ اور جوشؔ ملیح آبادی سے زیادہ متاثر ہیں۔

حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب مختار شاہجہانپوری کے علمی اور ادبی مقام کے بارے میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔

"یہ ایک مشکل سوال ہے۔ کہتے ہیں افلاطون کی مجلس میں ایک شخص آیا اور بولا کہ فلاں شخص آپ کی بہت تعریف کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ افلاطون جیسا دانا نہ

کوئی ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ افلاطون نے یہ بات سُنی تو رونے لگا اور جب اس سے رونے کی وجہ پوچھی گئی تو گویا ہوا کہ اس سے بڑی تکلیف دہ بات میرے لئے اور کیا ہو سکتی ہے کہ کوئی جاہل میری تعریف کرے اور میرا کلام اسے پسند آئے۔ مجھے معلوم نہیں کہ مجھ سے کون سا احمقانہ اور جہالت کا کام سرزد ہوا ہے جو اس کے مزاج کے مطابق نکلا اور اُس نے میری تعریف کی " سو بھائی مجھے اس تحسین ناشناس " کے ارتکاب سے معذور سمجھیں۔ میرے جیسے کم علم کی تعریف حضرت حافظ صاحب کی روح کے لئے باعثِ اذیت ہوگی۔ ایسے غیر معمولی علم وفضل کے حامل بزرگ کے بارے میں میرا اظہار خیال یقیناً ایک غیر دانش مندانہ جرأت سمجھی جائے گی اور حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت حافظ صاحب کے علمی وادبی مقام کا بیان کسی بہت بڑے عالم ہی کو زیب دیتا ہے۔ میں ہرگز اس کا اہل نہیں۔

نمونہ کلام

مرقع عبرت

عجب انداز ہیں اس کے عجب دنیائے فانی ہے
دلوں میں دوستوں کے باہمی بغض نہانی ہے

ہوا ہے آدمی ہی آدمی کے خون کا پیاسا
ضعیفوں پر ستم ہے ظلم ہے ایذا رسانی ہے

بھڑکتے ہیں عداوت کے الاؤ آج سینے میں
ریا ہے مکر ہے فرعونیت ہے لن ترانی ہے

زبانوں پر تو باتیں ہیں بہت مہر و محبت کی
دلوں پر نفرتوں کے دیوتا کی حکمرانی ہے

اپیلیں کانفرنسیں امن کی ہوتی ہیں روزانہ
مگر یہ کاروائی سب زبانی ہی زبانی ہے

فلاح نسل انسانی کا ہے دار و مدار اس پر
کریں گے سربلند اسلام کو یہ دل میں ٹھانی ہے

مقدر ہو چکا ہے غلبۂ اسلام دنیا پر
یہ خدمت ہم کو سونپی ہے خدا کی مہربانی ہے

برنفتہا ہیں اجر محنت لے اخی ورنہ
یہ ہوتا ہے بہر حالت قضائے آسمانی ہے

صدا گونجے گی پھر اسپین میں اللہ اکبر کی
بنی مسجد ہے صدیوں بعد ناصر جس کا بانی ہے

نئی اقدار قائم کی ہیں ہم نے خدمت دیں کی
مسلّم ہو چکی ہے یہ حقیقت بے گمانی ہے

کھرے کھوٹے میں ہے جو فرق ظاہر کر دیا سب پر
دکھایا دودھ کا دودھ ہم نے اور پانی کا پانی ہے

مقابل پر ہمارے ذکر کیا فرہاد و مجنوں کا
یہ زندہ حقیقت ہے وہ قصہ اور کہانی ہے

دلوں میں انقلاب آئے کاش گر دیکھتے جاؤ
کہ دورِ آخری اُمّت کا دورِ کامرانی ہے

سختیاں جھیلتا جا شکوۂ بیداد نہ کر
لذتِ غم جو اٹھانی ہے تو فریاد نہ کر

کام آئیں گے کسی وقت یہ اجزائے الم
ان کو اپنے سے جدا اے دلِ ناشاد نہ کر

یہ جو ملتی ہے تجھے جرمِ ضعیفی کی سزا
اس کو خاطر میں نہ لا منتِ صیاد نہ کر

جو بھی حالات ہوں مانگ اپنے خدا سے نصرت
کسی انسان سے طلب کوئی بھی امداد نہ کر

مَیں نکل آؤں گا اس آگ سے کندن بن کر
ختم تو جور و ستم اے ستم ایجاد نہ کر

شاکرؔ۔ جناب عبدالرحمٰن صاحب قادیانی

آپ کا نام عبدالرحمٰن اور تخلص شاکرؔ ہے۔ آپ ۱۰ر نومبر ۱۹۰۰ء کو قادیان میں پیدا ہوئے جو جماعت احمدیہ کا دائمی مرکز ہے۔ آپ کے والد صاحب نے آپ کا نام عزیز اللہ رکھا تھا۔ لیکن مسلسل بیمار رہنے کے باعث آپ کی والدہ آپ کو حضرت بانی سلسلہ کے حضور لے گئیں۔ حضور نے نام دریافت کیا اور فرمایا کہ اس کا نام تبدیل کر دو اور خود ہی عبدالرحمٰن نام تجویز فرمایا اور مجھے گود میں بٹھا کر دُعا فرمائی۔ مگر میری والدہ نے اس خیال سے کہیں پیشاب نہ کر دے جلد ہی مجھے حضور کی گود سے اٹھا لیا۔ بقول شاکرؔ صاحب حضرت صاحب کا مَس اور دُعا ان کے بڑے کام آئی۔ آپ نے تمام عمر صدر انجمن احمدیہ کی ملازمت میں بسر کی جس سے بقول آپ کے شدید مالی نقصان برداشت کرنا پڑا لیکن ہمیشہ صبر و شکر ہی کو شیوہ بنائے رکھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ شاکر میرا تخلص نہیں بلکہ نام کا لاحقہ ہے۔

اللہ تعالےٰ نے آپ کو کثیر اولاد سے نوازا لیکن پانچ بچے صغر سنی ہی میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ چھ لڑکے اور چار لڑکیاں ہنوز بقید حیات ہیں۔ آپ کے تین صاحبزادے واہ فیکٹری میں ملازم ہیں۔ بڑے صاحبزادے اسسٹنٹ فورمین ہیں۔ ایک صاحبزادے پوسٹل لائف انشورنس کراچی میں ہیں۔ دوسرے بیٹے بھی کراچی کی ایک فیکٹری میں کام کرتے ہیں۔ دوسرے بیٹے بھی کراچی کی ایک فیکٹری میں کام کرتے ہیں۔ ایک صاحبزادی جو بی اے بی ٹی ہیں اپنے شوہر کے ساتھ گلاسکو (اسکاٹ لینڈ) میں دوکان چلا رہی ہیں اور اپنے شوہر کا دستِ راست بنی ہوئی ہیں۔ دوسری صاحبزادی گورنمنٹ کالج جھنگ میں لیکچرر ہیں۔ اُن کی شادی بھی لاہور میں ہو چکی ہے۔

آپ نے میٹرک تک تعلیم پائی ہے لیکن کثرت مطالعہ کی برکت نے اتنی استعداد بہم پہنچائی ہے

کہ انگریزی زبان میں اعلیٰ پایہ کے مضامین ضبط تحریر میں لاتے رہتے ہیں اور ترجمہ کی قابل رشک صلاحیت کے مالک ہیں۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے جو مکتوب ملکہ وکٹوریہ کو بغرض تبلیغ بھیجا تھا۔ اس کا جواب حضور کو نہیں ملا۔ اس بارے میں شاکر صاحب نے انگریزی کتب سے یہ ثابت کیا کہ وہ مکتوب ملکہ تک نہیں پہنچا لیکن جس مقصد سے وہ مکتوب لکھا گیا تھا وہ اللہ تعالیٰ نے دیگر ذرائع سے پورا فرما دیا۔ شاکر صاحب نے مدلل طریقہ سے یہ ثابت کر دکھایا کہ ملکہ وکٹوریہ دل سے اسلام کی قدر کرتی تھی۔ فارسی دان تھی۔ عیسائی ہرگز نہیں تھی۔ آپ کی اس تحقیق کی داد حضرت مصلح موعود نے ان الفاظ میں دی تھی کہ "شاباش خوب محنت کی ہے اور صحیح نتیجہ اخذ کیا ہے۔

شاکر صاحب بھولے بسرے مریدانِ باصفا کے حالات قلم بند کرتے رہتے ہیں۔ بعرصہ سولہ سال سے پنشن لے رہے ہیں۔ آپ کی صحت اچھی ہے لیکن نظر میں کمزوری کے آثار پیدا ہو چکے ہیں۔ لیکن آپ نے لکھنا پڑھنا ترک نہیں کیا۔ حضرت ثاقب مالیر کوٹلوی کے سوانح حیات اور کلام آپ نے مرتب کر لیا ہے جواب تک اشاعت پذیر نہ ہو سکا۔

شاکر صاحب نے استاذی المحترم جناب حافظ سید مختار احمد صاحب مختار شاہجہانپوری کے تبرکات (متفرق اشعار) بھی ارسال فرمائے۔ اور اس سلسلہ میں ایک واقعہ بھی تحریر فرمایا جو یہاں نقل کر دینا مناسب ہے۔ فرماتے ہیں۔

"۱۹۵۵ء میں جب حضرت مصلح موعود ولایت تشریف لے گئے تو ڈاکٹر نذیر احمد صاحب نے اُن کی یاد میں اشعار لکھے۔ ایک شعر یہ تھا ؎

اب اہتمام جشنِ بہاراں بھی ہو تو کیا ؛ سب دلکشی تھی اُن کی ادائے خرام تک

اس پر ایک صاحب ذوق نے لکھا کہ حضرت کے مقام کے یہ شعر منافی ہے۔ میں اُن دنوں اصلاح و ارشاد میں ہوتا تھا۔ وہ نظم حضرت صاحب کو بھجوائی اور رائے دریافت کی۔ آپ نے فرمایا یہ سوء ادبی ہے اور ثبوت میں درجنوں اشعار تحریر کر دیئے جن میں سے ہر ایک میں یہ عیب پایا جاتا تھا۔

حضرت حافظ صاحبؒ کے وہ اشعار شاکر صاحب نے راقم الحروف کو بھیج دیئے ہیں جو محفوظ کر لئے گئے۔

شیدا۔ جناب عبدالرشید صاحب شیدا گجراتی

جناب عبدالرشید صاحب شیدا ۱۹۱۹ء میں کڑیانوالہ ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ آپ پیدائشی احمدی ہیں کیونکہ آپ کے والد جناب حافظ محمد افضل صاحب اور دادا جناب حاجی کریم بخش صاحب دونوں احمدی تھے۔ آپ کے دادا جان کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دستِ حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل تھا۔ وہ فارسی، اُردو اور پنجابی کے اچھے شاعر تھے اور اکرم تخلص کرتے تھے۔

اُن کا ایک پنجابی شعر جو شیدا صاحب کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہدیہ قارئین ہے ؎

مرداں دا کم مڑنا ناہیں سخن زبانی کر کے
مرد وچ میداناں لڑدے جان تلی تے دھر کے

شیدا صاحب نے نویں کلاس تک تعلیم حاصل کی تعلیمی سلسلہ میں آپ کو مختلف مقامات پر قیام کرنا پڑا۔ شعر گوئی کی ابتدا قادیان کے علمی و ادبی ماحول میں ہوئی جو برابر ترقی پذیر رہی اور جس کی انتہا یہ ہے کہ شیدا صاحب آج ہمارے سامنے ایک نغز گو شاعر کی حیثیت میں جلوہ گر ہیں۔ شعلوی میں آپ نسیم سیفی، عبدالسلام اختر (مرحوم) قمراجنالوی اور مبشر احمد راجیکی کے ہمعصر ہیں۔ قادیان کے بعد شیدا صاحب پشاور اور دہلی میں مقیم رہے اور اس زمانہ میں آپ نے حضرت ضیاء جعفری (پشاور) اور حضرت حیدر دہلوی اور شعیب حزیں عباسی سے دہلی میں استفادہ سخن کیا اور اپنے کلام پر اصلاحیں لیں۔

نمونہ کلام

میں کیا نشان ڈھونڈوں نزدیک و دُور تیرا
کیا میں نہیں ہوں یارب نورِ ظہور تیرا

رقصاں ہے میکدے میں جامِ ظہور تیرا ہر دل میں ہے بقدرِ وسعت سرور تیرا
آئینۂ ازل میں نقش و نگار تیرے ہے سرحدِ ابد تک جاری ظہور تیرا
ہر سو رواں دواں ہے موجِ سرور تیری خلوت میں تیرے جلوے جلوت میں نور تیرا
میں سرخوشِ ازل ہوں مستِ مے طلب ہوں لب پر ہے شکرِ نعمت دل میں سرور تیرا
وجدان کی تجلّی سے بے خبر نہیں ہے حاصل نہیں خرد کو پھر بھی شعور تیرا
ہے روئے مصطفےٰ میں شانِ جمال تیری قرآں سے ہے عبارت پیغامِ نور تیرا

شیدا کو بھی الٰہی وہ وسعتِ نظر دے
دیکھے نگاہ بھر کر رنگِ ظہور تیرا

مقام محمود رضؓ

مرے محمودؓ اے فضلِ عمرؓ اے نورِ یزدانی مسیحِ وقت کے لختِ جگر اے یوسفِ ثانی
تجھے بخشا خطابِ مصلحِ موعود قدرت نے تجھے سونپی وقارِ دینِ احمد کی نگہبانی

محمدؐ کے پیامِ جانفزا کا ترجماں تو ہے
روایاتِ کہن کی ایک زندہ داستاں تو ہے

تری تقریر سے کھلتے ہیں غنچے آرزوؤں کے تری تحریر میں تحریرِ فطرت کار فرما ہے
ترا سینہ ازل سے مطلعِ انوارِ عرفاں ہے تری رگ رگ میں دردِ احمدیت کارفرما ہے

جہاں میں عظمتِ دینِ متیں کا پاسباں تو ہے
خدا والوں کے لشکر کا امیرِ کارواں تو ہے

کچھ اس انداز سے چھیڑا سرودِ سرمدی تو نے مرے آقا دلوں کو ایک سوزِ جاوداں بخشا
زمانے سے الگ شرحِ حدیثِ عشق کی تو نے خدائے قادرِ مطلق نے تجھ کو وہ بیاں بخشا

امینِ آگہی تو ہے خدا کا رازداں تو ہے
جہانِ آب و گل میں واقفِ سرِّ نہاں تو ہے

بپا ہے چار سو ایک غلغلہ دنیائے باطل میں
کہ تو نے دامنِ جہل و ضلالت چاک کر ڈالا
خدا کے فضل سے تیغِ دلائل ہاتھ میں لے کر
وجود ماسوا کا تو نے قصہ... پاک کر ڈالا

برائے دشمنانِ دیں بلائے ناگہاں تو ہے
رموزِ معرفت کا ایک بحرِ بیکراں تو ہے

مقامِ ناصر

فطرت کے مقاصد کا نمائندہ ہے ناصر
تاریخ کے ہر دور میں تابندہ ہے ناصر
کافور ہوئی ظلمتِ جاں جس کی ضیاء سے
اسلام کا وہ ماہ درخشندہ ہے ناصر

آنکھوں میں لئے مستی عرفان ہے ناصر
سینے میں لئے دولتِ قرآن ہے ناصر
ملتا ہے ثمر جس کی دعاؤں کو اثر کا
لاریب کہ وہ صاحبِ ایمان ہے ناصر

آئینہ انوار رُخِ یار ہے ناصر
قربانِ رہِ احمدِ مختار ہے ناصر
خیرہ ہیں جسے دیکھ کے عالم کی نگاہیں
اس عہد کا وہ گوہرِ شہوار ہے ناصر

سرمایۂ صد خوبی و احسان ہے ناصر
اسکندرِ اقلیم دل و جان ہے ناصر
پہنچاتا ہے جو کعبہ کو ربوہ کی دعائیں
اُس قافلۂ دل کا ہدیٰ خواں ہے ناصر

احمد کے خد و خال کی تنویر ہے ناصر
اسلام کی منہ بولتی تصویر ہے ناصر
چھیڑا تھا جسے مصلح موعود نے شیدا
اُس نغمۂ جاں بخش کی تفسیر ہے ناصر

بھٹ نہ احمد میں چراغاں ہی رہے گا — اسلام کا ہر نقش نمایاں ہی رہے گا
جس قافلہ شوق کا سالار ہے ناصر — وہ قافلہ شوق خراماں ہی رہے گا

غزلیات

رنگ گلشن کہیں، رشک صحرا کہیں — شوق آوارگی کو بتا کیا کہیں
اس بھرے شہر میں ایک دل کے سوا — کوئی ایسا نہیں جس کو اپنا کہیں
مدتوں نازکش بزم خوباں رہا — ہائے وہ دل جسے آج تنہا کہیں
آنسوؤں کے جلو میں چلا آنکھ سے — اک گل تر جسے تیرا نقش کہیں
دن گذر جائیں گے زخم بھر جائیں گے — کیوں کرم کو ترے جور بے جا کہیں
اپنے تیروں کا خود ہی نشانہ ہے دل — کس کی بے مہریوں کا فسانہ کہیں
میری مجبوریوں پر ہنسا اک جہاں — کس کو ناداں کہیں کس کو دانا کہیں
دل نے کی مدتوں پیار کی گفتگو — ہائے اُس شخص سے جس کو تجھ سا کہیں

دل کے چرچے ہیں اب انجمن انجمن
ہم کہیں بھی تو شیدا بھلا کیا کہیں

ظلمتِ شب سے نور سحر تک — کون جیئے گا لطفِ نظر تک
نکلے تھے کیا سوچ کے گھر سے — آ نہ سکے پھر لوٹ کے گھر تک
گزرے حدود ترک وطلب سے — پہنچے تیری راہ گزر تک
چڑھتا سورج ڈوبتے تارے — صرف طلسم شام وسحر تک
کیا گزری ارباب منبر پر — کسب ہنر سے عرض ہنر تک
حسن بھی آخر آ پہنچا ہے — آج مقام قلب ونظر تک

دل ہی شریکِ حال رہے گا   آغاز و انجام سفر تک
پہنچے بھی تو کس حال میں شیدا
ہم دیوانے اُس گل تر تک

دل غم سے چور چور سہی چشم تر سہی   تیری خوشی یہی ہے تو پھر عمر بھر سہی
کچھ دھڑکنیں ہیں آج بھی سرمایہ سکوں   برہم مزاج گردشِ شام و سحر سہی
ایک تہلکہ بپا ہے دل کا ثبات ہیں   روداد اعتقاد جنوں مختصر سہی
عالم کچھ اور بھی ہیں حدود نظر سے دُور   جلوے بقدر وسعتِ ظرفِ نظر سہی
شایانِ شانِ یار کوئی ارمغاں تو ہو   دامن نہیں ہے چاک تو چاک جگر سہی
تسخیر کائنات دل و جاں کریں گے ہم   ناقدری متاعِ خلوص ہنر سہی
راہیں نئی کھلیں گی خیال و شعور کی   کچھ دیر اور معرکہ خیر و شر سہی

جان آشنائے لذتِ دردِ جگر تو ہے
مرہونِ جور دستِ دعائے سحر سہی

رنگ تو تھے تصویریں کیا کیا لیکن کچھ بھر پور نہ تھے
غم کی شرابِ ہوش ربا سے جب تک ہم مخمور نہ تھے
کس سے ملیں بے ساختہ نظریں ضبط کا دامن چھوٹ گیا
اس سے پہلے دل کے ہاتھوں ہم اتنے مجبور نہ تھے

دُرِّ شہوارِ قوم

(یہ نظم حضرت چوہدری عبد اللہ خاں صاحب مرحوم و مغفور امیر جماعت احمدیہ کراچی کی رحلت پر ۱۲ جون ۱۹۵۹ء کو معرضِ تحریر میں آئی اور ۱۰ جون بروز جمعۃ المبارک احمدیہ ہال کراچی میں ایک مجمع کثیر میں پڑھی گئی۔ تمام حاضرین کی آنکھیں اشکبار اور دل سوگوار تھے۔

اے رخِ زیبائے ملّت اے دُرِّ شہوارِ قوم
آہ عبد اللہ خاں اے جوہرِ کردارِ قوم

اے علمبردارِ حق، اے سرخیٔ رخسارِ قوم
اے مجاہد اے اسیرِ گیسوئے خمدارِ قوم

تو دل و جاں سے رضائے یار پر قربان رہا
اے فدائے احمدیت اے گلِ گلزارِ قوم

تیری رگ رگ میں بلا کا شورِ عشق انگیز تھا
اے سراپا عشق، اے شمشیرِ جوہر دارِ قوم

مصلحِ موعود کو تیری وفا پہ ناز تھا
پیکرِ صدق و صفا اے محرمِ اسرارِ قوم

تو مسیحِ وقت کا پیغام پہنچاتا رہا
تھی تری فکرِ رسا آئینۂ افکارِ قوم

تو نے چھیڑا تھا کچھ اس انداز سے سازِ جنوں
بڑھ گئی تھی اور بھی کچھ گرمیٔ رفتارِ قوم

ہیں زبان زدِ اہلِ حق میں آج افسانے ترے
اشک خوں روتے ہیں تیرے بعد دیوانے ترے

رونقِ محفل تھی تجھ سے اے چراغِ انجمن
سر پٹکتے پھر رہے ہیں آج پروانے ترے

زیرِ لب ہی رہ گئی مہر و وفا کی داستاں
ہیں کدھر اے یار! وہ دیرینہ یارانے ترے

اُن کو تیری موت کا اب تک یقیں آیا نہیں
ڈھونڈتے پھرتے ہیں ہر سو مجھ کو دیوانے ترے

اے نگارِ شہرِ خوبی اے خرافت کے چمن
ہیں بہت ممنونِ احساں اپنے بیگانے ترے

جذبۂ انسانیت سے تیرا دل سرشار تھا
تھے مئے ایثار سے لبریز پیمانے ترے

تیری بغزیدہ خرامی پر تصدق جان و دل
بادۂ عرفاں سے تھے معمور خمخانے ترے

بکھرا بکھرا ہی سہی شیرازۂ بزمِ خیال
پھر بھی ہیں آباد تیرے بعد کاشانے ترے

مولانا دوست محمد شاہد مورخ احمدیت

آپ کا نام دوست محمد اور تخلص شاہد۔ آپ کی ولادت ۳ مئی ۱۹۲۷ء بمقام پنڈی بھٹیاں ضلع گوجرانوالہ ہے۔

ولدیت : حافظ محمد عبداللہ صاحب مرحوم معلم اصلاح وارشاد (ولادت ۱۹۰۲ء بیعت ۱۹۳۳ء وفات ۱۶ دسمبر ۱۹۷۹ء)

تعلیم : ۱۹۳۶ء میں مدرسہ احمدیہ قادیان میں داخلہ لیا۔ ۱۹۴۶ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا اور یونیورسٹی بھر میں تیسری پوزیشن حاصل کی۔ آپ کے اور دوم کے نمبروں میں صرف ایک نمبر کا فرق تھا۔ (الفضل ۲ ستمبر ۱۹۴۶ء صفحہ ۲)

آپ کا پہلا مضمون الفضل ۱۶ مئی ۱۹۴۴ء میں چھپا۔ اور ۲۲ دسمبر ۱۹۴۴ء کو بیت اقصیٰ قادیان میں خالد احمدیت حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری کے زیر صدارت عربی تقریر کا ایک انعامی مقابلہ ہوا۔ مولانا محمد سلیم صاحب مجاہد بلاد عربیہ، مولانا ظہور حسین صاحب مجاہد اور مولانا ظفر محمد صاحب ظفر نے جج کے فرائض سرانجام دیئے اس مقابلہ میں آپ اوّل قرار پائے۔

(الفضل یکم جنوری ۱۹۴۵ء صفحہ ۶)

آپ کی پہلی پبلک اردو تقریر حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب کی صدارت میں ہی بیت اقصیٰ قادیان میں ہوئی۔ (الفضل ۲ جنوری ۱۹۴۵ء صفحہ ۶)

فروری ۱۹۴۶ء کا صوبائی الیکشن بڑی اہمیت کا حامل تھا اس سلسلہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی زیر نگرانی آپ کے مکان کے ایک حصے میں ایک خصوصی دفتر قائم ہوا اس دفتر میں جن نوجوانوں نے خدمت سرانجام دی اُن میں آپ بھی شامل تھے۔

۱۹۴۷ء کے آغاز میں حضرت مصلح موعود (اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو) کے ارشاد پر ایک ماہ تک آپ جامعہ کے ہم کلاس طلبہ کے ساتھ وقف عارضی کے سلسلہ میں قادیان کے ماحول میں واقع گاؤں گل منج میں بچوں کو تعلیم اور تبلیغ احمدیت کے لئے سرگرم عمل رہے۔ حضرت ماسٹر علی محمد صاحب بی اے بی ٹی نگران تھے۔

آپ نے جامعہ احمدیہ کے دوسرے طلباء کے ساتھ ۱۰ نومبر ۱۹۴۷ء کو قادیان سے ہجرت کی۔ ۴۹-۱۹۴۸ء میں آپ کو فرقان بٹالین کے رضاکار کی حیثیت سے محاذِ کشمیر اور سرائے عالمگیر کیمپ میں عسکری اور انتظامی خدمات بجالانے کی توفیق ملی۔ بٹالین میں آپ کا رینک لیفٹیننٹ تھا۔ حکومت کی طرف سے آپ کو خدمت پاکستان کا تمغہ بھی دیا گیا۔

مئی ۱۹۵۲ء میں آپ نے جامعۃ المبشرین سے شاہد کی ڈگری حاصل کی اور جماعت اسلامی پر تحقیقی مقالہ لکھا۔ اس مقالے کا عنوان خود حضرت مصلح موعود نے تجویز فرمایا اور حضور کی راہنمائی اور بیان فرمودہ خاکہ کی روشنی میں مرتب ہوا اس پر نظر ثانی حضرت امیر مینائی کے جانشین اور حضرت اقدس مسیح موعود کے رفیق خاص حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب مختار شاہجہانپوری نے فرمائی۔ یہ مقالہ بعد ازاں الفرقان کے ایک خصوصی شمارے (مئی-جون ۱۹۵۵ء) میں شائع ہوا۔ مقالہ کے نگران حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب تھے۔

سیدنا حضرت مصلح موعود کے ارشاد مبارک، خصوصی ہدایت اور نگرانی میں آپ نے ۲۰ اگست ۱۹۵۲ء سے اخبار الفضل کے لئے شذرات کا ایک دلچسپ سلسلہ شروع کیا جسے خدا کے فضل سے پوری جماعت میں بہت مقبولیت حاصل ہوئی یہ سلسلہ فروری ۱۹۵۳ء تک جاری رہا۔ مارشل لاء ۱۹۵۳ء کے معاً بعد آپ کو مرکز کے حکم سے خفیہ طور پر کلر کہار بھجوا دیا گیا جہاں آپ ایک ماہ تک روپوش رہے۔

مارچ ۱۹۵۳ء کے فسادات کے دوران بیرونی اطلاعات اور مرکزی ہدایات اور سرکلرز کے لئے حضرت مصلح موعود کے حکم پر قصرِ خلافت میں ایک دفتر ریکارڈ کا قیام عمل میں آیا جس کے منتظم کے فرائض آپ کے سپرد رہے۔

۲۵ جون ۱۹۵۳ء کو سیدنا حضرت مصلح موعود نے آپ کو شرفِ باریابی بخشا اور تاریخ احمدیت

کی تدوین کی ذمہ داری سونپی اور اس سلسلہ میں زریں ہدایات سے نوازا۔ خدا تعالیٰ کے فضل اور خلفاء احمدیت کی دعاؤں کی برکت سے اب تک ۱۹ جلدیں آپ کے قلم سے سپرد اشاعت ہو چکی ہیں۔ خلفائے احمدیت کے علاوہ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں، حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس، حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب اور حضرت ملک غلام فرید صاحب ایم اے مفسر قرآن انگریزی نے شاندار اور مبسوط تبصرے فرمائے۔ ایک جلد پر روزنامہ "انصاف" راولپنڈی نے ایک مفصل نوٹ میں آپ کو خراجِ تحسین ادا کیا۔

آپ نے ان ایام میں جبکہ تحقیقاتی عدالت ۱۹۵۳ء کی کارروائی جاری تھی آپ کو سلسلہ احمدیہ کے بزرگوں اور جید علماء کی خدمت میں حاضر رہنے اور ضروری حوالوں کے استخراج میں معاونت کی توفیق و سعادت بخشی۔

آپ دسمبر ۱۹۵۴ء سے اکتوبر ۱۹۵۶ء تک نوجوانانِ احمدیت کے ترجمان رسالہ "خالد" کے نائب مدیر اور اکتوبر ۱۹۶۰ء سے جون ۱۹۶۲ء تک مدیر رہے۔ آپ کے عہد ادارت میں متعدد خصوصی اور ضخیم نمبر شائع ہوئے جن میں گوجرانوالہ کی تربیتی کلاس نمبر اور خدمتِ خلق نمبر خصوصی اشاعت کی حیثیت سے ہمیشہ یادگار رہیں گے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کی خصوصی ہدایت پر آپ نے جلسہ سالانہ ۱۹۵۷ء کے اجلاس شبینہ میں "جماعت اسلامی پر تبصرہ" کے موضوع پر تقریر کی جو بہت مقبول ہوئی اور صیغہ نشر و اشاعت کی طرف سے متعدد بار شائع کی گئی۔ سیدنا حضرت مصلح موعود نے ۱۹۵۸ء کی مجلس شوریٰ میں اس کا بطور خاص ذکر فرمایا۔

۱۹۶۲ء سے ۱۹۸۳ء تک آپ کو تعلیم القرآن کلاس میں تدریس اور لیکچر دینے کی توفیق ملی۔ آپ کی تقریروں کے نوٹ شائع شدہ ہیں جو معلومات سے لبریز ہیں۔

۱۹۷۴ء میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی قیادت و سیادت میں جو نمائندہ وفد اسمبلی گیا اس کے ایک رکن آپ بھی تھے۔ جملہ حوالوں اور ضروری معلومات کی فراہمی آپ ہی کے سپرد کی گئی جسے آپ نے ایسے احسن رنگ میں ادا کیا کہ ممبران اسمبلی بھی حیرت زدہ رہ گئے۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ

نے بیت مبارک ربوہ میں ایک مجلس عرفان کے دوران اس امر کا نہایت دلچسپ رنگ میں تبصرہ فرمایا نیز آپ کو" حوالوں کا بادشاہ" کے خطاب سے نوازا ۔ انگلستان کی بعض مجالس میں حضور نے انہیں انسائیکلو پیڈیا قرار دیا۔ اسمبلی میں جو محضر نامہ جماعت کی طرف سے پیش کیا گیا اس کی تدوین میں بھی آپ نے نمایاں حصہ لیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مورخہ ۲۳ اکتوبر ۱۹۸۲ء کو بعد نماز مغرب بیت المبارک ربوہ میں فرمایا:۔

" مولوی دوست محمد صاحب اللہ تعالیٰ کے فضل سے حوالوں کے بادشاہ ہیں ایسی جلدی ان کو حوالہ ملتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ساتھ جب قومی اسمبلی میں پیش ہوئے تھے تو وہاں بعض غیر از جماعت دوستوں نے آپس میں تبصرہ کیا اور بعض احمدی دوستوں کو بتایا کہ ہمیں تو کوئی سمجھ نہیں آتی ہمارے اتنے موٹے موٹے مولوی ہیں ان کو ایک ایک حوالہ ڈھونڈنے کے لئے کئی کئی دن لگ جاتے ہیں لیکن ان کا پتلا دُبلا سا مولوی ہے منٹ میں حوالے ہی حوالے نکال کر پیش کر دیتا ہے۔" (الفضل ۱۱ جون ۱۹۸۳ء صفحہ ۱ کالم ۱)

آپ کو جلسہ سالانہ ربوہ کے مقدس پلیٹ فارم سے ۱۹۷۴ء سے ۱۹۸۳ء تک مختلف اہم علمی موضوعات پر خطاب کرنے کا موقع ملا۔ آپ کی یہ جملہ تقاریر شائع شدہ ہیں اور سلسلہ کے لٹریچر میں ایک منفرد حیثیت رکھتی ہیں۔

مارچ ۱۹۸۱ء میں مرکزی وفد کے رکن کی حیثیت سے پہلی بار بنگلہ دیش کا دورہ کیا۔

جلسہ سالانہ انگلستان ۱۹۸۵ء میں آپ کو بھی صدر انجمن احمدیہ پاکستان کے نمائندہ کی حیثیت سے شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ نے جلسہ کے بعد جرمنی، سویڈن، ڈنمارک اور ناروے کی جماعتوں کا دورہ کر کے کامیاب لیکچر دیئے۔ واپسی پر ہڈرز فیلڈ میں پورے رمضان کے دوران قرآن مجید کا درس دیا جس میں بعض عیسائی دوست بھی ذوق شوق سے شامل ہوئے۔ ایک نوجوان احمدی بھی ہو گئے جو بہت مخلص ثابت ہوئے۔ آپ کا قیام انگلستان میں فروری ۱۹۸۶ء تک رہا۔ اس دوران آپ نے لندن، بریڈفورڈ، ہیلنگھم، برمنگھم، کرائیڈن، مانچسٹر، گلاسگو وغیرہ میں سوال و جواب

کی مجالس میں شرکت کی یہ مجالس بہت کامیاب رہیں اور جماعت لندن کے شعبہ سمعی بصری نے خاص اہتمام سے ان کی ویڈیو کیسٹ تیار کیں۔ کرائیڈن کی مجلس سوال و جواب کی ویڈیو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی خصوصی ہدایت پر دُنیا بھر کے تمام مشنوں کو بھجوائی گئی اور اس کے عمدہ اثرات ظاہر ہوئے۔ اس پہلے سفر کے علاوہ آپ ۱۹۸۶ء، ۱۹۸۷ء اور ۱۹۸۹ء کے جلسہ سالانہ انگلستان میں شامل ہوئے اور ہر مرتبہ انٹرنیشنل مجلس مشاورت میں بھی شمولیت کی سعادت پائی۔

۱۹۸۷ء میں آپ نے پہلی بار امارات متحدہ کا دورہ کیا۔ اگلے سال آپ دوبارہ مرکز کی ہدایت پر تشریف لے گئے اور امارات متحدہ کے علاوہ سلطنت عمان اور کویت میں بھی گئے۔ یہ دونوں دورے تربیت اور دعوت الی اللہ کے اعتبار سے بہت مفید اور بابرکت رہے۔ ان دوروں میں آپ نے بعض عرب شخصیات سے ملاقاتیں کیں اور متعدد مجالس سوال و جواب سے خطاب کیا اور ابوظہبی، مسقط اور کویت کی مرکزی لائبریریوں سے بھرپور استفادہ کر کے ضروری حوالہ جات عکسی کی صورت میں حاصل کئے اور انہیں مخلصین جماعت کو بغرض ریکارڈ دے دیا۔

اسیرِ راہِ مولیٰ کا اعزاز

خلافتِ رابعہ کے آغاز میں آپ کو ایک مقدمہ میں ملوث کیا گیا اور کئی ماہ تک جھنگ کی عدالت میں حاضر ہونا پڑا۔ پھر جلسہ سالانہ ۱۹۸۲ء سے چند روز قبل آپ کو گرفتار کر کے لے گئے اور ایک رات ربوہ کی حوالات میں رکھا۔

۲۳ مارچ ۱۹۸۸ء کو ملونڈی موسیٰ خان ضلع گوجرانوالہ میں جلسہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم تھا جس میں آپ کی تقریر جلسہ کے اجلاس دوم میں مقرر تھی لیکن گوجرانوالہ کے احراری ملاؤں کی شہ پر پولیس نے جلسہ کے پہلے ہی اجلاس میں پہنچ کر لاؤڈ سپیکر قبضہ میں لے لیا اور جلسہ بند کر دیا گیا۔ ازاں بعد آپ کے اور بعض دوسرے مخلصین جماعت کے خلاف دفعہ ۲۹۸، ۲۹۵، ۲۸۸ الف کے تحت مقدمہ دائر کر دیا گیا جس پر آپ اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ ۷ اپریل تا ۱۰ اپریل ۱۹۸۸ء گوجرانوالہ کی ڈسٹرکٹ جیل میں رہے اور ضمانت پر رہا ہوئے۔ ازاں بعد گوجرانوالہ سیشن کورٹ میں مقدمہ

کی سماعت کا لمبا عرصہ اور تکلیف دہ سلسلہ شروع ہوا۔ ۳ اپریل ۱۹۹۰ء کو سیشن جج نے انہیں اور ان کے ساتھیوں کو دو دو سال قید بامشقت اور پانچ پانچ ہزار روپے جرمانہ کی سزا سنائی اور آپ کو مع ۹ دیگر ساتھیوں کے گوجرانوالہ سینٹرل جیل میں ڈال دیا گیا۔ جہاں سے یہ سب اسیران راہ مولا ۳ مئی ۱۹۹۱ء کو ضمانت پر رہا ہوئے (جرمنی کے رسالہ اخبار احمدیہ اگست ستمبر ۱۹۹۱ء کے صفحہ ۳۱ تا ۳۳ میں ان اسیرانِ راہِ مولیٰ کے مفصل حالات شائع ہو چکے ہیں) ایام اسیری کے دوران حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے مولانا صاحب کے فرزند ڈاکٹر سلطان احمد صاحب مبشر کو اپنے قلم مبارک سے حسبِ ذیل مکتوب تحریر فرمایا :-

۲۰ رمضان ۱۹۹۰ء

پیارے عزیزم سلطان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

شیر پنجرے میں بھی شیر ہی رہتا ہے اور زندان میں یوسف کی بوئے یوسفی نہیں جاتی۔ اللہ کے شیروں کو ملنے جاؤ تو میرا محبت بھرا اسلام اور پیار دینا۔ یہ شیر عصائے موسیٰ کی صفات بھی رکھتے ہیں۔ صاحبِ عصا کو ان کی طرف سے کوئی خوف نہیں۔

یہ شیر والذین معہٗ کا پرتو بھی ہیں اور اُن کے جلال کا چہرہ صرف حملہ آور دشمن کی طرف کھلتا ہے جبکہ اپنوں کے لئے رحماء بینھم ہو کر اپنے جمال کی نرم چاندنی اُن پر نچھاور کرتے ہیں۔ سلاخوں میں چار بازو تو جا ہی سکتے ہوں گے دلوں کی راہ میں تو کوئی آہنی دیوار بھی حائل نہیں ہو سکتی۔ پس بن پڑے تو سلاخوں ہی سے گلے لگا کر دل سے دل ملا کر میرا محبت بھرا اسلام اور پیار بھرا عید مبارک کا تحفہ پیش کرنا۔ پھر اُس چہرے کی کیفیت لکھنے کی کوشش نہ کرنا۔ میں اس وقت بھی تمہارے ابا کا وہ کھلا ہوا چہرہ دیکھ رہا ہوں۔ اور اُن کی خوشیوں کی چاندنی میری آنکھوں کی شبنم بن رہی ہے

خدا حافظ

امی کو بھی سلام اور عید مبارک۔ تمہارے خاندان کو یہ سعادتیں اللہ تعالیٰ

تا ابد مبارک فرمائے۔

خاکسار

مرزا طاہر احمد

اپریل ۱۹۸۹ء میں بنگلہ دیش کی جماعتوں کا سالانہ جلسہ سالانہ منعقد ہوا جس میں واحد مرکزی نمائندے کی حیثیت سے آپ نے شمولیت کی اور ڈھاکہ کے جلسہ سالانہ میں متعدد پُر اثر علمی تقاریر کے علاوہ موثر رنگ میں متعدد بار حاضرین کے سوالات کے جوابات دیئے بعد ازاں چاٹگام کے جلسہ عام سے بھی خطاب کیا۔

مین آف دی ایئر کا عالمی اعزاز

کیمبرج کے مشہور بین الاقوامی ادارہ انٹرنیشنل بائیوگرافیکل سنٹر نے آپ کو مین آف دی ایئر ۹۲-۱۹۹۳ء کا اعزاز دیا جس پر الفضل نے حسب ذیل نوٹ لکھا۔

"محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کا عالمی اعزاز

اس سے قبل دو احمدی بزرگان کو عالمی اعزاز ملنے کی خبر شائع کی جا چکی ہے اب معلوم ہوا ہے کہ ایک اور احمدی عالم دین محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد مورخ احمدیت کو بھی کیمبرج برطانیہ میں قائم شدہ ایک عالمی انٹرنیشنل بائیوگرافیکل سینٹر نے مین آف دی ایئر ۹۳-۱۹۹۲ء کا اعزاز دیا ہے۔ یہ اعزاز ایسی خاص خاص عالمی شخصیات کو دیا جاتا ہے جن کی صلاحیتوں، کامیابیوں اور قیادت کا عالمی سطح پر اعتراف کیا جاتا ہے۔ اس اعزاز کی نامزدگی اس ادارے کی ایڈیٹوریل اور ایڈوائزری بورڈ کی سفارش پر عمل میں آتی ہے۔ ہر سال اس مقصد کے لئے اس ادارے کے اہلکار تقریباً دس ہزار افراد کی سوانح، ان کے کارناموں اور کامیابیوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے جس کے بعد تھوڑی سی تعداد میں مین آف دی ایئر منتخب کئے جاتے ہیں۔

یہ عالمی ادارہ سوانح پر مبنی مشہور عالمی کتب شائع کرتا ہے جس میں مختلف اہم شعبہ ہائے زندگی سے چنیدہ لوگوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اور عالمی سطح کے اہم افراد کی کامیابیوں اور صلاحیتوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد دینی اور علمی موضوعات پر لگ بھگ دو درجن کتب کے مصنف ہیں۔ ان کا اہم ترین شاہکار احمدیت کی تدوین ہے۔ جس کی وجہ سے ان کو مورخ احمدیت کہا جاتا ہے۔"

(الفضل ۱۴/ اپریل ۱۹۹۳ء صفحہ ۱-۸)

تاریخی مباحثہ کوئمبطور میں شرکت

نومبر ۱۹۹۲ء میں بھارت کے صوبہ تامل ناڈو کے شہر کوئمبطور میں جماعت احمدیہ اور جمعیت اہل القرآن والحدیث کے مابین ایک تاریخی مناظرہ ہوا یہ مناظرہ آروی ہوٹل کے وسیع ہال میں ہوا یہ مناظرہ نو روز تک جاری رہا۔ خدا تعالیٰ نے اس میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی دعاؤں کی برکت سے فتح مبین بخشی۔ اسی مناظرہ میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے ارشاد مبارک پر مولانا صاحب نے بھی شرکت کی۔ حضور نے نہ صرف اظہار خوشنودی کیا بلکہ کمال شفقت و ذرہ نوازی سے ایک ہزار روپے سے بھی نوازا۔

۱۹۹۴ء تک کی تاریخ احمدیت کی تدوین

جون ۲۰۰۳ء یعنی خلافت رابعہ کے آغاز پر آپ کو تاریخی خدمات بجا لاتے ہوئے پچاس سال مکمل ہو گئے۔ وسط ۲۰۰۵ء تک آپ تاریخ سلسلہ پر مشتمل ۱۹۹۴ء تک مشتمل ۱۹۹۴ء تک حالات سپرد قلم کر چکے ہیں۔ حال ہی میں آپ نے قریباً تین سو صفحات پر محیط احراری مطالبہ اقلیت ۱۹۷۴ء کے پس منظر کے موضوع پر ایک معلومات افروز باب کا اضافہ کیا ہے جس میں مخفی اور گمشدہ تاریخ کے بہت سے گوشوں کو کمال تحقیق و تفحص سے اجاگر کر کے اس حقیقت کو پایہ ثبوت تک پہنچایا ہے ہے کہ جماعت احمدیہ کے خلاف احراری مطالبہ کے پیچھے نہ صرف برٹش انڈیا کی سوشلسٹ جماعتیں

بلکہ بالشویکی روس کی زبردست استعماری طاقت بھی کارفرما تھی ۔ نیز یہ کہ بابیت و بہائیت ، ایران کے "پیغمبرِ اشتراکیت" مزدک کی بازگشت ہے ۔

دورہ یورپ ۲۰۰۲ء

اگست تا اکتوبر ۲۰۰۲ء میں آپ نے جلسہ سالانہ جرمنی کے موقع پر خطاب کے علاوہ فرانس ، ڈنمارک اور سویڈن کے سالانہ جلسوں میں بھی شرکت کی اور سوال و جواب کی دلچسپ مجالس میں بھی ۲۵ اکتوبر ۲۰۰۲ء کو آپ نے اپنے محبوب آقا خلیفۃ المسیح الرابع سے آخری بار ملاقات کا شرف حاصل کیا ۔
آپ کو خلافت ثالثہ اور رابعہ کے عہد مبارک میں کئی بار بیت مبارک میں رمضان المبارک میں درس قرآن دینے کی توفیق ملی ۔ متعدد بار حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے عالمگیر بیرونی دوروں کے دوران بیت اقصیٰ ربوہ میں خطبات جمعہ دینے کا موقعہ ملا ۔ سالہاسال سے آپ مجلس مشاورت کے اعزازی رکن ہیں ۔ آپ پہلے بھی کئی سال افتاء کمیٹی کے ممبر رہے اور اب بھی آپ اس کمیٹی کے ممبر ہیں ۔

تصانیف

آپ کے قلم سے دسمبر ۱۹۹۱ء تک تاریخ احمدیت کی ۱۸ جلدیں منظر عام پر آ چکی ہیں ۔ آپ کی دیگر تالیفات کی تعداد ۳۶ ہے ۔ دو کتب پریس میں ہیں ۔ آپ کے بلند پایہ علمی مضامین اخبار الفضل ، (قادیان و ربوہ) "فرقان" (قادیان) اخبار "بدر" (قادیان) ۔ ریویو آف ریلیجنز " (قادیان) الفرقان" ربوہ " رسالہ "خالد" انصار اللہ اور "لاہور" میں بکثرت شائع شدہ ہیں ۔ اسی طرح مسلم ہیرالڈ (لندن) سینارِ اسلام (انڈونیشیا) اخبار احمدیہ (جرمنی) اور احمدیہ گزٹ (کینیڈا) کی زینت ہیں ۔ آپ کی ایک تالیف حضرت نعمت اللہ ولی کا اصلی قصیدہ لاہور کے ایک غیر احمدی ادارہ نے "قمر اسلام پوری" کے قلمی نام سے شائع کی ۔ اس کتاب کے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں ۔ آپ کے بعض مضامین پر اخبار امروز اور رسالہ "حمایت اسلام" لاہور نے گراں قدر تبصرے کئے ۔

آپ کا فاضلانہ مقالہ "مودودی شہ پارے" غیر احمدی علماء کے ایک ترجمان رسالہ میں بھی شائع ہوا۔ اور علمی حلقوں میں بہت مقبول ہوا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کا ارشاد مبارک

آپ نے فرمایا:۔

"مکرم محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد سلسلے میں کسی تعارف کے محتاج نہیں بہت ہی عظیم الشان خدمت کی توفیق پائی ہے اور بہت گہرا علم رکھتے ہیں۔ تاریخ احمدیت میں خدا کے فضل سے سند بن چکے ہیں اس کے علاوہ بھی ہمیشہ بڑی انکساری کے ساتھ سلسلہ کی خدمات پر مامور رہے اور ان خدمات کا حق ادا کیا۔"

(الفضل ۱۲ دسمبر ۱۹۹۱ء صفحہ ۷)

نمونہ کلام

بارگاہ رسالتؐ میں

ایک گدائے بے نوا کا ہدیۂ عقیدت

"مولا میری بگڑی ہوئی تقدیر بنانے والے"
فرش سے عرش تک جلوہ دکھانے والے

تیرے احسانوں کا ہو شکر بھلا کیسے ادا
ہم غریبوں کو محمدؐ سے ملانے والے

ارض یثرب تیری عظمت پہ ہیں افلاک جھکیں
شاہ لولاک کو سینے پہ بسانے والے

اک نظر شاہد تشنہ کی طرف بھی آقاؐ
آب کوثر سے بھرے جام پلانے والے

شاہد۔جناب منصور احمد صاحب اُناوی ثم لکھنوی

نام منصور احمد، قلمی نام شاہد منصور، والد صاحب کا نام ڈاکٹر وارث علی۔ آپ ۱۱ دسمبر ۱۹۲۰ء کو اناوی (یوپی، انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ آپ اپنے والد کی واحد نرینہ اولاد ہیں۔ آپ کی پیدائش سے قبل آپ کے کئی بھائی بچپن ہی میں فوت ہو چکے تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ کے بقول آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی دعاؤں کے نتیجہ میں پیدا ہوئے۔

آپ کا خاندان شیخ خطیب کہلاتا ہے جس کا تعلق اودھ (یوپی) انڈیا سے ہے۔ عہد شاہجہانی میں آپ کے بزرگوں کو عہدہ خطابت ملا تھا۔ آپ کے خاندان میں ہمیشہ دین کا چرچا رہا۔ ستھن شریف کے مشہور صوفی بزرگ حضرت محمد عبدالباسطؒ شاہد صاحب کے دادا مرحوم کے بڑے بھائی تھے۔

شاہد صاحب کے والد صاحب ڈاکٹر وارث علی مرحوم ایک پُرجوش اور مخلص احمدی تھے جو ۱۸۹۳ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۴ مارچ ۱۹۱۲ء کو حلقہ بگوش احمدیت ہوئے اور ۱۹۴۶ء کو اپنے مولیٰ حقیقی سے جا ملے۔ آپ کو تبلیغ کا بیحد شوق تھا۔ بیعت کے بعد اہل خاندان اور ابنائے وطن کے ہاتھوں لمبے عرصہ تک شدید تکالیف برداشت کرتے رہے۔ آپ کے ہاتھوں کئی غیر احمدی احباب کو احمدیت قبول کرنے کی توفیق ملی۔ جماعت احمدیہ لکھنؤ کے ایک فعال کارکن تھے اور لمبے عرصہ تک بحیثیت سیکرٹری تبلیغ اور سیکرٹری تعلیم، مختلف جماعتی عہدوں پر فائز رہ کر خدماتِ دین بجا لاتے رہے۔

شاہد صاحب پیدائشی احمدی ہیں۔ آپ نے اپنے بچپن اور جوانی کا زمانہ لکھنؤ میں گزارا۔ آپ نے امین آباد انٹر کالج میں تعلیم حاصل کی۔ آپ کے والدین نے بڑی محبت و شفقت سے آپ کی پرورش کی اور اسلام اور احمدیت کی محبت کا بیج آپ کے دل میں بو کر دعاؤں سے اس کی آبیاری

کی اور آپ کو دین کا سچا خادم بنا دیا۔

آپ ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے حیدر آباد دکن چلے گئے اور ۱۹۵۰ء تک وہیں رہے۔ ہندوستان کے پولیس ایکشن کا زمانہ بھی بچشم خود دیکھا۔ ۱۹۵۰ء کے وسط میں دوبارہ ہجرت کر کے پاکستان آئے اور اس وقت سے تادم تحریر کراچی میں مقیم ہیں۔ ۱۹۵۷ء میں آپ کی شادی شیخ ضیاء الحق چیف الیکٹریکل انجینئر کی دختر نیک اختر سے ہوئی جن کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین بچے عطا کئے۔ آپ کی اہلیہ محترمہ آپ کی سچی ہمدرد، وسیع القلب اور بے حد اطاعت شعار خاتون ہیں۔

شاعری کا شوق آپ کو ابتدائے عمر ہی سے تھا۔ آپ نے سب سے پہلی غزل ۱۹۴۷ء میں لکھی لیکن باقاعدہ شاعری ۱۹۵۱ء سے شروع کی۔ آپ فن شعر میں اپنی اصلاح خود ہی کر لیتے ہیں۔ کسی شاعر کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ آپ نے کسی کو باقاعدہ شاگرد بھی نہیں بنایا۔ البتہ اکثر دوست آپ سے مشورہ سخن کرتے رہتے ہیں۔ شاعری کو آپ ایک خداداد عطیہ سمجھتے ہیں جو ذات کی گہرائیوں سے اُبلتا ہے۔ آپ کے خیال میں اس عطیہ خداوندی کو نہ تو کسی سے حاصل کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی کو دیا جا سکتا ہے۔

آپ کو شاعری میں زیادہ تر لگاؤ غزل سے رہا ہے جسے آپ شاعری کی عظیم ترین صنف سمجھتے ہیں۔ ویسے آپ نے نظمیں، مثنویاں، سلام، آزاد نظمیں قطعات اور رباعیات تمام اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔

خدماتِ سلسلہ

شاہد صاحب کو اپنے والد ماجد کی مہربانی سے جو ماحول میسر آیا۔ اس نے بچپن ہی سے آپ کے سینے میں احمدیت یعنی حقیقی اسلام کی شمع روشن کر دی۔ ان کے والد صاحب کے پاس اپنا ذاتی کتب خانہ تھا جس میں جملہ مذاہب کی کتب کا نادر ذخیرہ موجود تھا۔ شاہد صاحب نے تقریباً تمام کتب کا جو اس کتب خانہ میں موجود تھیں بالاستیعاب مطالعہ کیا تھا اور اس طرح ان کی دینی معلومات میں قابلِ رشک حد تک اضافہ ہوا۔ آپ نے اس مطالعہ کی برکت سے تمام ادیان کا

موازنہ کیا اور بالآخر اس نتیجہ پر پہنچے کہ اسلام اور احمدیت کے وسیلہ ہی سے صراطِ مستقیم حاصل ہو سکتی ہے۔ آپ کے قلب صافی پر اسلام کی حقانیت اور احمدیت کی صداقت کا ایک نہ مٹنے والا نقش کندہ ہو گیا اور یہی وجہ ہے کہ آپ نے تبلیغ کے میدان میں کار ہائے نمایاں انجام دیئے اور اپنی وسعت معلومات کے بل بوتے پر ہندو پنڈتوں اور عیسائی پادریوں کو ہمیشہ لاجواب کر دیا۔ آپ نے سینکڑوں بندگانِ خدا تک احمدیت کا پیغام پہنچایا اور اُن میں سے بعض کو سچائی قبول کرنے کی توفیق ملی۔

آپ نے ہمیشہ ذیلی تنظیموں میں منسلک رہ کر جماعتی خدمات انجام دیں۔ شروع میں اطفال الاحمدیہ کی تنظیم سے منسلک رہے۔ بعد ازاں خدام الاحمدیہ کی تنظیم میں شامل ہوئے اور آج کل اپنی عمر کے لحاظ سے انصار اللہ کے ممبر ہیں۔ کراچی میں اپنے حلقہ کے زعیم اور سیکرٹری تعلیم رہ چکے ہیں اور پھر نائب صدر مجلس انصار اللہ رہے۔

نمونۂ کلام

حمد باری تعالیٰ عزّ اسمہٗ

پھولوں میں تیری خوشبو تاروں میں نور تیرا
ہر چیز سے عیاں ہے یارب ظہور تیرا

سجدہ گہِ ملائک تو نے مجھے بنایا
تجھ کو ہے ناز مجھ پر مجھ کو غرور تیرا

اے واحد و یگانہ اے قادر و توانا
ثانی کوئی نہیں ہے نزدیک دور تیرا

تیری تجلیوں کے جلوے کہاں نہیں ہیں
مہر و مہ شفق میں رقصاں ہے نور تیرا

جوہر کا یہ جگر ہے یا ہے نظام شمسی
ہر ذرہ دے رہا ہے یارب شعور تیرا

مرجع حقیقتوں کا منبع صداقتوں کا
قرآن ہے یا الٰہی منہاج نور تیرا

حاضر ہے تیرے در پہ ہے منتظر کرم کا
شاہد کو بھی عطا ہو یارب حضور تیرا

نعت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

جو کرن شمع مدینہ سے اِدھر آئی ہے — کس کو معلوم ہے میرے لیے کیا لائی ہے

مدتوں رہا اس کو تنگیِ داماں سے گلہ — جس نے جھولی تیرے در پر کبھی پھیلائی ہے

جب بھی آیا ہے مجھے گنبدِ خضریٰ کا خیال — چاندنی دل کے دریچوں میں اُتر آئی ہے

وہ عرب ہو کہ عجم صورتِ تصویر خموش — سامنے تیرے کسے قوتِ گویائی ہے

کیسے سناٹے میں آئی ہے صدا اقرار کی — کس کی آواز رفیقِ دمِ تنہائی ہے

فاتحِ بدر و اُحد ہم پہ بھی ایک نظر — حق و باطل میں ابھی معرکہ آرائی ہے

کیوں نہ ہو نازِ محبت پہ نبی کی شاہد

یہ محبت تو مرا ورثۂ آبائی ہے

چراغِ حیات

سکھائے خلق کو آدابِ بندگی تو نے — کہ آدمی کو بنایا ہے آدمی تو نے

کلامِ حق کو فراموش کر چکی تھی یہ خلق — اُسی کلام کو بخشی ہے تازگی تو نے

ترا وجود اسیروں کی رستگاری ہے — قلندروں کو عطا کی سکندری تو نے

ترا وجود ہے آیت خدائے برحق کی — کہ دین کو زندہ کیا مردِ فارسی تو نے

دل و نظر کا اُجالا اسی سے قائم ہے — جو قادیان میں جلائی ہے روشنی تو نے

نئی زمین نیا آسماں نیا ماحول — ترا کمال کہ بدلی ہے زندگی تو نے

زمانہ بھول چکا تھا جسے زمانے سے — اُسی نظام کو بخشی ہے دلبری تو نے

نفس نفس سے فروزاں کئے چراغِ حیات — لہو سے دین کو بخشی ہے تازگی تو نے

دکھا کے زندہ نمونہ شہِ مدینہ کا — دیا ہے خلق کو درسِ خود آگہی تو نے

ہزار سال سے پیاسی تھی حلق حق کی قسم — خوشا کہ سب کی بجھائی ہے تشنگی تو نے
تیرا وجود اندھیروں میں نور کا خورشید — بساطِ دین سے کی دور تیرگی تو نے

دل شکستۂ شاہد کہاں، کہاں یہ گداز
مری نوا کو عطا کی یہ نغمگی تو نے

قرضِ جاں

میرے سر پہ ہے بارِ گراں دوستو — قرض ناحق نہیں قرضِ جاں دوستو
میری پلکیں سنائیں گی سب داستان — نوکِ مژگاں ہے نوکِ زباں دوستو
کربلا اور کابل ہم آہنگ ہیں — آج ہوتا ہے پھر امتحاں دوستو
لشکرِ شمرِ نو کے مقابل ہوا — سیّدِ[1] خستہ تن خستہ جاں دوستو
سنگریزوں کی صورت میں بخشی گئی — عشق کو عظمتِ جاوداں دوستو
خون میں رنگین پتھر کے ٹکڑے بنے — مقتلِ عشق کا ارمغاں دوستو
نام مینارِ عظمت پہ کندہ ہوا — یوں لہو سے لکھی داستاں دوستو
اور کابل کی بھی آنکھ نمناک ہے — تشنہ مارا گیا کیا جواں دوستو
عشق پر قید میں آزمائے گئے — عقل کے حربۂ بے اماں دوستو
کیسی کیسی نہ ترغیب دیتے رہے — جس سے ہل جائے کوہِ گراں دوستو
سرکشیدہ رہا شعلۂ جاں مگر — استقامت رہی آستاں دوستو
کیسے مرعوب کرتا یہ "بالاحصار" — اس کی آنکھوں میں تھا قادیاں دوستو
ہائے کس دل سے پتھر چلاتے رہے — اُن کے سر پر بھی تھا آسماں دوستو
عظمتِ مرگ دیکھو کہ خود ہو گئے — آبدیدہ مسیحِ زماں دوستو
زندگی عشق کی مظہرِ صدق تھی — مرگ مینارِ عظمت نشاں دوستو

[1] شاہزادہ سیّد عبداللطیف شہید

وہ شہیدوں کے لشکر کا سالار تھا | اُس کے پیچھے ہے وہ کارواں دوستو
جس کے سینے میں پوشیدہ قندیل ہے | جگمگائے گا سارا جہاں دوستو

غزل

یہ مانا تم ستم کی ہر روایت آزماؤ گے | مگر اللہ کی تقدیر سے کب پیش پاؤ گے
ہمیں کافر کہو اور خوب خوش ہو لو مگر یارو | خدا کو منہ دکھانا ہے اُسے کیا منہ دکھاؤ گے
کیا جو گے ہیں طے تم نے مرے اسلام کا مسئلہ | یہ وعدے کی روایت تم بھلا کب تک نبھاؤ گے
ہمارا جو عقیدہ ہے خدا پرست وہ روشن ہے | مگر یہ تو کہو خود کو خدا کب تک بناؤ گے
غلامی سے محمدؐ کی ہمیں خارج کیا لیکن | شفاعت کو نبی کے سامنے کس منہ سے جاؤ گے
کروگے بند کھانا اور پانی شمر کی صورت | ہمیں معلوم ہے تم کربلا ہر گھر بناؤ گے
جو ہے انجام ظالم کا وہ ہے تاریخ سے ظاہر | چلو خنجر چلا لو تم مگر کب تک چلاؤ گے
جو وعدہ ہے خدا کا وہ تو بدلا جا نہیں سکتا | جو وعدے کی گھڑی ہے تم اسے کب تک ٹلاؤ گے

جو سچ کی آگ ہے وہ تو لہو میں رقص فرما ہے
یہ سوچو تو بھلا کتنا لہو کب تک بہاؤ گے

قطعہ

زمانہ جو بھی کہے اُس کا جو بھی ہو دستور | جو بات حق ہے وہ کہتا ہوں برملا میں حضور
خدا کے بعد محمدؐ کے عشق میں ہوں میں چور | اگر یہ کفر ہے یارو تو کفر بھی منظور

غزل

دلوں سے مہر اٹھی تابشِ وفا کی طرح | کہ بے چراغ ہے سب شہر کربلا کی طرح
یہ انتظار ہے یا اضطرار کیا کہیے | کواڑ کھولتے رہتے ہیں ہم ہوا کی طرح

اب اس سے بھاگ کے جائیں بھی تو کہاں جائیں — خود اپنا سایہ تعاقب میں ہے بلا کی طرح
تھکے ہیں پاؤں تو پھر آؤ آئینہ دیکھیں — کوئی تو چہرہ نظر آئے آشنا کی طرح
ہزار چاند ستاروں کی روشنی بکھرے — مگر وہ سینہ جو خالی ہے خلا کی طرح
ہمارے خون جگر سے اگر کرو سیراب — گلوں میں آنچ نظر آئے گی حنا کی طرح

ہوائے دشت میں خوشبو تیرے وصال کی ہے
گلوں کو چومتا پھرتا ہوں میں صبا کی طرح

دیگر

یہ اور بات کہ ظاہر میں خوش قبا نکلا — عذابِ ذات میں ہر شخص مبتلا نکلا
کچھ ایسی اُس رخِ محبوب پر نظر ٹھہری — دل و نگاہ میں کچھ بھی نہ فاصلہ نکلا
ہزار جان جو کرتے فدا تو بات بھی تھی — کہ ایک جان سے دل کا نہ حوصلہ نکلا
شبِ فراق جمال ہزار جلوہ ہے — کہ تیرا ہجر تو تجھ سے بھی دلربا نکلا
عجب تھی منزلِ اُلفت کہ سب نے چھوڑ دیا — ہر اک قرار گریز پا نکلا
تمام عمر خود اپنے طواف میں کاٹی — وصال ذات کا پھر بھی نہ سلسلہ نکلا

عجب سوانح شاہد ہے ہر سطر ہے جہاں
قلم کی نوک پہ یادوں کا قافلہ نکلا

کبھی یہ ظلم بھی دیکھا تھا چشمِ دُنیا نے — کہ خونِ صبح سے روشن ہوں شب کے کاشانے
ہزار روپ میں آئی عروس تو بن کر — کبھی فریبِ خرد کھا سکے نہ دیوانے
ہر ایک موڑ پہ جو بھی ملا وہ دوست ملا — بڑے خلوص سے دھوکے دیئے ہیں دُنیا نے
اجل شکار کئے دوش پر صلیب لئے — عجب شان سے آئے ہیں تیرے دیوانے
کہاں وہ انجمن ناز کے مکیں شاہد — چمن کے بدلے ملے ہیں ہمیں یہ ویرانے

صدیق ۔ جناب مولانا محمد صدیق صاحب امرتسری

محمد صدیق نام، صدیق تخلص، آپ کے والد کا نام میاں نور محمد ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی ہیں۔ آپ نے ابتداء ۱۸۹۳ء میں بذریعہ مکتوب حضور علیہ السلام کی بیعت کی۔ بعد ازاں ۱۹۰۳ء میں اپنے والد ماجد میاں گلاب دین کے ساتھ قادیان جا کر دستی بیعت سے مشرف ہوئے۔

صدیق صاحب ۱۹۱۵ء میں ضلع امرتسر کے ایک گاؤں بھڈیار تحصیل اجنالہ میں پیدا ہوئے۔ یہ گاؤں امرتسر کو لاہور سے ملانے والی سڑک پر واقع تھا۔ صدیق صاحب کا خاندان اسی موضع میں مستقل طور سے سکونت پذیر تھا۔ یہاں کی جماعت کو یہ فخر حاصل ہے کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے لاہور تشریف لے جاتے ہوئے دو ایک مرتبہ چند گھنٹوں کے لئے یہاں قیام فرمایا۔

میاں نور محمد صاحب نے صدیق صاحب کی پیدائش کے چند سال بعد ترک سکونت کر کے جلیاں والا باغ امرتسر میں رہائش پذیر ہو گئے تھے اور یہیں سے صدیق صاحب کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ پرائمری کی تعلیم مکمل ہو جانے پر اُن کے والد صاحب نے ۱۹۲۸ء میں قادیان جا کر مدرسہ احمدیہ میں داخل کرا دیا۔ یہاں صدیق صاحب نے پہلے مدرسہ احمدیہ بعد ازاں جامعہ احمدیہ میں اپنی تعلیم کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور ۱۹۳۶ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا جس کے بعد کچھ عرصہ بطور مربی شہر امرت سر میں کام کرنے کا موقع ملا۔ بعد ازاں آپ کا تقرر بطور نائب مدیر روزنامہ الفضل ہو گیا اور آپ ادارۂ "الفضل" سے منسلک ہو گئے۔

۱۹۳۶ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ارشاد پر کہ نوجوان اپنے خرچ پر بیرونِ ممالک نکل

جائیں اور فریضہ تبلیغ اسلام بجا لائیں۔ صدیق صاحب نے بھی لبیک کہا اور قادیان میں اپنے والد صاحب کی زمین کا ایک قطعہ فروخت کر کے فلسطین جا پہنچے جہاں کچھ عرصہ قیام کے بعد تبلیغی سلسلے میں مصر، شام، عراق، لبنان وغیرہ کے دورے کرتے رہے۔ ۱۹۳۰ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے آپ کو بطور نائب امام مسجد فضل لندن روانہ کر دیا۔ جہاں ۱۹۴۰ء تک آپ کو حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ کی قیادت میں خدمات بجا لانے کا موقع ملا۔ ۱۹۴۰ء میں آپ کو سیرالیون مغربی افریقہ بھیجا گیا۔ یہاں آپ کو بطور مبلغ انچارج سیرالیون مشن ۱۹۵۹ء یعنی سال تک خدمات بجا لانے کا موقعہ میسر آیا۔ اپریل ۱۹۵۹ء میں آپ کو لائبیریا تبدیل کر دیا گیا وہاں بطور مبلغ انچارج لائبیریا احمدیہ مشن ۱۹۶۰ء کے آخر تک کام کیا۔ دسمبر ۱۹۶۰ء میں آپ ربوہ واپس آئے لیکن جلد ہی ۱۹۶۲ء میں آپ کا تقرر بطور مبلغ انچارج عمل میں آیا۔ یہاں بھی آپ نے ۱۹۶۶ء تک شاندار خدمات انجام دیں۔ بعدازاں آپ وکالت تبشیر تحریک جدید کے شعبہ تصنیف و تالیف سے وابستہ ہوئے۔ ۱۹۶۸ء میں آپ کا تقرر مبلغ انچارج جزائر فجی ہوا۔ وہاں آپ نے شاندار تبلیغی خدمات انجام دینے کے بعد واپس ربوہ گئے اور خرابی صحت کی بنا پر سلسلہ کی خدمات سے سبکدوش ہو کر ربوہ میں رہائش پذیر ہوئے اور مضامین نظم و نثر کے ذریعہ خاموشی کے ساتھ دینی خدمات بجا لاتے رہے۔

آپ کے والد میاں نور محمد صاحب پنجابی زبان کے اچھے شاعر ہیں۔ گویا آپ کو شعر و شاعری کا ملکہ بھی وراثۃً ملا ہے جسے برمحل استعمال کرنے کا سلیقہ آپ نے احمدیت کی آغوش میں پروان چڑھ کر سیکھا اور اپنے پاکیزہ جذبات اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کو نظم کا جامہ پہنا کر اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی صف میں شامل ہو گئے۔ شعر و شاعری سے آپ کو بچپن ہی سے لگاؤ رہا۔ ابتدا میں غالبؔ تخلص اختیار کیا لیکن بعدازاں اپنے نام ہی کو تخلص کی جگہ استعمال کرنے لگے اور بقول حضرت میر مینائی ؎

نام کا نام تخلص کا تخلص صدیقؔ

یہ عجب لطف خداداد مرے نام میں ہے

آپ کا کلام نہایت سادہ سلیس اور عام فہم ہوتا ہے آپ اپنی سلاست طبع کو محاسن شعری

پر قربان نہیں ہونے دیتے اور اپنے پیام کو براہِ راست قارئین تک پہنچانے میں کسی استعارہ یا تشبیہ کا سہارا نہیں لیتے۔ ایک عرصہ تک تبلیغ دین اور اصلاح و ارشاد کا فریضہ انجام دیتے رہنے کی وجہ سے آپ کے مزاج میں انتہائی انکسار اور مسکنت پیدا ہو گئی ہے جس نے آپ کے حسن سیرت کو چار چاند لگا دیئے ہیں اور یہی انکسار اور فروتنی آپ کی شاعری کا طرۂ امتیاز ہیں۔ آپ کا پہلا مجموعہ کلام نغماتِ صدیق کے نام سے شائع ہو کر اپنوں اور پرایوں سے دادِ فصاحت وصول کر چکا ہے۔

محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر و وکیل اعلیٰ تحریک جدید ربوہ صدیق صاحب کا تعارف اس طرح کراتے ہیں۔

"مولانا محمد صدیق صاحب امرتسری سلسلہ عالیہ احمدیہ کے معروف اور دیرینہ مبلغ ہیں اور وطن اور اعزہ سے دُور خدماتِ اسلامیہ بجا لانے کی سعادت بارہا کر چکے ہیں۔ احباب جماعت ان کا منظوم کلام گاہے گاہے سلسلہ کے مختلف اخبارات و رسائل میں پڑھتے رہے ہیں۔ مولانا موصوف ایک دردمند دل رکھنے والے ایسے شاعر ہیں جو اپنے قارئین میں اسلامی اقدار اور مذہبی روح کا احساس بیدار کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی نظموں اور غزلوں کے مطالعہ سے یہی احساس ابھرتا ہے۔"

(نغماتِ صدیق صف)

محترم قاضی محمد نذیر صاحب ناظر اشاعتِ لٹریچر و تصنیف صدر انجمن احمدیہ ربوہ پیش لفظ میں فرماتے ہیں۔

"مکرم مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری میرے نزدیک جماعت کے موجودہ دور کے ایسے شعراء میں سے ہیں جن کا کلام جاذب اور دلکش ہے اور کلام میں روانی سلاست سادگی اور آسان پسندی نے اُسے جماعت کے ہر طبقہ میں مقبول بنا دیا ہے۔ مضامین اکثر تربیتی اور اخلاقی ہیں اور احمدیت کی روح سے معمور ہیں۔ اُردو کلام کے علاوہ اُن کا عربی کلام بھی شامل ہے جو کہ اپنی ذات گرانمایہ ہے۔"

(پیش لفظ صک ل)

پروفیسر ڈاکٹر ناصر احمد صاحب پرواذی صدر شعبہ اُردو تعلیم الاسلام کالج ربوہ رقمطراز ہیں۔

"شعر کو انسانی جذبات کے اظہار کا بہترین وسیلہ قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے تنقید شعر کے وقت سب سے پہلے یہ دیکھا جاتا ہے کہ شاعر جذبات کے اظہار پر کس حد تک قدرت رکھتا ہے۔ مجھے مسرت ہے کہ مولانا محمد صدیق امرتسری کا زیر نظر مجموعہ اس لحاظ سے ایک مکمل شعری مجموعہ ہے کہ اس میں جذبات کے تموج اور نشیب و فراز کا مکمل احاطہ کیا گیا ہے۔ شعر سادہ زبان صاف اور اظہار بے لوث ہے۔ اس سے پڑھنے والا طبیعت پر گرانی محسوس نہیں کرتا اور یہ بذاتِ خود ایک بڑی خوبی ہے مولانا محمد صدیق امرتسری بنیادی طور پر ایک مبلغ ہیں اس لئے ان کے شعروں کا بنیادی عنصر تبلیغ ہے۔ وہی بنیادی اصول جس کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اشارہ فرمایا ہے۔ ع

اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

مقصد شاعری میں بعض اوقات فنی اسرار و رموز نظر انداز ہو جاتے ہیں لیکن اس مجموعہ میں شاعر نے شعر کی نوک پلک سنوارنے میں خاص محنت سے کام لیا ہے۔ ...... ان کی غزلوں میں بڑی شوخی اور طرازی ہے اور مضمون میں ربط اور سلاست بیان۔" (نغماتِ صدیق صہ م۔ن)

حضرت مصلح موعودؓ کی ذرہ نوازی

"مغربی افریقہ کے دو مبلغ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ایک مولوی نذیر احمد صاحب (ابن بابو فقیر علی صاحب) اور دوسرے مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری۔ یہ لوگ ایسے علاقے میں ہیں جہاں سواریاں مشکل سے ملتی ہیں۔ کھانے پینے کی چیزیں بھی آسانی سے میسر نہیں آتیں۔ رستے میں کبھی ستو پھانک کر گزارہ کر لیتے ہیں اور کبھی کوئی پھل کھا لیتے ہیں۔ پھر انہیں سینکڑوں میل کے دورے کرنے پڑتے ہیں اور ان دوروں کا

کا اکثر حصہ وہ پیدل طے کرتے ہیں۔ یہ قربانیاں ہیں جو سالہا سال سے یہ لوگ کر رہے ہیں۔ چیف اور رؤسا ان کا مقابلہ کرتے ہیں۔ بعض دفعہ (گو ہمیشہ نہیں) گورنمنٹ بھی ان کے رستے میں روڑے اٹکاتی ہے۔ عام پبلک اور مولوی بھی مقابلہ کرتے رہتے ہیں لیکن ان تمام روکوں کے باوجود وہ مختلف علاقوں میں جماعتیں قائم کرتے اور خانہ بدوشوں کی طرح دین کی اشاعت کے لئے پھرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ ایسے نہیں کہ جماعت ان کی قربانیوں کے واقعات کو تسلیم کرنے سے انکار کر سکے..... اس میں کیا شبہ ہے کہ جو لوگ یہ کام کر رہے ہیں وہ ساری جماعت کا ہے اور اس لحاظ سے جماعت کے ہر فرد کو اپنی دعاؤں میں ان مبلغین کو یاد رکھنا چاہیئے۔

(نغمات صدیق صک بحوالہ الفضل یکم اخبار/۱۳۲۱ھ اکتوبر ۱۹۴۲ء صکا)

بقول مولانا دوست محمد صاحب شاہد انچارج شعبہ تاریخ احمدیت

"حضرت مہدی معہود کے فرزند جلیل سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے مندرجہ بالا سنہری سرٹیفیکیٹ کی روشنی میں جہاں مولانا محمد صدیق صاحب کے تبلیغی معرکوں کا مقام متعین ہوتا ہے وہیں ضمناً آپ کے شعری کلام کی حیثیت بھی نمایاں ہوتی ہے اور پتہ چل سکتا ہے کہ آپ کے قلم سے نکلے ہوئے اشعار خدمت اسلام اور تبلیغ حق ہی کے پاک چشمے سے نکلے ہیں۔" (نغمات صدیق صک)

شاعری میں صدیق صاحب نے جن بزرگ ہستیوں سے استفادہ کیا ہے اُس کا بیان انھیں کے الفاظ میں سماعت فرمائیے۔

"میرے اُن بزرگ استادوں میں جن سے اس سلسلہ (شعر و شاعری) میں خاکسار نے خاص استفادہ کیا ہے اور جو ہمیشہ میری ہمت افزائی کا موجب ہوئے سرفہرست حضرت قاضی محمد ظہور الدین اکمل کا نام نامی ہے جو کمال محبت اور شفقت سے میرے طالب علمی کے زمانہ یعنی ۱۹۳۰ء سے مجھے اُردو نثر میں مضامین لکھنے اور شعر کہنے پر نہ صرف آمادہ کرتے رہے بلکہ بعد اصلاح متواتر شائع بھی فرماتے رہے۔ محترم شیخ

محمد دین تنویر مرحوم سابق ایڈیٹر روزنامہ الفضل بھی اس سلسلہ میں سالہا سال تک میری رہنمائی اور اصلاح فرماتے رہے ہیں۔ حضرت قاضی اکمل ؓ کے علاوہ حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب مختار شاہجہانپوری ؓ سے بھی کافی عرصہ اصلاح لیتا رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ اسی طرح مکرم حافظ محمد سلیم صاحب اٹاوی سے بھی طالب علمی کے زمانہ سے اب تک استفادہ کرتا رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ " (نغمات صدیق پیش لفظ از مولف صہ ۔ ع)

"نغمات صدیق" کے بعد آپ کا دوسرا شعری مجموعہ "دل کی دنیا" کے نام سے زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آچکا ہے۔ آپ کی ایک نثری تصنیف "یادوں کی دنیا" کے نام سے طبع ہو چکی ہے جس میں آپ نے اپنی تبلیغی مہمات کو بڑے پُر اثر انداز میں سپردِ قلم کیا ہے جو مومنین کے ازدیادِ ایمان کا باعث ثابت ہوئے۔

نمونہ کلام

ہمارا خدا ایک زندہ خدا ہے

ہمارا خدا ایک زندہ خدا ہے — بڑا مہرباں اور بڑا باوفا ہے
بظاہر نہاں ہے نگاہِ بشر سے — مگر درحقیقت نظر آ رہا ہے
وہی تو ہے روزی رساں ہر بشر کا — جسے جو ملا ہے اُسی سے ملا ہے
نرالا ہے ہر پیار سے پیار اُس کا — مزا اُس کی اُلفت کا سب سے جدا ہے
کیا جس نے اس کے تغافل کا شکوہ — وہ اُس کی اداؤں سے ناآشنا ہے
وہ اوّل وہ آخر وہ ظاہر وہ باطن — وہی ابتدا اور وہی انتہا ہے
کوئی شے جہاں کی نہیں اس سے پنہاں — حقیقت وہ ہر چیز کی جانتا ہے
ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا — بجز اُس کے انجام سب کا فنا ہے

اسی نے ہر ایک چیز کو کل جہاں میں
فقط لفظ "کُن" سے ہویدا کیا ہے

اُسی نے ہی تو پیدا کیا ہے گلوں کو
عنادل کو پھر اُن پہ شیدا کیا ہے

اُسی نے چہکنے کو صحنِ چمن میں
انھیں ایک پُر درد نغمہ دیا ہے

مصیبت کے ماروں کا اور بیکسوں کا
جہاں میں فقط اک وہی آسرا ہے

وہی ہے ہر اک خیر و برکت کا منبع
وہی ایک چشمہ ہر ایک فیض کا ہے

نہیں اس سے بڑھ کر وفادار کوئی
وہ حاجت روا ہے وہ مشکل کشا ہے

کرے بیوفائی جو اس باوفا سے
وہ گم گشتہ راہ صدق و صفا ہے

یہ سورج یہ چاند اور یہ روشن ستارے
جسے دیکھو پرتو اسی نور کا ہے

مثال اس کے نوروں کی مشکوٰۃ ہے اک
جہاں ایک "مصباح" رکھا ہوا ہے

وہ مصباح ہے اک "زجاجہ" کے اندر
زجاجہ سراپا ضیا ہی ضیا ہے

درخشندہ کوکب کوئی جیسے شب کو
جہاں کی ہر اک شے کو چمکا دیا ہے

نہ وہ مشرقی ہے نہ وہ مغربی ہے
سلوک اس کا ہر ایک سے ایک سا ہے

ودا چشم سا ہے دیکھو تو یارو
ہمارا خدا کتنا پیارا خدا ہے

الٰہی ہو اسلام دُنیا میں غالب
دعا تیرے صدیق کی یہ سدا ہے

نعت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

شہ دو عالم یہ کہہ رہا تھا کل ایک ادنیٰ غلام تیرا
جہاں میں جتنے بھی نام ہیں اُن میں سب سے پیارا ہے نام تیرا

کوئی رسول و نبی نہ پہنچا ترے مراتب کی رفعتوں تک
خدائے برتر کے بعد سب سے بلند تر ہے مقام تیرا

تو حق تعالیٰ کا رازداں ہے تو وجہ تخلیق انس وجاں ہے
تو باغ ہستی کا باغباں ہے لقب ہے خیر الانام تیرا

تو ظلِ ربِ رحیم واکرم، تو بیکسوں کا انیس وہمدم
تو ساقی میکشانِ عالم، ہے زندگی بخش جام تیرا

ترا ہر اک قول قول فیصل، ترا ہر اک فعل فعل اجمل
ترا ہر اک فیصلہ مدلل، حسیں ہے جو بھی ہے کام تیرا

تجھی سے روشن ہیں ماہ واختر، ترے نقوشِ قدم بھی رہبر
سدا درود وسلام تجھ پر ہے بھیجتا ہر غلام تیرا

ہے فخر تجھ پہ ہر اُمتی کو، ہر ایک صالح کو ہر ولی کو
شہید و صدیق کو، نبی کو، ہے سب پہ فیضانِ عام تیرا

جو تیری اُلفت میں کھو گیا ہے اُسے لبھائے گی کیا یہ دُنیا
وہ تاجِ شاہی کو کیا کرے گا ہو چکا ہے غلام تیرا

تو سیّد اولین بھی ہے تو سرورِ آخرین بھی ہے
تو خاتم المرسلیں بھی ہے، رہے یہ عالی مقام تیرا

جو تجھ کو خاتم نہ مانتا ہو وہ لاجرم احمدی نہیں ہے
نہیں ہے تجھ سے جسے محبت وہ پی سکے گا نہ جام تیرا

محبوبِ حق، شفیعِ امم خاتم الرسلؐ

سردار سب رسولوں کے اے مصطفےٰ ہیں آپ
لاریب نور و رحمتِ رب الوریٰ ہیں آپ

حُسنِ ازل کے پرتوِ کامل ہیں بالیقیں
شمس الضحیٰ ہیں رونقِ ارض وسما ہیں آپ

محبوبِ حق، شفیعِ امم، خاتم الرسلؐ
سلطانِ کائنات ہیں ظلِ خدا ہیں آپ

شاہی میں بھی فقیری رہی جن کو ہی پسند
وہ شاہِ جن وانس، وہ خیر الوریٰ ہیں آپ

ثانی نہیں ہے کوئی بھی دُنیا میں آپ کا
اک قلزمِ فیوض ہیں بحرِ سخا ہیں آپ

ہر وصف بے مثال ہے ہر شان بے نظیر
فخرِ بشر ہیں نازشِ کل انبیاء ہیں آپ

کل انبیاء ہیں آپ کے نوروں کی ہے چمک
تارے ہیں وہ فلک کے تو بدرالدجیٰ ہیں آپ

اقصیٰ میں سب نے آپ کے پیچھے پڑھی نماز
وہ مقتدی ہیں آپ کے اور مقتدا ہیں آپ

محبوب ہیں خدا کے سبھی انبیاء حق
لیکن بطورِ خاص حبیبِ خدا ہیں آپ

شاہوں کو جن کے در کی غلامی پہ ناز ہے
وہ تاجدار و سرورِ ہر دوسرا ہیں آپ

ہر بیکس و غریب کی ہے آپ پر نظر
بندہ نواز و محسنِ خلقِ خدا ہیں آپ

اُس بے نشاں کی چہرہ نمائی ہے آپ سے
کونین میں اِک آئینہ حق نما ہیں آپ

اے آفتابِ خلق اِدھر بھی ہو اک نظر
ہر اُمتی کا بعدِ خدا آسرا ہیں آپ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر
تعریف کیا کروں کہ وراءِ ثنا ہیں آپ

آمد امام زمان

سوالے سُننے والو پھر جہاں میں انقلاب آیا
سبھی تھے منتظر جس کے وہ رشکِ ماہتاب آیا

مبارک ہو تجھے اے اُمتِ محبوبِ سبحانی
پلٹ کر حسبِ وعدہ پھر ترا عہدِ شباب آیا

جہاں کو نورِ قرآں سے منور کر دیا جس نے
محمد مصطفیٰؐ کا وہ بروز لاجواب آیا

گلستانِ حبیبِ کبریا کی پاسبانی کو
اُنہی فیضِ مجسمؐ سے وہ ہو کر فیضیاب آیا

ترستے تھے جو دیدِ مہدیِ دوراں کو صدیوں سے
بحمد اللہ اُن کی التجاؤں کا جواب آیا

مسیح و مہدیِ آخر زماں جو آنے والا تھا
بفضلِ ایزدی مثلِ طلوعِ آفتاب آیا

تجلّی قدرتِ ثانی کی دیکھی چشمِ بینا نے
فلک سے مہرِ حبیب رخصت ہوا تو ماہتاب آیا

جہاں میں ہر طرف جنگوں کے شعلے پہ تاتے ہیں
بشر پھر کبر و نخوت کے سبب زیرِ عتاب آیا

سزا دیتا نہیں مولا کسی کو بے سبب ہرگز
مگر جب بڑھ گیا حد سے تو دُنیا پر عذاب آیا

غلامانِ سیدِ کونین

اہلِ وفا کو اپنی وفا پر گھمنڈ ہے
اہلِ ستم کو جور و جفا پر گھمنڈ ہے

گلہائے نو بہار کو ہے رنگ و بو پہ ناز
اور گلستاں کو بادِ صبا پر گھمنڈ ہے

اترا رہی ہے پہلو میں غنچوں کے عندلیب
اُس کو بھی اپنے ذوقِ نوا پر گھمنڈ ہے

شمس و قمر کو ناز ہے گر اپنے نُور پہ
انجم کو اپنی اپنی ضیا پر گھمنڈ ہے

عاشق سدا تصورِ جاناں میں ہے مگن
اور مَہ رخوں کو اپنی ادا پر گھمنڈ ہے

صوفی کو ناز اپنے تصوف پہ ہے مدام
بیکس گدا کو اپنی صدا پر گھمنڈ ہے

عالم کو اپنے علمِ لدنی پہ ہے غرور
عاقل کو اپنی عقلِ رسا پر گھمنڈ ہے

دولت جنہیں ملی ہے وہ دولت میں ہیں مگن
مفلس کو ان کی جود و عطا پر گھمنڈ ہے

بدلے ہیں طور ایسے زمانے کے آج کل
اہلِ خطا کو اپنی خطا پر گھمنڈ ہے

القصہ اس جہاں میں جدھر بھی نظر کریں
ہر اک کو اپنی اپنی ادا پر گھمنڈ ہے

ہم احمدی ہیں سیدِ کونینؐ کے غلام
ہم کو فقط رسولِ خدا پر گھمنڈ ہے

صدیقؔ تو بھی اپنے خدا ہی پہ رکھ نظر
تجھ کو بھی تو اُسی کی عطا پر گھمنڈ ہے

نبی گر نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

غیر مبائعین سے خطاب

گراں آپ پہ ہرگز نہ گذرے تو ہم کو بتا دیں ذرا آج انصاف سے یہ
خدا سے نبی کا لقب پانے والا۔ نبی گر نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

جسے حضرت خاتم الانبیاء نے احادیث میں خود نبی ہی کہا ہے
وہ موعود اقوام کہلانے والا۔ نبی گر نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

فنا ہو کے عشقِ رسولِ خدا میں، جو نورِ رسالتؐ کا وارث بنا ہے
وہ نورِ رسالت کو پھیلانے والا۔ نبی گر نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

جو ایماں ہمارے دلوں سے نکل کر ثریا کے تاروں میں لٹکا ہوا تھا
اُس ایمان کو دُنیا میں لوٹانے والا۔ نبی گر نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

سرِ اہلِ الحاد و باطل کچل کر۔ شبِ تیرہ نورِ سحر سے بدل کر
وہ پرچم صداقت کا لہرانے والا۔ نبی گر نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

وہ سالارِ اُمتِ مسیح محمدؐ وہ گنجینہ رازہائے شریعت
وہ سب نیک و بد ہم کو سمجھانے والا۔ نبی گر نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

وہ جس کی دعاؤں کی برکت سے ہمدم ملا رہنما ہم کو فضلِ عمرؓ سا
وہ ذرّوں کو گوہر بنا جانے والا۔ نبی گر نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

وہ ظلِ جمال و جلالِ محمدؐ۔ بروزِ کمال و خصائلِ محمدؐ
وہ راہِ ہدیٰ سب کو دکھلانے والا۔ نبی گر نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

وہ اُمت کی بگڑی بنا جانے والا۔ وہ صدیوں کے مُردے جِلا جانے والا
نئی ایک دُنیا بسا جانے والا۔ نبی گر نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

خدا نے بھی جس کو نبی ہی پکارا۔ کلامِ خدا ہی تھا جس کا سہارا
وہ جبریل سے وحیِ حق پانے والا۔ نبی گر نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

منظفر احمد ــــ صابر ظفر

قلمی نام صابر ظفر

اصل نام منظفر احمد

والد کا نام عبدالرحیم مرحوم

تعلیم ایف ایس سی (پری میڈیکل)

تاریخ پیدائش ۲ ستمبر ۱۹۴۹ء بمقام کہوٹہ ضلع راولپنڈی

موجودہ ملازمت محکمہ اطلاعات حکومت سندھ کراچی

شعری مجموعے: "ابتدا"

"دھواں اور پھول"

"پاتال"

"جتنی آنکھیں اچھی ہوں گی"

صابر ظفر ایک اُٹھتا ہوا نوجوان شاعر ہے جس کے کلام نے صفِ اول کے شعراء میں جگہ پیدا کر دی ہے اور صابر ظفر اس بیت کا مصداق بنتا نظر آتا ہے ؎

بالائے سرش ز ہوشمندی
میتافت ستارۂ بلندی

اگر ناسامد حالات نے اس بہاؤ کا رُخ نہ موڑا تو امید ہے کہ یہ جوئے نرم رو ایک اور بحر طلاطم خیز کا نمونہ بن جائے گی۔ اربابِ شعر و ادب کو صابر ظفر سے بڑی توقعات وابستہ ہیں۔ نوجوان احمدی شعراء میں بھی آپ سرفہرست نظر آتے ہیں۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

غزل

نہ ترا خدا کوئی اور ہے، نہ مرا خدا کوئی اور ہے
یہ جو قسمتیں ہیں جُدا جُدا ، یہ معاملہ کوئی اور ہے

ترا جبر ہے مرا صبر ہے تری موت ہے مری زندگی
مرے درجہ وار شہید ہیں، مری کربلا کوئی اور ہے

تمہی قاتلوں کے گواہ تھے تمہی شاہ و میر و سپاہ تھے
مگر آج دیکھ لو وقت نے، کیا فیصلہ کوئی اور ہے

نہ تھا جس کو خانۂ خاک، ہُوا نذرِ آتش و ابرو باد
کہ ہر ایک دن سے الگ ہے دن جو حساب کا کوئی اور ہے

ہُوئے خاک دُھول تو پھر کھُلا، یہی بامُراد ہے قافلہ
وہ کہاں گئے جنہیں زُعم تھا کہ رہِ وفا کوئی اور ہے

یہ ہے ربط اصل سے اصل کا، نہیں ختم سلسلہ وصل کا
جو گرا ہے شاخ سے گُل کہیں تو وہیں کھِلا کوئی اور ہے

وہ عجیب منظرِ خواب تھا کہ وجود تھا نہ سراب تھا
کبھی یوں لگا نہیں کوئی اور، کبھی یوں لگا کوئی اور ہے

کوئی ہے تو سامنے لائیے، کوئی ہے تو شکل دکھائیے
ظفر آپ ہی خود بتائیے، مرے یار سا کوئی اور ہے؟

غزل

دریچہ بے صدا کوئی نہیں ہے
اگرچہ بولتا کوئی نہیں ہے

میں ایسے جمگھٹے میں کھو گیا ہوں
جہاں میرے سوا کوئی نہیں ہے

رکوں تو منزلیں ہی منزلیں ہیں
چلوں تو راستہ کوئی نہیں ہے

کھلی ہیں کھڑکیاں ہر گھر کی لیکن
گلی میں جھانکتا کوئی نہیں ہے

کسی سے آشنا ایسا ہوا ہوں
مجھے پہچانتا کوئی نہیں ہے

ظَفَر۔ جناب مولانا ظفر محمد صاحب

ضلع ڈیرہ غازی خان میں تونسہ ایک مشہور قصبہ ہے۔ حضرت خواجہ سلیمان تونسوی اسی قصبہ کے باشندہ تھے اور انہیں کی وجہ سے اس قصبہ نے اس قدر شہرت پائی۔ اس قصبہ سے چار پانچ میل جنوب مغرب کی طرف کوہ سلیمان کے دامن میں ایک بلوچ قوم آباد ہے۔ یہ قوم مندرانی کہلاتی ہے جو دراصل رند قوم ہی کی ایک شاخ ہے۔ یہ سب بلوچ ہیں۔ اس گاؤں میں ایک بزرگ میاں رانجھا صاحب رہتے تھے جو صاحب کشف و کرامات تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے اپنے شاگرد حافظ فتح محمد خان سے کہا کہ حافظ صاحب! میں مر جاؤں گا لیکن آپ اس وقت زندہ ہوں گے اور امام مہدی آجائیں گے۔ انکار نہ کرنا۔ چنانچہ ان کی وفات کے بعد بستی مندرانی میں یہ اطلاع پہنچی کہ امام مہدی آگئے ہیں۔ اطلاع بھیجنے والا ایک لڑکا تھا جو حافظ فتح محمد صاحب کے جانور چرایا کرتا تھا۔ وہ لڑکا وہاں سے بھاگ کر راولپنڈی پہنچا پھر وہاں سے دہلی آیا اور جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام دہلی تشریف لے گئے تو اس نے بیعت کر لی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک کتاب حافظ فتح محمد صاحب کو بھجوا دی۔ حافظ صاحب نے جب اس کتاب کو پڑھا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت آپ پر عیاں ہو گئی اور آپ مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو گئے اور جو شخص نماز پڑھنے کے لئے آتا اُس سے کہتے کہ امام مہدی تشریف لے آئے ہیں ان کی فوج میں بھرتی ہو جاؤ۔ چنانچہ گاؤں کے بیشتر شرفا احمدیت میں داخل ہو گئے۔ اس کے بعد آٹھ دس اشخاص ملتان تک پیدل پہنچے پھر گاڑی میں سوار ہو کر بٹالہ آئے اور وہاں سے پیدل قادیان پہنچے اور سب نے حضور کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ یہ سب ۱۹۰۳ء کا واقعہ ہے۔ حافظ فتح محمد صاحب کے پانچ بیٹے تھے۔ چوتھے بیٹے کا نام ظفر محمد رکھا گیا۔ یہ ۱۹۰۸ء میں پیدا ہوئے۔ ابھی چار پانچ

سال کے تھے کہ خواب میں دیکھا کہ قرآن شریف شروع سے آخر تک میرے سینے میں چمک رہا ہے یہ خواب والد صاحب کو سنایا تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ اُسے بغرض تعلیم قادیان بھیج دیا جائے چنانچہ جب ظفر صاحب نے چھٹی جماعت پاس کر لی تو ۱۹۲۱ء میں آپ کو قادیان بھجوا دیا گیا۔ ۱۹۲۹ء میں آپ نے مولوی فاضل پاس کر لیا۔ بعد ازاں جامعہ احمدیہ میں مزید دو سال تعلیم حاصل کی۔ کچھ عرصہ بہاولپور میں بطور مبلغ کام کرتے رہے اس کے بعد مدرسہ احمدیہ میں ٹیچر لگا دیئے گئے۔ ۱۹۳۶ء تک آپ نے مدرسہ احمدیہ میں کام کیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۱۹۳۶ء میں ایک دفتر خاص قائم کیا جس کے انچارج حضرت مرزا شریف احمد صاحب تھے۔ اس میں لگا دیئے گئے۔ اسی اثناء میں اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکرٹری کے طور پر بھی کام کرتے رہے۔ ۳۹-۱۹۳۸ء کے درمیان نصرت گرلز ہائی اسکول میں بطور ٹیچر کام کرتے رہے۔ بعد ازاں اپنے وطن واپس چلے گئے اور ۱۹۴۴ء میں پھر حضرت امیر المومنین نے یاد فرمایا اور جامعہ احمدیہ میں لگا دیا۔ ۱۹۵۶ء تک جامعہ احمدیہ میں کام کرتے رہے۔ اس کے بعد آنکھوں میں تکلیف کے باعث ریٹائر ہو گئے۔

قادیان میں زمانہ طالب علمی ہی میں مرکزی قاضی مقرر کر دیئے گئے تھے۔ کئی سال تک محکمہ قضا میں آنریری طور پر مقدمات کے فیصلے کرتے رہے۔

مدرسہ احمدیہ کی چوتھی جماعت میں تھے کہ شعر گوئی کی طرف مائل ہوئے۔ پہلی نظم روزنامہ "الفضل" میں بھیجی تو ایڈیٹر الفضل نے لکھا "یہ تمہاری نہیں ہو سکتی"۔ ۱۹۳۱ء میں جبکہ ابھی طالبعلم ہی تھے۔ عربی قصیدہ کہا تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے تین گھنٹہ تک تقریر فرمائی اور کہا کہ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ہمارا جامعہ کا طالب علم ایسی فصیح و بلیغ عربی زبان میں شعر کہہ سکتا ہے۔

ظفر صاحب فرمائشی اشعار کہنے کے قائل نہیں۔ جب شعر کہتے ہیں تو آمد ہی آمد کا عالم ہوتا ہے اور سب اشعار آپ کو زبانی یاد ہوتے ہیں۔ آپ کے کلام کا ایک دل آویز مجموعہ چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔

حمد باری تعالیٰ

وہ پاک ہستی وہ ذاتِ والا عدم سے جس نے ہمیں نکالا
حقیر ہم وہ بزرگ و بالا ذلیل ہم، وہ اجل و اعلیٰ
ادب کے لائق ہے ذات اس کی
ہے نام اُس کا خدا تعالےٰ

وہی ہے اول وہی ہے آخر وہی ہے باطن وہی ہے ظاہر
گمان عاجز قیاس قاصر مقام اُس کا خرد سے بالا
قریب بھی ہے بعید بھی ہے
عجیب ہے وہ خدا تعالےٰ

نہاں ہے پردوں میں ذات اس کی عیاں ہیں لیکن صفات اُس کی
نہ چھیڑ غافل تو بات اُس کی تجھے تو ہم نے مار ڈالا
نگاہِ مومن سے پوچھ جا کر
کہاں نہیں ہے خدا تعالےٰ

وہ گلستاں میں مہک رہا ہے کلی کلی میں چٹک رہا ہے
وہ مہر و مہ میں چمک رہا ہے اُسی کے پرتو سے ہے اُجالا
نظر ہے اپنی حجاب اپنا
عیاں ہے ورنہ خدا تعالےٰ

شریک اُس کا نہ کوئی ہمسر نبی ولی سب اُسی کے چاکر
جھکائیے سر اُسی کے در پر ولم یزل ہے ولم یزالا
یہ عالم رنگ و بو ہے فانی
ہے جاودانی خدا تعالےٰ

وہ جس نے خیر الانام بھیجا | سلام بھیجا، پیام بھیجا
اُسی نے ہم میں امام بھیجا | اُسی نے پھر وقت پر سنبھالا
رحیم و رحمان ہے ذات اُس کی
کریم ہے وہ خدا تعالےٰ

فراقِ قادیان

نہ صبر آئیں فراقِ قادیاں میں | نہ ہو مصروف یوں آہ و فغاں میں
خدا کے کام بے حکمت نہیں ہیں | ہوا ہے مبتلا تو کس گماں میں
پہنچتی ہیں مصائب ہی ہمیں تو ہیں | یہی سنت رہی ہے ہر زماں میں
شدائد اور مصائب سے نہ گھبرا | یہی تو مرحلے ہیں امتحاں میں
جہاد زندگی کا ایک پہلو
مکمل ہو چکا تھا قادیاں میں
عدو ہر جا شکستیں کھا چکا تھا | دلائل میں برا ہیں میں، بیاں میں
جہاد زندگی کا دوسرا رُخ | چمک سکتا نہ تھا دار الاماں میں
ضرورت تھی کہ پھر مومن کے جوہر | عیاں ہوں عرصۂ تیغ و سناں میں
خدا نے تب اسے باہر نکالا | نہ چاہا وہ رہے امن و اماں میں
ہمارا قادیان اک بوستاں ہے
ہم اُس کی بو سے خوش ہیں اس جہاں میں
یہ فطرت کے مخالف ہے کہ خوشبو | رہے محدودِ صحنِ گلستاں میں
ہوا پورا نشانِ "داغِ ہجرت" | خدا دیکھا ہے ہم نے اس نشاں میں
مقدس داغ ہے ہجرت سے دلبر | نہ اُڑ جائے کہیں آہ و فغاں میں

ظفرؔ گر ہوں حقیقت بین نگاہیں
بہاریں ہی بہاریں ہیں خزاں میں

سیاحت کشمیر

سُنتے تھے بہت دیر سے کشمیر کی شہرت
ارمان تھا دل میں کہ کریں ہم بھی سیاحت
امسال خداوند نے توفیق جو بخشی
ہم رختِ سفر باندھ کے گھر سے ہوئے رخصت
اُڑتی ہوئی گاڑی چلی کشمیر کی جانب
موٹر بھی بڑھی شوق سے باسُرعت و عجلت
پُر لُطف ہے پُر کیف ہے کشمیر کا رستہ
اشجار کی بالیدگی سبزے کی طراوت
ہر ذرۂ کہسار ہے اک نورِ تجلّی
ہر شجرہ وادی سے انا اللہ کی حکایت
ہر چشمۂ شیریں و مصفا کی صدائیں
ہر غالبؔ و اقبالؔ کو دیتی ہیں یہ دعوت
دنیا کی کشاکش سے تم اے بھاگنے والو
آجاؤ میرے پہلو میں مونس ہے یہ خلوت
کشمیر ہے اِک حسن کی تصویر زمیں پر
ایک چھوٹے سے پیمانے میں آباد ہے جنت

ظفر۔ ڈاکٹر راجہ نذیر احمد ظفر

راجہ نذیر احمد ظفر ۱۹۳۳ء میں بمقام بھکہ ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد راجہ غلام حیدر صاحب محکمہ انہار میں ملازم تھے۔ بھکہ ضلع سرگودھا میں آپ کا زرعی رقبہ بھی تھا۔ راجہ نذیر احمد نے ابتدائی تعلیم بھیرہ میں حاصل کی۔ آٹھویں کلاس پاس کرنے کے بعد آپ مدرسہ احمدیہ قادیان میں داخل ہو گئے۔ قیام پاکستان کے بعد جب جامعہ احمدیہ احمد نگر میں قائم ہوا تو آپ بھی احمد نگر میں پڑھنے لگ گئے۔ آپ نے ۱۹۵۳ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔

حصولِ علم اور دعوت الی اللہ کی لگن آپ کے دل میں تھی۔ آپ نے پرائیویٹ طالبعلم کے طور پر گریجویشن، ایل ایل بی اور ماسٹر کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ہومیوپیتھک ڈاکٹری کی رجسٹریشن ۱۹۶۲ء میں حاصل کی۔ دُعا اور مسلسل محنت اور لگن کے ساتھ اپنے چھوٹے سے کلینک کو ایک معروف ادارے میں تبدیل کر دیا۔ تحریر اور تقریر کا ملکہ خداداد تھا۔ مختلف اخبارات و رسائل میں آپ کے مضامین اور نظمیں شائع ہوتی رہیں۔ "عالمی ادبی تحریک کی بنیاد ڈالی جس کے آپ چیئرمین اور جنرل سیکرٹری جناب انور ندیم علوی تھے۔ اس ادبی تحریک کے لئے آپ نے عارضی دفتر کے قیام کے لئے اپنا قطعہ واقعہ احمد نگر مخصوص کیا۔ کئی ادبی مجالس اور مشاعرے منعقد کرائے۔ ۱۰ نومبر ۱۹۹۹ء کو آپ کی وفات کی وجہ سے عالمی ادبی تحریک کا کام التواء میں چلا گیا۔ آپ کی نماز جنازہ اس وقت کے ناظر اعلیٰ و امیر مقامی اور موجودہ امام حضرت مرزا مسرور احمد نے پڑھائی۔

نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کیا جلوہ کوئی جلوۂ فاراں کی طرح ہے؟
خورشید سحر دیدۂ حیراں کی طرح ہے

جاتا ہے کوئی کعبہ کو اور طور پہ .... کوئی
خود عرش تجھے کوچۂ جاناں کی طرح ہے

ہیں سارے نبی صاحب الطاف و عنایات
پر تیری عطا رحمتِ یزداں کی طرح ہے

بس خالقِ کونین کے شہکار ہیں دو ہی
قرآن تری مانند تو قرآں کی طرح ہے

انسان ہے کتاب اور جہاں اُس کی ہے تفسیر
وہ نام محمد ہے جو عنواں کی طرح ہے

ہے عشق میں کیا شاہد و سوگند کی حاجت
جب تیری محبت مجھے ایماں کی طرح ہے

کیا سُنبلِ مشکیں کو تری زُلف سے نسبت
ہر تار یہاں تارِ رگِ جاں کی طرح ہے

کیا وصف بیاں روئے مبارک کا کروں میں
جب نقشِ قدم روئے حسیناں کی طرح ہے

جو نور ہے تجھ میں وہ ملائک میں نہیں ہے
گو صورت و فطرت میں تو انساں کی طرح ہے

کوثر ہے ترے پیتے ہیں خود خضر و مسیحا
ہر لفظ ترا چشمۂ حیواں کی طرح ہے

وسعت مرے افکار کو بخشی ہے وہ تو نے
پہنائی عالم مجھے زنداں کی طرح ہے

کیا حُسنِ نظر ہے کہ نظر جس پہ پڑی ہے
وہ ذرہ حسین یوسف کنعاں کی طرح ہے

ہے تیرے چمن کا فقط اک گوشہ سلامت
اور اُس میں ظفرؔ بلبلِ نالاں کی طرح ہے

حکیم الاُمّت حضرت مولانا نور الدینؓ کا مقام

مٹ نہیں سکتا تصور سے وہ نقشِ دلنشیں
وہ محبِ مہدیٔ آخر زماں، وہ نورِ دینؓ

خدمت و طاعت میں مثلِ حضرت صدیقؓ تھا
وہ مسیحائے زماں کا جانشیں اولیں

جس کی ہمت سے عیاں کون و مکاں کی وسعتیں
وہ خودی کا آسماں وہ عجز و طاعت کی زمیں

چشمہ ہائے علم و حکمت جس کے ہونٹوں سے عیاں
جس کے دل میں موجزن تھا ایک دریائے یقیں

طائرِ دل گو رہا خود بے نیازِ آشیاں
لیک یارِ بے مکاں اس میں رہا ہر دم مکیں

شاہ تھے پر فقر سے رکھتے تھے ہمت کو بلند
ہیچ تھی اُن کی نظر میں رفعتِ چرخِ بریں

بختیار و بے نوا اُن کی نظر میں ایک تھا
کوئی بے مایہ ظفر ہو یا کوئی مغفور جبیں

نورِ حسنِ یار تھا طلعت سے اُن کی آشکار
ماہِ کامل جس سے شرمائے وہ تھا داغ جبیں

جان و دل سے ہر گھڑی تھے حامیِ دینِ متیں
نورِ دیں تھے یا ستونِ عرشِ ربّ العالمیں

اولین و آخرین میں ہے کوئی نسبت اگر
پھر بلاشک بوبکرؓ آخرین میں نورِ دیں

دُعائے مسیحا

چمک رہی ہو کسی کی جبیں تو کیا کہیئے
ہر اک ادا ہو اگر دلنشیں تو کیا کہیئے

ہلال دیکھ کے سب "چاند چاند" کہتے ہیں
قمر سے بڑھ کے ہو کوئی حسیں تو کیا کہیئے

دلیل و منطق و وعظ و کلام خوب سہی
مگر ہو دل میں کوئی جاگزیں تو کیا کہیئے

وہ دل فریب تبسم وہ دلنواز نظر
بُھلا سکے جو نہ قلب حزیں تو کیا کہیئے

وجود حضرت ناصر ہے اک نشان خدا
نہ کہیئے شوکتِ دینِ مبیں تو کیا کہیئے

خدا تعالےٰ کی ازلی و ابدی سُنّت

خدا کی یہی سُنّت ازل سے تا ابد جاری
گنہ کا گرم جب بھی دہر میں بازار ہوتا ہے

جہاں میں بھیج دیتا ہے وہ تب کوئی بشر ایسا
حقیقت میں جو خلق اللہ کا غم خوار ہوتا ہے

مٹاتا ہے وہ سب طور و طریقے اہلِ باطل کے
جہاں میں اک نئی تعمیر کا معمار ہوتا ہے

لرز جاتے ہیں جس کی ضرب سے ایوان باطل کے
زمیں پر سر بسجدہ ہر در و دیوار ہوتا ہے

یقیں پرور کلام اس کا مٹاتا ہے گماں سارے
تزلزل میں جہاں کا عالم افکار ہوتا ہے

گروہ اک حق پرستوں کا ادھر دیتا ہے ساتھ اس کا
اُدھر سارا زمانہ بر سرِ پیکار ہوتا ہے

اگرچہ اُن کی منزل جنت الفردوس ہوتی ہے
مگر رستہ زمانے کا بہت پُرخار ہوتا ہے

بہت ظلم و ستم ان پہ کئے جاتے ہیں دُنیا میں
ہر اک سفاک و ظالم درپئے آزار ہوتا ہے

ہزاروں بیگناہوں کا جہاں میں خون ہوتا ہے
کہ جن کے خون پر خود آسماں خونبار ہوتا ہے

متاعِ زندگی تک لوٹ لیتے ہیں جہاں والے
مگر ایمان میں مستحکم ہر اک دیندار ہوتا ہے

بالآخر نصرتِ حق آسماں سے خود اُترتی ہے
خدا کی قدرتوں کا کچھ عجب اظہار ہوتا ہے

دھرے رہ جاتے ہیں ہتھیار سارے اہلِ باطل کے
ہر اک منصوبہ اُن کا اُس گھڑی بیکار ہوتا ہے

خدا کے نیک بندے دوسروں پر ہوتے ہیں غالب
عدوِ حق زمانے میں ذلیل و خوار ہوتا ہے

یہی سُنّت خدا کی پھر سے پوری ہونے والی ہے
وہی کچھ آج بھی ہو گا کہ جو ہر بار ہوتا ہے

ظفر جب سرکشوں کی سرکشی بڑھتی ہے دنیا میں
تو پھر اُن کے مٹانے کو خدا تیار ہوتا ہے

ظہور۔ جناب ظہور احمد صاحب چانگریاں ضلع سیالکوٹ

ظہور احمد ولد نظام الدین صاحب مرحوم۔ ظہور تخلص کرتے ہیں اور پی او ایف واہ کینٹ میں ملازم ہیں۔

آپ ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو موضع چانگریاں ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ بی ایس سی کرنے کے بعد ملازمت اختیار کی اور آج کل واہ کینٹ میں بسلسلہ ملازمت سکون پذیر ہیں۔

شاعری کا شوق آپ کو بچپن سے تھا۔ چوتھی جماعت میں پڑھتے تھے کہ سہ حرفی ہدایت اللہ سے متاثر ہو کر پنجابی زبان میں سہ حرفی لکھی جو دیہاتی ماحول میں بہت پسند کی گئی اور بہت حوصلہ افزائی کا موجب بنی۔ یہ شغل جاری رہا اور آپ مختلف مواقع پر واقعات سے متاثر ہو کر نظمیں لکھتے رہے۔ خصوصاً چند عزیزوں کی وفات نے آپ کی طبیعت پر گہرا اثر ڈالا اُسے نظم کی صورت میں صفحہ قرطاس پر نقل کرتے رہے۔ ان میں سے بعض شائع بھی ہوئیں۔

مؤقر ہفت روزہ "لاہور" کی افادیت سے متاثر ہو کر اور رسالہ کے مزاج کو مدنظر رکھتے ہوئے غزل کی طرف توجہ مبذول ہوئی۔ کئی غزلیں ہفت روزہ "لاہور" کی زینت بن چکی ہیں اور مشق سخن جاری ہے۔

نمونہ کلام

فکر جاں، ذکر مال کرتے ہو — روح کو پائمال کرتے ہو

دو گھڑی کا بھی اعتبار نہیں — وعدہ ماہ و سال کرتے ہو

عہد رفتہ پلٹ کے آجائے — بات کتنی محال کرتے ہو

اپنے مولا سے مانگو دل کی مراد غیر سے کیا سوال کرتے ہو
رنگ میں بھنگ ڈالتے ہو ظہور
یار! تم بھی کمال کرتے ہو

اربابِ جوہر

ضیائے صدق سے جو ہوں منور چھپ نہیں سکتے
زمانے میں کبھی اربابِ جوہر چھپ نہیں سکتے

کبھی تو چھا ہی جائے گی جہاں پر احمدیت بھی
کہ کانوں میں ہمیشہ لعل و گوہر چھپ نہیں سکتے

مخالف دیں حق کے آزمالیں قوتیں اپنی
چھپانے سے حقائق بندہ پرور چھپ نہیں سکتے

مسیح پاک کی تعلیم نے وہ روپ بخشا ہے
جہاں میں احمدیت کے قلندر چھپ نہیں سکتے

سہے حُسّاد کے طعنے بہت صبر و تحمل سے
مگر جذبات اب سینے کے اندر چھپ نہیں سکتے

عبدالعلی ملک

آپ کا نام عبدالعلی ملک ہے جو حضرت فضل عمر مرزا بشیرالدین محمود احمد المصلح موعودؓ نے تجویز فرمایا۔ آپ کے والد ماجد کا نام ملک غلام نبی تھا۔ ملک صاحب ۶ جون ۱۹۲۰ء کو موضع پنڈوری تحصیل فتح جنگ ضلع کیمبل پور میں پیدا ہوئے۔ آپ نے میٹرک تک تعلیم قادیان کے تعلیم الاسلام ہائی اسکول میں پائی اور انٹرمیڈیٹ گورنمنٹ کالج کیمبل پور سے کیا۔ بعد ازاں گارڈن مشن کالج راولپنڈی سے بی۔اے پاس کیا۔

۱۹۴۱ء میں آپ انڈین آرمی میں بطور کیڈٹ منتخب ہوئے اور ۱۲ اپریل ۱۹۴۲ء کو کمیشن ملا۔ آپ کی پہلی تعیناتی فیض آباد (یو۔پی) میں ہوئی۔ اس کے بعد ۱۹۴۵-۴۶ء میں آپ جاوا میں رہے۔ بعد ازاں ہندوستان میں رام گڑھ اور رانچی میں خدمات انجام دیں۔ پاکستان کے قیام سے چند روز قبل آپ رانچی سے راولپنڈی پہنچے۔ آپ جس گاڑی میں راولپنڈی پہنچے یہ آخری گاڑی تھی جو اگست کے مہینے میں امرتسر سے گزر کر بخیر و عافیت پاکستان پہنچی۔ پاکستان پہنچنے کے بعد آپ نے کوئٹہ میں اسٹاف کالج کورس کیا۔ ۱۹۵۷ء میں آپ نے انگلستان سے جوائنٹ سروسز اسٹاف کالج کورس کیا۔ اور مختلف رینکس میں کمانڈ اور اسٹاف کے فرائض انجام دیئے۔ ۱۹۵۹ء سے ۱۹۶۲ء تک آپ معاہدہ بغداد (CENTRAL TREATY ORGANIZATION) کے سیکرٹریٹ میں بطور کرنل تعینات رہے جس کا ہیڈ کوارٹر ان دنوں انقرہ (ترکی) میں تھا۔ پاکستان واپس ہونے سے پہلے آپ کو اور آپ کی شریک حیات کو حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ ستمبر ۱۹۶۲ء میں سیالکوٹ میں بطور بریگیڈ کمانڈر تعینات ہوئے۔ یہ وہی بریگیڈ ہے جس نے ملک صاحب کی کمان میں ۱۹۶۵ء میں چونڈہ کی جنگ میں بڑا اہم اور فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ ملک صاحب کو اس جنگ میں کامیابی پر ہلال جرأت

کا اعزاز ملا اور آپ کا بریگیڈ پری پاکستان آرمی میں سب سے زیادہ اعزازات پانے والا ثابت ہوا۔
۱۹۷۱ء میں آپ نے جنگ شکر گڑھ میں بحیثیت میجر جنرل آٹھویں ڈویژن کی کمان کی جس میں ۱۹۶۵ء کی طرح آپ کا مقابلہ ہندوستان کی سب سے طاقت ور اور زور آور فوج سے ہوا جس کے حملوں کو ناکام بنا دیا گیا۔

شروع ۱۹۷۲ء میں آپ کو لیفٹیننٹ جنرل بنا دیا گیا اور نمبر ۱ کور کی کمان آپ کے سپرد ہوئی۔ آپ نے مسلسل تین سال اس کور کی کمان کی۔

ستمبر ۱۹۷۶ء میں آپ سیاسی وجوہات کی بناء پر بطور کور کمانڈر ریٹائر ہو گئے۔

آپ کی ملازمت کا قابلِ ذکر پہلو یہ ہے کہ اس کا بیشتر فعال حصہ سیالکوٹ میں صرف ہوا جس میں دو معرکۃ الآرا جنگیں بھی شامل ہیں اور ان دونوں جنگوں میں اللہ تعالیٰ نے ملک صاحب کی مدد فرمائی اور پاکستان کو فتح نصیب ہوئی۔ یہ عجیب حُسنِ اتفاق ہے یا الٰہی تقدیر کہ جس خطہ کے دفاع کی آپ کو توفیق ملی حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا دوسرا وطن بھی کہلاتا ہے یعنی سیالکوٹ۔

اللہ تعالیٰ نے ملک صاحب کو تین بیٹے اور دو بیٹیاں عطا فرمائی ہیں جو بفضلِ ایزدی بقیدِ حیات ہیں۔

شعر و شاعری کی ابتدا کالج کے زمانہ سے ہوئی۔ یوں تو آپ کی طبیعت ابتدا ہی سے موزوں اور شعریت کی حامل تھی لیکن ماحول نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ آپ ۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۱ء تک کیمبل پور اور گارڈن کالج میں کالج میگزین کے اُردو حصہ کے ایڈیٹر رہے اور نثر و نظم میں یکساں طور سے طبع آزمائی کا موقع ملتا رہا۔ بعد ازاں فوجی ملازمت کے دوران اُردو ادب سے صرف مطالعہ کی حد تک تعلق رہا۔ لیکن غیر شاعرانہ اور عسکری ماحول میں شعری ذوق کے لئے مواقع میسر نہ آسکے۔

دورانِ قیامِ ترکی جب آپ کو یک گونہ ذہنی فراغت نصیب ہوئی تو آپ نے دوبارہ اس طرف توجہ فرمائی اور یہ شغل دوبارہ جاری ہو گیا۔ ملازمت کے دوران چونکہ عسکری ملازمین کا کلام پریس میں نہیں جا سکتا اس لئے اس دوران ملک صاحب نے جو شعری کاوشیں فرمائیں وہ دوست احباب

تک ہی محدود رہیں۔ علاوہ ازیں آپ کا کلام شعر گوئی کا فریضہ ادا کرنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ حالاتِ حاضرہ پر تنقید و تبصرہ آپ کا مقصود ہوتا ہے اس لئے آپ کا اکثر کلام احباب کی بے تکلف محفلوں میں پڑھا گیا اور سینوں میں محفوظ رہا۔

شعر گوئی میں آپ غالب سے مانوس و متاثر رہے ہیں۔ آپ کے نزدیک غالب کے یہاں برجستگی، آمد اور بے ساختہ پن کی بہتات ہے۔ غالب کے کلام میں گہرائی و گیرائی اور معانی آفرینی کے بھی آپ مداح ہیں۔

دور موجودہ میں آپ جگر مراد آبادی کی خوش نوائی سے بہت متاثر ہیں اور آپ کے خیال میں جگر کی شاعری ادبی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

علامہ اقبال کے متعلق آپ کا خیال ہے کہ وہ شاعری میں ایک منفرد مقام کے حامل ہیں جس نے نظم اور غزل کو اُس کے مروجہ اور مخصوص ماحول سے نکال کر زندگی کے ہر موڑ تک پھیلا دیا۔ اقبال کی موزونیتِ طبع، آمد کا سیلاب، رنگینی الفاظ، ندرتِ تراکیب اور معانی کی گہرائی کا جواب آج تک پیدا نہ ہو سکا اور نہ آئندہ پیدا ہونے کی توقع ہے۔ ایسے ادبی GRAINTS صدیوں کی گردش کے بعد پیدا ہوتے ہیں

"بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا"

طنز و مزاح کے ضمن میں آپ حضرت اکبر الہ آبادی سے بیحد متاثر نظر آتے ہیں کیونکہ معاشرہ کے مختلف مسائل پر اُن کی نظر گہری اور چوٹیں لاجواب ہیں اور چونکہ ملک صاحب کا موضوع بھی اصلاحِ معاشرہ ہے اس لئے آپ بھی اکبر الہ آبادی جیسی شاعری کو پسند کرتے اور اسی رنگ میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ خالص مزاح نگاری میں وہ اپنے عزیز دوست سید ضمیر حسن جعفری سے بھی بہت متاثر ہیں اُن کے خیال میں مزاح نگاری میں فی زمانہ ان کا جواب نہیں وہ اس فن میں یکتائے روزگار ہیں۔ اُن کے کلام کی شگفتگی اور بے ساختہ پن قابلِ داد ہے۔

احمدی شعراء کے کلام کے متعلق آپ کی معلومات محدود ہیں کیونکہ ان کے کلام کے مطالعہ کا آپ کو کوئی موقع میسر نہیں آیا۔ صرف قادیان میں قیام کے دوران جناب حسن رہتاسی کا کلام کبھی کبھی زیرِ مطالعہ

آجاتا تھا وہ بھی اپنے رنگ میں منفرد مقام رکھتے تھے۔ حسن رہتاسی صاحب کے متعلق ایک واقعہ تحریر کرتے ہوئے ملک صاحب فرماتے ہیں۔

ایک دفعہ میں مسجد اقصیٰ قادیان میں نماز کے لئے جا رہا تھا تو دیکھا کہ حسن صاحب گلی میں اپنی ایک مشہور نظم "جب وقت کی پڑتال پہ پاتے ہو گھڑی بند" ایک خوبصورت چارٹ کی صورت میں طبع شدہ فروخت کر رہے تھے۔ میں نے پوچھا حسن صاحب! یہ وہی پرانی نظم ہے جو میں پہلے بھی پڑھ چکا ہوں۔ کہنے لگے۔ "قرآن و حدیث سے پرانی نہیں۔" اُن کے کلام کی برجستگی کا بھی یہی عالم ہے۔ سنا ہے ایک دفعہ حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی ملاقات کے لئے تشریف لے گئے اور ایک شعر اندر بھجوایا ؂

میں سراپا درد ہوں اور آپ سر
دردِ سر کو چھوڑ کر جائے کہاں

ادبی واقعات میں ایک بہت پرانا قصہ ملک صاحب نے تحریر فرمایا۔ فرماتے ہیں۔

"فیض آباد قیام کے دوران ایک شام چند سویلین دوست ایک محفلِ مشاعرہ میں ساتھ لے گئے اختتام کے وقت ایک وجیہہ سفید ریش بزرگ نے جو غالباً میرِ مجلس تھے فرمایا۔

بچو! چند شعر سنو۔ اُمید ہے گھر تک گنگناتے جاؤ گے۔ یہ غالباً ۱۹۴۳ء یا ۱۹۴۴ء کا واقعہ ہوگا۔ لیکن اُس دن سے آج تک یہ اشعار زبانی یاد ہیں ؂

ایک ایک گھڑی اس کی قیامت کی گھڑی ہے
جو رات کٹے غم میں وہی رات بڑی ہے

آدھی سے زیادہ شبِ غم کاٹ چکا ہوں
اب بھی اگر آ جاؤ تو بڑی رات پڑی ہے

ملک صاحب فرماتے ہیں کہ بعد میں پتہ چلا کہ آپ حضرت ثاقب لکھنوی تھے۔ فیض آباد لکھنو کے قریب ہی واقع ہے۔ غالباً انہیں کا ایک اور مشہور شعر ہے ؂

آگ دی صیاد نے جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

ایک دفعہ گارڈن کالج میں محفل مشاعرہ منعقد ہوئی۔ جناب احسان دانش مہمان خصوصی تھے۔ جنہیں لاہور سے آنا تھا۔ کافی دیر کے بعد جب ہال میں داخل ہوئے تو کہنے لگے: "گاڑی لیٹ ہو گئی۔ ابھی ابھی اُتر کر آ رہا ہوں۔" کسی نے آوازہ کسا "تبھی تو رنگ انجن کی طرح ہو گیا ہے۔" (آپ کا رنگ سانولا تھا) گارڈن کالج کے دوسری طرف ہندوؤں کا ڈی۔ اے۔ وی کالج تھا اس میں ایک محفل مشاعرہ منعقد ہوئی۔ حضرت حفیظ جالندھری اور ساغر نظامی اسٹیج پر برابر برابر کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ سامنے میز پر ایک پانی کا گلاس رکھا تھا۔ ساغر نظامی نے اس میں سے کچھ پیا۔ بعد میں حفیظ صاحب کو ضرورت پڑی تو وہی گلاس اُٹھا لیا۔ ساغر نے برجستہ کہا۔ ؎

میں نے جو منہ لگا دیا ہے پانی بھی شراب ہو گیا ہے

حضرت حفیظ نے فی البدیہہ جواب دیا ؎

پانی پی کر بھی توبہ کرتا ہوں پارسائی سی پارسائی ہے

حضرت حفیظ جالندھری کا ایک اور واقعہ مشہور ہے۔ ایک دفعہ ڈاکٹر جنرل فاروقی نے خاصی بڑی عمر میں ایک عمر رسیدہ نرس سے شادی کر لی۔ اس تقریب کے موقع پر راولپنڈی کی مال روڈ پر واقع ایک پارک میں جس میں ایک تیراکی کا تالاب بھی تھا، دعوت منعقد ہوئی۔ حفیظ صاحب نے سہرا پڑھا۔ جب اس شعر پر پہنچے تو یاروں نے اُٹھا کر تالاب میں پھینک دیا ؎

نہ برخوردار ہے دولھا نہ برخوردار ہے دلہن
یہ شادی ساٹھے پاٹھے کی ہے پختہ کار ہے سہرا

آپ کے خیال میں نوجوان احمدی نوجوان شعراء میں سے جناب ثاقب زیروی کا کلام بہت عمدہ اور موثر ہے اور حالاتِ حاضرہ کی بخوبی ترجمانی کرتا ہے۔ جناب عبدالمنان ناہید صاحب کا کلام بھی منجھا ہوا ہے آپ ایک کہنہ مشق اور پختہ کار شاعر ہیں۔ تسلیم صاحب کے کلام کا مطالعہ کم ہوا ہے لیکن جو مطالعہ میں آیا اس میں اساتذہ کی جھلک نظر آتی ہے۔

اپنے کلام پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

میں عموماً قومی و ملی مسائل پر ہی لکھتا ہوں۔ کبھی سنجیدہ طرز میں اور کبھی طنزیہ انداز میں۔ اس کے علاوہ خالص مزاحی انداز میں بھی کچھ لکھ دیتا ہوں۔ اچھی مزاحیہ شاعری مجھے اس لئے پسند ہے کہ اس سے طبیعت میں فرحت اور بشاشت پیدا ہوتی ہے۔ غم روزگار تو ویسے ہی عام ہوتا ہے اس لئے کبھی کبھی تنوع کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

اگست ۱۹۶۵ء میں جب معلوم ہوا کہ برادر مکرم لیفٹیننٹ جنرل اختر حسین ملک کے ساتھ زیر کمان مجاہدین میں سے تقریباً آٹھ ہزار جوان سر سے کفن باندھ کر اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد کے لئے وادی کشمیر میں داخل ہو گئے ہیں تو دفتر میں بیٹھ کر قلم برداشتہ یہ نظم لکھ کر ان کو روانہ کر دی۔"

(۱)

یورشِ لشکرِ جانباز مبارک باشد
نعرہ جنگ کی آواز مبارک باشد
حُسنِ تنظیم کا اعجاز مبارک باشد
جنگ آزادی کا آغاز مبارک باشد
تو نے اُٹھتے ہوئے طوفاں کی بنا ڈالی ہے
تو نے کشمیر کی تقدیر جگا ڈالی ہے

(۲)

ہر کوئی دل میں یہ کہتا تھا کہ یوں ہو جائے
پرچم ہند پہاڑوں میں نگوں ہو جائے
لشکر ہند کا احوال زبوں ہو جائے
پھر سے آزاد مسلمانوں کا خوں ہو جائے
لیکن اس خواب کی تعبیر بنائی تو نے
بات جو بگڑی ہوئی تھی وہ بنائی تو نے

(۳)

قابل غور مجاہد کی جوانمردی ہے
کتنی بے باکی ہے، بے خوفی ہے پامردی ہے
جوشِ ایماں کی حرارت نے یہ حد کر دی ہے
نوجوان سینوں میں ہمت کی تپش بھر دی ہے
جب نکلتے ہیں تو منزل بھی قدم چومتی ہے
آسماں وجد میں آتا ہے زمیں جھومتی ہے

(۴)

جانب وادی کشمیر نکل آئے ہیں
توڑنے قید کی زنجیر نکل آئے ہیں
مثل بے تابی شمشیر نکل آئے ہیں
لب پہ ہے نعرۂ تکبیر نکل آئے ہیں
ہو خدا ان کا نگہباں ظفر ہونے تک
تو سلامت رہے کشمیر کے سر ہونے تک

تصویرِ کشمیر

شور ہے وادی میں پھر دشمن کے دار و گیر کا　　ہو رہا ہے تنگ حلقہ ظلم کی زنجیر کا
قید میں دم گھٹ رہا ہے ہر جواں دلیر کا　　اے مجاہد وقت ہے اب ہمت و تدبیر کا

ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

بحث و تمحیص دلائل کا زمانہ ہو چکا　　قافلہ جلسوں جلوسوں کا روانہ ہو چکا
عارضی الحاق کا قصہ پرانا ہو چکا　　وعدۂ رائے شماری اک فسانہ ہو چکا

آ گیا ہے وقت آخر جنبشِ شمشیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

وادیٔ کشمیر میں برپا ہے طوفانِ بلا　　بازوئے شمشیر زن کر کے رہے گا فیصلہ
سعی لاحاصل ہے اب اقوامِ عالم سے گلہ　　مانگنے سے کب کسی سائل کو اپنا حق ملا

فیصلہ ہو گا بس اب شمشیر میں کشمیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

پیغام

اے عزیز وطن اے دیدۂ بینائے وطن　　تجھ سے وابستہ ہے رنگینیٔ فردائے وطن
تجھ پہ موقوف ہے عزت ابنائے وطن　　تجھ سے مربوط ہے شیرازۂ اجزائے وطن

تو ہے ضامن مرے پرچم کی سرفرازی کا
تو نے دینا ہے سبق قوم کو جانبازی کا

تجھ کو لازم ہے کہ خطرات سے آگاہ رہے　　وقت آ جائے تو آمادۂ جنگاہ رہے
قوت و کثرتِ اعدا کی نہ پرواہ رہے　　رحمتِ باری تعالیٰ ترے ہمراہ رہے

موت سے کھیل کے بنتی ہے بقا کی صورت
خون شہیدوں کا نکھرتا ہے حنا کی صورت

تیرا مقصد نہیں کشمیر کی سلطانی کا
تیرا مقصد نہیں تسخیرِ جہاں بانی کا
تیرا مقصد نہیں نہروں کی فراوانی کا
تیرا مقصد نہیں سرحد کی نگہبانی کا

تیرے اسلام پہ یورش ہے صنم زادوں کی
تیری توحید پہ یلغار ہے بت خانوں کی

تیرا عَلَم میں ہے مُسلم کی بقا کو خطرہ
مسجد و منبر و تسبیح و عصا کو خطرہ
تیرے عمامے کو خطرہ ہے قبا کو خطرہ
یورشِ شرک سے ہے نامِ خدا کو خطرہ

ملّتِ احمدِ مرسل کو بچانا ہے تجھے
نام اللہ کا گھر گھر میں سنانا ہے تجھے

اصحابِ فیل

اصحابِ فیل آئے بصد اہتمامِ جنگ
تسخیرِ ارضِ پاک کی دل میں لئے اُمنگ
اعلانِ جنگ کرنے کی ہمت نہ پا سکے
مارا شبِ سیاہ میں مارِ سیہ سا ڈنگ
آئے تو قہر و غضبِ الٰہی میں پھنس گئے
اُمڈا جو آسمان سے طوفانِ تا و سنگ
گولوں کے ساتھ اُڑ گئے فولاد کے گنیش
کٹ کر گرے فضاؤں میں طیارے جوں پتنگ
میدانِ کارزار بنا مثلِ روزِ حشر
مرنے سے پیشتر ہی اُڑا ٹینکوں کا رنگ
ارضِ چونڈہ مرگھٹ اصحابِ فیل ہے
تائیدِ ایزدی کے نرالے ہیں رنگ ڈھنگ

کشمیر جن کے مُلک کا حِصّہ نہ بن سکا
بکھرے پڑے ہیں ہر طرف اُنکے اٹوٹ انگ

عبدالرحیم صاحب راٹھور کشمیری

عبدالرحیم صاحب بوس نامی گاؤں اسلام آباد کشمیر کے ایک متوسط درجہ کے زمیندار خاندان میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ماجد عبدالعزیز صاحب راٹھور (مرحوم) ان کی پیدائش سے قبل ہی حلقہ بگوش احمدیت ہو چکے تھے اس لئے یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ عبدالرحیم صاحب نے ایک احمدی گھرانے میں آنکھ کھولی اور اس طرح وہ پیدائشی احمدی ہیں۔

راٹھور صاحب نے مروجہ تعلیم گھر ہی میں حاصل کی۔ قرآن کریم ناظرہ پڑھا بعد ازاں چند اُردو فارسی کتب پڑھیں۔ ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۲ء تک آپ نے قادیان کے علمی ماحول میں رہ کر تعلیم حاصل کی اور ۱۹۴۲ء میں مولوی فاضل اور ۱۹۴۳ء میں میٹرک پاس کیا۔ اس کے بعد سری نگر (کشمیر) میں تعلیم حاصل کر کے پنجاب یونیورسٹی سے بی اے پاس کیا۔

شعر و شاعری سے آپ کو فطرۃً لگاؤ ہے۔ آپ کا کلام سادہ، بے تکلف، پُر تاثیر اور افادیت کا حامل ہوتا ہے۔ آپ کی منظومات از قسم حمد و نعت اور دوسرا کلام، سلسلہ عالیہ احمدیہ کے رسائل و جرائد میں برابر شائع ہوتا رہتا ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

حمد باری تعالیٰ عزّ اسمہ

اپنے پیاروں کو بتا دیجئے خدا موجود ہے
دست قدرت کا نشاں ہر چیز میں مشہود ہے

زندگی اُس نے ہی دی ہے رزق دیتا ہے وہی
صاحب لوح و قلم انساں کا معبود ہے

فطرتِ صالح میں چاہت ہے اُسی کی ذات کی
طالبِ حسن حقیقی کا وہی مقصود ہے

عام ہیں اُس کی ربوبیت کے جلوے ہر طرف
پھر درِ رحمت خدا کا کس لیے مسدود ہے

ضال اور مغضوب کی جولانیاں ہیں جابجا
منعمون کا ہی نشاں دنیا سے کیوں مفقود ہے

مژدہ فصلِ بہاراں ہو مبارک ساقیو
اب خلافت کا زمانہ تا ابد ممدود ہے

تا قیامت اتحادِ خیرِ اُمت کے لئے
"دوسری قدرت" کا جلوہ بالیقیں موعود ہے

ہر زمانے میں خطاکاروں کا ملتا ہے نشاں
ہر ورق تاریخ عمرانی کا خون آلود ہے

جس کو اپنے نفس کا عرفان حاصل ہو گیا
زندگی اُس کی حسیں ہے عاقبت محمود ہے

ایضاً

بنائی جس نے یہ دنیا وہی تو ہے خدا میرا
وہی خالق وہی رازق وہی حافظ وہی ناصر
جہاں کو جس نے رونق دی وہی ہے مدعا میرا
وہی معبود برحق ہے وہی ہے مدعا میرا

گلوں کو حسن کی دولت عطا کی جس کی قدرت نے
دیا بلبل کو نالہ غم کا جس کے حسنِ فطرت نے
کیا بارانِ رحمت جس نے اکثر خشک سالی میں
ضعیفوں کو ظفر مندی عطا کی جس کی نصرت نے

یہ گل جو گلشنوں میں جھومتے اور لہلہاتے ہیں
لباس رنگ و بو پہنے ہوئے جو مسکراتے ہیں
گلاب و یاسمین و نرگس و نسرین و نسترن
اُسی کے حسنِ پنہاں کی جھلک ہم کو دکھاتے ہیں

عطا کی اُس نے پانی کو روانی کوہساروں سے
سکھایا کشتیوں کو پار ہونا رود باروں سے
بنی آدم کو دی وہ قوت فکر و عمل اس نے
کہ حاصل کر رہا ہے برق کی رَو آبشاروں سے

وہ اپنے نیک بندوں سے ہمیشہ پیار کرتا ہے
تکلم سے کبھی اُس پیار کا اظہار کرتا ہے
جہاں والوں کو نامعلوم ہو اُس کے عقب میں
از راہِ لطف ظاہر اُن پہ کچھ اسرار کرتا ہے

نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

یہی آرزو ہے مری ربِّ باری
زباں پر ہو پیاری سی اک نعت جاری
خیابانِ یثرب میں ہر شاخِ گُل کی
کروں اشک اخلاص سے آبیاری
عقیدت کے پھولوں کی بارش ہو ہر دم
فضا میں چلے ایسی بادِ بہاری
نچھاور کروں لعل و گوہر جہاں کے
باخلاص و با جذبہ خاکساری
سدا گنبدِ سبز کے بام و در کی
بہ لعل بدخشاں کروں میناکاری
پڑھوں روضہ پاک کے روبرو پھر
سلامِ محبت بصد آہ و زاری
الٰہی کرم خیر اُمت پہ فرما
کہ تاریک شب اور طوفاں ہے بھاری
مسرت بھری صبحِ نو زود تر لا
سکوں سے بدل دے مری بے قراری

اِسی دھن میں یاد آ گیا وہ زمانہ
کہ ہر سو جہالت کے بادل تھے طاری
مجسم دیو مالا کے چکر میں بے کل
عرب بن چکے تھے بتوں کے پجاری
ہر سو فضا میں تھے جنگوں کے بادل
سکوں سے تھے محروم نر اور ناری
نہ ماں محترم تھی نہ بیٹی پیاری
ادب تھا بڑوں کا نہ کچھ پاسداری
کھلونا تھی اک صنفِ نازک جہاں میں
یہ صید زبوں اور دُنیا شکاری
کبھی بانٹ لیتے تھے ورثہ میں اس کو
کبھی زینتِ گور بنتی کنواری
ہر سو تکلم کا سکہ تھا جاری
بھلا کون سنتا وہاں آہ و زاری

یہ بگڑے ہوئے کام جس نے سنوارے
وہی ہیں محمدؐ خدا کے دُلارے

حمد و التجا

(سورۂ فاتحہ کا آزاد ترجمہ)

ہر ستائش تجھی کو ہے زیبا — اے جہانوں کے پالنے والے
تو ہے رحمٰن اور رحیم بھی ہے — رحم سینوں میں ڈھالنے والے

مالکِ یوم دین ہے نام ترا
میری محنت کا اجر کام ترا

ہم عبادت تری ہی کرتے ہیں — اور اعانت تجھی سے مانگتے ہیں
ہم کو سیدھی قریب راہ دکھا — استقامت تجھی سے مانگتے ہیں
راہ اُن خوش نصیب لوگوں کی — جن کو بخشی ہیں نعمتیں تو نے
جن پہ تو نے کیا ہے اپنا فضل — جن پہ بھیجی ہیں رحمتیں تو نے
ہم کبھی اُن کا راستہ نہ چلیں — جن پہ نازل ہوا ہے تیرا غضب
چھوڑ کر راہ جو ہوئے گمراہ — جن سے ناراض تو ہوا یارب

التجا یہ قبول فرمالے
ہاں دُعا یہ قبول فرمالے

نذرانۂ عقیدت

بحضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

گلشن ہست و بود کا سر نہاں تمہیں تو ہو — حق کی قسم کہ مقصد کون و مکاں تمہیں تو ہو

جس کے ظہور کے لئے شام و سحر تھے بے قرار
جانِ وجود و حاصلِ دورِ زماں تمہیں تو ہو

جس کے سفیر مہر و مہ، جس کی سپہ ملائکہ
جس کے جلو میں ہے جہاں، میرِ جہاں تمہیں تو ہو

مقصدِ آفریدگارِ عالمِ آب و گل نہیں
اُس کی تمہیں ہو کائنات، اس کا جہاں تمہیں تو ہو

وہ شبِ تار جس میں تھا نورِ خدا حجاب میں
اُس کی سحر تمہیں تو ہو، اس کی اذاں تمہیں تو ہو

جس کا وجود بے دلیل، جس کی نمود بے نشاں
اُس کی دلیل ہو تمہیں، اس کا نشاں تمہیں تو ہو

وہ جو ازل سے آج تک چشمِ بشر سے ہے نہاں
اُس کا جمال ہو تمہیں، اس سے عیاں تمہیں تو ہو

تم سے بہارِ جاوداں باغِ وجود کو ملی
باغِ وجود کے لئے آبِ رواں تمہیں تو ہو

تازہ ہر ایک دور میں جس کا پیامِ شوق ہے
عرصۂ کُن فکاں میں وہ عزمِ جواں تمہیں تو ہو

جس کا شکار جبرئیل جس کا نشانہ لامکاں
جس کی کماں سے متصل ہے جو کماں تمہیں تو ہو

تم سے زمیں پہ انقلاب تم سے فلک پہ فتحیاب
تم سے کشورِ "الکتاب" حق کی زباں تمہیں تو ہو

جس کا غبارِ رہگزر شوکتِ کیقباد و جسم
مملکتِ جہاں میں وہ شاہِ شہاں تمہیں تو ہو

سوز و ساز

(حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی یاد میں)

مجھے یہ فکر نہیں آسماں رہے نہ رہے
مہ و نجوم کا یہ کارواں رہے نہ رہے

مجھے یہ فکر نہیں آفتاب بجھ جائے
مجھے یہ فکر نہیں کہکشاں رہے نہ رہے

مجھے تو فکر تری زندگی کی تھی پیارے
مجھے یہ فکر نہیں یہ جہاں رہے نہ رہے

مجھے تو جانِ بہاراں خیال تھا تیرا
یہ اضطراب نہیں گلستاں رہے نہ رہے

ترے وجود سے رنگین تھا آشیانِ حیات
تو آشیاں میں نہیں آشیاں رہے نہ رہے

مرے زمان و مکاں سے کیا ہے تو نے سفر
مرے لئے یہ زمان مکاں رہے نہ رہے

تری حکایتِ ہستی کا باب ختم ہوا
کسی کی زیرِ فلک داستاں رہے نہ رہے

خموش ہو گئی تیری زبان عقدہ کشا کسی فصیح کے منہ میں زباں رہے نہ رہے
ترے غلام ترے آستاں پہ شاداں تھے جہاں میں اور کوئی آستاں رہے نہ رہے
اب اور منزل ہستی میں دلکشی کیا ہے ترے بغیر یہ عمر رواں رہے : رہے
ترے بغیر منور رہ حیات نہیں
ترے بغیر مکمل یہ کائنات نہیں

ترے وجود سے اوجِ وقار باقی تھا تری بہار سے نازِ بہار باقی تھا
اگرچہ تیری علالت سے فکرمند تھے ہم دُعائے دل پہ مگر اعتبار باقی تھا
مگر کچھ اور تھی ربِ جلیل کی مرضی دُعا کے بعد اُسے اختیار باقی تھا
جوارِ عرش بریں میں بُلا لیا ہے تجھے ترے لئے ہی فرمانِ یار باقی تھا
خوشا وہ وقت کہ سالارِ کارواں تھا تو ترا خرام سرِ رہگذار باقی تھا
خوشا وہ وقت کہ تھاما تھا تیرے دامن کو خوشا وہ وقت کہ تیرا کبار باقی تھا
خوشا وہ وقت کہ سونپی تھی زندگی تجھ کو جہانِ دل پہ تیرا اختیار باقی تھا
خوشی کہ شاد تھیں تیرے جمال سے آنکھیں سکونِ دل تھا میسر قرار باقی تھا
یہ آرزو تھی در و بام قادیاں دیکھیں تری نگاہ میں یہ انتظار باقی تھا
یہ انتظار تھا باقی کہ تھک گئیں آنکھیں
نمودِ صبح سے پہلے جھپک گئیں آنکھیں
تو سو گیا ہے تجھے ہوشیار کون کرے جو دل پہ بیت گئی آشکار کون کرے
جنہیں نصیب تھی تیرے کنار کی راحت بتا کہ آج انہیں ہم کنار کون کرے
شفیق باپ کی تمثیل تھی تیری ہستی جو لاڈلے تھے ترے ان سے پیار کون کرے
ترے دیار میں آئے ہیں تیرے شیدائی نظر اداس ہے سیرِ دیار کون کرے
جہاں دل سے ہوئی ہے تری بہار وداع جہانِ دل کی خزاں کو بہار کون کرے

ترا سفینہ نگاہوں سے ہو گیا اوجھل — تسلی نگہ اشکبار کون کرے
ترے ملاپ کی ٹھہری ہے بات محشر پر — خلیج یہ تری فرقت کی پار کون کرے
میں انتظار تو کروں ترا قیامت تک — مگر علاجِ دلِ بے قرار کون کرے
وہ سوز و سازِ محبت، یہ درد و داعِ فراق — یہ داستان ہے ذرا اختصار کون کرے

ابھی تھا مرحلہ شوق میں جہاں اپنا
خدا پہ چھوڑ گیا ہے تو کارواں اپنا

استفسار

یہ گلستانِ رنگ و بو کیا ہے؟ — گل ہیں کیا چیز آبجو کیا ہے؟
اس صنم خانہ عناصر میں — روحِ انساں کو جستجو کیا ہے؟
چھپ کے نظروں سے کون بیٹھا ہے؟ — حق و باطل کی گفتگو کیا ہے؟
ہو رہا ہے حرم میں کس کا طواف؟ — میکدے میں یہ ہاؤ ہو کیا ہے؟
کیا ہے مقصود گریۂ شبنم ؟ — چشمِ نرگس کی آرزو کیا ہے؟
کیوں قبا چاک ہے شگوفے کی ؟ — لالہ و گل کے روبرو کیا ہے؟
دل کو حاصل قرار سا کیوں ہے؟ — حسن مہتاب سادہ رو کیا ہے؟

عشق کیا ہے فریبِ حسن ہے کیا؟
یہ تماشائے ماؤ تو کیا ہے؟

مقامات

فیضانِ رسالت سے ہیں امت کے کمالات — مہتاب میں ضو ریز ہیں خورشید کے لمحات

صدیق کا رتبہ کہ نبوت کا ہو اعزاز
سب کیا ہیں محمد کی غلامی کے مقامات

تو چاہے تو دشوار نہیں معرفتِ حق
مرقوم ہیں ہر برگِ گل و لالہ پہ آیات

بنیاد بنیں معجزۂ تازہ بتازہ
کافی نہیں ایماں کے لئے محض حکایات

وہ رات کہ مائل بہ کرم حُسنِ ازل تھا
آتی ہے مجھے یاد ابھی تک وہ حسیں رات

جب روح دربار پہ سجدے میں گری تھی
اللہ رے کیا چیز تھے وہ شوق کے لمحات

خوش بخت وہی ہے کہ جسے پیار ہے تجھ سے
کہنے کو بہت لوگ ہیں دنیا میں خوش اوقات

قطعات

حریفِ شعلۂ بے باک ہوں میں
مری ہستی ہے کیا خاشاک ہوں میں
کیا دل دے کے مجھ کو محرمِ ذات
وگرنہ ایک مشتِ خاک ہوں میں

نگاہِ شوق سے پیدا جہاں ہے
نگاہِ شوق رازِ کُن فکاں ہے
چھپا ہے کون جسمِ آرزو میں
نگاہِ شوق کس کی ترجماں ہے

نوجوانوں کو محبت کی نظر دے
گدازِ نیم شب آہِ سحر دے
یہ بیگانہ ہیں سرِ زندگی سے
جنونِ عشق کی ان کو خبر دے

مہ و مہر و گل و لالہ میں بھٹکی
نگاہِ شوق تیری جستجو میں
بتوں کی آرزو میں گم رہا دل
تو پوشیدہ تھا دل کی آرزو میں

مرے حسنِ عمل میں ہو تیرا ہاتھ ‏ مری کوشش میں ہو تیرا اشارہ
یہی عظمت ہے میری زندگی کی ‏ مرا ہستی سے تو ہو آشکارا

اکیلا تھا میں گلزارِ جہاں میں ‏ مرے غم سے جہاں ناآشنا تھا
ندا آئی ترا کوئی نہیں ہے؟ ‏ مرے بندے مری آغوش میں آ

حضورِ نیم شب آہِ سحر دے ‏ سرورِ عشق سے معمور کر دے
شکستِ ساغرِ ہستی سے پہلے ‏ مرے ساقی! مرا پیمانہ بھر دے

سہانی آخرِ شب کی گھڑی ہے ‏ اُٹھ اے غافل تجھے نیند آگئی ہے
خدا بیدار بندہ خواب میں مست ‏ تقاضائے محبت کیا یہی ہے؟

اگر غافل ہوں میں مہرِ خدا بخش ‏ اگر مجرم ہوں میں میری سزا بخش
تری محفل کا ہوں ادنیٰ مغنی ‏ ہنر کی داد دے سہو و خطا بخش

مرے پیکر کی خاکِ خام کیا ہے؟ ‏ مرے آغاز کا انجام کیا ہے؟
تری دنیا کی زینت مہر و مہتاب ‏ تری دنیا میں میرا کام کیا ہے؟

اے دوست مری زیست کا مقصود ہے تو ‏ رنگین ہے تری لے سے مرے دل کا سبو
اوروں کے لئے کوثر و تسنیم بہشت ‏ میرے لئے فردوس ہے تیرا پہلو

زندہ ہو اگر دل تو سحر کافی ہے ‏ رنگینیِ گُل پہ اک نظر کافی ہے
صانع کا مصنوع سے ملتا ہے سراغ ‏ آنکھیں ہوں تو اک برگِ شجر کافی ہے

تو خاک درخشندہ ہے بے نور نہیں — تو بندہ آزاد ہے مجبور نہیں
ابلیس کی نسبت ہے خدا تجھ سے قریب — تو عرش معلیٰ سے بہت دُور نہیں

یہ پھول یہ کلیاں یہ شگوفے یہ بہار — یہ چاندنی یہ جھیل یہ عکس کہسار
صناعی یزداں کی مرتب میں ہو غرق — یہ مست گھڑی معبد فطرت میں گزار

ہے کتنی حسین یہ رات میرے مولا — پاکیزہ ہے تیری ذات میرے مولا
یہ لمحہ، یہ ہنگام یہ نورِ مہتاب — سجدے میں ہے کائنات میرے مولا

اُٹھ دوست کہ تعمیرِ جہاں فانی ہے — اُٹھ بزم گہِ کون و مکاں فانی ہے
مےخانہ درویش سے مانگ آبِ حیات — اُٹھ دیر نہ کر عمرِ رواں فانی ہے

تو دُور بھی نزدیک ہے، نزدیک بھی دُور — شہ رگ سے قریب ہے نگہ سے مستور
اُس وقت تو کرتا ہے مرے دل سے کلام — جب پھول پہ سو جاتا ہے مہتاب کا نور

وہ مے کہ بہارِ بے خزاں ہے جس سے — وہ مے کہ شبابِ جاوداں ہے جس سے
میخانہ قرآن سے عطا کرتے ہیں — وہ مے کہ بہشت بھی جواں ہے جس سے

آزاد ہوں افکارِ جہاں سے پیارے — آرام میں ہوں دردِ نہاں سے پیارے
اک ساعتِ زندگی ترے پہلو میں — خوشتر ہے حیاتِ جاوداں سے پیارے

عطاؔ۔ جناب چوہدری عطا اللہ صاحب

چوہدری عطاء اللہ صاحب ولد چوہدری غلام حیدر صاحب چک نمبر ۳۴ جنوبی ضلع سرگودھا یکم جون ۱۹۲۴ء کو پیدا ہوئے۔ آپ پیدائشی احمدی ہیں۔ آپ ایک زمیندار خاندان کے چشم وچراغ ہیں۔ آپ کے آبا و اجداد دیاریوال ضلع گورداسپور سے ترک سکونت کر کے اولاً ضلع سیالکوٹ بعد ازاں ۱۹۰۵ء کے لگ بھگ ضلع سرگودھا میں آباد ہو گئے۔ والد صاحب نمبردار تھے اور حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے مریدانِ باصفا میں شامل تھے۔

عطا صاحب نے بی اے کرنے کے بعد محکمہ خوراک میں بطور انسپکٹر ملازمت کی ابتدا کی جو دو تین سال تک چلتی رہی۔ ۱۹۴۹ء میں جب ربوہ کی تعمیر شروع ہوئی تو ملازمت سے استعفا دے کر ربوہ چلے آئے اور بطور معاون تشخیص بیت المال کام کیا پھر پانچ سال کے قریب بطور معاون ناظر امور عامہ خدمات انجام دیں۔ ۱۹۵۵ء میں محکمہ تعلیم میں ملازمت شروع کی۔ ۱۹۶۱ء میں آپ ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر بنا دیے گئے۔ ان کے دو مکانات ربوہ میں ہیں اور بعد ملازمت یہیں سکونت اختیار کرنے کا ارادہ ہے

ذاتی حالات

آپ کی شادی چک نمبر ۸ جنوبی بھلوال کے دڑائچ خاندان میں ہوئی۔ آپ کی ایک صاحبزادی جو اُردو میں ایم اے اور بی ایڈ ہے جرمنی میں ہے۔ بڑے صاحبزادے تجارت کرتے ہیں اور ایک ربوہ میں جنرل اسٹور چلا رہے ہیں۔ ایک صاحبزادے جرمنی میں ہیں اور دو بیٹے جرمنی سے واپس آکر تکمیل تعلیم میں مشغول ہیں۔ عطا صاحب واقف زندگی بعد از ریٹائرمنٹ بھی ہیں۔

شاعری میں تلمذ

الطاف حسین مشہدی کی تحریک پر آپ نے میدانِ شاعری میں قدم رکھا۔ کالج کا زمانہ تھا۔ مشہدی صاحب سالانہ مشاعروں میں شرکت کی خاطر فیصل آباد آتے اور عطا صاحب کے یہاں قیام فرماتے۔ عطا صاحب کو بھی مشاعروں میں شمولیت کا شوق تھا۔ مختلف شعراء کے کلام سے متاثر ہو کر شاعری کی ابتدا کی اور مشہدی صاحب کو اپنا کلام دکھاتے رہے لیکن کالج کے بعد یہ سلسلہ قائم نہ رہ سکا۔ آپ کے گاؤں کے قریب ہی دوسرے گاؤں میں ڈاکٹر وزیر آغا کا قیام تھا۔ عطا صاحب روزانہ اُس گاؤں میں والی بال کھیلنے جاتے اور ساتھ ہی ساتھ ڈاکٹر صاحب کی لائبریری میں بیٹھ کر کتب بینی بھی کرتے۔ یہ ۱۹۵۵ء تا ۱۹۵۹ء کی بات ہے۔

پسندیدہ شعراء

ابتداءً مولانا حالی اور مرزا غالب کے کلام سے بعد ازاں ڈاکٹر اقبال کے کلام سے بےحد متاثر ہوئے۔ زمانہ کالج کے مشاعروں میں جگر مراد آبادی، حفیظ جالندھری، فیض احمد فیض، احسان دانش کے کلام نے ان پر گہرا اثر چھوڑا۔ احمدی شعراء میں آپ ثاقب زیروی، مولانا مصلح الدین راجیکی اور مولانا مبشر احمد راجیکی سے بہت متاثر ہوئے۔ مولانا مبشر راجیکی سے اصلاح بھی لیتے رہے۔ سید سجاد احمد سے بھی مشورہ سخن کرتے رہتے ہیں۔

آپ کی چند نظمیں مصباح میں شائع ہوئیں۔ ہفت روزہ "لاہور" میں بھی آپ کی منظومات اشاعت پذیر ہوئیں۔ بہت کم لکھتے ہیں لیکن جب لکھنے پر آتے ہیں تو صفحے کے صفحے رنگین کر دیتے ہیں۔

نمونہ کلام

دل میں ذوقِ بندگی بھی چاہیئے
آنکھ میں پاکیزگی بھی چاہیئے

تلخیِ دوراں سے افسردہ ہے دل
کچھ نہ کچھ آسودگی بھی چاہیئے

بندگی میں زندگی کا راز ہے　　　زندگی میں بندگی بھی چاہیے

غم زدہ رہتا ہے اکثر یہ عطاؔ
اس کے دل کو کچھ خوشی بھی چاہیے

جستجو

اے خدا مقصود تھی مجھ کو جو تیری جستجو　　　ڈھونڈتا پھرتا رہا میں قریہ قریہ کو بکو

تیری عظمت کا تصور تھا تخیل پر سوار　　　ہر بڑی شے کو سمجھتا تھا کہ شاید ہے وہ تو

میں نے جب دیکھا سمندر تو اُسے سمجھا خدا　　　اُس نے جب پوچھا تو بول اُٹھا کہ دھوکے میں ہے تو

میں تو ہوں اُس خالق و مالک کی تخلیق حقیر　　　وہ ہے بحرِ بیکراں اور میں ذرا سی آبجو

صبحدم خورشید کو دیکھا تو دھوکہ کھا گیا　　　اُس سے جب پوچھا تو یوں کہنے لگا وہ شعلہ رو

توبہ توبہ میں تو ہوں اس پاک ہستی کا غلام　　　یعنی لاشئے محض ہوں اس کبریا کے روبرو

چودھویں کا چاند دیکھا جب بوقت نیم شب　　　دل پکار اٹھا کہ شاید ہے یہی وہ خوبرو

میں نے پوچھا تو وہ بولا بیوقوف انسان سُن　　　پرتو نور ازل سے بس ہے میری آبرو

میں بڑھا آگے تو دیکھا اک کوہ بلند　　　میں یہ سمجھا مل گیا وہ جس کو ڈھونڈا چار سو

میں نے پوچھا تو کہا اس نے بہ رنگ انکسار　　　میں تو اک ناچیز ذرہ ہوں خدا کے روبرو

ڈھونڈتا پھرتا ہے جس کو تو خس و خاشاک میں
وہ تو ہے اک نور جو رہتا ہے قلب پاک میں

عبید اللہ علیمؔ

عبید اللہ نام - علیمؔ تخلص - ۱۲ جون ۱۹۳۹ء آپ کی تاریخ پیدائش ہے۔
شاعری آپ نے ۵۶-۱۹۵۵ء سے شروع کی لیکن ۱۹۵۸ء تک جو لکھا وہ سب تلف کر دیا
آپ نے اپنا پہلا شعری مجموعہ ۱۹۷۴ء میں شائع - اس میں ۱۹۵۹ء سے لے کر ۱۹۷۴ء تک کا کلام شامل
ہے۔ اس لحاظ سے اپنی شاعری کا آغاز ۱۹۵۹ء سے کیا۔ آپ کا پہلا شعری مجموعہ کلام "چاند چہرہ ستارہ
آنکھیں" پہلی مرتبہ ۱۹۷۴ء میں شائع ہوا۔ اس مجموعہ پر آپ کو ۱۹۷۴ء کا آدم جی ادبی انعام بھی ملا۔ اب
اس کا ساتواں ایڈیشن اور چودھواں ہزار شائع ہونے کو ہے۔ آپ کا دوسرا مجموعہ "ویران سرائے کا دیا"
۱۹۸۶ء میں شائع ہوا۔ اب اس کا تیسرا ایڈیشن آنے کو ہے۔ آپ کا کلام ۱۹۵۹ء سے آج تک باقاعدہ
اُردو کے اہم جرائد میں شائع ہوتا رہا ہے اور اکثر و بیشتر اخبارات بھی نقل کرتے رہے ہیں۔ آپ کی
شاعری اور شخصیت پر بے شمار تبصرے اور مضامین مختلف جرائد میں شائع ہوتے رہے اور آج کل
آپ کے ایک دوست ان سب تبصروں کو جمع کر کے شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آپ نے شعر و ادب
کے سلسلے میں جو مضامین لکھے ہیں وہ الگ جمع کئے جا رہے ہیں اور جلد کتابی صورت میں شائع ہو جائیں
گے۔ آپ ۱۹۷۹ء سے تا حال رائٹرز گلڈ کی مرکزی مجلس عاملہ کے منتخب رکن ہیں۔ ریڈیو سے آپ
کے لاتعداد انٹرویو نشر ہوتے رہے ہیں۔ آپ نے بیشمار مشاعروں میں شرکت کی ہے۔ تقریباً تمام
مشہور گانے والوں نے آپ کی غزلیں، نظمیں اور گیت گائے ہیں جو ریڈیو پاکستان سے نشر ہوتے
رہتے ہیں۔ ۱۹۷۶ء میں ٹیلی وژن کے سخنور پروگرام میں یوسف کامران نے انٹرویو لیا تھا جو کئی بار نشر
ہو چکا ہے۔ آپ نے ٹیلی وژن پروڈیوسر کی حیثیت سے ۱۹۶۷ء سے ۱۹۷۸ء تک کام کیا ہے۔
بی بی سی لندن سے دو تین بار انٹرویو نشر ہو چکے ہیں۔ گزشتہ دنوں آپ نے امریکہ اور کناڈا کا دورہ

کیا۔ امریکہ کے مختلف شہروں میں انٹرویو ریکارڈ ہوئے اور نشر کئے گئے۔ ہندوستان بھی آپ دو مرتبہ جا چکے ہیں۔ وہاں بھی مشاعرے پڑھے اور مختلف شہروں سے آپ کے انٹرویو نشر ہوئے دنیا بھر میں آپ کے سننے اور پسند کرنے والوں کا ایک حلقہ بن چکا ہے

احمد ندیم قاسمی صاحب نے آپ کے پہلے مجموعہ کی تقریب میں ایک مضمون پڑھا تھا۔ بعد ازاں اپنے رسالہ فنون میں شائع کیا۔ آپ کی شاعری پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ فنون کا غزل نمبر سنہ ۱۹۶۹ء میں دو جلدوں میں شائع ہوا تھا۔ اس میں آپ کا بہت سا کلام شائع ہوا۔ اور کلام پر تذکرے بھی اور ایک مضمون بھی لکھا گیا۔ آپ کا اپنی شاعری کے متعلق جو خیال ہے وہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"میری شاعری تو بس ان خلافتوں کی دعاؤں کا صدقہ ہے۔ ورنہ احمدی شاعر اور اس فضا میں پھل پھول سکے۔ ناممکن۔ میرے پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے تو اپنی دعاؤں اور احسانات سے میری وہ قدر افزائی فرمائی ہے کہ اگر میں اپنے اوپر لکھے ہوئے سارے مضامین ایک پلڑے میں رکھوں اور حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی دعا اور میری شاعری پر زبانی اور تحریری فقرے دوسرے پلڑے میں رکھ دیئے جائیں تو یہ پلڑا اتنا بھاری ہو جائے کہ تمام چیزیں ہیچ ہو جاتی ہیں اور یہ میرے اور میری نسلوں کے لئے اتنا بڑا انعام ہے کہ اس سے آگے کوئی انعام تصور میں نہیں آسکتا۔"

عبیداللہ علیم ایک منجھے ہوئے صاحب طرز شاعر ہیں۔ اور ان کا مندرجہ بالا بیان حقیقت کا آئینہ دار ہے۔ اس ادبی کساد بازاری کے دور میں عام شعراء کو بھی اپنا اپنا دیا جلائے رکھنے میں جن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تو پھر احمدی شعراء کا جو حال ہونا چاہیئے وہ بھی کوئی راز نہیں۔ ان حالات میں کسی احمدی شاعر کی اتنی پذیرائی اگر فضل ایزدی اور دعاؤں کا معجزہ نہیں تو اور کیا ہے؟ علیم صاحب کا تمام کلام ہی قابل داد و لائق تحسین ہے لیکن یہاں بطور نمونہ کلام کچھ حصہ پیش کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ قارئین اُن کے دونوں مجموعہ کلام کا مطالعہ فرمائیں

گے اور لطف اندوز ہوں گے۔

مناجات بدرگاہِ قاضی الحاجات

گنہ تو ہے جو دل پر دیکھنے والا فقط تو ہے
اندھیرے میں اجالا دھوپ میں سایہ فقط تو ہے

گدائے دہر کا کیا ہے اگر یہ در نہیں وہ ہے
تیرے در کے فقیروں کی تو کل دنیا فقط تو ہے

تو ہی دیتا ہے نشہ اپنے مظلوموں کو جینے کا
ہر اک ظالم کا نشہ توڑنے والا فقط تو ہے

وہی دنیا وہی اک سلسلہ ہے تیرے لوگوں کا
کوئی ہو کربلا اس دین کا رکھوالا فقط تو ہے

ہواؤں کے مقابل بجھ ہی جاتے ہیں دیئے آخر
مگر جس کے دیئے جلتے رہیں ایسا فقط تو ہے

عجب ہو جائے یہ دُنیا اگر کھل جائے انساں پر
اس ویراں سرائے کا دیا تنہا فقط تو ہے

ہر اک بے چارگی ہے بے بسی میں اپنی رحمت کا
جو دل پر ہاتھ رکھتا ہے خداوند فقط تو ہے

مرے حرف و بیاں میں آئینوں میں آبگینوں میں
جو سب چہروں سے روشن تر ہے وہ چہرہ فقط تو ہے

نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ایسی تیز ہوا اور ایسی رات نہیں دیکھی
لیکن ہم نے مولا جیسی ذات نہیں دیکھی

اس کی شان عجیب کا منظر دیکھنے والا ہے
اک ایسا خورشید کہ جس نے رات نہیں دیکھی

بستر پر موجود رہے اور سیرِ ہفت افلاک
ایسی کسی پہ رحمت کی برسات نہیں دیکھی

اُس کی آل وہی جو اس کے نقش قدم پہ چلے
صرف ذات کی ہم نے آلِ سادات نہیں دیکھی

ایک شجر ہے جس کی شاخیں پھیلتی جاتی ہیں
کسی شجر میں ہم نے ایسی بات نہیں دیکھی

اک دریائے رحمت ہے جو بہتا جاتا ہے
یہ شان برکات کسی کے ساتھ نہیں دیکھی

شاہوں کی تاریخ بھی ہم نے دیکھی ہے لیکن
اُس کے در کے گداؤں والی بات نہیں دیکھی

اُس کے نام پہ ماریں کھانا اب اعزاز ہمارا — اور کسی کی یہ عزت اوقات نہیں دیکھی
صدیوں کی اس دھوپ چھاؤں میں کوئی جیت بتلائے — پوری ہوتی کون سی اس کی بات نہیں دیکھی

اہلِ زمیں نے کون سا ہم پہ ظلم نہیں ڈھایا
کون سی نصرت ہم نے اس کے ہات نہیں دیکھی

غزل

جو مہرباں کوئی چہرہ نظر بھی آتا ہے — تو دل میں گندے زمانوں کا ڈر بھی آتا ہے
ہرے بھرے مرے خوابوں کو روندنے والو — خدائے زندہ زمیں پہ اتر بھی آتا ہے
وہ پیاس ہے کہ دُعا بن گیا ہے میرا وجود — کب آئے گا جو کوئی ابرِ تر بھی آتا ہے
کبھی جو عشق تھا اب مکر ہو گیا میرا — سمجھ سکے نہ کوئی یہ ہنر بھی آتا ہے
ابھی چلا بھی نہ تھا اور رک گئے پاؤں — یہ سوچ کر کہ میرا ہم سفر بھی آتا ہے
یہ میرا عہد، یہ میری دکھی ہوئی آواز — میں آ گیا جو کوئی نوحہ گر بھی آتا ہے

کوئی چرا کے مجھے کیسے چھپ سکے کہ علیم
لہو کا رنگ مرے حرف پر بھی آتا ہے

دل ہی تھے ہم دُکھے ہوئے تم نے دُکھا لیا تو کیا — تم بھی تو بے اماں ہوئے ہم کو ستا لیا تو کیا
آپ کے گھر میں ہر طرف منظرِ ماہ و آفتاب — ایک چراغِ شام اگر میں نے جلا لیا تو کیا
باغ کا باغ آپ کی دسترسِ ہوس میں ہے — ایک غریب نے اگر پھول اُٹھا لیا تو کیا
لطف یہ ہے کہ آدمی عام کرے بہار کو — موجِ ہوائے رنگ میں آپ نہا لیا تو کیا

عشرت جناب عبدالجلیل صاحب عشرت لاہوری

جناب عبدالجلیل صاحب عشرت برادر اصغر جناب عبدالمجید صاحب سالک (مرحوم) نے وعدہ فرمایا تھا کہ اپنے سوانح حیات اور نمونہ کلام جلد عنایت فرمائیں گے لیکن باوجود متعدد زبانی اور تحریری یاددہانیوں کے تادم تحریر اُن کی نوازش کا انتظار ہے۔ وہ اپنی کسرِنفسی کے باعث اس طرف مائل نظر نہیں آتے لیکن کوشش برابر جاری ہے اگر اس مجموعہ کی کتابت کے وقت تک بھی ان کی طرف سے ضروری معلومات فراہم ہوگئیں تو شامل تذکرہ کر دی جائیں گی۔

وہ خود بھی ایک قادر الکلام شاعر ہیں اور اُن کے برادر اکبر مولانا عبدالمجید صاحب سالک مرحوم بھی برصغیر پاک و ہند کے نامور شاعر، ادیب اور صحافی تھے۔ پہلے روزنامہ "زمیندار" لاہور کے مدیر رہے پھر مولانا غلام رسول مہر بی اے کے ساتھ مل کر اخبار "انقلاب" لاہور سے جاری کیا جس کے سرنامہ پر یہ شعر لکھا ہوتا تھا ؎

آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا
آسماں ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک

اخبار "انقلاب" ایک کثیر الاشاعت اخبار تھا جو اپنی معتدل پالیسی کے سہارے عرصہ دراز تک جاری رہا اور ملک گیر شہرت کا حامل بنا۔ خصوصاً مولانا سالک کے حکایات کا کالم خواص و عوام میں مقبول تھا۔

عشرت صاحب کے والد ماجد بھی شعر کہتے تھے۔ اُن کا تذکرہ اب اسی مجموعہ میں دوسری جگہ ملاحظہ فرمائیں گے۔

پروفیسر مبارک احمد عابدؔ

نام مبارک احمد، تخلص عابدؔ

ولدیت ، میاں غلام قادر صاحب مرحوم

پیدائش ، سنہ ۱۹۲۲ء کلاسوالہ ضلع سیالکوٹ

تعلیم ایم اے ، مقامات تعلیم ، سیالکوٹ ، ربوہ ، لاہور

پیشہ ۔ تدریس (پہلے گورنمنٹ تعلیم الاسلام کالج ربوہ اب نصرت جہاں اکیڈمی (انٹر کالج ربوہ)

ادبی و شعری ذوق بچپن سے ہے ۔ سو سے زائد نثری و شعری رشحاتِ قلم شائع ہو چکے ہیں ۔ مجموعہ کلام (مختصر) "درد کے شہر میں" سنہ ۱۹۸۰ء میں شائع ہو چکا ہے ۔ نیا مجموعہ کلام زیرِ ترتیب ہے ۔

نمونہ کلام

سفرِ یورپ

تو سورج کی مانند مشرق سے نکلا
چلا سوئے مغرب سویرے سویرے

ترے دل میں یہ آرزو ضوفشاں ہے
کہ چھٹ جائیں یورپ کے دل سے اندھیرے

ترا عزم یہ ہے کہ تبلیغ دیں ہو
نظر میں سماں ہوں ہر سمت حق کے پھریرے

محمدؐ کے گن گائے یہ ساری دنیا
تجھے ہے یہ دُھن رب زمانے کو پھیرے

ترے ساتھ ہوں رحمتیں ذوالمنن کی
جہاں پر بھی آ تا ہوں تیرے بسیرے

ہر اک جا پہ برکت ترے دم قدم سے   جہاں بھی ہے تو شفقتوں کے ہیں ڈیرے

خدا تجھ کو ہر گام پہ بخشے نصرت
دُعائیں ہیں عابد کی بھی ساتھ تیرے

غزل

اے اشک یوں نہ آنکھوں سے باہر نکل کے چل
تو راز دار عشق ہے چل پر سنبھل کے چل

بارش کی آس کے لئے اک بوند ہے بہت
جب تک کہ اک چراغ سے بھی نور چھلکے چل

کس کے لئے رُکے ہیں یہ دریا یہ قافلے
ہو نہ شکستہ پائی پہ اے دوست بلک چل

کتنے فریب کھا کے بھی دل چاہے ہم سفر
تو میرے ساتھ کوئی نئی چال چل کے چل

وہ باغ جانفزا بھی تیرے راستے میں ہے
اے شاخِ بے مراد تو بھی پھول پھل کے چل

مانا کہ راہِ شوق میں کوہِ گراں بھی ہے
بے تاب نہ ہو صبر کے سانچے میں ڈھل کے چل

اک اک قدم پہ سب تجھے پہچان جائیں گے
نہ آئینوں کے شہر میں صورت بدل کے چل

عابد کب ہاتھ آئے ہیں بادل ہوا اور دھوپ
سایوں کے پیچھے پیچھے نہ ایسے اُچھل کے چل

ہم کو یہ چاہت کہاں تھی بے ارادہ ہو گئی
بے قراری شوق کی حد سے زیادہ ہو گئی

ایک ہم کہ کیا دیا ہے اس کو زخموں کے سوا
ایک وہ آغوش کہ پھر بھی کشادہ ہو گئی

جب بھی وہ سورج ہوا گرمِ سفر تو راہ میں
برف کی دیوار کوئی ایستادہ ہو گئی

جونہی وہ محفل میں آیا دل کھنچے اس کی طرف
ہر کسی کی آنکھ محوِ استفادہ ہو گئی

تتلیوں کے پَر اگرچہ مختصر سے ہیں مگر
ان کی چھاؤں قریہ قریہ جادہ جادہ ہو گئی

جب چلے ہم ساتھ اس کے یہ خبر بھی نہ ہوئی
طے مسافت زندگی کی پا پیادہ ہو گئی

اس کی خوشبو آ رہی ہے تیری ہر اک بات سے
تم کو چاہت تو نہیں اس سے مبادا ہو گئی

ہر دھنک ہر رنگ عابدؔ تھا اسی گلفام سے
زندگی اس سے بچھڑ کر کتنی سادہ ہو گئی
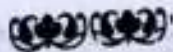
میں نے پوچھا تھا کہ موسم کھل گیا
اور اُن آنکھوں میں کاجل گھل گیا

اک کٹورے کی طرح گردش پذیر
آدمی بھی ذائقوں میں تُل گیا

دھوپ نکلی پھول کے آنسو اُڑے
اس کا جی ہلکا ہوا مُنہ دُھل گیا

تم بھی اس محفل سے اُٹھ کر چل دیئے
کون تھا اپنا اثاثہ کھل گیا

آج اتنا شور ہے شہر میں
آئینوں کے ٹوٹنے کا غُل گیا

چاند تو دریا کے رستے آگیا
اور پورا شہر سوئے پل گیا

آرزوؤں نے خرابے چُن لئے
میرا ہر ارمان عابد رُل گیا

لئیق احمد عابد

نام لئیق احمد، تخلص عابد۔ آپ یکم فروری ۱۹۵۴ء کو جڑانوالہ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ایم اے (عربی)، ایل ایل بی کیا۔ ۴ سال وکالت کر کے ۱۹۸۳ء میں وقف زندگی کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس وقت بطور ایڈیشنل وکیل المال اوّل کے خدمت کی توفیق مل رہی ہے۔

نمونہ کلام

یٰسین تجھے لکھوں کہ طٰہٰ تجھے لکھوں
سوچتا ہوں میرے آقا کہ میں کیا کیا لکھوں

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا لکھوں
سارے اوصاف کا مظہر تو ہے تنہا لکھوں

تیری آمد سے گلستانِ نبوت میں بہار
گل و نرگس تجھے لکھوں کہ میں لالہ لکھوں

نام آ جائے غلامانِ محمدؐ میں میرا
مجھ سے پوچھو تو یہی حرفِ تمنا لکھوں

نقش در نقش تیرے حسن کے جلوے دیکھوں
عکس در عکس تیرا چاند ابھرتا لکھوں

تیر ہر ایک لیا ہاتھ پہ اُف نہ نکلی
تیرے عشاق میں ایک نام میں طلحہ لکھوں

چشمِ عاشق میں جھلکتا ہوا اک سبز سا رنگ
میں جو دیکھوں تو اسے تو گنبدِ خضرا لکھوں

مجھ کو جس لمحہ میں ہو آپ کا دیدار نصیب
زندگانی کا میں حاصل وہی لمحہ لکھوں

تو ہی اول اور تو ہی آخر تو ہی مقصودِ حیات
تیری چاہت کو ہی میں روح کو سجدہ لکھوں

تیری ہر جنبشِ لب وحی الٰہی پیارے
تو جو بولے تو اسے وحی یوحیٰ لکھوں

تیری مدحت میں کروں وقف میں اپنے اشعار
میں جو لکھوں تو فقط تیرا قصیدہ لکھوں

سارا عالم ہے تیرا چاہنے والا لیکن
میں تو آقا تجھے اپنا فقط اپنا لکھوں

سر بزم تیرا ہی ذکر ہے تیرا ذکر سب میں ہے مشترک
ہے جفاؤں کا ہے وفاؤں کا تیرا ذکر کتنا عجیب ہے

جو چلا تو حدِ خیال سے میں بہت ہی دُور نکل گیا
جو پلٹ کے دیکھا تو ہم نفس مرے پاس ہے تو مرے قریب ہے

نہ گلہ کوئی نہ شکایتیں نہ مزے مزے کی حکایتیں
یہ جو میرا سینۂ فگار ہے مرے دوست میرا نصیب ہے

میں جب بھی سر بسجود تھا زمین سے آئی یہی صدا
تیری ہر پکار سُنے گا وہ جو سمیع بھی ہے جو مجیب ہے

مرے سارے دُکھ جو سمیٹ لے مرے درد کی جو دوا کرے
مجھے اپنے بخت پہ ناز ہے مجھے مل گیا وہ طبیب ہے

رہا کوئی غم نہ کوئی خطر سرور ہم کو عطا ہوا
لو آ گیا وہ بادشاہ جو ظریف ہے جو نجیب ہے

مری سوچ میرے خیال کا ہر زاویہ ہے اسی جگہ
یہ عقیدتوں کا سفر جو ہے یہ سفر عجیب و غریب ہے

چلو مل کے سارے ہی تھام لیں وہ جو حبل اس کو عطا ہوئی
جسے دستِ بیعت نہ ہو نصیب وہ تو ہاویہ کے قریب ہے

تری شان جل جلالہ میں ہوں تیرا عابد خستہ جاں
ترے در پہ جو ہے جھکا ہوا اسے کہہ دے عبد منیب ہے

وہ کلاہ محترم نہیں ہوتا
جو اس کی چوکھٹ پہ خم نہیں ہوتا

اس میں تم اور ہم نہیں ہوتا
پیار کہتے ہیں ایک ہونے کو

جیسے سانپوں میں سم نہیں ہوتا
پال لیتے ہیں آستینوں میں

ذہن کیوں بانجھ ہو گئے سارے
فکر کا کیوں جنم نہیں ہوتا

جھوٹ لکھوں میں شاہ کی خاطر
یہ قصیدہ رقم نہیں ہوتا

عشق رنگ و نسل سے بالا ہے
حسن کا بھی دھرم نہیں ہوتا

اب وہ شدت نہیں ہے چاہت میں
ان سے بھی وہ ستم نہیں ہوتا

آنکھ جب تک لہو نہیں روتی
گوشۂ چشم نم نہیں ہوتا

سوئے منزل چلا ہوں صبح و شام
فاصلہ ہے کہ کم نہیں ہوتا

زادِ راہ جن کی تقویٰ ہو
ان کو دنیا کا غم نہیں ہوتا

میں ہوں عابدؔ بتوں سے کیا لینا
عابدوں کا صنم نہیں ہوتا

ایک مشکل کام تھا کرتے رہے
"پھول سے خوشبو جدا کرتے رہے"

تیرہ و تاریک راتوں میں بھی ہم
دل کے شعلوں سے ضیا کرتے رہے

ہو سکا نہ دردِ الفت کا علاج
ترکِ الفت کی دعا کرتے رہے

زرد پتوں میں جو بیٹھے ہم کبھی
فصلِ گل کا تذکرہ کرتے رہے

دل کے آئینے میں چھپ بیٹھا رہا
ذکر جس کا جا بجا کرتے رہے

دھندلاہٹ، چاندنی، پیکر، خطوط
ہم بھی سوچوں میں یہ کیا کرتے رہے

اپنی آنکھوں پر نہ قابو پا سکے
اس کے جلووں کا گلہ کرتے رہے

وہ وفا کے نام سے نا آشنا
جس سے امید وفا کرتے رہے

آج عابدؔ وہ زباں چپ ہو گئی
جس سے ہم شکوے ادا کرتے رہے

فیضؔ ۔ جناب فیض عالم خاں صاحب فیض چنگوی

خاندانی حالات

فیض صاحب کے آباؤ اجداد کا سلسلہ اُوپر جا کر ہندو راجپوت راجاؤں میں راجہ امنگ پال سے مل جاتا ہے۔ ان کے نانا حضرت حکیم خواجہ کرم داد خان صاحب جو ریاست جموں و کشمیر کے شاہی طبیب تھے اور جنہوں نے قریباً ایک سو سترہ سال کی عمر پاکر فروری ۱۹۵۰ء میں انتقال کیا۔ حضرت اقدس سید نا مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کے رفقاء میں شامل ہونے کا شرف رکھتے تھے۔ فیض صاحب کو اپنے نانا صاحب کی زبانی جو حالات معلوم ہوئے ان کا خلاصہ یہ ہے کہ راجہ امنگ پال کی اولاد جو بیسویں پشت میں مسلمان ہو گئی تھی۔ سب سے پہلا شخص جس کو مشرف بہ اسلام ہونے کی توفیق ملی وہ راجہ ہمپن پال کا بیٹا تھا جس کا اسلامی نام بنگش خان رکھا گیا۔ فیض صاحب کا آبائی گاؤں جو چنگا کہلاتا تھا بعد میں چنگا بنگیال کے نام سے مشہور ہوا۔ بنگیال سے مراد بنگش خان کی آل تھی۔ یہ گاؤں متعدد چھوٹی چھوٹی بستیوں پر مشتمل ہے لیکن ہر بستی کسی نامور ہستی کے نام سے موسوم چنگا بنگیال کہلاتی ہے۔ یہ گاؤں ضلع راولپنڈی کے مشہور ریلوے اسٹیشن گوجرخان سے جانب شمال پونچھ اور کشمیر جانے والی شاہراہ پر قریباً چھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ تیرھویں صدی گزرنے کے بعد چودھویں صدی کے بالکل آغاز میں اس گمنام سرزمین کو ایک بہت بڑے نامور بزرگ کے مولد ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ بزرگ حضرت محمد فضل خان چنگوی تھے۔ جو نہ صرف عربی، فارسی، اردو زبانوں کے عالم تھے بلکہ انگریزی زبان پر بھی کافی عبور رکھتے تھے۔ حضرت مولوی صاحب حضرت خواجہ کرم داد خان کے حقیقی برادر خورد تھے اور ان کو بھی حضرت اقدس مسیح موعود

(آپ پر سلامتی ہو) کے ۳۱۳ بزرگ ترین صحابہ میں شمولیت کا شرف حاصل تھا۔ یہ کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ اسرار شریعت (۳ حصے) فتاویٰ احمدیہ اور فتوحات مکیہ کے پچپن باب کا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا۔ مولوی صاحب اصطلاحاً تو شاعر نہ تھے تاہم آپ کی عالمانہ اور پُر معارف تحریرات میں شاعری کی جھلک اور اس سے پسندیدگی رجحان ضرور پایا جاتا ہے۔

طالب علمی کا زمانہ

فیض صاحب کا بچپن اسی بزرگ اور اہل علم ہستی کے زیر سایہ پروان چڑھا۔ اس لئے آپ کو بھی علمی اور مذہبی مشاغل سے دلچسپی پیدا ہو گئی۔ چنانچہ جب آپ بنگہ ضلع جالندھر کے ڈی پی ای اسکول کی پانچویں اور چھٹی جماعت میں تھے ان کے ہفتہ وار اجلاس میں خود اپنی لکھی ہوئی نظمیں پڑھا کرتے تھے۔ بعد ازاں یہ سلسلہ گوجرخان اسلامیہ ہائی اسکول کی ساتویں جماعت سے لے کر دسویں جماعت تک برابر قائم رہا۔ اسکول کے علمی و ادبی ماحول سے نکلنے کے بعد آپ کو تلاش معاش میں بنگال جانا پڑا جہاں اردو ادب کی آبیاری تو کجا بولنے یا سمجھنے والا بھی اُس زمانہ میں ایسے ناسازگار ماحول میں فطری ملکہ شعر قلب کی گہرائیوں میں دب کر رہ گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو آپ سے علمی کام لینا تھے۔ اسی لئے آپ کے اس علمی و ادبی جذبہ کو پروان چڑھانے کے لئے قدرت نے آپ کو ایک ایسی رفیقہ حیات عطا فرمائی جس کے گھر میں قدم رکھتے ہی فیض صاحب کی زندگی کے ایک نہایت بابرکت دور کا آغاز ہوا۔ یہ داستان اتنی ایمان پرور ہے کہ ایک نیک انسان کی روح اس کو سن کر وجد میں آجاتی ہے۔ لہٰذا یہ دلکش و ایمان افروز داستان خود فیض صاحب کی قلم سے سماعت فرمائیے۔ فرماتے ہیں۔

کامیاب ازدواجی زندگی

"ایک لمبے عرصہ تک اُردو ادب کے ماحول سے دور رہنے کی وجہ سے باوجود فطری میلان طبع کے جذبہ شعر میرے قلب کی گہرائیوں میں دب کر رہ گیا تھا۔ اُدھر

ہر طرف پھیلی ہوئی حیا سوز بے حجابیاں، ایمان طلب عریانیاں اُدھر دریائے شباب کی طلاطم خیز طغیانیاں میرے قلبِ سادہ پر اپنا بھیانک سایہ ڈالنے ہی والی تھیں کہ غیب سے مجھ ناچیز کی حفاظت کے سامان پیدا ہو گئے اور خدائے بزرگ و برتر کی بے پایاں رحمت نے مجھ جیسی بے مایہ اور ناکارہ ہستی کو بیداری شعور کی ابتدائی منازل ہی میں اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا اور میری زندگی کے اس نازک ترین دور میں ایک نہایت اعلیٰ خاندان کے مذہبی ماحول میں پرورش و تربیت یافتہ حسن ظاہری باطنی سے آراستہ و پیراستہ اور مجسمہ زہد و اتقا دوشیزہ کو میری رفیقہ حیات بنا دیا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلیٰ ذٰلِكَ۔

خاکسار کی یہ شادی حضرت مولوی رحمت اللہ صاحب رفیق حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کی بڑی صاحبزادی حفیظہ بیگم سے (جو حضرت مولوی صاحب کی دوسری بیوی زیلوان بیگم صحابیہ حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) بنت حضرت حکیم خواجہ کرم داد خان صاحب کے بطن سے تھیں) عمل میں آئی۔ یہ شادی محض تصرف الٰہی کے سلسلہ میں وقوع پذیر ہوئی کیونکہ اس وقت میرے والد ماجد چوہدری فضل احمد خاں صاحب غیر احمدی تھے۔ میری بارات میں سوائے میری ذات کے تمام اعزہ غیر احمدی تھے یہاں تک کہ میرے والد صاحب نے (جہاں تک مجھے یاد ہے) معہ دیگر باراتیوں کے نماز بھی غالباً احراریوں کی مسجد میں ادا کی۔ ان نامساعد حالات میں اس رشتہ کا سرانجام پا جانا سوائے فضلِ ایزدی کے اور کس بات پر محمول کیا جا سکتا ہے۔

میری رفیقہ حیات میرے گھرانے میں ایک نہایت پاکیزہ اور روحانی انقلاب لانے کا موجب بنی۔ اُن کے گھر میں قدم رکھتے ہی میری اپنی ذات کے علاوہ تمام افراد خاندان میں ایک روحانی تغیر شروع ہو گیا۔ گو میری بیوی کی عمر اُس وقت پندرہ سال کے قریب تھی لیکن اس عمر میں بھی قرآن کریم کا اکثر حصہ با معنی سمجھ لینے کے علاوہ سلسلہ کی بہت سی کتب اور ضروری مسائل فقہ و حدیث کا مطالعہ اپنے والد بزرگ کی نگرانی میں کر چکی تھیں۔ نماز پنجگانہ کے علاوہ نماز تہجد ادا کرتی

تھیں۔ نمازوں میں خشوع وخضوع اور گریہ وزاری کا عالم ہوتا تھا۔ دعاؤں میں اکثر مشغول رہتی تھیں اور اُردو کی ایک اچھی ادیبہ اور انشاء پردازی کی وافر صلاحیت اپنے اندر رکھتی تھیں جس نے میرے ذوقِ شعری کو جو عرصہ دراز سے دل کی گہرائیوں میں پناہ گزیں ہو چکا تھا دوبارہ تحریک دے کر جلا بخشی۔

ایک اہم اور ایمان افروز واقعہ

میری رفیقہ حیات کو اختلافی مسائل مابین احمدی وغیر احمدی پر اتنا عبور تھا اور ان کی جرأتِ ایمانی اور غیرتِ دینی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ بیر بھوم سوری میں جواب مغربی بنگال (ہندوستان) کا حصہ بن چکا ہے۔ میری بڑی مخالفت شروع ہوئی اور مجھے غیر احمدی علماء کے بعض اعتراضات پر بڑی گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ میں نے گھر آکر جب اس کا ذکر اپنی اہلیہ سے کیا تو انہوں نے نہایت نے نہایت اطمینان سے جواب دیا کہ ہمیں گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ایک نظام میں منسلک ہیں۔ آپ دو تین خطوط اپنے مرکز (قادیان) کو لکھ دیں۔ وہاں سے کسی مبلغ کو یہاں بھیج دیا جائے گا۔ دوسری طرف ان غیر احمدیوں کا یہ عالم ہے کہ ان کا کوئی دینی نظام نہیں۔ ان کو پہلے تو چندہ جمع کرنے کی فکر ہوگی اس کے بعد کہیں یہ اس قابل ہو گے کہ اپنا کوئی مولوی مقابلہ کے لئے بلا سکیں۔ لیکن مرکز اطلاع دینے سے قبل میں آپ کو ایک ترکیب بتاتی ہوں آپ اس پر عمل کریں اور وہ یہ کہ ہمارے مکان کے سامنے جو بڑ کا درخت ہے وہاں مناظرہ کا مقام مقرر کرائیں اور حفاظت کے لئے پولیس کا انتظام کرائیں۔ غیر احمدی آپ کی حفاظت کا ذمہ لیں تمام رؤسا اور علماء شہر کے علاوہ پبلک میں بھی مناظرہ کا اعلان کرا دیا جائے۔ مناظرہ کا طریق یہ ہوگا کہ غیر احمدی علماء اپنے اعتراضات تحریری طور پر پبلک کو سُنا دیں پھر وہ اعتراضات آپ میرے پاس لے آئیں میں جو جوابات لکھوں وہ آپ باہر لے جا کر پبلک کو سُنا دیں۔ اسی طرح میرے تحریر کردہ اعتراضات جلسہ عام میں سنا دیئے جائیں جس کے جوابات غیر احمدی عالم لکھ کر پبلک کو سُنا دیں۔ میں نے باہر جا کر اُن مذکورہ بالا شرائط کا ذکر مولوی صاحبان سے کیا بلکہ چیلنج دے دیا۔

لیکن ایک بھی غیر احمدی مولوی نے میرے چیلنج کو قبول نہ کیا لیکن میری بیوی کی دلیری اور جرأت ایمانی کا ان پر بہت اثر ہوا۔ مذکورہ بالا واقعہ کے بیان سے کسی اپنی ذاتی خوبی کا اظہار مد نظر نہیں بلکہ اس حقیقت کے چہرے سے نقاب اٹھانا ہے کہ ایک اعلیٰ تربیت یافتہ لڑکی کسی خاندان میں کس حد تک تغیر پیدا کر سکتی ہے۔ آج خدا کے فضل سے میرے پورے خاندان میں کوئی غیر احمدی نہیں حتیٰ کہ خاکسار کے والد بزرگوار نے بھی ۱۹۳۷ء میں احمدیت کو قبول کر لیا اور خود قادیان جا کر حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثانی کے دست مبارک پر بیعت کر لی۔ ان کی وفات ۱۹۵۹ء میں ہوئی اور خدا کے فضل سے آخری وقت تک احمدیت کے دلدادہ رہے۔

سوانح حیات طبع کرانے کا خیال

یہ برکات اور دعاؤں اور اتفاق و یگانگت محبت و خلوص کا ایک لمبا زمانہ ہے جو چونتیس پینتیس سال پر پھیلا ہوا ہے۔ اس دور کے چیدہ چیدہ واقعات میں نے کتابی صورت میں علیحدہ جمع کئے ہوئے ہیں جو ہماری کامیاب اہلی زندگی کا ایک نہایت حسین مرقع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو اس کو شائع کرا دوں گا۔ کیونکہ اس میں بیویوں، بچیوں، ماؤں اور بہنوں سب کے لئے ایک دیندار اور وفا شعار زندگی بسر کرنے کے لاتعداد اسباق موجود ہیں۔

حقیقی تعلیم کا حصول

جہاں تک میری دینی تعلیم کا تعلق ہے مجھے اس حقیقت کے اظہار میں بے حد خوشی ہوتی ہے کہ مجھے قرآن شریف بھی میری بیوی نے ہی پڑھایا۔ اس کے علاوہ تمام دینی مسائل میں نے اپنی رفیقہ حیات ہی سے سیکھے۔ علاوہ ازیں ان کی علم دوستی نے مجھے دوبارہ ادبی دنیا سے روشناس کرایا۔

شاعری کے متعلق آپ کا نظریہ

ابتدائے عمر میں فیض صاحب کو بعض ایسے بزرگوں سے بھی واسطہ پڑا جن کے خیال میں شعر گوئی

ایک لغو فعل تھا جس سے احتراز لازم ہے لیکن مرورِ زمانہ سے یہ نظریہ اپنی جگہ قائم نہ رہ سکا اور فیض صاحب پر یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح آشکار ہو گئی کہ بعض شرائط کے ساتھ فنِ شعر گوئی مذموم نہیں بلکہ مستحسن ہے۔ اس نظریہ پر قائم ہو جانے کے بعد آپ نے لکھنی شروع کیں لیکن بنگال جیسے خطے میں جو اُس زمانہ میں اُردو ادب کے لئے سازگار ماحول نہ رکھتا تھا بغیر کسی استادِ کامل کی رہنمائی کے میدانِ شاعری کو سر کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ لیکن قدرت نے غیب سے سامان فراہم کر دیئے اور فیض صاحب کو ۱۹۴۰ء میں ہمیشہ کے لئے بنگال کو خیرباد کہنا پڑا۔

جس زمانہ میں آپ شملہ کی ایک کوٹھی دارالسلام میں رہائش پذیر تھے اُس کوٹھی کی بالائی منزل میں چک عبدالخالق ضلع جہلم (پنجاب) کے ایک نامور آلِ سادات سکونت پذیر ہوئے۔ یہ نامور سید ادبی دنیا کی جانی پہچانی شخصیت سید ضمیر حسین جعفری تھے جو ایک اعلیٰ پایہ کے ادیب و شاعر ہونے کے علاوہ نہایت درجہ خلیق، ملنسار، علم دوست اور ہمدرد انسان بھی ہیں۔ اُن کے فیض صحبت نے فیض صاحب کی شاعری کو پر پرواز عطا کئے۔ جعفری صاحب شملہ میں منعقد ہونے والے مشاعروں میں فیض صاحب کو اپنے ہمراہ لے جانے لگے اور اس طرح فیض صاحب کو اپنا فن پبلک میں پیش کرنے کا موقع ہاتھ آیا۔ جعفری صاحب کی تنقیدی اور اصلاحی راہنمائی نے اس خلا کو پُر کر دیا جو عرصہ سے فیض صاحب کی شاعری اور اس کی ارتقائی منازل کے درمیان حائل تھا۔

ابتداء میں جعفری صاحب کی قیام گاہ پر چھوٹے پیمانہ پر ادبی مجالس شروع ہوئیں جنہوں نے بعد ازاں وسعت اختیار کر کے اسٹڈی سرکل کی صورت اختیار کر لی۔ یہاں تک کہ شملہ کے شعراء حضرات باری باری اپنے گھروں یا ہوٹلوں میں مشاعرے کرانے لگے۔ اس زمانہ میں قریباً ہر ایسے مشاعرے میں فیض صاحب نے شرکت کی اور اپنی اصلاح شدہ نظموں سے داد وصول کرتے رہے۔ اسلامیہ اسکول شملہ میں کئی مشاعرے ہوئے۔ پھر اسٹڈی سرکل نے بڑے پیمانہ پر آل انڈیا مشاعرے کا انتظام کیا جس میں جگر مراد آبادی، اختر ہوشیارپوری اور حفیظ جالندھری کے علاوہ دیگر مشہور شعرائے برصغیر نے شرکت کی۔ اس مشاعرے میں فیض صاحب نے ہستی باری تعالےٰ پر ایک نظم پڑھ کر سامعین سے اپنی قادر الکلامی اور معنویت کلام کا لوہا منوا لیا۔ جعفری صاحب اس درجہ متاثر ہوئے کہ انہوں نے فیض صاحب سے

اصرار کر کے اُن کے منظوم کلام کو اس وقت کے مشہور رسالوں اور اخباروں میں بھجوانا شروع کیا اور یہ سلسلہ آخر تک قائم رہا۔ آپ کا کلام روزنامہ "الفضل" قادیان (اب ربوہ) ماہنامہ الفرقان۔ (ربوہ) "اصلاح" کشمیر۔ ماہنامہ دستکاری۔ دہلی۔ "تعمیر" راولپنڈی۔ ماہنامہ "خالد" (ربوہ) ماہنامہ تحریک جدید (ربوہ) اور دیگر رسائل میں برابر چھپتا رہتا ہے۔

کلام کی چوری

تقسیم برصغیر کے بعد ایک سانحہ پیش آیا اور وہ یہ کہ جس کاپی میں فیض صاحب کی قریباً ڈھائی سو غزلیں اور نظمیں محفوظ تھیں وہ کسی نااہل نے ۱۹۴۷ء میں چند دیگر درسی کتابوں کے ساتھ چرالی جس سے فیض صاحب کو سخت صدمہ ہوا اور اس سانحہ کے زیر اثر کافی عرصہ تک خاموشی کا عالم طاری رہا۔

خدمات سلسلہ۔ فیض صاحب کا قادیان کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں لاہور حاضری

۱۹۴۷ء میں کراچی پہنچنے کے صرف سترہ روز بعد آپ نے درویشان قادیان میں شامل ہونے اور حفاظت مرکز کا اہم فریضہ انجام دینے کی نیت سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں لاہور جانے کا ارادہ کیا اور اپنے اہل و عیال کو نہایت کسمپرسی اور تنگدستی کے عالم میں خدائے برتر کے سہارے کراچی میں چھوڑ کر درویشان قادیان میں جانے والے ایک قافلہ کے ہمراہ لاہور پہنچے۔ اس موقعہ پر آپ نے ایک الوداعی نظم "مجاہد کی روانگی" بھی تحریر فرمائی جو آپ کے جذبات عقیدت کی آئینہ دار ہے۔ اپنی طرف سے تو فیض صاحب نے اس عظیم الشان قربانی دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی لیکن مشیت ایزدی آپ سے پاکستان ہی میں کام لینا چاہتی تھی۔ ہوا یہ کہ جب فیض صاحب حضور کی خدمت میں لاہور پہنچے تو حکومت ہندوستان کی طرف سے قادیان جانے پر پابندی عائد ہو چکی تھی۔ حضور نے فرمایا کہ آپ رتن باغ میں آنے والے مہاجرین کی خدمت کریں۔ اور جب حضور کو یہ معلوم ہوا کہ فیض صاحب

کے پاس بندوق ریوالور اور پی ٹی کی ٹریننگ کی سندات موجود ہیں تو حضور نے شیر محمد خان صاحب افسر حفاظت کی مدد کرنے اور سب کو یہ ٹریننگ دینے کا حکم دیا۔ فیض صاحب نے یہ کام باحسن خوبی انجام دیا لیکن کراچی کی ملازمت سے صرف ایک ماہ کی رخصت پر آئے تھے لہٰذا جب یہ زمانہ ختم ہونے لگا تو پھر حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک تحریری درخواست پیش کی جس میں عرض کیا کہ وہ ملازمت سے استعفیٰ دے کر قادیان جانا اور حفاظت مرکز کا فریضہ انجام دینا چاہتا ہوں۔ حضور نے فرمایا کہ مزید کوئی قافلہ قادیان نہیں جا سکتا۔ اس لئے آپ فی الحال کراچی چلے جائیں۔ فیض صاحب نے عرض کیا کہ حضور اس طرح واپس چلے جانے والوں کو لوگ بھگوڑا کہنے لگتے ہیں۔ اس پر حضور نے فیض صاحب کے ہاتھ سے قلم لے لیا اور ان کی درخواست کے حاشیہ پر اپنے دستِ مبارک سے تحریر فرما دیا: "فی الحال آپ واپس چلے جائیں ضرورت ہونے پر آپ کو واپس بلا لیا جائے گا"۔ بعد ازاں دستخط ثبت فرما دیئے۔ یہ قلم جس سے حضور نے مندرجہ بالا عبارت تحریر فرمائی بطور تبرک آج تک فیض صاحب کے پاس محفوظ ہے۔

دیگر خدمات

یہ تو فیض صاحب کی قربانی کا ایک خاص واقعہ تھا جو یہاں درج کیا گیا ورنہ اُن کی ساری عمر خدماتِ دین بجا لانے میں صرف ہوئی ہے۔ جس وقت شملہ میں تھے تو مسلسل پانچ سال تک وہاں کی جماعت کے جنرل سیکرٹری اور ایک سال مجلس خدام الاحمدیہ کے قائد رہے۔ کراچی واپس آنے کے بعد مجلس خدام الاحمدیہ کراچی کے مرکزی سیکرٹری تعلیم و تربیت، زعیم حلقہ جیکب لائنز، جنرل سیکرٹری مجلس انصار اللہ قریباً دس سال اور کئی سال مربی اطفال رہے۔ علاوہ ازیں حلقہ جیکب لائن کے پریذیڈنٹ بھی رہے اور بالآخر جماعت احمدیہ کراچی کے مرکزی سیکرٹری تحریک جدید کی حیثیت سے چار پانچ سال تک خدمات بجا لانے کا موقع حاصل ہوا۔ ایک بڑی اہم خدمت سلسلہ جو فیض صاحب کو ۱۹۵۱ء کے بعد اور خصوصاً ۱۹۵۳ء کے پُرآشوب زمانہ میں باحسن وجوہ انجام دینے کی توفیق ملی وہ اخبار "المصلح" کراچی کی ادارت کا فریضہ تھا۔ ۱۹۵۵ء اور اس کے بعد کے زمانہ میں جب سلسلہ کے تمام

اخبارات بند ہو چکے تھے۔ "المصلح" پہلے ہفتہ وار اور پھر روزنامہ بڑی آب و تاب کے ساتھ نکلتا رہا۔
اور اس خلا کو جو سلسلہ کے اخبارات بند ہو جانے کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا بڑی حد تک پُر کرتا رہا
"المصلح" کے اجراء کا زمانہ بڑا ہی پُر آشوب تھا اور تن تنہا روزنامے کو چلانا بظاہر ناممکن العمل
نظر آتا ہے۔ لیکن فیض صاحب نے بڑی ہمت، جوش اور ولولہ سے کام لیتے ہوئے شب و روز
کے فرق کو مٹا کر اور ان تھک اور جان مار محنت شاقہ برداشت کر کے اس فریضہ کو بڑی خوبی سے
نبھایا اور اس شمع کو تیز و تند آندھیوں کے راستے میں گل ہونے سے محفوظ رکھا۔ ان کی اہلیہ صاحبہ
(اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمتوں اور افضال کا وافر حصہ عطا فرمائے) اور صاحبزادے راجہ محمد اسلم نے اپنے
اولو العزم شوہر اور قابل صد احترام بزرگ والد کا پوری طرح ہاتھ بٹایا اور پروف ریڈنگ کا کام اپنے
ذمہ لے لیا۔ ایک کاتب کی خدمات حاصل کر لی گئی تھیں جو اکثر فیض صاحب کے مکان پر موجود رہتا
تھا۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا عبدالمالک خان صاحب مربی سلسلہ احمدیہ کراچی (جو بعد میں ناظر اصلاح
وارشاد ربوہ رہے) بابو اللہ داد خان صاحب اور جناب مولوی عبدالحمید صاحب کے بھرپور تعاون اور
امداد کا ذکر ضروری ہے جن کے قلمی تعاون نے اخبار مذکور کو ہمیشہ بروقت امداد پہنچائی اور اُسے
کبھی معیار سے گرنے نہیں دیا۔ انتظامی امور میں اخبار کو میجر شمیم احمد صاحب قائد مجلس خدام الاحمدیہ
کراچی اور جناب چوہدری عبدالمجید صاحب جنرل سیکرٹری جماعت احمدیہ کراچی کا پورا تعاون حاصل
رہا۔ مینجر کی جگہ پر شیخ انوار رسول صاحب کام کرتے رہے اور سب سے بڑھ کر بہترین سرپرستی،
حوصلہ افزائی اور مدبرانہ رہنمائی جس محبوب شخصیت نے کی وہ حضرت چوہدری عبداللہ خان صاحب
کی ذات بابرکات تھی۔ علاوہ ازیں جماعت کا بھی مالی تعاون بروقت حاصل رہا۔ فیض صاحب اس
سلسلہ میں اظہار فرماتے ہیں۔

"خاکسار پرچہ کو خود جوڑتا۔ مضامین کو ترتیب دیتا اور پھر نوافل اور دعاؤں کے
ساتھ تصور میں اپنے ناچیز قلم کو حضرت سلطان القلم کے دستِ مبارک میں دے کر
نماز فجر کے بعد یا پہلے ایڈیٹوریل (اداریہ) لکھتا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے قلم میں حرکت اور
میرے خیالات میں برکت ڈالی اور یہی وجہ ہے کہ آج اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد

جب اُس زمانے کے اپنے لکھے ہوئے اداریوں اور مضامین کو پڑھتا ہوں تو یقین نہیں آتا کہ یہ میرے ہی ناکارہ قلم کے لکھے ہوئے ہیں اور یہ صداقت روزِ روشن کی طرح آشکار ہو جاتی ہے ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست ''

ادبی خدمات

دورانِ قیام کراچی بعض اوقات مبلغین سلسلہ کے باہر جانے یا واپس آنے والوں یا دیگر اجتماعات میں حالات کے مناسب واقعاتی نظمیں پیش کرتے رہے۔

۱۹۶۰ء میں جناب شیخ رحمت اللہ صاحب امیر جماعت کراچی کے ایما پر ایک مجلس "حسنِ بیاں" کا انعقاد عمل میں لایا گیا جس میں صرف جماعت کراچی کے احمدی شعراء اور اہلِ قلم حضرات شامل تھے۔ جناب خادم حسین صاحب نیاز اس کے صدر، جناب آفتاب احمد صاحب بسمل نائب صدر اور فیض صاحب اُس کے جنرل سیکرٹری مقرر ہوئے۔ علاوہ ازیں بشیر الدین صاحب عباسی جوائنٹ سیکرٹری اور چوہدری نذیر احمد صاحب خازن قرار پائے۔ اس مجلس کے چند اجلاس بڑے کامیاب ہوئے لیکن فیض صاحب کی طویل علالت اور دفتری اور جماعتی کاموں کی مشغولیت نے دلجمعی کے ساتھ اس کام کو پورا کرنے کی مہلت نہ دی۔

تلمذ

فیض صاحب نے شاعری میں باقاعدہ طور سے تو کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا لیکن جیسا کہ اُوپر ذکر آچکا ہے سید ضمیر حسین جعفری نے آپ کی ابتدائی غزلوں اور نظموں پر تنقیدی اور اصلاحی نظر ڈالی ہے۔ علاوہ ازیں بزمِ حسنِ بیان کے ایک بزرگ رکن جناب مولوی ظفر محمد صاحب ظفر نے بھی فیض صاحب کی بعض نظموں پر نظرِ ثانی فرمائی اور وقتاً فوقتاً مفید مشوروں سے نوازتے رہے۔

میری اور دیگر احباب کی مسلسل تحریک، ترغیب اور پیہم اصرار کے نتیجہ میں فیض صاحب کا مجموعہ کلام "تقدیس افکار" کی صورت میں منظر عام پر آچکا ہے جس میں میرا تعارف اور قیس مینائی صاحب کا مختصر تبصرہ بھی شامل ہے۔ کتاب کا ٹائیٹل پیج "تقدیس افکار" کی منہ بولتی تصویر ہے۔ عمدہ سفید کاغذ پر قلم برداشتہ اور صاف ستھری کتابت کے ساتھ یہ دیدہ زیب خریطہ اہل ذوق حضرات سے خراج تحسین وصول کر چکا ہے۔

فیض صاحب نے بہت کچھ کہا ہے اور ہر مناسب موقعہ پر اپنی زبان قلم کو جنبش دی ہے جو کچھ کہا ہے بہت خوب کہا ہے اور محبت اور عشق حقیقی کے رنگ میں ڈوب کر کہا ہے۔ ایسا کلام جو دل کی گہرائیوں سے نکلے اور از دل خیزد و بر دل ریزد والی کیفیت کا حامل ہو کسی تنقید و تبصرہ کا محتاج نہیں ہوا کرتا۔ فیض صاحب نے جگ بیتی بھی بیان کی ہے اور آپ بیتی بھی۔ آپ کی پرگوئی، نغز گوئی، حقیقت آفرینی اور جذبات نگاری کے بحر طلاطم میں فنی موشگافیاں کاک کی طرح اچھلتی، کودتی اور تھپیڑے کھاتی نظر آتی ہیں۔ اہل دل آپ کے کلام پر وجد کرتے اور سر دھنتے ہیں اور نکتہ چیں حیرت سے منہ تکتے اور ان کے کلام کے تاثرات کی گہرائی و گیرائی ناپتے رہ جاتے ہیں۔

نمونہ کلام

نبیٔ کامل

وُہ نُورِ اولیں آیا وہ نُورِ آخریں آیا
مُبارک ہو جہاں والو وہ تاجِ مُرسلیں آیا

نبیِ کامل، بشرِ کامل، کمالِ شفقت و احساں
خُدا کے نُور میں ڈوبا ہوا ماہِ مبیں آیا

نبیِ اُمّی لقب لیکن مُعلّم ساری قوموں کا
بہ ایں خلقِ مجسّم حاملِ دینِ متیں آیا

مقدّس، ارفع و اعلیٰ نہیں جس کی نظیر ایسا
وُہ قرآنِ مُبیں لے کر خیرِ دُنیا و دیں آیا

خُدا اِک نُورِ مطلق ہے محمدؐ مظہرِ مطلق
نہ اُس جیسا حسیں کوئی نہ اُس جیسا حسیں آیا

عَلم بردارِ توحید و رسالت، ہادیٔ اعظم
کمالاتِ محاسن کا وُہ عکسِ کاملیں آیا

وہ منبعِ نور و برکت کا وہ گلدستہ نزاکت کا
قمر خورشید، تاروں، پھول کلیوں سے حسیں آیا

وہ رازِ خلقتِ ہستی جو مظلوموں کا حامی تھا
زبوں رسمِ غلامی پر وہ ضربِ آہنیں آیا

مساوات و تمدن کا محبت کا اخوت آیا
سبق پاکیزہ دینے کو وہ ختم المرسلیں آیا

فخر بانوں نے جس کے دم سے پائے تاجِ سلطانی
ہے خاکِ راہ جس کی قیصری وہ شاہِ دیں آیا

وہ نورِ نیرِ راہِ ہدیٰ اقوامِ عالم کا
براہیمی دعاؤں کا ظہورِ دل نشیں آیا

شریکِ دردِ بیماراں انیسِ حالِ مظلوماں
گنہگاروں کا حامی اِک شفیع المذنبیں آیا

شبِ معراج پہنچا زمیں سے عرشِ اعلیٰ پر
قدم بوسی کی خاطر دوڑ کر عرشِ بریں آیا

بتوں سے پاک کر ڈالا صداقت کو کیا بالا
مدینے کا مکیں آیا وہ کعبے کا امیں آیا

سراسر فیض کا چشمہ شفیق بے مثال آقا
وہ آئینِ وفا ختمِ رسالت کا نگیں آیا

محمد مصطفےٰؐ پر رحمتیں ہوں فیضِ بے پایاں
کہ وہ آیا تو دنیا کو خدا پر بھی یقیں آیا

قیصرؔ جناب سمیع اللہ صاحب بھاگلپوری

سمیع اللہ نام۔ قیصرؔ تخلص۔ آپ کے والد کا نام مولانا عبدالرحیم تھا جو اپنے وقت کے ایک جید اہلحدیث عالم اور مصدق مسیح موعود تھے۔ آپ کی تاریخ پیدائش غالباً ۱۹۱۹ء ہے۔ آپ کا آبائی وطن جھپانگہ ضلع بھاگلپور (بہار) ہے۔ آپ نے مدرسہ مفتاح العلوم مئو ناتھ بھنجن سے سندِ فراغت حاصل کی۔ اِسی درسگاہ سے آپ نے اُردو فارسی اور عربی السنہ کی اعلیٰ تعلیم کے بعد صحاح ستہ کا دور مکمل کیا اور سندِ فضیلت حاصل کی۔ تعلیم سے فراغت پانے کے دو سال تک اپنے وطن کی جامع مسجد میں قرآنِ مجید اور بخاری شریف کا درس دینے کی سعادت حاصل کی۔ اسی دوران آپ جمعیۃ علماء ہند کے ماتحت تحریک آزادی میں بھرپور حصہ لیتے رہے۔

قبول احمدیت

مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی سے جو ایک اہلحدیث عالم تھے۔ مباحثہ کے بعد آپ کو احمدیت کے متعلق تحقیقات کا شوق پیدا ہوا۔ اسی شوق کی رہنمائی میں آپ قادیان پہنچے جو جماعت احمدیہ کا دائمی مرکز ہے۔ وہاں کچھ عرصہ قیام کرنے، علماء سلسلہ سے تبادلہ خیالات کرنے اور وہاں کے نیشنہ اسلامی ماحول کا بچشم خود مشاہدہ کرنے کے بعد آپ کا دل پکار اُٹھا کہ اگر روئے زمین پر اس وقت حقیقی اسلام کی نمائندگی کرنے والی کوئی جماعت ہے تو وہ صرف اور صرف جماعت احمدیہ ہی ہے۔ بعدازاں آپ نے ۴۵ء اور ۴۶ء کے درمیان بیعت کرلی اور نتیجۃً سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہو گئے۔ بعدازاں آپ کی صلاحیت اور علمی وسعت کے پیش نظر آپ کو تبلیغی مہمات سپرد ہوئیں اور آپ نے بمبئی جیسے عظیم الشان شہر میں جو عروس البلاد کہلاتا ہے ایک لمبے عرصہ تک جو

سنہ ۱۹۶۰ء تک مستند ہے بطور مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ خدمات انجام دیں۔

جہاں تک آپ کی شاعری کا تعلق ہے آپ نے اصنافِ سخن میں سے اکثر اصناف پر طبع آزمائی کی ہے۔ طربیہ، حزنیہ، المیہ، رزمیہ، فخریہ ہر قسم کی غزلیں اور نظمیں آپ کی بیاض کی زینت ہیں۔ حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب مختارؔ شاہجہانپوری سے آپ کو عقیدت ہے اور حضرت حافظؔ صاحب نے آپ کا یہ غیر مطبوعہ مجموعہ کلام دیکھا ہے اور اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے۔ لیکن ؎

یہ باتیں ہیں جب کی کہ آتشؔ جواں تھا

قبول احمدیت کے بعد آپ کی طبیعت نے پلٹا کھایا۔ اور آپ کی شاعری نے بھی کروٹ بدلی۔ طبیعت میں جوش اور روانی تو باقی رہی لیکن رنگینیٔ طبع مفقود ہو گئی۔ فکر میں جلا پیدا ہوئی اور کلام میں افادیت کا رنگ جھلکنے لگا۔ تبلیغی مشاغل اور علمی تحقیقات کے ماحول میں طائرِ فکر نے شہپر ڈال دیئے اور آپ نے اپنی بیاض کو طاقِ نسیاں کی زینت بنانے ہی میں عافیت محسوس کی لیکن کبھی کبھی للچائی ہوئی نظروں سے اس کا نظارہ ضرور کر لیتے ہیں۔ بقول غالبؔ ؎

ہاتھوں میں اگر دم نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

زبان اُردو میں آپ کی نثری کاوشیں بلاشبہ ایک بلند مقام رکھتی ہیں۔ آپ کے علمی و تحقیقی مضامین جو برصغیر پاک و ہند کے موقر جرائد و رسائل کی زینت بنتے رہے ہیں علمی و ادبی طبقہ میں بے حد مقبول ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تحریری خدمات کے متعلق آپ کی زیر تصنیف کتاب "خود نوشت سوانح حیات" کا ایک ورق پیش کر دیا جائے۔ فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر مجھ کو تین نعمتوں سے نوازا ہے اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ ملکۂ تحریر ۲۔ ملکۂ تقریر ۳۔ ملکۂ شعر گوئی

لیکن مجھ پر سب سے پہلے "ملکۂ تحریر" کے حسن و رعنائی کا اس وقت ظہور ہوا جب میں نے عنفوانِ شباب کی پہلی منزل میں قدم رکھا تھا۔ اُس وقت میں الٰہ آباد میں تھا۔

اُن دِنوں اس ملکہ دلربا نے آہستہ آہستہ میرے سامنے اپنے چہرہ سے نقاب کشائی شروع کی۔ پھر چند سال کے مسلسل اصرار اور ازروئے دیدار کے بعد وہ بالکل بے نقاب ہو کر میرے سامنے آ گئی اور میں اس کے سامنے اپنے خیالات و نگارشات کے نذرانے پیش کرنے لگا۔ یہ آج سے یعنی ۲۰ جون ۱۹۸۰ء سے پینتالیس۴۵ سال پہلے کی بات ہے اُس کے بعد تو میری طبیعت "حُسنِ تحریر" سے ایسی مانوس ہوئی کہ میں لمبے لمبے مضامین سپردِ قلم کرنے لگا۔ لیکن میں اس نگارخانہ علم و ہنر میں نیا نیا داخل ہوا تھا۔ اس لئے اُس زمانے کے مضامین میں معنی آفرینی کم اور عبارت آرائی زیادہ ہوتی تھی۔ پھر میں یہ مضامین کسی کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر نہیں لکھتا تھا بلکہ ایک داخلی تحریک تھی جو مجھ کو قلم چلانے پر اُکساتی اور مجبور کرتی تھی۔ اس لئے میری یہ صلاحیت عرصہ تک بے حجاب ہو کر قدرردانوں کے سامنے نہ آسکی۔ اس کی مثال اُس درِ نا سُفتہ کی سی تھی جو سمندر کی گہرائیوں میں سیپی کے اندر محفوظ ہوتا ہے اور دُنیا اُس کی آب و تاب سے بے خبر ہوتی ہے۔ لیکن جب میں جماعت احمدیہ میں شامل ہوا تو اُس ماہ لقا کے حُسنِ دل افروز سے ایک عالم کو روشناس کرانے کے وسائل ہاتھ آ گئے۔ میں نے جماعت کے اخبار و رسائل سے رابطہ کیا اور اب روزنامہ "الفضل"، ہفت روزہ "بدر" اور ماہنامہ "الفرقان" میں میرے رشحاتِ قلم شائع ہونے لگے۔ مجھ کو ان تحریری خدمات پر ہر طرف سے دادِ تحسین ملی اور میرا حوصلہ بلند سے بلند تر ہوتا چلا گیا۔ لیکن ابھی تک میرا کوئی تحریری سرمایہ غیر از جماعت اخبارات یا رسائل میں شائع نہیں ہوا تھا۔ مجھے اب اس کی فکر تھی۔ الحمدللہ کہ بمبئی آنے کے بعد میری یہ فکر بھی دور ہو گئی اور میں یہاں کے اخبارات و رسائل سے روابط قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔"

"اُردو زبان کی تہذیب و ترقی اور اشاعت میں جماعت احمدیہ کا حصہ" اس عنوان سے آپ نے ایک مبسوط مقالہ تحریر فرمایا ہے۔ اس مقالہ کا پہلا حصہ حضرت مسیح موعود آپ پر سلامتی ہو کی نثری اور شعری خدمات پر ہے۔ اس حصہ کی بنیاد براہین احمدیہ کے اُن مقامات پر ہے جہاں آپ

نے لسانیات کی بحث کی ہے۔ آپ نے اس حصہ میں یہ ثابت کیا ہے کہ ڈاکٹر اقبال کا فلسفہ حرم و
اور فلسفہ عقل و عشق حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کی کتب سے یا تو سرقہ ہے یا استعار
ہے۔ آپ نے اس بات کو مدلل طور سے ثابت کیا ہے اور سرقہ یا استعار لینے کے ذرائع کا بھی
مدلل طور سے ذکر کیا ہے۔ اس ضمن میں آپ نے اُردو ادب کی تاریخ پر بھی مفصل روشنی ڈالی ہے
اس مقالہ کے بعض اجزاء ہندوستان کے علمی پرچوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ "جامعہ دہلی بابت ستمبر
۱۹۷۵ء میں اس مقالہ کا ایک حصہ "زبان کی تشکیل" کے عنوان سے شائع ہوا جسے "جامعہ"
کے ایڈیٹر نے ایک مذہبی نقطہ قرار دیا۔ آپ نے "عربی ام الالسنہ" کے عنوان پر بھی ایک مبسوط مضمون
"جامعہ" میں شائع کرایا جو بوجہ طوالت دو قسطوں میں شائع ہوا۔ زبان اردو کی تاریخ پر ۱۹۸۰ء
میں آپ کا ایک مضمون ماہنامہ "نقش کوکن" بمبئی کے جمہوریت نمبر میں اشاعت پذیر ہوا۔ اسی طرح
"انقلاب" بمبئی میں آپ کا ایک مضمون "اُردو کو عوامی زبان بنانے کی ضرورت" کئی اقساط میں شائع
ہوا۔ آپ کا مضمون "عربی ام الالسنہ" علمی حلقوں میں بہت پسند کیا گیا۔

جہاں تک آپ کی شاعری کا تعلق ہے آپ کے کلام میں جوش بھی ہے روانی بھی۔ داخلی
محسوسات کے ساتھ ہی ساتھ آپ نے خارجی معاملات کو بھی ایک اچھوتا انداز بیان عطا کیا۔
آپ کی شاعری پر حضرت حافظ مختار احمد صاحب مختار شاہجہانپوری کی ناقدانہ نگاہ کی گہری چھاپ
ہے اور یہی ایک احمدی شاعر کے لئے سرمایہ افتخار ہو سکتا ہے۔

نمونہ کلام

دُعا

الٰہی تو اپنی محبت عطا کر — سرور وفا ذوقِ طاعت عطا کر
ذرا مجھ کو سمجھا دے اسرارِ عرفاں — مجھے علم رمزِ عبادت عطا کر
سمجھ لوں میں جس سے مقامِ محمدؐ — مجھے وہ فہم و فراست عطا کر
بتانِ جہاں سے جو سرشار کر دے — تو اُس دلربا کی رفاقت عطا کر
لکھا جن پہ ہو رازِ ختمِ نبوت — مجھے تو وہ اوراقِ حکمت عطا کر

چراغِ محبت ہو گھر گھر میں روشن — محمدؐ کی سب کو محبت عطا کر
وہ جس پر ہے تاریخ اسلام نازاں — مجھے تو وہ دورِ خلافت عطا کر
ابوبکرؓ و عثمانؓ و حیدرؓ کی مجھ کو — صداقت، تحمل، شجاعت عطا کر
مرے دل میں ہو شمعِ فاروقؓ روشن — عمرؓ کی نگاہ و سیاست عطا کر
تو اس دور میں مثلِ حسانِ ثابتؓ — مجھے جوشِ شعر و خطابت عطا کر
زمینِ بدر کی یاد کرتی ہے تجھ کو — تو اسلام کی فتح و نصرت عطا کر
مرے نخلِ ہستی سے خوشے چنیں سب — مرے روز و شب میں تو برکت عطا کر

مرے دل میں اک آرزو بس گئی ہے
تو قیصر کو جامِ شہادت عطا کر

جمالِ محمدؐ

منظہرِ عشق ہے آئینہ ادراک مرا — دامِ صیاد ہے اندیشہ بیباک مرا
دیکھ ہے اشک فشاں دیدہ غمناک مرا — دامنِ صبر غمِ ہجر میں ہے چاک مرا

محفلِ دہر میں مرا کوئی غماز نہیں
میرا اندازِ طبیعت بھی کوئی راز نہیں

آج کیوں میری تاسف پہ طبیعت آئی — روبرو عشق کے کیا ہجر کی وحشت آئی
دیکھ اے شوق کہ بیتابیٔ الفت آئی — مرے الفاظ سے خوشبوئے محبت آئی

جی میں آتا ہے کہ کچھ عشق کے آثار کہوں
اپنے دلدار سے حالِ دلِ بیمار کہوں

میری آواز میں قدسی کی زبانیں غلطاں — مدحتِ احمدِ مرسل میں یہ ہوں گوہر افشاں
عظمتِ صاحبِ لولاک میں دل ہے حیراں — جن کے مضمونِ نبوت کے تھے آدم عنوان

وادیٔ طور پہ موسیٰ کی امامت آئی
اس کے پردے میں محمدؐ کی بشارت آئی

جس نظر سے دلِ صدیقؓ نے دیکھا تجھ کو
سازِ فاروقؓ نے جو نغمہ سنایا تجھ کو
ملا میں عثمانؓ نے جس طرح بسایا تجھ کو
زورِ کرار نے جس طرح سراہا تجھ کو

کاش اسلاف کا وہ دردِ جگر ہو مجھ میں
گرمیٔ عشقِ ابوذرؓ کا اثر ہو مجھ میں

دیدۂ شوق میں آ اشکِ محبت بن کر
تابِ ادراک میں آ فہم کی قوت بن کر
نبضِ ہستی میں تو آ جوشِ حرارت بن کر
سینۂ عشق میں آ قلب کی حرکت بن کر

آنکھ ہے اشک فشاں دل بھی ہے غمگیں مرا
پیرہن خونِ محبت سے ہے رنگیں مرا

نبضِ فاروقؓ کی گرمی کی قسم کھاتا ہوں
بادۂ عشق کی مستی کی قسم کھاتا ہوں
خونِ حمزہؓ کی روانی کی قسم کھاتا ہوں
خنظلِ عشق کی تلخی کی قسم کھاتا ہوں

آپ کے روضۂ اقدس کی قسم ہے مجھ کو
اسی تمنا کی قسم جس کا الم ہے مجھ کو

جادۂ عشق میں بوبکرؓ و علیؓ کا صدقہ
شوکتِ دیدۂ فاروقِ صفی کا صدقہ
مقتلِ عشق میں عثمانِ غنیؓ کا صدقہ
فخرِ اسلاف اویسِ قرنی کا صدقہ

فاطمہؓ اور خدیجہؓ کی وساطت ہو نصیب
التجا ہے کہ مجھے آپ کی قربت ہو نصیب

ظلمتِ دہر میں خورشیدِ درخشاں تو ہے
قومِ مقہور پہ اک بخششِ یزداں تو ہے
فخرِ لولاک ہے تو صاحبِ قرآں تو ہے
اپنی امت کے سفینہ کا نگہباں تو ہے
عکسِ خورشید سے روشن ہے قمر کا چہرہ
تجھ سے پُرنور ہے آئینۂ ہستی میرا

میں ہوں خورشید کوئی کرمکِ شب تاب نہیں
عشق کے دل کی تپش گوہرِ نایاب نہیں
کون کہتا ہے نظر قیس کی خونباب نہیں
مزرعِ عشق و محبت مرا شاداب نہیں
ہاں یہ سچ ہے کہ طبیعت مری مجبور سی ہے
پر اسی درد میں فطرت مری مسرور سی ہے

بادۂ صدقِ ابوبکرؓ پلا اے ساقی
اسی ساغر کا تو مستانہ بنا اے ساقی
کشمکشِ حسن و محبت کی دکھا اے ساقی
خوابِ غفلت سے تو قیصر کو جگا اے ساقی
کاش ہو تیری تجلّی مرے کاشانے میں
فخرِ لولاک کا جلوہ مرے ویرانے میں

ربوہ

(۱۵ اپریل ۱۹۴۹ء کو ربوہ میں جو پہلا جلسہ ہوا تھا اور جس کو دعائیہ جلسہ بھی کہتے ہیں اس میں قیصر صاحب بھی شریک ہوئے اس وقت ان کے دل میں ربوہ کے متعلق جو تاثرات تھے وہ اس نظم میں قلم بند کئے گئے ہیں۔

اے ربوہ گلِ کوزہ انوارِ مشیت
اے وادیٔ موعود اے شہکارِ مشیت
اے ظلِّ حرم مطلعِ انوارِ سماوی
آئینۂ حق مظہرِ گفتارِ سماوی
اے نورِ ہدیٰ کوچۂ دلدار کے رہبر
آئینِ وفا جادۂ ایثار کے رہبر
بخشا جسے تو نے غم و آزارِ محبت
اب تجھ سے بچھڑتا ہے وہ بیمارِ محبت
آئے گی مجھے یاد تری خشک پہاڑی
آغوش میں جس کے کوئی ہے نہ جھاڑی
وہ دشت جہاں دامنِ صحرا ہے کشادہ
سورج بن جاتا ہے جیسے گرم لبادہ

پوشیدہ ترے دل میں ہے اعجاز کی قوت
دیکھی ہے تری خاک سے پرواز کی قوت

یہ سادہ صفت حُسن سنوارا نہیں جاتا
اِس گرد کا احرام اتارا نہیں جاتا

غلطاں ہیں تری خاک میں آثار کرامت
پیشانی فطرت پہ ہے سجدے کی علامت

آیاتِ محبت ہیں تری لوحِ جبیں پر
اب تک ہے اثر عشق کا مجھ خاک نشیں پہ

جس خاک کو اقبال خلافت نے چنا ہو
نامحرم اسرار ہے کیا اس کی ثنا ہو

اے ربوہ تری خاک کی تعریف کروں کیا
آئینۂ فردوس کی توصیف کروں کیا

اس لوح پہ قدرت کا نوشتہ نظر آیا
ہم رنگ بشر ایک فرشتہ نظر آیا

وہ لحنِ دلِ مہدیٔ مسعود کی آمد
کیا چیز تھی وہ مصلح موعود کی آمد

وہ جس نے ترے واسطے برکت کی دُعا کی
وہ جس نے تری خاک کو تقدیس عطا کی

اب تو ہی منارِ دلِ ہستی کا دیا ہے
اب تجھ سے ہی ہر آنکھ کو اُمید ضیا ہے

تجھ پہ ہے پڑی آج نظر اہلِ کرم کی
خلعت تجھے پہنائی گئی "ظلِ حرم" کی

قدرت نے تجھے قلعہ اسلام بنایا
اک جلوہ گہ مہبط الہام بنایا

ہے نغمہ جان بخش تری شوخ بیانی
دہرا دے پھر اک بار تو زمزم کی کہانی

ہر گھر میں اُجالا تری قندیلِ صفا سے
تعمیر اتم ہو گی تری خاکِ وفا سے

گلہائے عقیدت

حضرت صاحبزادہ میاں بشیر احمد (اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو)

سانحہ ارتحال

وہ گل جس کے دم سے تھا حسنِ چمن — وہ ساقی جو تھا رونقِ انجمن
صداقت کا وہ نیّرِ نیم روز — وہ نورِ چراغِ ہدایت فروز

وہ شمس و قمر کا رفیق و ندیم — وہ صدقِ خلیل و وقارِ کلیم
علوم و معارف کا روشن گہر — وہ نخلِ نبوت کا شیریں ثمر

سدا احمد کے گیت گاتا تھا جو
خدائی بشارت سناتا تھا جو

وہ صاحب جنوں اور وہ نکتہ نواز — وہ روشن ضمیر اور وہ دانائے راز
وہ رشکِ فلک جس کا تھا آستاں — فرشتے جھکاتے تھے گردن جہاں
جو خلق مجسم تھا کردار میں — اُبلتے تھے نغمات گفتار میں
وہ تھا جس کی باتوں میں سوز و گداز — بتاتا تھا جو زندگی کا راز
جو راہِ وفا میں تھا ثابت قدم — جسے چاند نبیوں کا کہتے تھے ہم
اطاعت پہ ایماں رکھتا تھا جو — مقامِ خلافت سمجھتا تھا جو
مگر اب کہوں ہائے کیسے یہ بات — کہ توڑا قضا نے وہ جامِ حیات
کہوں کس طرح اس جدائی کا حال — کہ جس کا ابھی تھا نہ خواب و خیال
ہوا آج دُنیا سے روپوش وہ — ہے اب کنجِ مرقد میں خاموش وہ
قضا نے چلایا وہ تیرِ ستم — ہے قلب و نظر آج وقفِ اَلم

چمن جل گیا میکدہ لٹ گیا　　وہ ساقی بھری بزم سے اُٹھ گیا

ہے دل تیری فرقت میں نوحہ کناں　　اے نورِ نگاہِ مسیحِ زماں

تو اب بزمِ دنیا سے مستور ہے　　یہ آنکھ اشک ریزی پہ مجبور ہے

گیا پھول کے رخ سے رنگِ بہار　　فضائے چمن ہو گئی سوگوار

ہوا تو جو افسوس آنکھوں سے دُور　　مئے زندگی میں نہیں کچھ سرور

ترے بن کلی دل کی کھلتی نہیں　　فسردہ طبیعت سنبھلتی نہیں

تری یاد دل میں رہے گی نہاں　　ترا غم ہے میرے لئے عزِ جاں

رہے گا محبت کا دل پر اثر　　لگا ہے جو دل پر حدنگ نظر

تجھے ڈھونڈتی ہے بہارِ چمن　　ترے منتظر ہیں گل و نسترن

قیصرؔ۔ جناب محمد شفیق صاحب

شفیق قیصر صاحب ۱۹۳۶ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ نے خدمتِ دین کے لئے اپنی زندگی وقف کی اور جامعہ احمدیہ ربوہ سے شاہد کا امتحان پاس کرنے کے بعد وکالت تبشیر تحریک جدید میں بطور مبلغ متعین ہوئے۔ عرصہ دراز سے آپ وکالت تبشیر کے تصنیف واشاعت کے شعبہ میں خدمات انجام دے رہے تھے۔ اس دوران آپ نے ایک سال تک یوگنڈا (مشرقی افریقہ) میں فریضۂ تبلیغ بھی ادا کیا۔ آپ جماعت کے متعدد اشاعتی اداروں کے ڈائریکٹر ہونے کے علاوہ نائب صدر خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے ممتاز عہدہ پر بھی فائز تھے۔ از حد محنتی، مخلص اور سلسلہ احمدیہ کے نہایت وفادار اور فدائی خادم تھے۔ نہایت اونچا علمی ذوق رکھنے والے، کتابوں کے رسیا اور بہت کثیر المطالعہ نوجوان تھے۔ اپنی مختصر عمر میں بہت سے اہم کام انجام دینے کی سعادت پائی اور ساری زندگی خدمتِ دین اور خدمتِ سلسلہ میں بسر کر کے خدمت کے دوران ہی پردیس میں جان جاں آفریں کے سپرد کی اور حادثہ میں فوت ہو کر شہادت کا درجہ پایا۔ آپ نے اپنی یادگار ایک صاحبزادی اور دو فرزند چھوڑے ہیں۔

محترم شفیق صاحب قیصرؔ قرآن مجید کی طباعت کے سلسلہ میں ہانگ کانگ جانے کے لئے ۱۳ مارچ ۱۹۷۹ء کو ربوہ سے لاہور روانہ ہوئے تھے۔ راستہ میں آپ نے جماعت احمدیہ برما کے بعض تنظیمی امور طے کرانے کے لئے رنگون بھی ٹھہرنا تھا۔ چنانچہ آپ ۱۴ مارچ کو لاہور سے بذریعہ ہوائی جہاز لاہور سے روانہ ہو کر ۱۵ مارچ کو رنگون پہنچے جہاں مقامی جماعت نے آپ کا پرتپاک استقبال کیا۔ چار روز رنگون میں قیام کرنے اور تنظیمی امور طے کرنے کے بعد ۱۹ مارچ کو آپ جماعت احمدیہ برما کے متعدد عہدیداران کے ہمراہ بذریعہ موٹر کار رنگون سے لینڈ دورے میں روانہ

ہوا۔ اور ۲۰ مارچ کو صبح سات بجے مانڈے پہنچا۔ بعض جماعتی امور سرانجام دینے کے بعد یہ سب احباب اسی روز مانڈے سے رنگون روانہ ہوئے جب سابق واپسی کے سفر میں بھی کار میں جناب محمد شفیق قیصر اور سلیمان صاحب کے علاوہ (جو کار چلا رہے تھے) محترم جناب شوکت علی پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ برما، جناب شیخ داؤد اور جناب   سوار تھے۔

۲۰ اور ۲۱ مارچ کی درمیانی شب نصف فاصلہ طے کرنے کے بعد جب یہ قافلہ دو بجے رات "ٹانگو" نامی مقام پر پہنچا (جو رنگون سے دو سو میل کے فاصلہ پر ہے) تو موٹر کار کا ایک بڑی لاری سے براہِ راست تصادم ہوگیا۔ محترم شفیق صاحب اور محترم سلیمان صاحب کو اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے ہونے کے سر میں شدید چوٹیں آئیں اور قیصر صاحب بیہوش ہوگئے۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے مکرم شیخ داؤد صاحب کی دائیں ٹانگ ٹوٹ گئی اور باقی دو اصحاب محترم شوکت علی صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ برما اور سلیم صاحب کے بھی چوٹیں آئیں مجروحین کو فوری طور پر "ٹانگو" کے مقامی اسپتال میں منتقل کیا گیا جہاں ابتدائی مرہم پٹی ہوئی بعد ازاں ۲۲ مارچ کی صبح انہوں رنگون لاکر جنرل اسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ اس تمام عرصہ میں محترم قیصر صاحب پر بے ہوشی طاری رہی۔ ڈاکٹروں نے جان بچانے کی سر توڑ کوشش کی لیکن ۲۲ مارچ کو رات گیارہ بجکر ۵۵ منٹ پر آپ آپریشن ٹیبل پر ہی بقضائے الٰہی وفات پاگئے۔ اس کے قریباً ساڑھے تین گھنٹہ بعد آخر شب تین بجکر ۲۰ منٹ پر جماعت احمدیہ برما کے سیکرٹری مال محترم سلیمان صاحب بھی زخموں کی تاب نہ لاکر چل بسے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ محترم قیصر صاحب کی نعش ربوہ لائی گئی اور وہیں مدفون ہوئے۔

عبدالباری قیوم

عبدالباری قیوم صاحب سلسلہ احمدیہ کے ایک فدائی خادم کیپٹن شیخ نواب دین صاحب آف دارالفضل ربوہ (سابق امیر جماعت احمدیہ بمبئی) کے صاحبزادے ہیں۔ جن کا تعلق سلسلہ احمدیہ کے نہایت مخلص، قدیمی اور موضع صریح ضلع جالندھر کے مشہور و معروف صوفی خاندان سے تھا، جنہوں نے سلسلہ کے لئے نہایت قابلِ قدر نمایاں خدمات کی توفیق پائی۔ قیوم صاحب کی پیدائش اپنی والدہ اقبال بیگم صاحبہ کے آبائی گھر شر قپور ضلع جالندھر میں ۲۰ راگست ۱۹۴۲ء بروز جمعۃ المبارک ہوئی۔ ابتدائی تعلیم ڈرگ روڈ کراچی، لاہور صدر اور کالا ضلع جہلم میں پائی اور پھر ربوہ مستقل طور پر رہائش پذیر ہونے کے بعد تیسری جماعت سے دوبارہ تعلیم کا آغاز کیا۔

نومبر ۱۹۵۶ء میں مدرسہ احمدیہ میں داخل ہوئے اور جنوری ۱۹۶۶ء میں جامعہ احمدیہ سے "شاہد" کی ڈگری پانے کے ساتھ اعلیٰ دینی تعلیم کی تکمیل کی۔ اس دوران ۱۹۶۱ء میں میٹرک کا امتحان پرائیویٹ طور پر پاس کیا اور پھر ۱۹۶۶ء میں مولوی فاضل کا امتحان "فاضل عربی" بھی پاس کیا۔ اور پھر اگلے سال ادیب فاضل (اردو) اور انٹرمیڈیٹ کا امتحان بھی پاس کیا۔

جامعہ احمدیہ میں تعلیم کے دوران اکثر تعطیلاتِ سلسلہ کے مختلف اداروں کے لئے جماعتوں کے تربیتی دورے کرنے کے لئے رضاکارانہ وقف کرتے رہے۔ چنانچہ ان میں تحریک جدید، وقف جدید اور خدام الاحمدیہ مرکزیہ شامل ہیں۔

ان کے علاوہ "وقفِ عارضی" کے لئے دو سے چھ ہفتے کئی بار وقف کر کے کراچی لاہور اور بالاکوٹ میں خدمت کی توفیق ملی۔ نیز حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے قیام نخلہ (جابہ) کے دو سفروں میں

قریباً ایک ایک ماہ خدمت کا اعزاز حاصل ہوا۔ اسی دوران آپ نے سلسلہ کے اخبار و رسائل اور ملکی اخبارات میں لکھنا شروع کیا۔ آپ کے لکھے ہوئے بعض آرٹیکل اور لطائف ریڈیو پاکستان لاہور سے "بچوں کی دنیا" پروگرام میں بھی نشر ہوئے۔

آپ کا شمار جامعہ کے بہترین مقررین میں ہوتا تھا اور متعدد بار تقریری مقابلوں میں اوّل پوزیشن حاصل کی۔ دوران تعلیم آپ کو مارچ ۱۹۶۵ء میں سلسلہ تالیفات شروع کرنے کا موقع ملا۔ کتابچہ "مختصر تعارف کتب حضرت مسیح موعود" شائع ہوا جس کے تسلسل میں "اجمالی تعارف" اور پھر "مہدی موعود کے علمی خزانے" شائع ہوئیں جنہیں قبولیت عامہ حاصل ہوئی۔ ان کے بعد آپ نے سیرت پر کتب لکھیں۔ آپ کی تالیفات "تعارف کتب" "ڈاکٹر عبد السلام" اور "عقیدت کے پھول" موضوع کے اعتبار سے اولین کتب تھیں۔ تمام تالیفات پر سلسلہ کے اخبار و رسائل اور ہفت روزہ "لاہور" اور جماعت کے جید علماء نے شاندار تعریفی تبصرے کئے جنہیں قیوم صاحب نے "مطبوعات قیوم اکیڈمی" کے نام سے ایک ہینڈبل میں محفوظ کر دیا ہے۔ آپ کی پہلی کتاب کا پیش لفظ خالد احمدیت حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب نے تحریر فرمایا (یعنی "مختصر تعارف" کا "اجمالی تعارف")۔ پیش لفظ حضرت سیّدہ مریم صدیقہ صاحبہ نے "مہدی موعود کے علمی خزانے" کا پیش لفظ حضرت نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ نے اور "عقیدت کے پھول" کا پیش لفظ حضرت مرزا طاہر احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ نے خلیفہ بننے سے قبل رقم فرمایا۔ تمام تبصرے پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے بھی جلسہ سالانہ کی تقاریر میں قیوم صاحب کی تالیفات "مہدی موعود کے علمی خزانے" "ربوہ" "قادیان" "ایاز محمود" اور "عقیدت کے پھول" کا ذکر فرمایا۔ الغرض آپ کی تالیفات قابل قدر کوشش اور سلسلہ احمدیہ کے لٹریچر میں گراں بہا اضافہ ہیں۔ وہ انہیں اب دوبارہ شائع کروانے کا اہتمام کر رہے ہیں۔

جماعت احمدیہ کراچی کے شعبہ تعلیم القرآن کے تحت ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۲ء تک وقف کر کے ہمہ وقت خدمت کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس دوران رمضان المبارک میں تین سال پورے قرآن کریم کا درس دینے کا اعزاز حاصل ہوا۔

علاوہ ازیں رمضان المبارک میں آپ کو جماعت احمدیہ بدین اور مارٹن روڈ اور گلشن اقبال کراچی میں بھی درس القرآن دینے کی توفیق ملی۔ آپ کے خطبات جمعہ بھی بڑے شوق اور توجہ سے سُنے جاتے تھے۔

۱۹۶۸ء میں آپ نے ٹی۔ آئی کالج ربوہ میں داخلہ لیا۔ کالج میگزین "المنار" کے ایڈیٹر بنے، نیز عربی سوسائٹی کے سیکرٹری بھی۔ بی اے اعلیٰ درجۂ اول میں پاس کیا۔ جامعہ میں دوران تعلیم آپ فٹ بال، کرکٹ، ڈیک ٹینس اور بیڈمنٹن میں حصہ لیتے رہے۔ بیڈمنٹن کے بہترین ٹیم کھلاڑیوں میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ ایک سال سالانہ سپورٹس میں آپ نے سیکرٹری گیمز کے فرائض سرانجام دیئے۔

اگست ۱۹۸۲ء سے اگست ۱۹۸۶ء تک گھانا (مغربی افریقہ) کے شہر "وا" میں قائم نصرت جہاں ٹیچرز ٹریننگ کالج میں "نصرت جہاں اسکیم" کے تحت وقف کر کے آپ کو لیکچرار کی حیثیت سے خدمات کی توفیق ملی۔

آپ نے لائبریری کے انچارج اُستاد کی حیثیت سے کالج لائبریری کو از سرِ نو ترتیب دیا، نیز کالج کیمپس میں واقع "دارالذکر" کے امام وخطیب کے فرائض بھی سرانجام دیتے رہے۔ جماعت ہائے احمدیہ غانا کے جلسہ ہائے سالانہ جنوری ۱۹۸۵ء تا ۱۹۸۶ء میں ہر سال ایک ایک صبح نماز تہجد کی امامت کا بھی اعزاز پایا۔ نیز انہیں جلسوں میں (اور بعض دیگر ریجنل جلسوں میں بھی) حضرت مسیح موعود کا عربی منظوم کلام خوش الحانی سے سُنانے کی سعادت بھی آپ کو حاصل ہوئی جسے غانا ٹیلیویژن نے بھی جلسوں کی کارروائی کے ساتھ نشر کیا۔

۱۹۶۹ء کے جلسہ سالانہ کے دوسرے روز بیت المبارک ربوہ میں مجلس علمی جامعہ احمدیہ کے زیر اہتمام شبینہ اجلاس میں حضرت مرزا طاہر احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ کی صدارت میں جامعہ کے آخری تینوں درجوں کے ایک، ایک بہترین مقرر طلباء نے تقاریر کیں۔ اعلیٰ ترین درجہ سے جناب قیوم صاحب نے تقریر کی جو پورے انہماک سے سُنی گئی۔ دورانِ تقریر فضا بار بار نعرہ ہائے تکبیر سے گونجتی رہی۔ غرض قیوم صاحب جہاں بھی رہے ایک واقفِ زندگی کی طرح فعال اور بھرپور زندگی بسر کی۔ اب گذشتہ چار سال سے نظامتِ انصار اللہ ضلع کراچی میں خدمت کی توفیق پا رہے ہیں۔ قیوم

صاحب کو یہ اعزاز بھی حاصل ہوا کہ سنہ ۱۹۵۱ء میں آپ نے کراچی سے لاہور ایک ہی ریلوے بوگی میں اپنے والدین و دیگر بھائی بہنوں کے ہمراہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی معیت میں سفر کیا۔ ربوہ کے حلقہ بیت المبارک سے قریب ترین رہائش کی وجہ سے خلفائے سلسلہ اور خاندان حضرت مسیح موعود کی بزرگ ہستیوں سے آپ کا قریبی مخلصانہ و عقیدت مندانہ تعلق رہا۔ اور آپ نے بھی اِن سب کی شفقت سے بھرپور حصہ پایا۔ سلسلہ کی متعدد تاریخی کتابوں کی تدوین میں آپ کو معاونت کا موقع ملا خصوصاً لجنہ کے لئے حضرت المصلح الموعود کے خطبات موسومہ "الازھار لذوات الخمار" کے لئے دن رات کام کیا۔ حضرت سیدہ مریم صدیقہ صاحبہ نے پیش لفظ میں آپ کا ذکر بھی فرمایا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے آخری سفرِ کراچی (چھ ہفتہ تک قیام) کے دوران قیوم صاحب تن تنہا خود نویسی کے فرائض انجام دیتے رہے اور روزانہ ۱۳، ۱۴ گھنٹے خدمات کی توفیق ملی۔ میں نے اختصار کے طور پر قیوم صاحب کی ہمہ جہتی خدمات کا تذکرہ کیا ہے ورنہ ؎

سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لئے

جہاں تک اُن کے کلام کا تعلق ہے تو شعوری یا لاشعوری طور سے وہ مذہبی اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کا حامل نظر آتا ہے۔ وہ جذباتی طور سے ایک دردمند دل رکھنے والے، نیک دل اور ملنسار شخصیت کے مالک اعلیٰ کردار کے بلند پایہ انسان ہیں۔ بزرگوں، دوستوں اور عزیزوں کی دائمی جدائی پر اُن کے دلِ دردمند نے جو اثرات قبول کئے وہ قطراتِ اشک کی طرح اُن کی چشمِ قلم سے صفحۂ قرطاس پر بکھر گئے ہیں۔ بقول میر تقی میر ؎

ہم کو شاعر نہ کہو میرؔ کہ صاحب ہم نے
دردِ دل کتنے کئے جمع تو دیوان ہوا

وہ ہر عزیز کی رحلت پر بُری طرح تڑپے ہیں جس کا اظہار ان کی منظومات کے ہر شعر سے ہوتا ہے۔ جہاں تک اُن کی غزلوں کا تعلق ہے تو وہ بھی اُن کے جذبات کی لہروں میں تیرتی نظر آتی ہیں اور تسلسل کا درجہ رکھتی ہیں۔ اُن میں بھرپور تغزل کی جھلکیاں بھی نظر آتی ہیں اور رومانیت کی روح بھی کارفرما نظر آتی ہے۔

نمونۂ کلام

میری پُر سوز محبت کے شرارے تم ہو — میری بیتاب نگاہوں کے اشارے تُم ہو
وہ جسے دیکھ کے مسرور سا ہو جاتا ہوں — میرے محبوب میرے راج دُلارے تُم ہو
تُم کو دیکھوں تو میرے دل کو قرار آتا ہے — دلِ مضطر کی سکینت کے سہارے تُم ہو
روز آتا ہے جو مشرق سے خبر دینے کو — چشمِ خفتہ کے لئے صبح کے تارے تُم ہو

مقصدِ زیست یہی، میری تمنا ہے یہی
میرا مقصود میری آنکھ کے تارے تم ہو

جو ہم کو بتاتے ہیں نشاں ظلم و ستم کا — ہم اُن کے لئے پھر بھی دُعا کرتے رہیں گے
جو خوش ہیں ہمیں دیکھ کے دُکھ درد سے بسمل — ہم اُن کے لئے دِل سے دُعا کرتے رہیں گے
وہ جن سے تھی امید ہمیں دل کے سکوں کی — وہ اپنے تغافل سے جفا کرتے رہیں گے
ایثار و وفا دے کے ہمیں حاذقِ جانباز — وہ میرے ہم دغم کی دوا کرتے رہیں گے

قیّوم ہمیں دیتے ہیں جو راحت و آرام
ہم اُن پہ سدا جان فدا کرتے رہیں گے

دردِ فرقت نے مجھے بخش دیئے رنج و اَلم — بے وفائی کا جو ہے داغ مٹاتے جانا
تو امانت ہے محبت کی قسم میرے حبیب — غیر کی نظروں سے نظریں نہ ملاتے جانا
تیری یادوں سے ہیں معمور میرے سینہ و دِل — اپنے دل میں میری یادوں کو بساتے جانا
ہے فدا تجھ پہ میرے جسم کا ذرہ ذرہ — جوشِ اُلفت سے میرے دل میں سماتے جانا

تیرا قیوم ہے بے چین غمِ ہجراں سے
پیار سے اُس کو گلے اپنے لگاتے جانا

مختار۔ چودہری احمد مختار آف سانگلہ ہل ضلع شیخوپورہ

نام احمد مختار۔ تخلص کا کوئی التزام نہیں۔ آپ کا تاریخی نام مختار بلند ہے جو آپ کے والد نے رکھا اور جس سے سن ہجری ۱۳۲۶ھ نکلتا ہے۔ پیدائش چک ۲۹ دہڑ سانگلہ ہل ضلع شیخوپورہ ۱۹۰۹ء۔ آپ کے والد چودہری محمد علی صاحب کا انتقال اس وقت ہوا جب چودہری صاحب کی عمر صرف چار سال تھی۔ آپ کے خاندان میں آپ کے پھوپھا صاحب نے حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کی بیعت کرنے میں سبقت کی۔ بعد ازاں چچا صاحب بھی حلقہ بگوش احمدیت ہو گئے لیکن والدہ صاحبہ اور چچی صاحبہ مخالف رہیں۔ آپ کے نانا صاحب بھی سخت مخالف تھے۔ وہ چچا صاحب کی بیعت پر بہت برافروختہ ہوئے۔ دو سال بعد والدہ اور خالہ نے بھی بیعت کر لی۔ باقیوں نے مخالفت کی۔ آپ کے چچا صاحب نے کافی طویل عمر پا کر ایک سو سال کی عمر میں انتقال کیا۔

چودہری صاحب نے سانگلہ ہل میں ایف اے تک تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ۱۹۲۳ء میں جبکہ آپ چھٹی جماعت کے طالب علم تھے آپ نے ایک رویا دیکھا کہ سورج مغرب کی طرف سے چڑھ رہا ہے لیکن عصر کے وقت جا کر ٹھہر گیا آگے نہیں بڑھا۔ رؤیا ہی میں یہ تفہیم ہوئی کہ یہ امام مہدی کی نشانی ہے۔

چودہری صاحب فرماتے ہیں کہ انہوں نے ۱۹۲۴ء سے شعر کہنا شروع کیا اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ کبھی کبھی طویل نظمیں بے ساختہ زبان قلم سے ٹپک پڑتی ہیں۔ اگرچہ آپ کی مشق سخن کو ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا ہے لیکن آپ کے کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک کہنہ مشق شاعر ہیں۔ شاعری کے تمام لوازم آپ کے کلام میں موجود ہیں اور بے ساختگی آپ کے ہر شعر سے ٹپکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین صاحبزادے اور ایک بیٹی عطا کی۔ چودہری صاحب اپنی ذاتی وجاہت،

منکسر المزاجی، ہمدردی مخلوق خدا اور دیگر صفاتِ حسنہ کی وجہ سے جماعت میں ہر دلعزیزی کا مقام حاصل کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جماعت احمدیہ کراچی کے امیر کی حیثیت سے خدمت سلسلہ عالیہ احمدیہ کا ایک نادر موقعہ عطا فرمایا ہے اور آپ اپنی بھرپور صلاحیتوں سے کامل استفادہ کرتے ہوئے شب و روز خدماتِ دینیہ میں مصروف رہے۔ آپ کے مفصل حالات کے حصول میں آپ کی منکسر المزاجی ہمیشہ روک بنتی رہی اور بڑی کوشش کے بعد جو حالات فراہم ہوئے وہ پیش خدمت ہیں۔

نعت سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم

دل نے جب صلِّ علیٰ کا وِرد اُونچا کر دیا
روح یوں بول اٹھی کہ اک ہنگامہ بپا کر دیا

سوچئے تو کس کی آمد کا ہے ہر سو غلغلہ
کس لئے ارض و سما کو حق نے پیدا کر دیا

احسنِ تقویم انسانی کا ہے یہ ارتقاء
ختم ہیں جس پر کمالات اس کو پیدا کر دیا

جس کی بعثت باعثِ تکمیل بیت اللہ ہوئی
جس نے عرفانِ براہیمی کا چرچا کر دیا

جس نے حیوانوں کو بخشا آدمیت کا لباس
جس نے ہر ذرّے کو مہتاب و ثریا کر دیا

کفر و شرک و بدعت و ظلم، تعدی، سرکشی
مشغلے سارے چھڑا کر حق کا شیدا کر دیا

ہر طرف چھائی ہوئی تھیں جہل کی تاریکیاں
مہرِ عالمتاب نے ہر سو اُجالا کر دیا

جس نے فرزانوں کو بھی سکھلائے آدابِ جنوں
حق کے جویاؤں کو جس نے حق شناسا کر دیا

ہر طرف پھیلا دیئے انوارِ علم و آگہی
اور ہر وادی کو رشکِ طورِ سینا کر دیا

کس صفا و صدق سے معمور تھی وہ ذاتِ پاک
کذب کے رسیوں کو بھی صدق سراپا کر دیا

جس نے ہر انسان کو بخشی فضیلت کی ردا
امتیازِ اسود و احمر کو عنقا کر دیا

ماؤں کے قدموں کی جنت سے بڑھا کر عظمتیں
صنفِ نازک کا جہاں میں بول بالا کر دیا

ظلم و استبداد کی بنیاد ہل کر رہ گئی
جبر و استحصال کا یکسر صفایا کر دیا

قیصر و کسریٰ کے ایوانوں میں ہلچل مچ گئی
ہر شکوہ خسروی کا رنگ پھیکا کر دیا

کوئی دکھلائے تو اس حُسن ترحم کی نظیر
کہہ کے "لاتثریب" سرِ دشمن کا اونچا کردیا

وہ میرا پیارا محمدؐ، وہ مشر، وہ جمیل
جس کے حسنِ خلق نے جگ میں اُجالا کردیا

جس کا ہر نقشِ قدم تھا منزلِ راہِ نجات
جس نے بیماروں کو بھی رشکِ مسیحا کردیا

پھر پڑا جب اور اس دنیا میں کفر و شرک کا
تیری رحمت نے ترا ہم راز پیدا کردیا

ہو کے روشن بدرِ کامل نے اندھیری رات میں
بخش کر آنکھیں ہر اک اندھے کو بینا کر دیا

تیرے اِس دورِ مسیحائی کے ہم انصار ہیں
صبر اپنایا ہے بعضوں کا صفایا کر دیا

پھر ترے عُشاق جرمِ عشق میں پکڑے گئے
پھر شرارت سے عدو نے شور برپا کردیا

پھر سے سیدھی راہ پر بھٹکے ہوئے چلنے لگے
گمرہوں کو تو نے پھر منزل شناسا کردیا

مجھ سے پھر یارِ ازل نے پیار سے باتیں بھی کیں
مجھ کو اُس نے قرب بخشا اور بالا کردیا

دل بھلا کیسے بھلا دے یہ عنایاتِ عمیم
میرے جیسے ذرۂ ناچیز کو کیسا کردیا

مضطرؔ - پروفیسر چوہدری محمد علی مضطرؔ

۱۹۱۷ء میں ضلع فیروزپور (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے کیا۔ نوجوانی میں احمدیت قبول کر کے اپنی خدمات سلسلہ احمدیہ کے لئے وقف کر دیں۔ ۱۹۴۴ء میں جب تعلیم الاسلام کالج قائم ہوا تو آپ کو اس موقر تعلیمی ادارے کے بانی اساتذہ میں شامل ہونے کی سعادت ملی اور قیام پاکستان کے بعد اسی کالج سے پرنسپل کے طور پر ریٹائرڈ ہوئے۔
دوران ملازمت ایک دفعہ آپ کو ایف سی کالج لاہور کا پرنسپل بھی مقرر کیا گیا۔

آپ ایک طویل عرصہ تک پنجاب یونیورسٹی کی سینٹ اور اکیڈیمک کونسل اور بورڈ آف سٹڈیز (نفسیات) کے ممبر رہے۔ اسی طرح فلسفہ، نفسیات، اور انگریزی زبان و ادب کے استاد رہے۔ علاوہ ازیں کالج میں ہوسٹل کے علاوہ تیراکی، کشتی رانی، کوہ پیمائی، باسکٹ بال، یو ٹی سی اور آئی ٹی سی کے انچارج اور پاکستان کی قومی باسکٹ بال کے سینئر وائس پریذیڈنٹ رہے۔ آپ انگریزی اور اردو ادب کا اعلیٰ ذوق رکھتے ہیں اور اردو زبان کے بلند پایہ شاعر ہیں اور آپ کا کلام ادبی حلقوں میں انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

اردو شاعری میں محترم چوہدری صاحب ان چند شعراء میں سے ایک ہیں جن کے بارے میں یہ مصرعہ درحقیقت صادق آتا ہے کہ

ع اے اہل زمانہ قدر کرو نایاب نہ ہوں کم یاب ہیں ہم

غزلیں

ملا کوئی تو سرِ اوجِ دار دینا تھا — نہیں تھا پھول تو پتھر ہی مار دینا تھا

حریفِ دار بھی پروردگار دیتا تھا
دیا تھا غم تو کوئی غم گسار دیتا تھا

یہ وہ زمین تھی جو آسماں سے اُتری تھی
یہ وہ حوالہ تھا جو بار بار دیتا تھا

وہ اک حسین تھا اس عہد کے حسینوں میں
اسے کسی نے تو کافر قرار دیتا تھا

میں اپنی تنگیٔ داماں کا عذر کیا کرتا
وہ دے رہا تھا اُسے بے شمار دیتا تھا

فرصتِ شامِ الم پوچھتے ہیں
یعنی اندازۂ غم پوچھتے ہیں

ہم پہ الفاظ نے یورش کر دی
آپ آدابِ قلم پوچھتے ہیں

ہم سے کیا صلح نہیں ہو سکتی
لفظ بادیدۂ نم پوچھتے ہیں

دشت میں کوئی تو دروازہ ہو
کس طرف جائیں قدم پوچھتے ہیں

بات جو پوچھی ہے تم نے مضطر
یوں بھری بزم میں کم پوچھتے ہیں

چراغِ دشت کی لَو ہِل گئی ہے
سواری دل کی بے منزل گئی ہے

بڑی بے کیف تھی شامِ غریباں
تم آئے ہو تو جیسے کھِل گئی ہے

جو اُٹھی ہے کبھی مجبور ہو کر
صداؤں میں صدا گھل مِل گئی ہے

تیری محفل میں میری نگہ گستاخ
جھگڑنے آئی تھی قائل گئی ہے

اُسے اُس کی شہنشاہی مبارک
مجھے میری فقیری مِل گئی ہے

کوئی ڈوبا نہ ہو دریا میں مضطر
بڑی خلقت سوئے ساحل گئی ہے

گھر کے کواڑ زیرِ زباں بولنے لگے
مالک چلے گئے تو مکاں بولنے لگے

دشمن اگر ہماری زباں بولنے لگے
بجھ جائے آگ اور دھواں بولنے لگے

سورج چلا گیا تو اُتر آئی چاندنی
پلکوں پہ روشنی کے نشاں بولنے لگے

وہ سنگدل بھی کوئے ندامت میں جا بسا
پتھر بھی پانیوں کی زباں بولنے لگے

پہلے خلائے جاں میں خاموشی رہی مگر
پھر یوں ہوا کہ کون و مکاں بولنے لگے

ورائے اشک اسے عمر بھر پکارا تھا
وہی سکون تھا دل کا وہی سہارا تھا

گلِ مراد کھلا تھا ہزار سال کے بعد
چمن کا ورنہ روایات پر گزارہ تھا

تمام عمر کٹی اور فیصلہ نہ ہوا
کہ جرم عشق کا اس کا تھا یا ہمارا تھا

جو ایک بار اسے دیکھا تو دیکھتے ہی رہے
کوئی علاج تھا اس کا نہ کوئی چارا تھا

شبِ وصال بھی فرقت کے فاصلے نہ گئے
کہ وصلِ یار بھی فرقت کا استعارہ تھا

یہ کس کا عکس اُتر آیا تھا رگِ جاں میں
کہ لاکھ پردوں میں چھپ کر بھی آشکارا تھا

میں اپنی ذات سے آگے سفر پہ کیا جاتا
کہ اس جزیرے کا چاروں طرف کنارہ تھا

میں شہرِ عشق کا منصور تو نہ تھا لیکن
کسی نے سنگ کسی نے تو پھول مارا تھا

میں اشک اشک ستارے تراشتا کیسے
پگھل گیا تھا وہ منظر جو سنگِ خارا تھا

تم آسماں سے بچھڑ کر اداس کیا ہوتے
زمین زہر تھی اور زہر بھی گوارا تھا

یہ اور بات ہے منزل جدا جدا تھی مگر
جو راستہ تھا ہمارا وہی تمہارا تھا

شبِ فراق کو آباد کر گیا مضطر
وہ اشک جو کبھی صورت کبھی ستارہ تھا

مجھ کو میرے روبرو نہ کرنا
اتنا تو بے آبرو نہ کرنا

پہچان نہیں سکو گے چہرے
آئینوں کی آرزو نہ کرنا

خواہش کے قفس میں رہنے والو
تزئینِ قفس کی خُو نہ کرنا

جس بات پہ عقل کا ہو اصرار
اے دل اسے ہو بہو نہ کرنا

معلوم ہیں اس کو راز سارے
دیوار سے گفتگو نہ کرنا

آنسو ہوں اگر تمہیں میسّر
پانی سے کبھی وضو نہ کرنا

مَیں اپنی تلاش کو چلا ہوں
مضطرؔ میری جستجو نہ کرنا

چاند نگر کے چشمے خون اگلتے ہیں
دریا سوکھ گئے ہیں ساحل جلتے ہیں

جھیلوں کے پردیسی بھیگی راتوں میں
رک رک کر رستے کے پلوں پہ چلتے ہیں

بارش ہو تو دھو لیتے ہیں چہروں کو
دھوپ کھلے تو دھوپ کا غازہ ملتے ہیں

جاگنے والے اشکوں کی آواز نہ سن
آنکھ کے سورج ڈھلتے ڈھلتے ڈھلتے ہیں

یاروں نے تو کب کا ملنا چھوڑ دیا
دشمن ہفتے عشرے آن نکلتے ہیں

جا رہنے کو شہر بھی ہیں ویرانے بھی
ان کی گلی میں جاؤ تو ہم بھی جلتے ہیں

دل کے ہاتھوں کس نے سکھ کا سانس لیا
دوست پریشاں حال ہیں، دشمن جلتے ہیں

ہم سیلانی۔ تم مالک ہو شہروں کے
عیش کرو۔ آرام کرو۔ ہم چلتے ہیں

اپنے بے گانے حیران ہیں مدت سے
حضرتِ مضطرؔ گرتے ہیں نہ سنبھلتے ہیں

صلہ کوئی تو سرِ اوجِ دار دینا تھا
نہیں تھا پھول تو پتھر ہی مار دینا تھا

حریفِ دار بھی پروردگار دینا تھا
دیا تھا غم تو کوئی غمگسار دینا تھا

یہ وہ زمین تھی جو آسماں سے اتری تھی
یہ وہ حوالہ تھا جو بار بار دینا تھا

وہ اک حسین تھا اس عہد کے حسینوں میں اسے کسی نے تو کافر قرار دینا تھا
میں اپنی تنگیٔ داماں کا عذر کیا کرتا وہ دے رہا تھا اسے بے شمار دینا تھا
تم اپنے آپ سے ملتے اگر اکیلے تھے کڑا تھا وقت تو ہنس کر گزار دینا تھا
نہیں بتاتا تھا لوگوں کو اپنا نام پتہ سرِ صلیب کوئی اشتہار دینا تھا
وہ بے لحاظ بھی کہتا کبھی خدا لگتی اسے بھی زخم کوئی مستعار دینا تھا
وہ برگزیدہ شجر لڑ رہا تھا موسم سے کہ سہونا تھا اسے برگ و بار دینا تھا
ہمیں بھی عہد کے انجام سے تھی دلچسپی کہ ہم فقیروں کا اس نے اُدھار دینا تھا
اُٹھائے پھرتے ہو مضطرؔ اجاڑ گلیوں میں
یہ سر کا بوجھ تو سر سے اتار دینا تھا

تنہائی

دیدہ و دل میں کھول رہے ہیں درد کے اوقیانوس
مجبوروں کے ایشیا ہیں اور مزدوروں کے روس
تنہائی میں جل اُٹھتے ہیں یادوں کے فانوس
یاد کی جوت جگائی ـــــ تنہائی ـــــ تنہائی
بنجر ٹیلوں میں اُگ آئے خواہش کے شہتوت
حال کے گلشن میں لا رکھا ماضی کا تابوت
بزمِ طرب میں ڈرتے ڈرتے آیا ایک اچھوت
کیوں ڈرتے ہو بھائی ـــــ تنہائی ـــــ تنہائی
پت جھڑ کے طوفان میں پیلے پتے ہیں مجبور
وقت کا سینہ کھود رہے ہیں لمحوں کے مزدور

تنہائی میں چاند نے چوسے اشکوں کے انگور
آگ سے آگ بجھائی ـــــ تنہائی ـــــ تنہائی

یہ کس کی تصویر کو جھک کر چوم رہے ہیں چاند
نیند کی نیّا ڈول رہی ہے جھوم رہے ہیں چاند
پانی کے پردیس میں تنہا گھوم رہے ہیں چاند
پار پون لہرائی ـــــ تنہائی ـــــ تنہائی

کوٹھوں پہ لیلیٰ سیر کو نکلی ہیں کس کی آس لیے
نچلی منزل والوں سے کہہ دو اوپر مت آئیں
تھک جائیں تو بھیگی آنکھوں سے تلوے سہلائیں
گھورتی ہے گہرائی ـــــ تنہائی ـــــ تنہائی

دھیان کی ٹہنی ٹہنی پہ ہیں رقصاں من کے مور
لفظوں کے دروازے توڑ رہے ہیں گونگے چور
دشت کے سینے میں برپا ہے تنہائی کا شور
قیس نے ٹھوکر کھائی ـــــ تنہائی ـــــ تنہائی

خیال کے گورے گال پہ نکلا تنہائی کا تِل
لفظوں کے درویش کھڑے ہیں اُٹھو عزت سے مِل
یاد کی لَے پہ ناچ رہے ہیں دروازوں کے دل
چیختی ہے شہنائی ـــــ تنہائی ـــــ تنہائی

روما کی دیواروں سے رستی ہے خون کی مَے
سیزر کو جب مار چکو بولو سیزر کی جے
مصر کے مردہ خانوں میں اک ممی بول رہی ہے
ہنستا ہے سودائی ـــــ تنہائی ـــــ تنہائی

وقت کی نیل جھیل میں اُٹھا لہروں کا طوفان
انسانوں سے آن ملیں گے پھر واپس انسان
صحرا کے سینے میں جاگے اُس کے نخلستان
دشت میں آنکھ آئی ـــــ تنہائی ـــــ تنہائی

مُصلح الدین راجیکی

آپ ۱۹۱۲ء میں گجرات کے ایک گاؤں راجیکی میں پیدا ہوئے۔ آپ سلسلہ کے معروف بزرگ حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی کے بیٹے ہیں۔ جب وڑائچ برادری سے آپ کا تعلق تھا۔ شاعری آپ کو ورثہ میں ملی۔ آپ کے والد محترم بھی پنجابی، عربی اور اردو کے شاعر تھے۔

جامِ ظہور آپ کا منظوم کلام ہے جبکہ کوس رحیل میں آپ نے ربوہ سے ہجرت اور تلاشِ معاش کے سلسلہ میں جو سفر کئے ان کے حالات بڑے دردمند الفاظ میں بیان کئے ہیں۔ سیلاب کی وجہ سے میلوں پیدل سفر کرنا پڑا۔ آپ نے لاہور، منڈی بہاؤالدین، لالہ موسے، لودھراں، سرگودھا، مظفر گڑھ اور چیچہ وطنی کا ذکر اور گزرنے والے حالات اور گردشِ زمانہ کا بیان بہت ہی دلگداز انداز میں کیا ہے۔ اس سفر میں آپ اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کی دوری کے لئے مسلسل دعا بھی کرتے رہے۔ جامِ ظہور میں شامل نظم بعنوان "نوائے بے نوا"

؎ یہ ثبوت بے نیازی تجھے کیوں ہوا گوارا

اسی پس منظر کی مظہر ہے۔ آپ ۱۹۵۹ء میں بعمر ۴۷ سال فوت ہوئے اور بہشتی مقبرہ میں مدفون ہیں۔

نمونہ کلام

تیری محفل سے جو بھی آتا ہے — اپنے اپنے سُروں میں گاتا ہے
میرے نالوں کو نارسا نہ سمجھ — تیری حالت پہ رحم آتا ہے
تو نے کیا کیا ستم کئے لیکن — میرا دل ہے کہ بھول جاتا ہے

راہِ الفت بڑی طویل سہی　　چلنے والا پہنچ ہی جاتا ہے
تیری دُنیا میں ہم فقیروں کو　　کون اپنے گلے لگاتا ہے

جانے کیا چیز دلبری میں نہیں　　کوئی تسکین عاشقی میں نہیں
دن تو اب بھی گزر ہی جاتے ہیں　　بات پہلی سی زندگی میں نہیں
سر نہ پیٹے تو کیا کرے انساں　　آدمیت ہی آدمی میں نہیں
آئینہ لے کے آپ ہی دیکھو　　کون سی چیز سادگی میں نہیں
یہ کسی اور کی صدا ہو گی!　　اب وہ درویش اس گلی میں نہیں

سر جھکانے سے فائدہ مصلحؔ
دل کا جھکنا جو بندگی میں نہیں

فرقت کے جھمیلے

آہوں سے تقاضا کر بیٹھے نالوں سے تمنا کر بیٹھے
جب دیکھ نہ پایا جلووں کو ہم عشق کو رسوا کر بیٹھے

چھپنا تھا اگر یوں پردوں میں اے حسنِ ازل کی رعنائی
کس بات پہ نَحنُ اَقرَبُ کا تم دہر میں چرچا کر بیٹھے

ایسے میں اگر تم آ جاتے پھولوں کا بھرم تو کھل جاتا
معلوم نہیں کس برتے پر یہ حسن کا دعویٰ کر بیٹھے

لو دیکھ لو تم بھی دنیا میں فرقت کے جھمیلے کیسے ہیں
جینے کی تمنا چھوڑ کے ہم، مرنے کا تہیا کر بیٹھے

جس ڈال میں دیکھا بجلی ہے جس پات میں دیکھا شعلے ہیں
معلوم نہیں کیوں گلشن میں ہم آ کے بسیرا کر بیٹھے

دیس پیا

میں دیس پیا سے دُور ہوئی کوئی دیس پیا کے لے جائے
لے سیس مری دکھیارن کی اور دید پیا کی دے جائے

یا کہہ دے آنا ساجن سے اک درد بھری بن باسن ہے
تیرے نام کو لے لے روتی ہے وہ دکھیا ہے اور پاپن ہے

سُکھ چین گیا من میت گیا غمگین بھکارن پھرتی ہے
تیرا ہاتھ سنبھالے سنبھلے گی کبھی اٹھتی ہے کبھی گرتی ہے

دن رات تمھاری آس میں ہے دُکھ درد مصیبت سہتی ہے
جب ہوک سی دل میں اُٹھتی ہے بے حال اداسن کہتی ہے

میں ڈوبی پاپ کے ساگر میں تو پکڑیو بالم باہوں کو
اک نیا دہر میں تیری ہے تو سن لے ساجن آہوں کو

یہ رات بڑی اندھیاری ہے اور یاس کا ہر سو گھیرا ہے
میں راہ سے بھولی بھٹکی ہوں اور دور بسیرا تیرا ہے

دُکھ درد کے بادل چھائے ہیں آلام کی برکھا برسے ہے
تو لے چل اپنی نگری کو تیرے مکھ کو منوا ترسے ہے

جو دیس میں تیرا راج رہے ہر آن میں اللہ والی ہو
میں تیرے باغ کی ڈالی ہوں تم میرے باغ کے مالی ہو

یہ دیکھ لے میری آہیں ہیں یہ سن لے میرے نالے ہیں
اس چڑیا بن بسیرے میں کیا بیکل فرقت والے ہیں

نوائے بے نوا

یہ ثبوتِ بے نیازی تجھے کیوں ہوا گوارا
کہ فلک سے توڑ پھینکا مری زندگی کا تارا

مری بے بسی کے سجدے نہ منا سکے جنوں کو
جو اُٹھا بھی کوئی نالہ تو گرا گیا شرارا

ترے فیض کی بدولت ہوئے شاد کام لاکھوں
اے بہارِ زندگانی کوئی اس طرف اشارا

تجھے ناپسند ہے تو مری آرزو بدل دے
ابھی ہے اسی روش پر مرے آنسوؤں کا دھارا

نہ فلک سے کچھ شکایت نہ گلہ تری جفا سے
مجھے خواہشوں نے لوٹا مجھے زندگی نے مارا

نہ ملا کوئی ٹھکانہ نہ مری بے قراریوں کو
کہیں رو کے شب گزاری کہیں ہنس کے دن گزارا

بڑے دکھ بھرے ہیں جاناں مری زندگی کے لمحے
کبھی ہو سکے تو سننا مری داستاں خدارا

نہ بدل سکی ہے پیارے تری خوئے لن ترانی
مرے آنسوؤں نے پھر بھی تجھے بارہا پکارا

مری ہستی کا عالم ترے کُن کا منتظر ہے
مرے مہرباں دکھا دے فیکون کا نظارا

نعتُ النّبیؐ

مقامِ شفیع الوریٰ اللہ اللہ
خدا خود ہے محوِ ثنا اللہ اللہ

جسے بیکس و بے نوا سب نے سمجھا
وہ نکلا شہِ دوسرا اللہ اللہ

ہوا ہے نہ ہوگا زمانے میں پیدا
مشیّت کا یہ مدعا اللہ اللہ

فسوں کاریٔ کُن تھی مقصود جس سے
محمدؐ ہے وہ دلربا اللہ اللہ

یہ وہ سحر تھا جس نے برقِ تپاں کو
دیا ذوقِ آبِ بقا اللہ اللہ

ہوا لی مع اللہ وقتٌ سے ظاہر
عروجِ حبیبِ خدا اللہ اللہ

ہزاروں ہوئے با خدا پھر بھی سب ہیں
محمد ہی ہے مصطفٰے اللہ اللہ

سویدائے دل سے بھی محبوب تر ہے
سرِ رہ ترا نقشِ پا اللہ اللہ

تری مشکبو سے معطر ہے اب تک
حریمِ جہاں کی فضا اللہ اللہ

نہ ہے سرفرازی کہ اس خشک تر میں
یہ مصلح ہے تیرا گدا اللہ اللہ

مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات

اے خدا اہلِ محرم کو نویدِ عید دے
رہرو راہِ محبت کو صلائے دید دے

دوزخِ ہجراں بدل دے جنّتِ دیدار میں
دانۂ تسبیح پرو دے رشتۂ زنّار میں

میرے شوقِ آگہی کو مطلعِ انوار کر
میری ہستی کو محیطِ گوہرِ اسرار کر

انتہائے جستجو دے منتہائے راز دے
تا ابد جو اُڑ سکے وہ شہپرِ پرواز دے

جگمگا دے میری دُنیا جلوۂ فاران سے
لہلہا دے میرا گلشن کوثر و رضوان سے

میرے نالوں کو درائے کارواں کا سوز دے
میری آہوں کو فروغِ انجمن افروز دے

مصطفٰےؐ کا عشق دے میرے دلِ صد چاک کو
احمدیت کا جنوں دے بستۂ فتراک کو

کاسۂ دعوات بھر دے دولتِ بیدار سے
اے خدا مجھ کو بنا لے زمرۂ ابرار سے

دلِ حزیں کے تقاضوں کو رائیگاں نہ سمجھ
غمِ فراق کی باتوں کو داستاں نہ سمجھ

بڑے فریب ہیں اس بے وفا کی باتوں میں
جو مہرباں ہے زمانہ تو مہرباں نہ سمجھ

نہال عمر میں اک بار پھول آتے ہیں
بہارِ عہدِ جوانی کو جاوداں نہ سمجھ

ھدیٰ تو لاکھوں ہی گاتے ہیں کاروانوں میں
ہر اک کو ناقہ لیلیٰ کا سایبان نہ سمجھ

بھروسہ چھوڑ دے دو دن کی زندگانی کا
تو پائیدار یہ تنکوں کا آشیاں نہ سمجھ

اسی خودی کے جہنم سے ہے عزازیل
حریم نفس کو سجدوں کا آستاں نہ سمجھ

گلشن کی بہاریں جھوٹی ہیں پھولوں کے نظارے جھوٹے ہیں
بلبل کی صدائیں دو دن ہیں آہوں کے شرارے جھوٹے ہیں

دنیا میں گلے جو ملتے ہیں اک روز بچھڑ کر رہتے ہیں
خوشیوں کا بھروسہ کیونکر ہو خوشیوں کے سہارے جھوٹے ہیں

دریا کے سوا بھی اُٹھتے ہیں طوفان ہزاروں دُنیا میں
تو جن کو کنارے سمجھا ہے ناداں وہ کنارے جھوٹے ہیں

دم بھر کا اجالا دیکھ کے تُو انجام سے غافل ہو بیٹھا
اتنا بھی نہ سوچا گردوں میں قسمت کے ستارے جھوٹے ہیں

دنیا نے بنائی کس سے ہے جو تم سے بنا کر رکھے گی
انسس تمہاری جھوٹی ہے یہ سانس تمہارے جھوٹے ہیں

یہ جام جوانی آج نہیں تو کل کو چھلکنے والا ہے
انسس جہان کے بل بوتے پر مصلح یہ طرارے جھوٹے ہیں

محشرؔ سیٹھ محمد معین الدین صاحب محشر حیدرآبادی

محمد معین الدین نام، محشرؔ تخلص ۱۹۱۲ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام سیٹھ محمد غوث صاحب۔ ان کے بڑے بھائی سیٹھ محمد اعظم تھے۔ دوسرے بھائی غلام محمود صاحب امریکہ میں رہتے ہیں۔ آپ کی شادی حضرت مولانا ذوالفقار علی خاں صاحب کی دختر سے رام پور میں ہوئی جو مولانا عبدالمالک خاں صاحب ناظر اصلاح و ارشاد کی ہمشیرہ ہیں۔ حضرت مصلح موعودؓ نے سیٹھ صاحب کی ہمشیرہ کے خطبہ نکاح کے دوران ارشاد فرمایا تھا کہ ان کے گھرانے سے ہمارا تعلق خانہ واحد جیسا ہے۔ حضرت مصلح موعود کے صاحبزادگان صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب اور صاحبزادہ مرزا رفیع صاحب کو سیٹھ صاحب چھوٹے بھائی کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ سیٹھ صاحب کے قول کے مطابق جلسہ سالانہ پر سیٹھ صاحب سیدہ اُمّ طاہر کے یہاں فروکش ہوتے تھے اور وہاں بے تکلف مجلسیں جمتی تھیں جن کی یادیں آج تک سیٹھ صاحب کا سرمایہ حیات ہیں۔

سیٹھ صاحب کی اولادوں میں بڑے صاحبزادے سیٹھ محی الدین صاحب شادی شدہ ہیں اور دوسرے صاحبزادے سیٹھ بشیر الدین صاحب ہیں۔

سیٹھ صاحب کی ابتدا ہی سے شعروشاعری کی طرف مائل تھی لیکن ۱۹۳۴ء میں جب احرار کا فتنہ اپنی شدت کے ساتھ ظاہر ہوا جس نے سارے برصغیر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تو دیگر شعرائے احمدیت کی طرح سیٹھ صاحب کے جذبات میں بھی ایک طلاطم خیز طوفان نے جوش مارا اور نوکِ قلم سے اس کا اظہار شروع ہوا۔ اسی زمانہ کی ایک نظم جس کا عنوان "خطاب بہ احرار" ہے قارئین کی خاطر یہاں نقل کی جاتی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ہر ابتلاء ایک سچے اور مخلص احمدی کو ازدیادِ ایمان کی دولت عطا کرتا ہے اور وہ کسی حالت میں بھی خوف یا تذبذب کا

کا شکار نہیں ہوتے۔ ملاحظہ فرمائیے ؎

خطاب بہ احرار

تم اپنی چند روزہ کامرانی دیکھتے کیا ہو
بنے گی اشکِ حسرت شادمانی دیکھتے کیا ہو

"عدو شرے برانگیزد کہ خیرِ ما دراں باشد"
مصائب میں ہماری شادمانی دیکھتے کیا ہو

تمھارا خبثِ باطن خود جھکا دے گا نگاہوں کو
ہے داغِ دل صداقت کی نشانی دیکھتے کیا ہو

ہوئی دُنیا تہ و بالا ہمارے سات روزوں سے
ابھی تم کوئٹہ کی نوحہ خوانی دیکھتے کیا ہو

خدا کے پاک بندوں کو ستانا کھیل سمجھتے تھے
اثر کرتی ہے کیسا بے زبانی دیکھتے کیا ہو

خدا رسوا کرے گا تم کو اے بدبخت انسانو
مقدر ہے سزائے آسمانی دیکھتے کیا ہو

مٹا دے گی تمھیں یہ زور دریا ہی کے نادانو
ابھی تم میرے اشکوں کی روانی دیکھتے کیا ہو

ابھی تو نوح کی کشتی نہیں ہے آنکھ سے اوجھل
پھر اُونچا ہو نہ جائے سر سے پانی دیکھتے کیا ہو

نگاہِ یاس محشر کہہ رہی ہے ماجرا دل کا
بوقتِ ذبح اُس کی بے زبانی دیکھتے کیا ہو

سیٹھ صاحب نہایت خوش اخلاق اور مرنجان طبیعت کے مالک ہیں اور آج کل بہادر آباد سوسائٹی کراچی میں ریٹائرڈ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

نعت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم

فکر و نظر سے ہے بلند تیرے وجود کا مقام
دونوں جہاں کے بادشہ تجھ پر درود اور سلام

اے تری ذاتِ باصفا شرحِ مقامِ کبریا
اے ترے نام پاک میں حمد و ثنا کا انضمام

اے ترے قلبِ صاف میں کون و مکاں کی وسعتیں
اے ترے فیضِ عام سے شاہ و گدا ہیں شاد کام

اے ترا حُسنِ بے مثال، نورِ خدائے لایزال
اے ترا جلوہ جمال شعلۂ طور کا پیام

چارہ دردِ زندگی تیرا پیامِ سرمدی
تیری نوائے لطف سے زخمِ نہاں کا التیام

جو ترے فیض سے ہوئے راہِ وفا میں گامزن
کارگہِ حیات میں ہو گئے فائز المرام

جن کے دلوں کو بخش دی علم و یقین کی روشنی
اُن کی نظر پہ کھل گیا رازِ حقیقتِ دوام

محشرِؔ خستہ جاں بھی ہے تیرے کرم کا منتظر
فیضِ عمیم سے ترے قلب و نظر ہوں شادکام

قادیان دارالامان

مبارک ہو تجھے اے قادیان دارالاماں ہونا
مبارک چپہ چپہ کا ترے جنت نشاں ہونا

نشاطِ روح رقصاں ہے تری ٹھنڈی ہواؤں میں
عجب پُر کیف ہے تیری فضا ساری فضاؤں میں

ترے حسنِ عمل کا اِک جہاں ہے عشقِ دل سے
کوئی پوچھے ترے ناوک کی لذت قلبِ بسمل سے

ترے اعجازِ بیداری سے دنیا جاگ اٹھی دل کی
تری جادہ شناسی سے حدیں طے ہیں منزل کی

مسیح موعود علیہ السلام

سوادِ مشرق سے اک برقِ چمکتا ہوا آیا
دلوں کی ظلمتوں پہ نور برساتا ہوا آیا

کیا جوشِ عمل پیدا دلوں میں نعرۂ حق سے
ہزاروں بجلیاں رگ رگ میں دوڑاتا ہوا آیا

جری اللہ سلطان القلم باطل کے لشکر میں
علم کی تیغِ جوہر دار چمکاتا ہوا آیا

حضرت مُصلح موعودؓ کے دستِ مبارک سے شربت کا گلاس عطا ہونے پر

مجھے آج شربت پلایا کسی نے
نئی کروٹیں لیں مری زندگی نے

یہ شربت کہ تھا رشکِ تسنیم و کوثر
معطر معطر، معنبر معنبر

یہ شربت کہ تھا نو بادۂ زندگی تھا
یہ شربت کہ اک مزجِ پائندگی تھا

یہ شربت کہ تھا مژدۂ شادمانی
یہ شربت کہ تھا صورت کامرانی
یہ شربت کہ افسردہ رنگ و بُو تھا
یہ شربت کہ میری مئے آرزو تھا
بنا ذوقِ عرفاں مرا ذوقِ عامی
بڑے کام آئی مری تشنہ کامی
میں قسمت کی اس کامیابی کے صدقے
میں ساقی کے صدقے گلابی کے صدقے
جھلکتے ہوئے اس میں انوار احساں
لہکتا ہوا اس میں احساسِ پنہاں
بڑھا اَبر اور چھا گیا گلستاں پر
چھڑک دی کسی نے شرابِ آسماں پر
مری عشرتیں ہو گئیں جاودانی
زہے شادمانی خوشا کامرانی

غزل

ہستی کی حقیقت کچھ بھی نہیں غمگین سا اک افسانہ ہے
محروم بصیرت ہیں آنکھیں عرفاں سے دل بیگانہ ہے

یہ بزمِ جہاں کی آرائش یہ فکر و نظر کے ہنگامے
کس خواب میں ہے تو دیوانے اک خواب ہے اک افسانہ ہے

نامحرمِ رازِ سوزِ دروں اتنی بھی نہیں کیا تیری نظر
جلتی ہے جو شب سے تا بسحر وہ شمع نہیں پروانہ ہے

معدوم ہے کچھ آثارِ جنوں، ناکام ہے کچھ اندازِ سکوں
یہ خانۂ دل کس سے پوچھوں آباد ہے یا ویرانہ ہے

آئینِ نیاز و ناز مگر اک ظرف کے طالب ہیں محشر
کچھ دُور نہیں بس مسجد سے دو چار قدم میخانہ ہے

غزل (۲)

خموشی حاصل آہ و فغاں معلوم ہوتی ہے
ہماری داستاں اب داستاں معلوم ہوتی ہے

ہوس اس کارگاہ دہر میں لب تشنہ ہے اب بھی
یہیں سے منزل سود و زیاں معلوم ہوتی ہے

جنوں اب عقدۂ اسرار ہستی کھول کر رکھ دے
حقیقت داستاں در داستاں معلوم ہوتی ہے

مری روداد غم سن کر وہ یوں خاموش ہیں محشر
کہ خاموشی بھی جزو داستاں معلوم ہوتی ہے

غزل (۳)

جی ڈوبنے لگا ہے محبت کے نام سے
کچھ آج صبح سی نظر آتی ہے شام سے

ہلکی سی اک نگاہ پھر اے شاہد ازل
نقش حیات ہیں ابھی کچھ ناتمام سے

گو تھیں چمن میں پہلے بھی رعنائیاں مگر
نغمے سے گونج اٹھے تری موج خرام سے

غزل (۴)

جسے تم مسکرا کر دیکھ لو دیوانہ ہو جائے
وہ دیوانہ جو فرش و عرش سے بیگانہ ہو جائے

بہت ہی بڑھ چلا ہے اعتبار ہستی فانی
نقاب الٹو کہ دنیا ہوش سے بیگانہ ہو جائے

جنوں یوں عقدہ اسرار ہستی کھول کر رکھ دے
کہ میری زندگی عبرت کا اک افسانہ ہو جائے

غزل (۵)

یہ درس ملا ہم کو آج آپ کی محفل سے
منزل پہ پہنچ کر بھی ہم دور ہیں منزل سے

جینے کے لئے دو دن کافی ہیں محبت میں
ہم سے تو یہ دو دن بھی کاٹے گئے مشکل سے

اتنی ہی تو ہے ہمدم رودادِ غمِ پنہاں
دل روٹھ گیا ہم سے ہم روٹھ گئے دل سے

سامانِ قیامت تھا ہنگام سحر ملنا
اک درد بھرے دل کا اک درد بھرے دل سے

اس پردۂ ہستی میں یہ کون فسوں گر ہے
سرگرم تکلم ہے محشر جو مرے دل سے

غزل (۶)

کامیاب شوق ہو یہ شورش ناکام کیا
زندگی درکار ہے جینے کا یہ الزام کیا

آج بھی گردش میں رہتا ہے وہی جام الست
مستی عرفاں بقدر مستی اوہام کیا

میرے آنکھوں سے کوئی دیکھے بہار رنگ و بو
ساقی شیریں نفس کیا ہے مئے گلفام کیا

تشنۂ مضراب ہے محشر رباب دل ہنوز
زخمۂ دل چاہیے یعنی غم ایام کیا

منظورؔ۔ جناب میجر منظور احمد صاحب جالندھری

منظور احمد نام، منظورؔ تخلص، والد ماجد کا نام شیخ جان محمد اور بڑے بھائی کا نام نور محمد ہے۔ آپ کی پیدائش راہواں ضلع جالندھر کے ایک ککے زئی خاندان میں ہوئی۔ آپ کی ولادت سے قبل آپ کے دادا جان کو الہام ہوا۔ "کوئی کہتا ہے کہ نور کے بعد ہوگا منظور" آپ کے والد صاحب محکمہ پولیس میں سب انسپکٹر کے عہدہ پر متعین تھے۔ ایک مرتبہ حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) گورداسپور میں ایک مقدمہ کی پیروی کے سلسلہ میں تشریف فرما تھے۔ شیخ جان محمد صاحب احاطہ کچہری میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شیخ صاحب کے چھوٹے بھائی حکیم دین محمد صاحب نے تعارف کراتے ہوئے عرض کیا کہ حضور یہ محکمہ پولیس میں ملازم ہیں۔ (شیخ صاحب اس وقت پولیس کانسٹیبل تھے) حضور نے ارشاد فرمایا کیا آپ تھانیدار ہیں؟ عرض کیا نہیں حضور میں کانسٹیبل ہوں۔ اس کے بعد جلد ہی شیخ صاحب ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے غیر متوقع طور پر اپنے سے اوپر والوں کا نمبر کاٹتے ہوئے تھانیداری کے عہدہ تک پہنچ گئے اور اس طرح حضرت مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) کی زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ نوشتۂ تقدیر بن گئے۔

منظورؔ صاحب کے دادا جان عرائض نویس تھے اور فارسی اور اردو میں کافی استعداد رکھتے تھے۔ منظورؔ صاحب کے والد صاحب بھی اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں دستگاہ رکھتے تھے۔

منظور صاحب کی تاریخ ولادت مارچ ۱۹۲۲ء ہے۔ آپ کی تعلیم میٹرک تک ہے۔ آپ نے گورنمنٹ ہائی اسکول پاکپٹن ضلع ساہیوال سے میٹرک کا امتحان ۱۹۳۹ء میں پاس کیا۔ بعد ازاں نیوی میں بھرتی ہو کر بمبئی چلے گئے۔ منظور صاحب کا قول ہے کہ میں پڑھائی میں زیادہ دلچسپی نہ

ذیت تھا لیکن اسکول کے مسلم طلبہ میں بہترین طالب علم کی حیثیت سے منتخب ہوگیا۔ زمانہ طالبعلمی میں آپ کو کھیلوں سے دلچسپی رہی اور اسکول کی نمبر اول ٹیموں میں ہمیشہ شامل رہے۔ نیوی کی ملازمت کے دوران جنگ عظیم دوم میں آپ کو بیرون ممالک جانے کے مواقع ہاتھ آئے اور یہ سلسلہ ۱۹۴۶ء تک قائم رہا۔ بعد ازاں آپ نے نیوی کی ملازمت ترک کردی اور ایمپلائمینٹ ایکسچینج میں بحیثیت اسسٹنٹ مینجر منتخب ہوگئے۔ سنہ ۱۹۵۰ء میں دوبارہ فوج میں بطور سیکنڈ لیفٹیننٹ بھرتی ہوئے۔ ستمبر کی جنگ میں آپ کو رن کچھ اور راجستھان میں خدمات کے مواقع میسر آئے اور آپ نے کمال جیداری سے اپنے فرائض انجام دیئے اور ملک و ملت کی بہترین خدمات انجام دینے کا موقعہ میسر آیا۔ جنگ کے بعد آپ کو اپنی عزیز بچی کے دل کا آپریشن کرانے کی غرض سے انگلستان کا سفر اختیار کرنا پڑا۔ واپسی پر دونوں باپ بیٹی کو عمرہ کی سعادت نصیب ہوئی۔

منظور صاحب کو شاعری کا شوق اسکول کے زمانہ ہی سے تھا لیکن مشورہ سخن کا کوئی موقعہ آپ کو میسر نہیں آیا۔ لیکن آپ نے حصول فن کے لئے اپنی کوششیں جاری رکھیں اور اس سلسلہ میں کئی عروضی رسائل کا مطالعہ کر کے اپنی فنی معلومات میں قابلِ قدر اضافہ کیا۔ شاعری میں آپ کے موضوعات زیادہ تر دینی اور قومی واقعات پر مبنی ہوتے ہیں۔ ہلکے پھلکے گھریلو واقعات کو بھی آپ نے اپنے مخصوص انداز میں اکثر نظم کا جامہ پہنایا ہے اور کامیاب رہے ہیں۔ شاعری کے متعلق آپ کا خیال یہ ہے کہ کسی معمولی بات کو بھی اگر شعر کے قالب میں ڈھال دیا جائے تو وہ مؤثر ہو جاتی ہے جیسے بے ترتیب پھولوں کے ڈھیر کے مقابلہ میں سلیقہ سے سجایا ہوا گلدستہ زیادہ دلکش و دلفریب نظر آتا ہے۔ آپ کا خیال ہے کہ منظوم کلام میں شعریت کا عنصر غالب ہونا چاہیئے بے مزہ سپاٹ اور شعریت سے خالی کلام آپ کو پسند نہیں۔ آپ ترنم اور تحت اللفظ دونوں کے قائل ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ کا خیال ہے کہ شاعر کو خود اس بات کے امتیاز کی پرکھ ہونا چاہیئے کہ کون سا کلام ترنم سے پڑھا جانا چاہیئے اور کون سا تحت اللفظ۔

نمونہ کلام

تُو نہ ہوتا تو نہ افلاک بنائے ہوتے

یاد آیا مَ خالق نے جو فرمایا تھا
تو نہ ہوتا تو نہ افلاک بنائے ہوتے
نہ زمیں ہوتی نہ خورشید نہ اس دُنیا کے
ماہ پرویں سے دَر و بام سجائے ہوتے

یاد آیا ہے براہیم کے وہ دستِ نیاز
دشتِ وحشت میں اُٹھے تھے جو دُعا کی خاطر
کیا مبارک تھی وہ ساعت کہ ہوئیں جس میں قبول
التجائیں کہ جو تھیں ارض و سما کی خاطر

اُن کی آمد کا جو سوچیں تو تصور کے قریں
اَن گنت صدیوں کے سب دیدۂ بیخواب آئیں
تھک کے بُجھ جائیں امیدوں کے دیئے جب آخر
پھر وہ آئیں تو جلو میں کئی ماہتاب آئیں

وہ زمیں پر رہیں اگر تو بشر کی صورت
دُکھ سہیں، بھوک سہیں، دُنیا کے الزام سہیں
خوانِ یغما جو کریں پیش تو پتھر برسیں
ہر گلی کوچے سے ملتی ہوئی دشنام سہیں

اپنے زخموں کو جو دھوئیں وہ قرینِ طائف
ساری دُنیا کے گل و لالہ و ریحاں نکھریں
وادیِ مکّہ کے سفاکوں میں جا کر جس دم
لب کریں وا، تو زر و لعل و جواہر بکھریں

سُرخ رُخسار لہو رنگ سے یہ نقشِ قدم
رہروِ عشق کو تکتے ہیں سوالوں کی طرح
جن سے تو گزرا تھا صدیاں ہوئیں ان راہوں پر
ظلمتیں دیتی ہیں لو اب بھی اجالوں کی طرح

مدہوشؔ ۔ عبدالرحیم صاحب مدہوشؔ رحمانی

عبدالرحیم نام، مدہوشؔ تخلص۔ ولد حافظ عبدالرحمٰن جان رحمٰن ساکن قصبہ گوڑگانواں چھاؤنی ضلع گوڑگانواں مشرقی پنجاب۔ آپ یکم فروری ۱۹۲۲ء کو قصبہ گوڑگانواں میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ ہائی اسکول سے میٹرک پاس کیا۔ بعد ازاں مالیر کوٹلہ کالج میں داخلہ لیا اور گیارہویں جماعت تک تعلیم پائی۔ ۱۹۴۰ء تک مختلف ملازمتیں کیں۔ بعد ازاں یکم ستمبر ۱۹۴۲ء کو کنٹرولر فوڈ اکاؤنٹ میں آڈیٹر مقرر ہوئے۔ اور تقسیم برصغیر کے بعد فائنل آڈٹ کر کے پاکستان آ گئے۔ والدین کے ساتھ ہجرت کر کے کراچی پہنچے۔ ۱۹۴۵ء میں ایک چپراسی کے ذریعہ دہلی میں احمدیت قبول کی اور لاہوری جماعت میں شامل ہو گئے۔

ملازمت کے دوران بی اے ایل ایل بی کیا۔ ۱۹۴۸ء میں حضرت مصلح موعود کے ہاتھ پر بیعت کی اور باقاعدہ جماعت میں شامل ہو کر خدماتِ سلسلہ کی ابتداء ہوئی۔ حلقہ مارٹن روڈ میں سیکرٹری مال اور معتمد مال خدام الاحمدیہ کے فرائض انجام دیتے رہے اور تحریک جدید کا کام بھی کرتے رہے چوہدری محمد حسین صاحب پریذیڈنٹ حلقہ مارٹن روڈ کے ساتھ مل کر کام کرنے کے مواقع ہاتھ آئے اور بیت الحمد کے لئے زمین حاصل کرنے میں خاص رول ادا کیا۔ ستمبر ۱۹۶۰ء میں مجلس انتخاب کے ممبر مقرر ہوئے تھوڑے عرصہ کے لئے ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۳ء تک ایڈیشنل سیکرٹری تحریک جدید کے فرائض انجام دیئے اور فیض عالم خان صاحب کے بعد تحریک جدید کے سیکرٹری مقرر ہوئے اور ساتھ ہی ساتھ شیخ خلیل الرحمٰن صاحب کی نیابت میں نائب سیکرٹری ضیافت کا کام بھی انجام دیتے رہے سیکرٹری نصرت جہاں ریزروفنڈ کی حیثیت سے بھی کام کرتے رہے۔ پانچ سال تک نائب ناظم انصاراللہ ضلع کراچی کے عہدہ پر بھی کام کیا۔ ناظم انصاراللہ اس وقت عبدالرحیم بیگ صاحب تھے۔ احمدیہ

جوبلی فنڈ کے پہلے سیکرٹری مقرر ہوئے اور پھر جناب شیخ خلیل الرحمن صاحب کی وفات کے بعد سیکرٹری ضیافت کے عہدہ پر کام کرتے رہے ہیں۔ اس دوران قریباً ہر سال مجلسِ شوریٰ میں نمائندگی کا موقعہ بھی ملتا رہا اور مجلسِ شوریٰ میں ہر سال تحریک جدید کی ذیلی کمیٹی کے ممبر منتخب ہوئے۔ ۱۹۷۹ء میں حضور کی منظوری سے مجلس شوریٰ نے مدہوش صاحب کو کراچی کے لئے تحریک جدید کا مرکزی ممبر منتخب کیا۔ انتخاب کے موقعہ پر مدہوش صاحب خود موجود نہیں تھے۔ ان کی عدم موجودگی میں یہ انتخاب عمل میں آیا۔ ایک مرتبہ یعقوبو امیر وفد گھانا کراچی پہنچے تو مدہوش صاحب کے حسنِ انتظام اور مہمان نوازی سے اتنا متاثر ہوئے کہ گھانا پہنچ کر مبلغ انچارج گھانا سے اپنی خوشنودی کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکے۔ اسی طرح مسافروں کو ہوائی جہاز میں سوار کرانے اور اتارنے کے مواقع مدہوش صاحب کو میسّر آتے رہتے۔ امیر صاحب کراچی کے مشوروں سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے فرائض کو بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔ کبھی کوئی شکایت کا موقعہ پیش نہیں آیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ جب سفر یورپ کے دورے سے واپس کراچی تشریف لائے تو مدہوش صاحب کے حسنِ انتظام سے اس قدر متاثر ہوئے اور فرمایا: "تمہارا نام تو مدہوش ہے لیکن تمہارے کام تو ہوشیاروں جیسے ہیں۔ میں تمہارے انتظام سے بہت خوش ہوا ہوں۔"

مدہوش صاحب نے جواباً اپنے آپ سے عرض کیا کہ یہ سب حضور کی اپنے خادموں کے حق میں دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

شاعری کا شوق آپ کو ابتدائے عمر سے تھا بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ ورثہ میں ملا تھا۔ آپ کے والد صاحب بھی شاعر تھے اور رحمٰن تخلص کرتے تھے۔ ۱۹۳۵ء کے ایک مشاعرے میں پہلی بار شامل ہونے کا اتفاق ہوا۔ مصرعہ طرح یہ تھا: "آج ساقی نہیں، میخانہ نہیں، جام نہیں۔" والد صاحب نے غزل کہہ کر دی اور مدہوش صاحب نے مشاعرہ میں پڑھی اس کے بعد خود غزل کہہ کر مشاعروں میں شریک ہوتے رہے اور داد وصول کرتے رہے۔

شاعری میں آپ مومن سے متاثر ہیں اور فطرۃً افادی شاعری کے قائل ہیں۔ مدہوش صاحب

ابتدا ہی سے اسلام کا درد اپنے پہلو میں رکھتے تھے اور اسلام کو دنیا میں پھیلانے کا خواب دیکھا کرتے تھے۔ ذریعہ کی تلاش میں تھے تو اللہ تعالےٰ نے رہنمائی فرمائی اور قبول احمدیت کی توفیق ملی اور اب اپنی جماعتی خدمات سے بالکل مطمئن ہیں اور ہمہ وقت خدمات کے مواقع تلاش کرتے رہتے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کثرت کے ساتھ فراہم ہوتے رہتے۔

آپ کے والد صاحب نے ۱۹۵۰ء میں کراچی میں وفات پائی۔ ان کو بیعت خلافت کی توفیق نہیں ملی۔ البتہ مدہوش صاحب کی والدہ صاحبہ نے نومبر ۱۹۷۰ء میں بیعت کی اور ایک ماہ بعد رمضان کے مبارک مہینے میں وفات پاگئیں۔

مدہوش صاحب قیس مینائی صاحب سے مشورہ سخن کرتے رہتے اور ان کی فیض صحبت نے مدہوش صاحب کو احمدیت میں راسخ ہونے کے لئے بڑے مواقع فراہم کئے جن کا ان کو دلی اعتراف ہے۔ مدہوش صاحب کا رجحان شعری زیادہ تر غزل کی طرف ہے لیکن آپ نے قومی نظمیں بھی لکھی ہیں جن سے آپ کے جذبہ اصلاح کی نشاندہی ہوتی ہے۔ آپ اصطلاحی معنی میں شاعر نہیں بلکہ ایک شاعر میں جو عملی خصوصیات ہونی چاہئیں اُن کے حامل ہیں۔ گویا صرف گفتار کے غازی نہیں بلکہ کردار کے بھی غازی ہیں اور یہی ایک حقیقی شاعر کی معراج ہے۔

وفات

مدہوش صاحب ۳۰ جون ۱۹۸۲ء کو عید کے روز اپنے عزیزوں سے مل کر موٹر سائیکل پر کورنگی سے اپنے گھر واقع پیر کالونی واپس آرہے تھے کہ راستہ میں ایک ویگن نے پیچھے سے ٹکر ماردی۔ مرحوم فٹ پاتھ پر گرے اور سر میں شدید چوٹ آئی۔ فوری طور پر آپ کو جناح سنٹرل ہسپتال کے شعبہ حادثات میں لے جایا گیا اور مرض کی نوعیت کے خیال سے ڈاکٹروں نے نیورو سرجیکل وارڈ میں داخل کرنا مناسب سمجھا اور وہاں آپ کا تفصیلی معائنہ کیا گیا۔ ڈاکٹروں نے انتہائی کوشش کی کہ کسی طرح آپ ہوش میں آجائیں لیکن ان کی تمام کوششیں بیکار گئیں اور مدہوش صاحب کو افاقہ تک ہوش نہ آیا اور اس طرح چھ دن مسلسل بے ہوش رہنے کے بعد ۶ جولائی ۱۹۸۲ء کی شب رات

پونے نو بجے مولائے حقیقی سے جا ملے وفات کے وقت آپ کی عمر صرف ستاون سال تھی۔ ۹ جولائی کو مرحوم کی نماز جنازہ بیت الحمد مارٹن روڈ کراچی میں مولانا سید حسین احمد صاحب مربی سلسلہ نے پڑھائی آپ کی نماز جنازہ میں کراچی کی جماعت کے اکثر احباب نے شرکت کی۔ مرحوم موصی تھے اس لئے ان کا جنازہ ربوہ لے جایا گیا۔ دوسرے روز یعنی ۱۰ جولائی ۱۹۸۳ء کو بعد نماز فجر محترم صوفی غلام محمد صاحب ناظر اعلیٰ (ثانی) نے بیت المبارک میں مرحوم کی نماز جنازہ پڑھائی۔

مرحوم دو سال پہلے ڈپٹی ڈائریکٹر ایف آئی اے حکومت پاکستان کے عہدہ سے سبکدوش ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ آپ نے محکمہ کسٹم اکاؤنٹنٹ جنرل پاکستان ریونیو، محکمہ ایکسائز، انکم ٹیکس اور محکمہ ایف آئی اے میں بھی کام کیا۔ وفات کے وقت آپ ماڈرن موٹرز لمیٹڈ میں امپورٹ مینجر کے عہدہ پہ کام کر رہے تھے

اولاد

آپ نے اپنے پیچھے بیوہ کے علاوہ پانچ بیٹیاں اور تین بیٹے اپنی یادگار چھوڑے ہیں۔ آپ کی ایک صاحبزادی زاہدہ سلطانہ کراچی یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔ محترمہ فوزیہ سلطانہ صاحبہ بلوچستان یونیورسٹی میں لیکچرر کے عہدہ پر فائز ہیں۔ محترمہ فریدہ فرحت صاحبہ ایم اے۔ ایم ایڈ ہیں اور لیڈی ڈاکٹر محترمہ قدسیہ کوثر صاحبہ اور محترمہ عالیہ نسرین صاحبہ۔ آپ کے صاحبزادگان میں مکرم غلام محمود بدر انجنیئر ہیں اور مکرم انعام محمود قمر صاحب اسسٹنٹ کیمسٹ ہیں۔ تیسرے بیٹے سلطان محمود نصر ہیں۔ آپ کی شخصیت کی یہ فارسی مصرعہ بھرپور ترجمانی کرتا ہے ؎

خوش درخشید ولے شعلہ مستعجل بود

نمونہ کلام

تیرے لطف و کرم سے ہے اپنا بھرم

تیری اُلفت میں ایسا مگن میں ہوا — ساری دُنیا کا سب کچھ فراموش ہے
یُوں پلا دے محبت کی مے ساقیا — لوگ کہنے لگیں یہ بلا نوش ہے
ہر قدم ہر قدم تیرا لطف و کرم — تیرے لُطف و کرم سے ہے اپنا بھرم
جس پہ ہوتا ہو احساں تیرا دم بدم — اُس کو اپنے پرائے کا کب ہوش ہے
ہو چکا ہے یہ اِذنِ خدائے زماں — تیرے گھوڑوں کے ٹاپوں کے نیچے جہاں
دیکھ لینا بہت جلد ہوگا عیاں — کر سپاہ ملائک بھی ہم دوش ہے
ہو زمانہ مخالف تو پھر کیا کروں؟ — دینِ احمد کی تبلیغ کرتا پھروں
ناصرِ دیں کا جھنڈا اُٹھائے رہوں — اَب تو رگ رگ میں میری یہی جوش ہے
جب ترا نام ہونٹوں پہ آنے لگا — نور خانۂ دل جگمگانے لگا!

پڑھ کے صَلِّ عَلیٰ ۔ پڑھ کے صَلِّ عَلیٰ
کیف سے جھُومتا آج مدہوش ہے

محمد مقصود احمد منیب

آپ ۱۳ فروری ۱۹۶۹ء کو سانگلا ہل ضلع شیخوپورہ میں پیدا ہوئے۔ بی اے اور ایم اے پنجاب یونیورسٹی سے کیا۔ عربی، فارسی، انگریزی اور اردو زبان و ادب سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ تصنیف، تحریر و تالیف سے گہری وابستگی رکھتے ہیں۔ آپ کا شاعری مجموعہ زیر ترتیب ہے

نمونہ کلام

اک عجیب سے ملال میں رہنا ‏ ‏ نظریاتی جمال میں رہنا
دسترس ہر جواب پہ رکھنا ‏ ‏ عالمِ بے سوال میں رہنا
وصل اور وصل کی تمنا کا ‏ ‏ گردشِ ماہ و سال میں رہنا
آگہی کا عذاب پالینا ‏ ‏ نشۂ لازوال میں رہنا
کر کے رکھنا اسیر لفظوں کو ‏ ‏ حرف وحش کے کمال میں رہنا
جانچ رکھنا ہے قامتِ گل کو ‏ ‏ خود قلندر کے حال میں رہنا

ہے خواب ہمارا بے قیمت ہمیں خواب سے کون جگائے گا
یہ گتھی ایسی الجھی ہے اب کون اسے سلجھائے گا
یوں تیرے سینے سے لگ کر ہم بھول گئے تھے سارے غم
اب تیرے سینے سے ہٹنا اک عمر ہمیں تڑپائے گا
اک چھلیا من کے اندر ہے، اک چھلیا من کے باہر ہے
وہ چھلیا اگر اس چھلیے سے کہیے کب مل پائے گا

ہے درد نیا اور درد کی لذت اِس دِل کی ہریالی ہے
اس درد میں ہم پہچانتے تھے اِک موڑ نیا آ جائے گا
اِک بچہ تھا من کے اندر چُپ چاپ سسکتا رہتا تھا
ہم جانتے تھے یہ جب بولا سب دنیا پہ چھا جائے گا
یہ وصل بھی کیا آزار نہیں تم پاس بھی ہو کر پاس نہیں
اب اور نہیں کچھ آس نہیں، اس دل میں کون سمائے گا
آنکھیں بھی نہیں دکھ دیتی ہیں اور اشک بھی بہنا بھول گئے
ہم تم سے کہنا بھول گئے یوں دل بنجر ہو جائے گا

آنکھ میں جو ہے رتجگا ہے
دل کا شیشہ پگھل رہا ہے
اک مسلسل ہے جذب کا عالم
جب سے سجدے میں سر رکھا ہے
مرے معبود! پردۂ مشہود!
کیا کہیں اور دوسرا ہے
دھرتی گلرنگ ہو رہی ہے
آسماں نور اُبل رہا ہے
روشنی ہے کہ بڑھ رہی ہے
آئینہ کرب رو رہا ہے
بس یہی شخص دولتِ کُل ہے
دھڑکنوں میں بدل رہا ہے
آج اِک نور کی کرن نے
قبر کا زخم بھر دیا ہے
شعر کیا اِک جہانِ فن ہے
عشق میں جو رقم ہوا ہے
اے مری روح اب سنبھل بھی
حرف میں کون اتر رہا ہے

کیسے خبر ہو آپ کو اس میرے حال کی
کیسے اُٹھائیں لفظ تخیل کی پالکی!
کیسے حروف تتلیاں بن کر اُڑیں حضور!
کیسے ہوں ختم حاجتیں اِس پر کی، بال کی
کیسے وہ رنگ اُڑ گیا اِس کائنات سے
کیسے نکل کے آ گئی صورت وبال کی

کیسے جنونِ رقص کے انداز چھن گئے
کیسے سنائیں داستاں ہم اِس نڈھال کی

کیسے رہینِ عشق کے اشکوں میں ہم بہیں
کیسے صفات ہم کہیں اُس کے جمال کی

کیسے مٹائیں فاصلے کیسے قریب ہوں
کیسے تمیز ختم ہو اُس ماہ و سال کی

بڑی نخوت سے پتھر نے نہیں کی
اُسے حاجت ہی کیا میری جبیں کی

ذرا کچھ سوچ کر تاروں کو لوٹا
یہاں بہتات ہے بنجر زمیں کی

ٹھہرنا ہر جگہ آواز دینا
مری عادت ہے بس لیکن کہیں کی

کھڑے چُپ چاپ جاتے دیکھتے ہیں
مکاں منّت نہیں کرتے مکیں کی

انگ ہر اک تجلّی کی زباں ہے
دِلوں کے حُسن کی صورت حسیں کی

ناہید۔ جناب عبدالمنان صاحب سیالکوٹی

عبدالمنان نام۔ ناہید تخلص۔ آپ ۱۹۱۹ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے بی۔ اے تک تعلیم پائی ہے۔ تیرہ سال کی عمر میں پہلی نظم اسکول میں میٹرک کے طلبہ کی الوداعی تقریب پر پڑھی۔ ۱۹۴۰ء میں پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کیا۔ ۱۹۴۲ء میں اسلامیہ کالج پشاور میں ایم اے میں داخلہ لیا مگر جولائی ۱۹۴۲ء میں ملازمت میں آجانے کی وجہ سے کالج کو خیرباد کہنا پڑا۔ کالج کے زمانہ میں بھی شعر کہتے رہے۔ چنانچہ سال ۴۲-۱۹۴۱ء کے لئے بہترین اردو نظم کے دونوں انعامات آپ کو ملے۔ پہلا اردو مجلس سوسائٹی کی طرف سے اور دوسرا خان بہادر فضل باز خان پرائز۔ شاعری میں آپ جناب روشن دین تنویر سے تلمذ رکھتے ہیں۔

آپ نے ۱۹۴۰ء میں مصری فتنہ سے متاثر ہو کر چند اشعار خلافتِ ثانیہ سے عقیدت پر مبنی کہے اور اسی وقت سے آپ کی شاعری میں احمدیت کا رنگ نمایاں ہونا شروع ہوا حتیٰ کہ ۱۹۴۵ء کے بعد کی شاعری خالصتہً مذہبی رنگ اختیار کر گئی۔ آپ نے اکثر نظمیں وقت کے تقاضوں سے متاثر ہو کر لکھی ہیں خصوصاً تقسیم برصغیر کے بعد گزشتہ چند سالوں میں جو کچھ ہم پر گزری ہے اسے پیش نظر رکھتے ہوئے بہت سی نظموں کا پس منظر آسانی سے ذہن میں آسکتا ہے۔ آپ کی خوبصورت مثنوی شاہراہ احمدیت کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

آپ کی نظموں میں جہاں دوسروں پر حقیقت حال کا اظہار ہوتا ہے وہاں جماعتی مورال (MORALE) بھی موجود رہتا ہے۔ آپ کا کلام سلسلہ کے تمام رسائل و اخبارات میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع (نور اللہ مرقدہ) نے جن شعرائے احمدیت کا ذکر فرمایا ہے۔ ناہید صاحب کا نام اس میں شامل ہے۔ مثال کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

تصدیقِ مہدی

لوگ کافر کہیں گے مہدی کو | یہ بزرگوں سے سُن چکے ہو تم
گالیاں دے رہے ہو مدت سے | یہ بتاؤ کبھی رکے ہو تم
سرکشی ہی تمہارا شیوہ رہا | حق کے آگے کبھی جھکے ہو تم

اُس کو کافر پکار کر گویا
اُس کی تصدیق کر چکے ہو تم

آپ کے کلام کی ادبی شان ملاحظہ ہو۔

ترا پیام پیامِ محمدؐ عربی | ترے نظام سے برہم مزاجِ بولہبی
ترے نصیب ملا تجھ کو یہ ہجومِ سجود | متاعِ سوزِ دروں نالہائے نیم شبی
ترے مقام کی رفعت کی داستاں شاہد | سمجھ سکے گی نہ اہلِ خرد کی بوالعجبی
کیا ہے آپ دلوں کو تری حرارت نے | وہ آگ کیا تھی تری خاک میں رہی جو دبی
ترے فقیروں پہ وہ دن بھی آنے والا ہے | نہ ہوگی شاہوں کو بھی جب مجالِ بے ادبی

ترے فیوض کے چشموں سے بارہا تائید
مٹا کے آیا ہے قلب و نظر کی تشنہ لبی

ہر صبح و شام تیری حفاظت خدا کرے

(ہدیۂ عقیدت بصورت دُعائے منظوم)

ہم سے وفائیں تیری بدولت خدا کرے | محمود تجھ پہ سایۂ رحمت خدا کرے
تابندہ تر ہو مہرِ نبوت خدا کرے | پائندہ تر ہو تری خلافت خدا کرے
بڑھتی رہے ہماری ارادت خدا کرے | قائم رہے یہ تیری سیادت خدا کرے

بڑھتا رہے جنونِ محبت خدا کرے ۔۔۔ ہو عام تیرے عشق کی دولت خدا کرے

فضل عمر! جہاں ترا حلقہ بگوش ہو ۔۔۔ اور تو کرے جہاں کی امامت خدا کرے

ذہن رسا و عزم صمیم و دل حلیم ۔۔۔ ہو کامیاب تیری قیادت خدا کرے

اس ناتوانی و تہی دستی کے باوجود ۔۔۔ غالب رہے یہ تیری جماعت خدا کرے

تیرے فقیر تری گلی میں پڑے رہیں ۔۔۔ اِن پہ ہو تیری چشمِ عنایت خدا کرے

نازاں ہیں اس پہ ہم ترے خدمت گزار ہیں ۔۔۔ کرتے رہیں سدا تری خدمت خدا کرے

اُس کے نصیب ہیں مہ و انجم سے خوب تر ۔۔۔ جن کو نصیب تیری رفاقت خدا کرے

راحت دل حزیں کی ترے دم قدم سے ہے ۔۔۔ ملتی رہے دلوں کو یہ راحت خدا کرے

توفیق مل رہی ہے مجھے تیری دید کی ۔۔۔ پیشِ نظر رہے تری صورت خدا کرے

تیرا کلام تیرہ فضاؤں میں روشنی ۔۔۔ روشن رہے یہ شمع خطابت خدا کرے

جلد آئے وہ گھڑی کہ ترا غمگسار دل ۔۔۔ دیکھے بہار رونقِ ملّت خدا کرے

آئے وہ دن یہ ملّت عالی مقام بھی ۔۔۔ سمجھے ترے مقام کی عظمت خدا کرے

ممسوح اُس کے عطرِ رضا سے ہوا ہے تو ۔۔۔ پہنچے چمن چمن تیری شہرت خدا کرے

تقدیر ہے یہی کہ بڑھے جلد جلد تو ۔۔۔ سایہ فگن خدا کی ہو رحمت خدا کرے

تجھ کو شکوہ و عظمت و دولت ہوئی عطا ۔۔۔ بڑھتی رہے یہ عظمت و دولت خدا کرے

پورا کرے خدا تیری ہر اک مراد کو ۔۔۔ ڈھونڈے تری دعا کو اجابت خدا کرے

جائے جہاں جہاں بھی فرشتے ہوں ساتھ ساتھ ۔۔۔ تو جس طرف بڑھے تری نصرت خدا کرے

اپنے کرم سے تیرا خدا دے تجھے شفا ۔۔۔ ناساز ہو نہ تیری طبیعت خدا کرے

ہر گام پہ ہو حافظ و ناصر خدا ترا
ہر صبح و شام تیری حفاظت خدا کرے

سہارا دو مجھے یارو تو بات بنتی ہے

وفا سے زیست سنوارو تو بات بنتی ہے
کسی کو دل میں اُتارو تو بات بنتی ہے

تری خرد بھی کسی کام آ نہیں سکتی
جنوں سے اس کو نکھارو تو بات بنتی ہے

ہے دن کا شور و شغب مانع پذیرائی
سکوت شب میں پکارو تو بات بنتی ہے

جو رات عیش و طرب کو جلو میں لے آئے
وہ رات رو کے گزارو تو بات بنتی ہے

چلے گی ساتھ کہاں تک یہ میری تنہائی
تم آ سکو مرے پیارو تو بات بنتی ہے

قدم قدم پہ مرے ڈگمگا رہے ہیں قدم
سہارا دو مجھے یارو تو بات بنتی ہے

داغ ہجرت کا ایک ورق

عشق کو پھر سے نظر حسن کے آثار آئے
روحِ منصور مبارک رسن و دار آئے

فرش پر چھایا ہے اب تک وہی دیرینہ جمود
منتظرِ عرش کوئی آہ شرربار آئے

قادیاں چھوٹ گئے تجھ سے ترے اہل وفا
قافلہ آیا جہاں قافلہ سالار آئے

تیری گلیوں کی سی رونق نہ کہیں آئی نظر
راہ میں یوں تو کئی کوچۂ و بازار آئے

جذبۂ شوق فزوں تر ہے ترے پیاروں کا
دیر والوں کو گماں اہل حرم ہار آئے

کفِ سیلاب نے سمجھا کہ گئی کشتیٔ عشق
وقت کہتا ہے یہ طوفان کئی بار آئے

ہم ہیں مشتاق ترے ذروں کو تاباں دیکھیں
منتظر تو کہ ترا نیّر انوار آئے

ہم ترے نور کے ایوانوں میں آئیں گے ضرور
ایک بار آئی ہے سو بار شبِ تار آئے

دل وہ کیا دل کہ مصائب سے جو گھبرا جائے
ان شب و روز کے بیگانوں سے اکتا جائے

اب زندگی ہے ابنِ مسیحا کے دم کے ساتھ

کب تک جیو گے دوستو ناسور غم کے ساتھ
اب زندگی ہے ابنِ مسیحا کے دم کے ساتھ
پایا اُسے تو مل گئی آلام سے نجات
کیا واسطہ ہمارا غم بیش و کم کے ساتھ
وہ یوں بڑھا زمین کے کناروں کو جالیا
یا خود زمین سمٹ گئی اُس کے قدم کے ساتھ
ہر قوم اُس کے حلقہ بگوشوں میں آ گئی
شیر و شکر کیا ہے عرب کو عجم کے ساتھ
جو کام کر سکے نہ کبھی تیغ کے دھنی
وہ کام اُس نے کر کے دکھایا قلم کے ساتھ
ہر قول و فعل اُس کا ہے قرآں آشنا
روشن چراغ اُس کا چراغِ حرم کے ساتھ
ناہیدؔ نے وفورِ محبت میں بارہا
کی اُس کی عافیت کی دُعا چشم نم کے ساتھ

نادرؔ۔ جناب محمد اسمٰعیل صاحب قریشی

محمد اسمٰعیل نام قریشی خاندان اور نادرؔ تخلص۔ آپ کے والد حضرت حکیم محمد حسین صاحب قریشی حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے ابتدائی ۳۱۳ مریدانِ باصفا میں شامل تھے۔ نادر صاحب کے جدِ امجد (پردادا) قریشی محمد بخش صاحب لاہور کے قدیم اور متمول تاجر برادری کے جانے جاتے تھے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے خاندان سے اُن کے دیرینہ مراسم تھے۔ ان کا رنگ بہت گورا تھا۔ اور چونکہ پنجابی زبان میں گورے رنگ کو چٹا کہتے ہیں اسی مناسبت سے یہ لاہور میں بابا چٹو کے نام سے جانے پہچانے جاتے تھے۔ تاریخ احمدیت میں بھی اُن کا ذکر اسی نام سے آیا ہے ۱۸۸۵ء میں پنڈت اندرمن مراد آبادی نے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی دعوت نشان نمائی کے جواب میں ایک سال قادیان میں رہائش پر رضامندی کا اظہار کیا اور شرط یہ لگائی کہ ایک سال کے پورے مصارف نقد اور پیشگی ادا کر دیئے جائیں۔ حضرت صاحب نے راہِ فرار مسدود کرنے کے خیال سے یہ شرط بھی قبول کرلی۔ چنانچہ لاہور کے تین احباب جو یہ رقم لے کر اندرمن کی قیام گاہ پر پہنچے اُن میں بابا چٹو بھی شامل تھے۔ وہاں جاکر معلوم ہوا کہ پنڈت صاحب خط تحریر کرنے کے معاً بعد اپنے بتائے ہوئے پتہ سے نقل مکانی کر کے کسی نامعلوم مقام پر چلے گئے۔

خاندان حضرت مرزا صاحب سے قدیمی اور نیازمندانہ تعلقات کے باوجود حضور کی اولین بیعت اور ۳۱۳ مریدانِ باصفا میں شامل ہونے کا شرف صرف نادر صاحب کے والد ماجد کو حاصل ہوا۔ احمدیت اب نادر صاحب کے بقول اُن کی چوتھی پشت میں منتقل ہو چکی ہے۔

نادر صاحب ۱۹۱۴ء میں لاہور شہر میں پیدا ہوئے اور وہیں سن شعور کو پہنچے۔ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ سے بی۔ اے پاس کرنے کے بعد وزارت دفاع گورنمنٹ آف انڈیا میں ملازم ہو

ہو گئے۔ جنگ عظیم (ورلڈ وار) شروع ہوئی تو آپ کا دفتر مستقل طور سے شملہ میں قائم ہو گیا۔ تقسیم برصغیر کے بعد آپ راولپنڈی آ گئے۔ مدت ملازمت پوری کرکے اسٹاف آفیسر کے عہدے سے سبکدوش ہو کر راولپنڈی ہی میں مستقل رہائش کر چکے ہیں۔

۱۹۴۸ء کی ابتدا میں جنگ کشمیر کے دوران آپ نے اہم سرکاری امور کی تکمیل کے لئے اپنی خدمات رضاکارانہ طور سے پیش کر دیں۔ جس کے نتیجہ میں آپ جنگ بندی تک کشمیر میں مقیم رہ کر اہم سرکاری فرائض بجا لاتے رہے۔ امور مفوضہ کی باحسن تکمیل اور بخیریت مراجعت پر آپ کو کشمیر کلاسپ اور ڈیفنس آف پاکستان میڈل عطا ہوا۔ اور اس وقت کے وزیر اعظم شہید ملت خان لیاقت علی خاں جو وزیر دفاع بھی تھے کی طرف سے ایک توصیفی خط ملا جس کا متن یہ ہے

"افواج کشمیر کے ساتھ حال ہی میں جو کام کیا ہے اُس کے لئے گورنمنٹ آف پاکستان محمد اسمٰعیل قریشی کا شکریہ ادا کرتی ہے۔ مصائب و خطرات جو انہوں نے رضاکارانہ طور سے برداشت کئے اور فرض کی ادائیگی میں جو لگن اور خلوص انہوں نے دکھایا وہ اُن کے ساتھیوں کے لئے قابلِ تقلید مثال تھی جسے سامنے رکھ کر اہم قومی امور کی تکمیل کے لئے اُن کو بھی مجتمع کیا جا سکا۔"

لاہور میں اُن دنوں سر عبدالقادر مرحوم کی زیر صدارت ایس پی ایس ہال میں مشاعرے منعقد ہوا کرتے تھے۔ نادر صاحب کے والد صاحب باقاعدگی سے ان مشاعروں میں شامل ہوا کرتے تھے۔ نادر صاحب کا یہ لڑکپن کا زمانہ تھا۔ آپ بھی ضد کرتے اور والد صاحب کے ساتھ مشاعروں میں پہنچ جاتے۔

مشاعروں میں پڑھے جانے والے اکثر اشعار نادر صاحب کے ذہن میں محفوظ رہ جاتے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ نادر صاحب ایک فطری شاعر ہیں اُن کے لاشعور میں صفت شعر کا عکس موجود تھا۔ جب مشاعروں میں پڑھے جانے والے اشعار کا تسلسل قائم رہا تو آپ نے کالج کی سطح تک پہنچنے سے قبل شعر کہنے شروع کر دیئے۔ کالج میں ڈاکٹر تاثیر، پروفیسر تاج محمد خیال حافظ محمود شیرانی جیسے نابغۂ روزگار اساتذہ کا قرب حاصل رہا۔ جو کالج کی تعلیم ختم ہو جانے کے

کے باوجود قائم رہا اور یہ شفیق و محترم اساتذہ نادر صاحب کی رہنمائی فرماتے رہے۔ انھیں قابلِ صد احترام اساتذہ کے فیضِ صحبت نے نادر صاحب کے ذوقِ شعر و ادب کو جِلا بخشی اور ایک خاص مقام عطا کیا۔

دورانِ قیام شملہ نادؔر صاحب نے چند احباب کے تعاون سے ایک ادبی انجمن کی داغ بیل ڈالی۔ اس انجمن کے صدر کیپٹن نواب راحت چھتاری تھے جو بعد ازاں پاکستان آ کر کئی اہم عہدوں پر فائز رہے اور بالآخر کرنل کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔ تابش صدیقی، اختر ہوشیارپوری اور سلیم طاہر اس بزمِ ادب کے مدح رواں تھے۔ باقاعدہ ہر ماہ مجلسِ شعر و سخن سجائی جاتی۔ اس ماحول میں رہ کر نادؔر صاحب کے ذوقِ شعری کو پروان چڑھنے کا سنہری موقعہ ہاتھ آیا اور آپ نے ترقی کے مدارج بڑی سرعت اور کامیابی سے طے کر لیے۔ اس زمانہ میں مشقِ غزل گوئی تک محدود رہی۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ ؎

گل نکہت و رنگت پہ رہا کس لئے نازاں	یک روزہ تبسم کے سوا اور یہ کیا تھا
کچھ خواری و رسوائی بھی لازم ہے جنوں میں	مانا کہ جو واعظ نے کہا وہ بھی بجا تھا
زاہد ہی سے پوچھو کہ رہِ عشق و وفا میں	کس نے رسن و دار کو آنکھوں سے چھوا تھا

مضطر نہیں دنیا کے غم و رنج سے نادؔر
شکوہ نہ کسی سے نہ کبھی کوئی گلہ تھا

نادؔر صاحب کے خیال میں اچھا شعر وہ ہے جو دل سے نکلے اور دل میں اُتر جائے۔ تاہم ان کا خیال ہے کہ شاعر دانستہ یا نادانستہ طور سے اپنے ماحول کی ترجمانی کا فرض ادا کرتا رہتا ہے۔ جذبات و محسوسات کی عکاسی بھی شاعر کے کمالات میں داخل ہے اور ہر شعری تخلیق میں شاعر کی اپنی شخصیت کی جھلک ضرور نمایاں ہوتی ہے۔ شاعر جو کچھ مشاہدہ کرتا ہے اس کو سادگی اور برجستگی سے بیان کر دے تو یہ اُس کا کمال ہے۔ شاعر کے لئے الفاظ و محاورات پر قدرت رکھنا بھی ضروری ہے کیونکہ الفاظ کا برمحل استعمال ہی شعر میں جان ڈال دینے کی ضمانت ہے۔

شاعری میں آپ لیفٹیننٹ جنرل محمود الحسن صاحب ایمن آبادی اور مبشر احمد صاحب راجیکی

کے کلام سے متاثر ہیں کیونکہ بقول ناقد صاحب ان دونوں شعراء کے کلام میں عزم و ہمت اور جہدِ پیہم کی مشعلیں روشن نظر آتی ہیں۔ ثبوت میں محمود حسن کا یہ شعر پیش کرتے ہیں ؎

خدا گواہ کہ ہرگز مسرتوں میں نہیں
وہ ایک لذتِ پیہم جو اضطراب میں ہے

مولانا ماہیگی صاحب کے دو شعر بھی اسی جذبہ کے حامل ہیں ؎

پائے نازک کو دیجئے الزام — راستوں کی شکایتیں کیسی
عاشقی راہ بھی ہے منزل بھی — عاشقی میں قرابتیں کیسی

پرانے اساتذہ میں غالب کا رتبہ آپ کی نگاہ میں بہت بلند ہے۔ آپ کے مطالعہ کی میز پر درثمین، کلام محمود اور دیوان غالب کی موجودگی آپ کے ادبی ذوقِ شعری کی دلیل ہے۔

ابھی تک آپ کا کوئی مجموعہ کلام شائع نہیں ہوا۔ آپ کا کلام ایسی منتشر حالت میں ہے کہ آپ کے لئے اس کا ترتیب دینا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ فی الحال منتخب کلام شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

آپ کی اولاد نرینہ میں دو بیٹے ہیں۔ بڑے صاحبزادے محمد ظفر قریشی کینیڈا میں جبکہ چھوٹے صاحبزادے محمد فاتح قریشی کیلیفورنیا (امریکہ) میں ایروناٹک انجنیئر ہیں۔ دونوں صاحبزادیاں شادی شدہ ہیں۔

نمونہ کلام

نذرانہ عقیدت بحضور سید الکونین

خیر البشر خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

بے بہا حکمت کے موتی عشق مولا کے گہر — تو نے دنیا کو کیا گنج گرانمایہ عطا
ختم تجھ پر میرے آقا رہبری کے سب کمال — گمرہوں کو تو نے دکھلایا خدا کا راستہ
مشک و عنبر سے بھی بہتر ہے ترے کوچے کی خاک — سنبل و ریحان سے بہتر ہے مدینے کی ہوا
شافع روز جزا بھی ہے شفیع الناس — عاصیوں کو ہے خدا کے بعد تیرا آسرا

نوعِ انساں کے لئے غم خوار و مونس تیری ذات
یاد تیری ہر غمِ دل کے لئے بنے کیمیا

اتباعِ مصطفےٰؐ ہے اتباعِ کبریا
جس کو جو رتبہ ملا اُس کی اطاعت سے ملا

چشمِ صافی سے یارب ہر بشر ہو فیضیاب
ساری دنیا میں پہنچ جائے پیامِ مصطفےٰؐ

ذکرِ آقا سے ملی آلامِ دنیا سے نجات
آج فنِ شاعری نادرؔ کے کام آ ہی گیا

غزل

دردہی دل کی دوا ہو جیسے
رنج راحت سے سوا ہو جیسے

قربِ منزل کی حسرت سے ہمیں
غم بھی اب غم نہ رہا ہو جیسے

مطمئن قلب ترے ذکر سے ہے
سر پہ رحمت کی گھٹا ہو جیسے

زندگی اس طرح گزرے یارب
میرا ہر سانس دعا ہو جیسے

میں اُسی رنگ میں خوش ہوں نادرؔ
میرے مولا کی رضا ہو جیسے

(۲)

جب کوئی بات منہ سے بولیں ہم
چاہیئے پہلے اس کو تولیں ہم

نفرتوں کے چراغ گل کر دیں
انگبیں گفتگو میں گھولیں ہم

آنکھ لائی ہے ایک حسنِ گراں
موتیوں کی لڑی پرو لیں ہم

جس کے سایہ کی کل ضرورت ہو
وہ شجر آؤ آج بو لیں ہم

عیب اوروں کے کیوں تلاش کریں
اپنا دل اپنا من ٹٹولیں ہم

اُس کی رحمت سے جیت لیں گے دل
مشقِ ربِ قدیر رو لیں ہم

آؤ سیلابِ اشک سے نادرؔ
دل پہ جو گرد ہے وہ دھولیں ہم

ثنائے خیر البشر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

تو شہِ دنیا و دیں ہے تو دلوں پر حکمراں
واقفِ اسرارِ فطرت لفظ کن کا رازداں

نور سے چمکا ترے ہر ذرۂ کون و مکاں
تو حقائق اور معارف کا ہے بحرِ بیکراں

تیرے آنے سے بآحسن وہ نمایاں ہو گیا
جوہرِ انساں جو اب تک تھا پردوں میں نہاں

تو شفیع الناس، تو خیر البشر بحر العطاء
تیری موجِ فیض سے سیراب ہے سارا جہاں

تجھ کو مدح کی نہیں حاجت حبیبِ کبریا
عرش پر گاتے ہیں تیری مدح سب کروبیاں

تجھ پہ اُتری عرش سے کامل ہدایت کی کتاب
تو ہے اک نورِ ہدایت ہادیِ آخر زماں

تیرا ہر قول و عمل ہے شرحِ قرآن مجید
ذاتِ اقدس ذاتِ باری کا ہے تابندہ نشاں

فتح مکہ پر ترے عفو و عطا کو دیکھ کر
صدقِ دل سے لائے ایماں بت پرست و بدگماں

تا ابد تو ہے خدا کے راستے کا رہنما
تجھ کو پہچانا تو پایا جلوۂ یارِ نہاں

سرزمیں اندلس طارق نے روندی تھی کبھی
اب ترے خدام نے گاڑا ہے پرچم پھر وہاں

ڈالتے ہیں لوگ تو ڈالیں ستاروں پر کمند
ہم بنائیں گے جہاں والوں کو تیرا مدح خواں

مدحتِ آقا کہاں اور بے ہنر نادر کہاں
یہ ترا لطفِ کریمانہ ہے شاہِ دو جہاں

نسیم ۔ جناب نور محمد صاحب سیفی

نام۔ نور محمد، تخلص نسیم سیفی۔ آپ کے والد محترم مکرم عطا محمد صاحب ٹیچر تھے۔ صحافت کی عملی تربیت کے لئے برصغیر کے معروف صحافی "ریاست" کے ایڈیٹر دیوان سنگھ مفتون کے ساتھ کام کیا اور پھر سلسلہ کی خدمت کے لئے زندگی وقف کر دی۔ کافی عرصہ خدمتِ دین کے سلسلہ میں افریقہ رہے۔ اُردو خطبات کا انگریزی میں ترجمہ بڑی روانی سے کرتے۔ آپ ماہنامہ تحریک جدید اور روزنامہ الفضل کے ایڈیٹر بھی رہے۔ شاعری میں آپ کا پہلا مجموعہ ۱۹۴۲ء میں اشارے کے نام سے شائع ہوا۔ ۱۹۷۱ء میں آپ کا کلام تلاش مسلسل کے نام سے شائع ہوا جس کا پیش لفظ حضرت مرزا طاہر احمد نے لکھتے ہوئے فرمایا۔

"آپ کی زبان سلیس اور طرزِ کلام دلنشین ہے اور عموماً ہر نظم ایک خاص الگ روحانی مزاج کی حامل ہوتی ہے۔ جس کی مرکزی لڑی میں پروئے ہوئے مختلف اشعار اپنا الگ لطف دینے کے علاوہ اس کے مرکزی مزاج کے اثر کو گہرا کرتے چلے جاتے ہیں ....."

الفضل کے ایڈیٹر کی حیثیت میں آپ انتہائی پیری میں "اسیرِ راہِ مولا" رہے۔ اسیری میں آپ نے کثرت سے قطعات لکھے جو "قطعات کی بہار" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

مسیح وقت

یارو مسیح وقت تو آ کر چلے گئے ۔۔۔ روحوں کی تشنگی کو بجھا کر چلے گئے

پہنچا گئے صدائے صداقت کو عرش پر
پرچم حقیقتوں کے اُڑا کر چلے گئے

کھوٹ بدل سکے گا نہ اب روزِ حشر تک
باطل کو ایسی نیند سُلا کر چلے گئے

نوعِ بشر کے حالِ پریشاں پہ کی نظر
اور کیا سے کیا بشر کو بنا کر چلے گئے

شعلے بیاں نہ لاتے تھے جس کے بیاں کی تاب
وہ راز سادگی سے بتا کر چلے گئے

روحوں کو دے کے بادۂ دو آتشہ کا شوق
کوثر کی آگ دل میں لگا کر چلے گئے

رندانِ میکدہ نے کہاں جا کے پی شراب
اس بزم سے آنکھ چُرا کر چلے گئے

شبنم کو دے کے پھول کی شعلہ زنی نسیم
پانی میں ایک آگ لگا کر چلے گئے

بعثتِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام

مردہ روحوں کو پھر زندگانی ملی
ظلمتِ شب کو صبح سہانی ملی

بند کلیوں کو اذنِ تکلم ملا
خار و خس کو بیاں کی روانی ملی

ہر نظر میں چمکنے لگیں بجلیاں
دل کو اک لذتِ آسمانی ملی

دہر میں ہر طرف اک نیا شور ہے
ہر لبِ شوق کو اِک کہانی ملی

کھل گیا ہر فریبِ خرد کا بھرم
اور جنوں کو تری راز دانی ملی

اہلِ باطل ہوئے سرنگوں ہر طرف
اہلِ حق کو مگر کامرانی ملی

تھے جو ساحل پہ بھی موت کی گود میں
اُن کو منجدھار میں زندگانی ملی

پھر اُٹھی ہے نظر سوئے طور و حرم
آنکھ کو وسعتِ لامکانی ملی

آج دیوار و در بھی منور ہوئے
ان کو بھی آج تیری نشانی ملی

تیرے آنے سے اک انقلاب آگیا
دین و دنیا پہ رنگِ شباب آگیا

نظامِ خلافت

پیام دیتے ہیں کون و مکاں نظام کے ساتھ
چلو قدم بہ قدم حضرتِ امام کے ساتھ

حیاتِ نو کا تقاضا ہے سر بلند رہے
عدو بھی آج صف آرا ہے اہتمام کے ساتھ

ہر ایک خارِ سرِ رہگزر نے دیکھا ہے
ہماری آبلہ پائی کو احترام کے ساتھ

خدا کی دین نبوت ہے نعمتِ عظمیٰ
خلافت اس کا تسلسل ہے انتظام کے ساتھ

خدا کرے اُسے عمرِ نوحؑ حاصل ہو
پیام بھیجا ہے جس نے مجھے سلام کے ساتھ

ہم اُن کی بزم میں دیکھیں گے کون بچتا ہے
خرید لیتے ہیں وہ سب کو تھوڑے دام کے ساتھ

نسیم کوئی لبِ بام آئے یا کہ نہ آئے
نگاہِ شوق تو لپٹی رہے گی بام کے ساتھ

حضرت فضل عمر المصلح موعود کا وصال

قلب و نظر کے ضبط کا اک امتحان ہے آج
غم ہے کہ مثلِ موجۂ آبِ رواں ہے آج

بوجھل ہوئے کچھ ایسے رہِ عشق میں قدم
منزل تو کیا تصورِ منزل گراں ہے آج

رک سی گئی ہیں وقت کی نبضیں میرے لئے
خوابیدگی میں وہ نگہِ رازداں ہے آج

سود و زیاں مرگ و حیات آج کچھ نہیں
کس کو دماغِ بیش و کم و امق و آں ہے آج

جو تھی وصالِ حضرتِ احمد سے کیفیت
انبوہِ مومنین کا وہی تو سماں ہے آج

ہر لحظہ زندگی کا فدائے رسول تھا — تیرا ہر ایک فعل خدا کو قبول تھا
ہر ہر قدم پہ نصرتِ ربِ جلیل تھی — ہر آن تجھ پہ رحمتِ حق کا نزول تھا
تیری ہر ایک بات تھی معیارِ راستی — قرآن کا اصول ہی تیرا اصول تھا
جو تیرے ساتھ تھا وہ بنا فخرِ کارواں — جو تجھ سے کٹ گیا وہی رستے کی دھول تھا

تو میرِ کارواں ہی نہیں کارواں تھا تو — ہر مقصدِ حیات کا زندہ نشاں تھا تو
ہر لمحہ تیری زیست کا تعبیرِ زندگی — اپنے ہر ایک کام میں یوں کامراں تھا تو
تھی تیرے دم سے رونقِ بستانِ احمدی — سچ ہے کہ ایک جہاں کی روحِ رواں تھا تو
اللہ رے تیری خدمتِ دینِ متین کا شوق — گویا کہ ظلِ تندیٔ سیلِ رواں تھا تو
تیری ہر ایک بات تھی لطف و کرم کی بات — دنیا کے مہربانوں کا اک مہرباں تھا تو

اے جانے والے تجھ پہ درود و سلام ہو
ہر لحظہ تیری روح کا اونچا مقام ہو

بارگاہِ مشیت

مجھ کو سیاہیٔ شبِ غم کیوں نہ ہو پسند — میں ڈالتی ہوں انجمِ افلاک پہ کمند
کل تک جو تھے ہر ایک کی راحت کے پاسباں — پہنچی ہے آج ان کو ہر اک سمت سے گزند
ہو انتہائے شوق اگر عشقِ مصطفےٰ — اُمت کا آج بھی ہو ہر اک فرد سر بلند
مومن کی زندگی ہے مشیت کی کارگر — کافر تباہ حال بہ سعی ہزار چند
اُس سے تری جبیں کو ملا فخرِ بندگی — رحمت سے جن کی ہو گئے کونین بہرہ مند
غم اپنے غم کا ہے نہ خوشی کی خوشی مجھے — مجھ کو غمِ جہاں نے کیا ہے الم پسند
ہر آن ہر گھڑی یہ تقاضا ہے وقت کا — اے بے خبر بہ خدمتِ فرقاں کمر بہ بند
زاں بیشتر کہ بانگ برآمد فلاں نماند

بحرِ مردار کے کنارے

(اپریل ۱۹۳۵ء میں برادرم مکرم مولانا محمد شریف صاحب مبلغ بلاد عربیہ کی معیت میں بحرِ مردار دیکھنے کا موقعہ ملا۔ تاثرات ایک نظم کی صورت میں ڈھل گئے)

نسیم سیفی

یہاں کا ذرہ ذرہ کہہ رہا ہے ایک افسانہ
جو اہلِ عقل و دانش کو بنا دیتا ہے دیوانہ

یہاں آسائشِ ہستی کا ہر سامان میسر تھا
یہاں گردش میں رہتا تھا مئے عشرت کا پیمانہ

ہر کام خوبیں ادا زم طلب میں جلوہ پیدا
ہر اک محفل میں تھی ارزانی انداز رندانہ

اُتر جاتا تھا جلوہ دل کی گہرائی میں آنکھوں سے
سمٹ آتا تھا بیباکی سے پہلوؤں پہ میخانہ

فضاؤں میں کھنکتے جام نغموں کی جوانی تھے
صراحی کے اندر اثر تھا جنوں انگیز افسانہ

غرض بکھرے پڑے تھے اس جگہ فردوس کے ٹکڑے
یہاں کے ذرہ ذرہ پہ مہ و انجم نچھاور تھے

مگر عیش و راحت ہو گئے آغوشِ حسرت میں
مچل اٹھتا تبسم موت کا ان کی مسرت میں

حدود اللہ سے ہر لحظہ بڑھتے جاتے تھے وہ
گھٹے جاتے تھے صبح و شام شانِ آدمیت میں

فلک والوں سے اب کوئی تعلق ہی نہ تھا ان کو
ہوئے تھے محو کچھ اس طرح دل اپنی محبت میں

سنوارا اس طرح شیطان نے باطل انکی آنکھوں میں
ہزاروں خامیاں اُن کو نظر آئیں حقیقت میں

خدا کا نام تک لینے نہ دیتے اہلِ ایماں کو
کہیں یہ بات آجاتی جو اُن کے دستِ قدرت میں

ہوئے ناپاک ارادے اُن کے پیوندِ زمیں ہو کر
فقط افسانۂ عبرت ہے باقی چشمِ حیرت میں

کوئی دیکھے تو اس وادی کو دیکھے چشمِ عبرت سے
کہ ہر لحظہ یہاں اُٹھتا ہے پردہ اک حقیقت سے

ہے اب کیا نشے ذروں کا اجڑا سا جہاں باقی
شبابِ عشرتِ ہستی کا ہے بس یہ نشاں باقی

سکوتِ مرگ در آغوش اک چٹیل سا میداں ہے
وہ نغمے فضاؤں میں نہیں وہ نغمہ خواں باقی

ہے باقی نہ جلوے حسنِ خود آرا وہ خود سر کے
ہیں دل والے نہ دل والوں کی اُمیدِ جواں باقی

پتہ تک اب نہیں ملتا یہاں مغرور و سرکش کا
شکستِ زندگی کے ہیں مگر اب تک نشاں باقی

ہے محوِ غم یہ بربادی کا اک خاموش نظارہ
رہے گی حشر تک خاموش سی یہ داستاں باقی

خدا سے باغی و سرکش کا یہ انجام ہوتا ہے
کہ رہ جاتا ہے اُس کے باغ کا رنگِ خزاں باقی

زمین و آسماں نے اس حسین وادی کو دیکھا ہے
اور اس وادی کی بے انداز بربادی کو دیکھا ہے

زندگی کی رہ سے ہٹ کر زندگی پاتا ہوں میں
حُسن سے نظریں ملا کر حُسن بن جاتا ہوں میں

نغمہ باد اے وحشتِ دل اے جنوں پائندہ باد
عشق کے ہر مرحلے کو طے کئے جاتا ہوں میں

ناگہاں پیدا ہوا تھا جس سے ربطِ باہمی
آج بھی نظروں کی اُس لغزش پہ اتراتا ہوں میں

پھر ہے آغازِ نمودِ جلوہ ہائے رنگ رنگ
پھر نگاہِ شوق کو وحشت زدہ پاتا ہوں میں

صبح کی پہلی کرن سے حاملِ عزمِ حیات
شام کی رنگت میں تزئینِ سحر پاتا ہوں میں

ہر قدم پر اک تجلی ہر نظر ایک قہقہہ
ماہ و انجم کی نگاہوں میں کھٹکتا جاتا ہوں میں

مجھ کو بھٹکا ہی نہ دے یہ ذوقِ خود رائی نسیم
جادۂ دُنیا سے کچھ ہٹتا چلا جاتا ہوں میں

معروضات

حجاب رخ سے ہٹاؤ بہار آجائے
مجھے خرد سے بچاؤ بہار آجائے

مرے جنوں سے نظامِ چمن ہے وابستہ
مرے جنوں کو بڑھاؤ بہار آجائے

چھلک رہا ہے تمہاری نظر میں کیفِ بہار
مجھے نظر سے پلاؤ بہار آجائے

فلک پہ چاند ستاروں سے بھی نہیں رونق
زمیں پہ اشک گراؤ بہار آجائے

زمیں پہ پستیِ ذوقِ نظر ہے ایک حجاب
ذرا نظر کو اٹھاؤ بہار آجائے

نسیمؔ ساغرِ صہبا بدست بیٹھا ہے
تم اس گھڑی میں جو آؤ بہار آ جائے

جہاں جہاں سے دلِ داغ دار گزرے گا
وہیں وہیں سے جلوسِ بہار گزرے گا

سکوں ملے کہ بڑھے درد کچھ بھی ہو لیکن
تیری گلی سے ترا جاں نثار گزرے گا

شبِ فراق ہی ضامن نہیں غمِ دل کی
کٹے گی رات تو دن بے قرار گزرے گا

ہمارے دل کی اُمیدیں بر آئیں گی جس دن
کسی کی طبع پہ یہ ناگوار گزرے گا

لگی ہوئی ہے مے و میکدہ کی دل کو لگن
پلا! پلا!! نگہِ ناز کی شراب کہن

بس ایک جیسے ہر اک دَور میں ہیں جرم و سزا
وہی جنونِ محبت وہی ہیں دار و رسن

ہر ایک پھول کی کانٹوں نے پرورش کی ہے
خزاں کی گود میں کھیلی ہے ہر بہارِ چمن

سکون مل نہیں سکتا، سکون تلاش نہ کر
یہی بہت ہے میسّر نہیں تجھ کو زغ و دمن

وہ طور طور نہیں ہے کہ تو کلیم نہیں
نہ گفتگو ہے کسی سے نہ زیبِ حیرت کُن

نسیمؔ کھل کے رہے گی یہ بات دنیا پر
کہ آج کس کو محمدؐ کے دین کی ہے لگن

نگاہِ کرم

اک نگاہِ کرم کا سہارا ملا تو مَیں ہر دم سنبھلتا چلا جاؤں گا
وہ نورِ محبت ہوں میں عمر بھر آپ کے ساتھ چلتا چلا جاؤں گا

دل کو راحت کا خوگر کروں کس لئے رنج و غم سے بھلا میں ڈروں کس لئے
رات دن میں بدلتی ہے، دن رات میں، میں بھی یوں ہی بدلتا چلا جاؤں گا

زہد و عصیاں سے میں بے خبر ہی سہی مجھ سے اُن کی شفاعت کا وعدہ تو ہے
داورِ حشر ہی کی قسم حشر میں مَیں مسلسل مچلتا چلا جاؤں گا

میں نے مانا کہ بیکار سی چیز ہوں، لیکن اک بات تو قابلِ غور ہے
آپ کی بزم میں روشنی کے لئے صورتِ شمع جلتا چلا جاؤں گا

زندگی کا قرینہ نہ آیا مجھے، میری یہ ہار بھی جیت ہی بن گئی
میری نظروں میں جو نقش گئے ہیں نسیمؔ ان کے سانچے میں ڈھلتا چلا جاؤں گا

چاند تاروں کی طرح ظلمت میں تابندہ رہو
قلب و چشم و گوش کی دُنیا میں تابندہ رہو

کاروانِ وقت کی رفتار کا رکھو خیال
موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر زندہ رہو

بے اثر ہے مردِ مومن پر فسونِ روز و شب
منزلوں پر منزلیں پا کر بھی جوئندہ رہو

حُسنِ فطرت کی حقیقت رنگ و بُو کا امتزاج
تم شعاعِ مہر کی مانند رقصندہ رہو

خون کے پیاسے کو مارے گی اسی کی تشنگی
ضامنِ امن و اماں بن جاؤ تم زندہ رہو

راستوں کو پھر عطا کر دو نظر کی روشنی
اہلِ ایماں کی جبیں کی طرح تابندہ رہو

لوگ بدلیں تو بدلنے دو انہیں لیکن نسیمؔ
جیسے تم پہلے رہے ویسے ہی آئندہ رہو

جفا کے خوف سے ترکِ وفا قبول نہیں
کسی کا ہو مجھے کیا، یہ مرا اصول نہیں

ہمارے درد کی خوشبو سے دل مہکتا ہے
وہ زخم زخم نہیں ہے جو زخم پھول نہیں

کسی کسی کو وہ منزل پہ یہ بھی کہتے ہیں
تمہارے سر پہ مری رہگذر کی دھول نہیں

یہ شرفِ نوعِ بشر کس طرح ہوا ہے دولت
کوئی مظلوم نہیں ہے کوئی جھول نہیں

خرد اصول کی پابند ہے تو ہے بدنام
خوش نصیب جنوں کا کوئی اصول نہیں

ہم ان کی بزم کے قابل نہ تھے نسیم مگر
بلانے والے کی ہو گی، تمہاری بھول نہیں۔

ہر لمحہ مرے دل نے ترا نام لیا ہے — جتنا بھی جیا تیرے سہارے ہی جیا ہے
مجھ کو بھی کئی بار ہوئی مات خرد سے — میں نے بھی بار گریباں سیا ہے
منزل کا نشاں بن کے جو راہوں میں پڑے ہیں — منزل نے کئی بار انہیں یاد کیا ہے
خوں بن کے رگِ جاں سے ٹپکتے رہے آنسو — آنکھوں نے کبھی ضبط سے جو کام لیا ہے
کفرانِ مئے ناب گنہگار نہ کر دے — پی، شوق سے پی، جو تجھے ساقی نے دیا ہے
لکھتے رہے روداد مری فردِ عمل میں — کیا خود بھی فرشتوں نے کوئی کام کیا ہے
ہر خار تری راہ کی جانب ہے اشارہ — ہر پھول سرِ راہگزر ایک دیا ہے

دیکھیں تو نسیم اوروں کو ملتا ہے بھلا کیا
اس جام میں ہم نے تو ابھی زہر پیا ہے

پھولوں کی تمنا ہے تو کانٹوں پہ نظر رکھ — راحت کا تقاضا ہے تو غم کی بھی خبر رکھ
بانٹی ہے گھٹاؤں نے مئے ناب سبھی کو — میرے بھی لئے کچھ تو مرے دیدۂ تر، رکھ
ڈالوں نہ ستاروں پہ کمندوں تو کروں کیا — خود بھی تو کبھی تُو مرے دامن میں گہر رکھ

دے کون مجھے داد مرے حسنِ طلب کی
میں کس سے کہوں، میری دعاؤں میں اثر رکھ

فلک نے برسائے ہیں شرارے زمین لاوا اُگل رہی ہے
ہر ایک شے بے قرار ہو ہو کے اپنی ہئیت بدل رہی ہے
غفور! میرے غفور!! تیری پناہ میں آنے کی آرزو میں
سعید رُوحوں کے دل کی دُنیا تڑپ تڑپ کر مچل رہی ہے
میں رہگزاروں میں اپنے خوں کے قدم قدم پر چراغ رکھ دوں
کہ میرے دل میں یقینِ منزل کی ایک مشعل سی جل رہی ہے
میں ہاتھ اُٹھا کر یہ سوچتا ہوں خدا سے کیا مانگنا ہے مجھ کو
مرض کی شدت تو ہے فزوں تر، مگر طبیعت سنبھل رہی ہے
زباں پہ پہرہ تو خیر تھا ہی خیال کی رَہ بھی روکتے ہیں
ستم کی قسمت شکست ہے اور ازل سے یہ بات اٹل رہی ہے
نسیم اپنے وطن کے ذرّوں پہ ہم ستارے نثار کر دیں
یہ بات وہ ہے چمن میں جس پر گلوں کی آپس میں چل رہی ہے

راہگذر بھی صاف ہے میری، منزل بھی ہے پاس
پھر بھی جانے دل میں کیوں ہیں بُرے بُرے وسواس
راتیں ہوں تاریک تو برکھا کرتی ہے بے چین
چاند شبوں میں شبنم سے بھی بجھ جاتی ہے پیاس
ذرّوں کو افلاک کی رفعت کا کیوں ہو ادراک
کاہکشاں کو کیسے ہو گا پستی کا احساس
جو سوچے اور اپنی سوچوں کو سمجھے بے سود
اس کو ذہن و دل کی باتیں کب آئیں گی راس

دل کی بات زباں پر لا کر بنتے ہو منصور
دل کی دل میں رکھنے والوں کی توڑو گے آس
جن کی مسند ڈول رہی ہے ان کی شانیں دیکھ
جن کے بازو ٹوٹ چکے ہیں وہ ہیں سرجن داس

نفسا نفسی کے عالم میں ہر اک ہے مجبور
کام نسیمؔ نہیں آسکتے اب خضر و الیاس

کس نے لکھا ہے کون لکھے گا ان کے شمائل اُن کا سراپا
وہ جو ہیں ہر بات میں بہتر سب سے افضل سب سے اعلیٰ
یُوں تو ہر اک قوم میں آئے راہبرانِ راہِ ہدایت
خوبوں میں وہ خوب تھے لیکن ہر خوبی تھی تنہا تنہا
ہر خُوبی کو یکجا کر کے یکجائی میں رنگت بھر کے
آپؐ ہیں وہ جن کا ہر جلوہ نُورِ مجسّم بن کے چمکا
آپؐ کی رحمت کے دامن کے ٹھنڈے میٹھے جھونکے آئے
کُوچہ کُوچہ بستی بستی وادی وادی صحرا صحرا
وہ جو حرا سے بات چلی تھی یثرب کی گودی میں پلی تھی
دُنیا کے دربار (۱) میں وہ بات رہی ہر بات سے بالا
عرشِ بریں سے فرشِ زمیں کو قربِ نہایت دینے والے
اپنے خدا سے جوڑ دیا ہے آپؐ نے رشتہ خلقِ خدا کا
آپؐ تو ہیں نبیوں کے خاتم آپؐ سے ہیں یہ دونوں عالمؑ
ختمِ نبوت کا جو محافظ عاجز انساں ، توبہ توبہ .

جن پہ پڑی اِک نگہِ عنایت کون چُکائے اُن کی قیمت
بَن گئے وہ اُستادِ زمانہ جن لوگوں نے آپ سے سیکھا
آپ کی اُمّت میں شامل ہونے کی دِل میں ایک لگن تھی
اپنی اپنی قوم میں بے شک وہ مُوسیٰ ہوں یا کہ مسیحا

نصیرؔ۔ جناب نصیر احمد خاں صاحب امرتسری

نام نصیر احمد خاں تخلص نصیرؔ۔ پیدائش یکم جنوری ۱۹۱۰ء آبائی وطن ویرووال افغاناں ضلع امرتسر ہے۔ آپ نے چھٹی جماعت تک تعلیم ویرووال میں حاصل کی۔ بعد ازاں تعلیم الاسلام ہائی اسکول قادیان سے ۱۹۲۱ء میں میٹرک پاس کیا۔ فارمن کرسچین کالج لاہور سے ایف ایس سی ۱۹۲۳ء میں اور بی ایس سی ۱۹۲۵ء میں پاس کیا۔ بعد ازاں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم ایس سی کی تعلیم مکمل کرکے تقسیم ملک سے چند ماہ قبل فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ قادیان میں قادیان میں بطور ریسرچ اسکالر کام شروع کیا۔ قیام پاکستان کے بعد آپ نے ماڈل ٹاؤن لاہور میں رہائش اختیار کی اور ۱۹۵۱ء تک فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں جو اب لاہور منتقل ہو چکا تھا کام کیا۔ مئی ۱۹۵۱ء میں تعلیم الاسلام کالج لاہور میں بطور لیکچرار فزکس تقرر ہوا۔ جب یہ کالج ربوہ منتقل ہوا تو آپ بھی ربوہ تشریف لے آئے اور ۱۹۶۲ء تک کالج کی تدریسی علمی ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیتے رہے۔ ستمبر ۱۹۶۲ء سے مئی ۱۹۶۵ء تک انگلستان میں نیوکلیئر فزکس میں ریسرچ کی بنا پر ڈرہم یونیورسٹی نے آپ کو پی ایچ ڈی کی اعلیٰ ترین ڈگری کا مستحق قرار دیا۔ ۱۹۶۵ء میں آپ مراجعت فرمائے پاکستان ہوئے اور یہاں شعبہ فزکس کے سربراہ مقرر ہوئے۔ آپ کی دیانت اور شبانہ روز کوشش کا نتیجہ یہ نکلا کہ شعبہ فزکس کو ترقی دے کر ایم ایس سی کلاسز کا اجراء کیا اور یہ شعبہ آپ کی سربراہی میں دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔

آپ پنجاب یونیورسٹی کے متعدد اداروں کے رکن ہیں۔ ۱۹۷۵ء میں انٹرنیشنل سینٹر فار تھیوریٹیکل فزکس ٹریسٹ اٹلی نے آپ کو اپنا ایسوسی ایٹ ممبر منتخب کیا۔ متعدد بین الاقوامی کانفرنسوں اور سیمیناروں کے سلسلہ میں سوئٹزرلینڈ، یوگوسلاویہ، اٹلی اور انگلستان وغیرہ کے سفر کر چکے ہیں۔

سائنس کے اس طویل و عریض میدان میں شہسواری کے جوہر دکھانے کے ساتھ ہی ساتھ آپ گلشن ادب کی آبیاری سے کبھی غافل نہ رہے۔ کیونکہ آپ کو شعر گوئی کا شوق اسکول کے زمانہ سے تھا جو مرورِ زمانہ کے ساتھ اپنی ارتقائی منازل طے کرتا ہوا بامِ عروج تک پہنچ چکا ہے۔ سائنسی تحقیقات کے مشاغل و مصروفیات کے باوجود آپ نے ادبی میدان میں بھی اشہبِ قلم کے جوہر دکھائے ہیں اور بلا خوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ ایک محقق اور قادر الکلام شاعر ہیں۔ قدرت نے آپ کو ذہنِ رسا عطا کیا ہے جس سے استفادہ کرنا آپ کی فطرتِ ثانیہ بن چکا ہے اور آپ دقیق مضامین کو بڑی چابکدستی سے شعر کا جامہ پہنا دینے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں جس کا اظہار اُن کے پاکیزہ کلام سے جو کبھی کبھی سلسلہ کے اخبارات و رسائل کی زینت بنتا رہتا ہے صاف عیاں ہوتا ہے آپ بیرونِ ملک بھی خدمتِ ادب سے کبھی غافل نہ رہے اور متعدد غزلیں اور نظمیں اس زمانہ کی یادگار ہیں۔ نعت گوئی آپ کا محبوب موضوع ہے اور اس میدان میں آپ اپنے کسی ہمعصر سے پیچھے نہیں بلکہ احمدی شعراء کی صفِ اول میں آپ کا ایک منفرد مقام ہے۔

ذاتی طور پر آپ ہمہ صفت، موصوف ایک منکسر المزاج، متواضع اور بڑے خلیق انسان ہیں آپ کا حسین چہرہ آپ کی صفائی قلب کا آئینہ دار ہے۔ آپ کی رہائش، رفتار و گفتار اور خوبی کردار آپ کی لطافت طبع کی غمازی کرتے ہیں۔

آ

براق بن کے مری روح کے سفر میں آ
تو بے نیاز نہ رہ حلقۂ اثر میں آ

چھپے گا لے مرے خورشید کب تلک مجھ سے
نکل کے پردۂ شب سے رخِ سحر میں آ

یہ کیا کہ دشت ہی ہوں تیرے نور سے معمور
فصیلِ شہر کو مسمار کر نگر میں آ

بہت تجلی تری ہو چکی پہاڑوں پہ
حریمِ قدس سے باہر نکل بشر میں آ

مرے وجود کے دیوار و بام و در تجھ سے
تو مبتدا ہے تو ہستی کی ہر خبر میں آ

تری تلاش میں درماندہ ہو کے بیٹھا ہوں
سفر میں تو نہیں آتا نہ آ حضر میں آ

ترے کرم سے مری شاخِ دل نہ ہو محروم
رگِ نہال میں چل، قال میں ثمر میں آ

ملا ازل سے مجھے ایک دردِ بیتابی
قرار بن کے مرے قلبِ معتبر میں آ

نصیرؔ اپنے دلِ زار سے کہوں جا کر
تو گھر میں بیٹھ نہ اس کی رہگزر میں آ

محبت کا سارا جہان آپ کا ہے
زمیں آپ کی آسماں آپ کا ہے

شب و روز کی گردشیں اللہ اللہ
زماں آپ کا ہے مکاں آپ کا ہے

تماشائے محمل بیابان بیابان
جرس آپ کا کارواں آپ کا ہے

یہ آنسو، یہ تارے، یہ آہیں یہ بادل
شرر آپ کے ہیں دھواں آپ کا ہے

فقط خاک و خوں رزمِ ہستی میں میرے
علم آپ کا ہے نشاں آپ کا ہے

مری زندگی بے حقیقت فسانہ
فسانے کا رنگیں بیاں آپ کا ہے

نصیرؔ حزیں گر نہیں ہے تو کیا ہے
یہ سب حلقۂ عاشقاں آپ کا ہے

نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

جس دل کو میسّر ہوا عرفانِ محمدؐ
قرآن ہے اس کے لئے برہانِ محمدؐ

اخلاق میں اطوار میں اللہ کا سایہ
رضوانِ خداوند ہے رضوانِ محمدؐ

ہر سمت اجالا رخِ تابانِ نبیؐ سے
ہر گوشۂ ہستی تہِ دامانِ محمدؐ

صحرائے عرب موردِ انوارِ خدا ہے
گلزار بنے دشت و بیابانِ محمدؐ

بوبکرؓ و عمرؓ ہوں کہ وہ عثمانؓ و علیؓ ہوں
خوش رنگ ہیں سب اور دو مرجانِ محمدؐ

اللہ کی مخلوق ہے اسود ہو کہ احمر
اعلانِ مساوات ہے اعلانِ محمدؐ

بے دستِ نبی دستِ خداوند تعالیٰ — ہے حکم الٰہی جو ہے فرمانِ محمدؐ

قوسین کی ہو تاب کہ سدرۃ کی بلندی — ہے سبع سما جلوۂ ایوانِ محمدؐ

دنیا میں کرامت کہیں ڈھونڈے نہ ملے گی — ہاں معجزہ دکھلاتے ہیں غلمانِ محمدؐ

چیرا ہے ہر اک دور میں ہر ظلم کا سینہ — ہے تیر قضا خنجرِ بُرّانِ محمدؐ

عاصی ہوں نصیرؔ اس کا تو اقرار ہے لیکن
خوش ہوں کہ ملا ہے مجھے عرفانِ محمدؐ

نعت

جس بزم میں ذکرِ شہِ ابرار نہیں ہے — اُس بزم سے کچھ ہم کو سروکار نہیں ہے

جو فیضِ محمدؐ کا طلب گار نہیں ہے — مجنوں ہے دِوانہ ہے ہشیار نہیں ہے

جس آنکھ نے دیکھا نہیں اُس نور کا جلوہ — اُس آنکھ میں حس نور کی بیدار نہیں ہے

جو کان شناسا نہیں گلبانگ نبیؐ سے — وہ واقفِ رعنائیٔ گفتار نہیں ہے

جب تک نہ کرن نورِ محمدؐ کی ہو داخل — تاریک ہے دل مہبطِ انوار نہیں ہے

جو ہاتھ نہیں زیرِ یدِ سیّدِ لولاک — معذور ہے مفلوج ہے ناکار نہیں ہے

جو ذہنِ رسا فکرِ نبیؐ میں نہیں ڈوبا — وا اُس کے لئے عالمِ اسرار نہیں ہے

جھکتی نہیں جو روح درِ ختمِ رُسلؐ پر — دربارِ خدا میں بھی اسے بار نہیں ہے

جس سر پہ نہ ہو سایۂ دامانِ محمدؐ — اللہ کی رحمت کا وہ حقدار نہیں ہے

گزرے ہیں بہت بحرِ محبت کے شناور — پر اک کوئی آپؐ سا جیدار نہیں ہے

جو بات بھی فرمائی عمل کر کے دکھایا — کردار ہی ہے کوئی پندار نہیں ہے

لے کوئی آ کر مجھے وہ وصف بتائے — جس وصف کا حامل مرا دلدار نہیں ہے

دل سب نے نچھاور کئے اخلاقِ نبیؐ پر — ہاتھوں میں کوئی جبر کی تلوار نہیں ہے

چھوٹا ہے نہ چھوٹے گا کبھی آپؐ کا دامن — اس راہ میں حائل کوئی دیوار نہیں ہے

کیا وصف بیاں مجھ سے ہو اخلاقِ نبیؐ کا — حاشا مجھے یہ طاقتِ اظہار نہیں ہے

قسمت پہ تری رشک نصیرؔ آتا ہے مجھ کو
کیا نعت ترا طالعِ بیدار نہیں ہے

دل کی تنہائی بھی ہے انجمن آرائی بھی — درد میں میرے خموشی بھی ہے گویائی بھی

کون سی شے ہے جسے حاصلِ فطرت سمجھوں — گل کے دامن میں تو خوشبو بھی ہے رعنائی بھی

پھونک کر رکھنا قدم راہروانِ رہِ شوق — اس مسافت میں ندامت بھی ہے رسوائی بھی

جذبۂ عشق مرا، عکسِ جہاں زیب تری — دیکھنا یہ ہے کہ دلکش ترے کام آئی بھی

ساحل نہیں ہے یہ، دیکھ تعاقب میں نہ جا — ڈوب جاتی ہے یمِ غور میں دانائی بھی

منزلِ شوق ستاروں سے پرے ہے میری — پلنے ہمت نہیں ہے یہ بادیہ پیمائی بھی

شیخ صاحب جو بتاتے ہیں وہ رستہ ہے سپاٹ — کتنی دلچسپ ہے ہم رندوں کی گہرائی بھی

مرجعِ عام بنا کلبۂ احزانِ نصیرؔ
چل کے آئے یہاں فرزانے بھی سودائی بھی

ناظر۔ جناب غلام نبی ٹاک کاشمیری

غلام نبی نام۔ ناظرؔ تخلص۔ آپ ۱۹۳۳ء میں جناب خواجہ محمد خضر ٹاک مرحوم کے ہاں موضع باری پورہ تحصیل کولگام ضلع اننت ناگ کشمیر میں پیدا ہوئے۔ آپ نے انگریزی میں بی اے، اردو میں ادیب فاضل اور کشمیری زبان میں کامل (ڈاکٹر زبان کاشمیری) کے امتحانات پاس کر کے سنداتِ فضیلت حاصل کیں۔

ادبی مشاغل

آپ کشمیری اور اردو زبان میں شاعری کرتے ہیں۔ کشمیری زبان کے تین شعری مجموعے اور چار دیگر تصنیفات شائع ہو چکی ہیں۔ کشمیر یونیورسٹی کے ایم اے کے سلیبس میں آپ کی ایک تنقیدی کتاب شامل ہے۔ آپ نے سلسلہ عالیہ احمدیہ کے بارے میں اردو اور کشمیری زبانوں میں متعدد نظمیں لکھی ہیں۔ آپ کی نظمیں اور نثر پارے اکثر رسائل و جرائد کی زینت بنتے اور اہل فہم اصحاب سے خراج تحسین وصول کرتے رہتے ہیں۔ ریڈیو اور ٹی وی سے بھی آپ کی منظومات نشر کی جاتی ہیں۔

آپ سرکاری ملازمت کے ساتھ ہی ساتھ اپنی علمی و ادبی مصروفیات کے لئے وقت نکال لیتے ہیں اور مسلسل ادب کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں

نمونۂ کلام

نعت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

سرورِ کون و مکاں رحمۃٌ للعالمین — دلبرِ من جانِ جاں رحمۃٌ للعالمین

مہرِ انور مہ لقا مظہرِ نورِ خدا — تاجدارِ دو جہاں رحمۃٌ للعالمین

مصدرِ فیض و عطا، منبعِ بحرِ سخا — اور شفیعِ عاصیاں رحمۃٌ للعالمین

ساقیِ لب تشنگاں، حامیِ بے کساں | ہمتِ افتادگاں رحمۃٌ لِّلعالمین
مدعائے طالباں، دستگیر رہرواں | والیِ بے خانماں رحمۃٌ لِّلعالمین
صاحبِ لوح و قلم، حاملِ جاہ و حشم | وہ شہِ شاہنشہاں رحمۃٌ لِّلعالمین
صاحبِ لولاک ہے، زینتِ افلاک ہے | وجہ تخلیقِ جہاں رحمۃٌ لِّلعالمین
صاحبِ معراج وہ، انبیاء کا تاج وہ | خاتمِ پیغمبراں رحمۃٌ لِّلعالمین
داعیِ دینِ متیں اور شفیعِ یومِ دیں | غمگسارِ انس و جاں رحمۃٌ لِّلعالمین
قوتِ ہر ناتواں، جرأتِ ہر نوجواں | درد مندِ مفلساں رحمۃٌ لِّلعالمین

ناظرِ عاجز بیاں کس طرح ہو مدح خواں
کر دیا وردِ زباں رحمۃٌ لِّلعالمین

دن فلک پر ظاہر اک تارہ ہوا | رات بھر اس بات کا چرچا ہوا
نظم کا عنوان تھا جوہی کا پھول | دامنِ صحرا میں تھا کھویا ہوا
ہوں وہیں اب بھی جہاں پر تھا مقام | کیا کہوں کتنا سفر لمبا ہوا
شہر پھیلا اور بھی حد ہو گئی | بڑھتے جنگل میں سناٹا ہوا
آ گئی تحت الثریٰ سے بھی خبر | میں تو کب کا ہوں یہاں پہنچا ہوا
یہ تصور کی کرم فرمائیاں | ہے پرندہ ہاتھ میں اڑتا ہوا

حال ہے اپنا برا خاموش ہیں
آپ سے باتیں ہوئیں اچھا ہوا

انور ندیم علوی

نام، انور ندیم علوی تخلص ندیم ۔ تاریخ پیدائش ۱۹۵۲ء

آپ کا خاندان تحصیل گڑھ شنکر ضلع ہوشیار پور انڈیا سے چیچہ وطنی ضلع ساہی وال میں آ کر آباد ہوا۔ اس کے بعد ۱۹۳۲ء میں دریا خان مری ضلع نواب شاہ میں مستقل سکونت اختیار کی۔

آپ نے ابتدائی تعلیم سندھی زبان میں دریا خان مری سے حاصل کرنے کے بعد میٹرک ڈی آئی ہائی اسکول اور بی ایس سی ڈی آئی کالج سے کرنے کے بعد لاہور سے قانون کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۷۵ء سے نواب شاہ میں وکالت کے ساتھ ساتھ شعر و سخن کا سلسلہ بھی جاری ہے۔

شاعری میں آپ کی کتابیں ۱۔ جاگتی آنکھوں کے خواب ۲۔ اے دیس کی ہوا ۳۔ سوچ کے سائے ۴۔ پرچم ۵۔ ندیم تنہائی اور ۶۔ "جلتا ہے دیا تنہا" شائع ہو چکی ہیں جبکہ دھنک رنگ شاعری منظوم تراجم) اور تاج بجے تعزیروں کے (شیخ ایاز کی شاعری کے تراجم) زیر ترتیب ہیں۔ اس کے علاوہ نثر میں ..... آسماں کیسے کیسے (یادِ رفتگاں) اور محبت فاتح عالم "نیز مزاحیہ مضامین پر مشتمل کتاب" ہالن وے کرفیل کریا بھی زیر ترتیب ہے۔

نمونہ کلام

غزل

ہر طرف ٹوٹتی سانس کی ہچکیاں، یہ شب و روز گویا سزا ہو گئے
نفرتوں کی وہ ظالم چلی آندھیاں، کتنے پتے شجر سے جدا ہو گئے
چار جانب سے چھائی ہوئی اک گھٹن، سُونا سُونا لگے مجھ کو سارا چمن
روشنی کی نظر اب نہ آئے کرن، سب مکین و مکاں بے صدا ہو گئے

تُو نے انساں بنایا کرے بندگی، پر اجیرن ہوئی آہ یہ زندگی
بھول کر بندگی کے سبھی یہ چلن، تیرے بندے خدایا خدا ہو گئے

دیکھئے آ کے ہم کتنے مجبور ہیں، آپ سے دُور ہیں کتنے مجبور ہیں
آنکھیں پُرنم ہوئیں، ہونٹ خاموش ہیں، آپ کیوں ہم سے اتنے خفا ہو گئے

آپ کی چاہ جرم و خطا بن گئی، ایک مجبور و مختار کی ٹھن گئی
میرے خوابوں پہ بھی اب ہیں پہرے لگے، جرم ناکردہ میری خطا ہو گئے

دیکھ میری وفا کو نہ تُو آزما، ہے عقیدت کا اعجاز بالکل جُدا
پوچھتی ہے "احد" کی "بلالی" صدا، جسم اور جان کب سے جدا ہو گئے؟

اے نسیم سحر اُن کو جا کر بتا، اُن کی چاہت میں ذرہ بھی اختر بنا
جان دینے کو یہ جاں نثار آ گیا، کتنے عُشاق تھے جو فدا ہو گئے

جن کی خوشبو رچی اپنے احساس میں، جی رہے ہیں تو بس ہم اسی آس میں
کاش آ کر ملیں وہ دوبارہ ندیم! ایک عرصہ ہوا جو جُدا ہو گئے

غزل

ہر خزاں دیدہ کو گلزار کیا ہے مَیں نے
زندگی! تجھ کو بہت پیار کیا ہے مَیں نے

سر جھکانے کے عوض، شاہ عنایت کر دے
ایسی دستار سے انکار کیا ہے میں نے

پیار انسان سے ہے جرم تو مُنصف سُن لے!
گرم اسی جرم کا بازار کیا ہے مَیں نے

"حق" ہے بولی مری "منصورہ" قبیلہ میرا
یہی اعلان سرِ دار کیا ہے میں نے

جس کی خوشبو سے مہک اٹھتی ہے ساری محفل
آج اُسے مائلِ گفتار کیا ہے میں نے
جو بھی اُس چاند کو چاہے اُسے چاہو تم بھی
چاند چہروں سے بہت پیار کیا ہے میں نے
چشمِ خوابیدہ کو اس پیار کی شبنم سے ندیمؔ!
کتنے ارمانوں سے بیدار کیا ہے میں نے

غزل

محبت میں کوئی جاں سے گزرتا ہے تو لکھتا ہوں
کوئی گہرے سمندر میں اُترتا ہے تو لکھتا ہوں
"انا الحق" کا لگے نعرہ، کوئی جب دار کو چومے
کہیں "منصور" کا پیکر اُبھرتا ہے تو لکھتا ہوں
دہکتی آگ کو گلزار بھی ہوتے ہوئے دیکھا
کوئی نمرود جب حد سے گزرتا ہے تو لکھتا ہوں
بہت سے روگ ہیں دل کو، غمِ دنیا، غمِ جاناں
مرا چہرہ ترے غم سے نکھرتا ہے تو لکھتا ہوں
سفر میں ہیں ہزاروں ہی مسافر دیکھ لو لیکن
کوئی دل کی گلی سے جب گزرتا ہے تو لکھتا ہوں
بہاریں، چاندنی ایسا، دھنک رنگ پیرہن اُس کا
وہ جب خوشبو مرے شعروں میں بھرتا ہے تو لکھتا ہوں

غزل

آنکھ گو روتی رہی آنسو مگر چھلکا نہیں
ہم نے اپنا درد دُنیا پر کبھی کھولا نہیں

دائرہ در دائرہ اُس کی کشش زنجیرِ پا
پیار کا قیدی کسی صورت رِہا ہوتا نہیں

نگری نگری گاؤں گاؤں سوچ کا پنچھی اُڑے
ہمنشیں! لیکن یہ ہجرت کا سفر گھٹتا نہیں

اُس کی خاطر فرشِ رہ ہیں کتنی پلکوں کے گلاب
کتنے ماہ و سال سے جو شخص گھر آیا نہیں

گھر کی ہر دیوار پہ روشن دعاؤں کے چراغ
وصل کی امید کا تارا کبھی ڈوبا نہیں

خونِ دل سے پیار کا دیپک جلاؤ تم ندیمؔ!
نفرتوں کی آندھیوں سے یہ دیا بجھتا نہیں

ل کر بھی دل چین نہ پائے
جیون میں یہ موڑ بھی آئے

دیر ہوئی وہ گزرا، لیکن
اُس کی خوشبو اب تک آئے

یاد کروں میں جب بھی اُس کو
آنکھ میں دریا چڑھتا جائے

میری طرح ہیں کتنے ویراں
چاندنی رات اور پیڑ کے سائے

دل کی اپنی ہی دُنیا ہے
کوئی نصیحت کام نہ آئے

اُس سے ملنے پھر جاتا ہے
یاد کا پنچھی پَر پھیلائے

جینا مشکل ہو جائے گا
روٹھے ہوؤں کو کون بتائے

ناصر۔ سید محمد الیاس ناصر دہلوی

نام۔ سید محمد الیاس تخلص: ناصر۔ تاریخ پیدائش ۱۹؍ اکتوبر ۱۹۳۰ء

آپ کی پیدائش ننھیال قصبہ سردھنہ ضلع میرٹھ (بھارت) میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم بھی یہیں حاصل کی۔ قرآن کریم و دینی تعلیم اپنی والدہ سے حاصل کی۔ بعد ازاں اپنے بڑے بھائی سید محمد اسحٰق تنور کی کفالت میں دہلی آ گئے۔ اور قیام پاکستان تک آپ دہلی میں رہے۔ اور دسمبر ۱۹۴۷ء کی جبری ہجرت کر کے لاہور آ گئے۔ لاہور ہی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔

آپ کی شادی ۱۹۵۰ء میں فاطمہ ناصرہ بیگم بنت محمد زکریا خان سے ہوئی۔ ۱۹۵۲ء میں بغرض تعلیم پہلے ہالینڈ اور پھر لندن تشریف لے گئے۔ بیرسٹری پاس کرنے سے پہلے ہی بیوی بچوں کی ذمہ داری اور کفالت کی خاطر کاروبار شروع کیا۔ ۱۹۸۸ء میں کاروبار بند کر کے ریٹائرڈ زندگی گزار رہے ہیں۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے پانچ اولادوں سے نوازا تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ اور سب بچے اپنے پیروں پر کھڑے ہو گئے ہیں۔

۱۹۹۱ء میں لندن کے ایک مشاعرے میں ملاقات ہوئی۔ بات چیت میں پتہ چلا کہ آنجناب سے نہ صرف روحانی رشتہ داری بلکہ قبلہ حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری کی وساطت سے دوسری بھی رشتہ داریاں ہیں۔ دوران ملاقات آپ نے دریافت کیا کہ آپ شاہجہانپوری ہیں تو حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری کو تو ضرور جانتے ہوں گے۔ میں نے عرض کیا کہ جاننے کا کیا ذکر وہ تو میرے شفیق استاد اور میرے مربی تھے اور میں نے اپنے والد ماجد کے انتقال کے بعد اُن کے زیر سایہ تربیت پائی اور انہوں نے مجھے اپنا متبنّٰی بیٹا بنا لیا تھا۔ میں جو کچھ بھی ہوں

یہ سب انہی کی کفش برداری کے طفیل ہے

میرے اس انکشاف پر برادرم ایس ناصر صاحب بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ میں نے بعد ان قیام لاہور رجودھامل بلڈنگ حضرت حافظ صاحب کی صحبت سے بہت فائدہ اٹھایا ہے اور قریباً روزانہ ہی ان کی خدمت میں حاضری دیتا تھا اور اُن کی خدمت کو اپنی خوش نصیبی خیال کرتا تھا۔ یہاں تک کہ میری والدہ ماجدہ حضرت حافظ صاحب کی دعوت الی اللہ کے نتیجہ میں حلقہ بگوش احمدیت ہونے کی سعادت حاصل کر سکیں۔ فالحمد للہ

جہاں تک ناصر صاحب کی شاعری کا تعلق ہے یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ وہ فطری شاعر ہیں۔ انہوں نے جو کچھ کہا ہے محبتِ الٰہی اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوب کر کہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا قلبِ صافی آبِ شیریں کا وہ چشمہ ہے جس سے حمدِ خدا اور نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نہریں بہہ بہہ کر ساری بنجر زمینوں کو بھی سیراب کرتی چلی جا رہی ہیں۔ اُن کے قلم حقیقت رقم سے امام جماعت اور ساری جماعت کے لئے احترام اور محبت کے قطرے ٹپکتے رہتے ہیں۔ ان کا کلام مبالغہ آرائی سے پاک اور حقیقت نگاری کا مصفا و مجلی آئینہ ہے۔

ناصر صاحب کے اشعار میں سلاست کے ساتھ روانی بھی ہے اور بعض اشعار میں سوز و گداز بھی پائی جاتی ہے۔ آپ کا بڑا کمال یہ ہے کہ آپ نے دوسری شرحوں سے ہٹ کر شرح دیوانِ غالب لکھی ہے جو خاص و عام میں درجہ قبولیت حاصل کر چکی ہے۔

آپ کے چند منتخب اشعار پیش خدمت ہیں۔

جب تک شعورِ عشق نہ پیدا کرے کوئی
ممکن نہیں کہ اس کی تمنا کرے کوئی

خردمندی رہی دیوانہ پن میں	نہ آیا ہوش جب سے تم کو دیکھا
زبان شیریں ہو گر ناصرؔ دہن میں	نہیں مشکل دلوں کو جیت لینا

نقش بنتا ہے خدا کے فضل سے تقدیر کا
عکس بن جاتی ہے پھر تدبیر ہی تقدیر کا

حسنِ دلدار کا اللہ رے جذب اور کشش
سب ہی آ بیٹھے ہیں اس یارِ طرحدار کے پاس
سب ہی اس راہ سے کترا کے نکل جاتے ہیں
اب ٹھہرتا نہیں کوئی رَسن و دار کے پاس

عشرتِ دنیا بھی ہے گو دل فریب — پر نشاطِ آسمانی اور ہے
کوئی منظر حسن سے خالی نہیں — پر وہ حسنِ لامکانی اور ہے

دل کو سکوں تو آنکھ کو نورِ بصر ملے
جلوہ نما ہوں آپ تو حُسنِ نظر ملے

خدمتِ دین تو ہے فضلِ الٰہی ناصر
بُھول ہے کوئی اگر طالبِ انعام رہے

ہر حسن مستعار ہے اس کے ہی حُسن سے
جلوے جہاں میں ہیں اسی جانِ بہار کے

یادِ خدا ہو عیش میں، خوفِ خدا ہو طیش میں
جس کو ملے یہ حوصلہ اُس کو خدا بھلائے کیوں

شادی و غم ہے زندگی صبر و رضا ہے بندگی
علم و یقیں جسے نہیں دل کا سکوں پائے کیوں

بندے سے بولتا نہ ہو، دیتا نہ ہو جواب جو
بُت کی طرح خموش ہو، اس کو خدا بنائے کیوں

اس کی مجلس میں ترا ذکر بھلا کیوں آئے — تیرا دل اُس کی محبت سے جو معمور نہیں

رضائے یار ہے مقصود زندگی اپنا
ہو یہ نصیب تو پھر اور جستجو کیا ہے

رنج و راحت تو ہزاروں ہیں جہاں میں لیکن
جس میں ہو تیری مشیت وہ ملال اچھا ہے

امید کا چراغ کسی سے نہ بجھ سکا
کوشش ہزار بادِ مخالف بھی کر گئی
نظارۂ جمال کی حسرت ہی رہ گئی
آئے جو اُن کے سامنے تابِ نظر گئی

کسی کو حق نہیں ہے فتوئ تکفیر کا ناصر
خدا خود مہر کرتا ہے کسی کے کفر و ایماں پر

تدبیر کے حیلوں سے میں تقدیر کو پاؤں
آئینہ بنے ہستی اشیاء مرے آگے
ہے قلب مرا بادۂ عرفاں کے لئے وقف
کیوں رکھتے ہو پیمانہ و صہبا مرے آگے

شیخ نصیر الدین احمد

تاریخ پیدائش ۱۵ مارچ ۱۹۲۳ء ولدیت : ڈاکٹر بدر الدین صاحب

تعلیم : مولوی فاضل، شاہد ایم اے ، ایم۔او۔ایل ۔ بی۔ایس۔سی، بی ٹی ، جے ڈی

زبانیں : اُردو ، انگلش ، عربی ، سواحیلی ۔ فرنچ

دینی خدمات ۔ بطور مربی سلسلہ نائیجیریا ۔ زیمبیا ۔ سیرالیون میں رہے اور بطور لیکچرر جامعہ احمدیہ اور ٹی آئی کالج ربوہ میں رہے ۔

ادبی خدمات ، درجنوں مضامین انگریزی ، اردو اخبارات میں نظموں غزلوں کا مجموعہ "خیالِ منظم" جو ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا ۔ (ضخامت ۱۵۰ صفحات)

وفات ، امریکہ ، ۱۷ مئی ۱۹۹۱ء (بعد ریٹائرمنٹ بچوں کے پاس رہے ۔

نمونہ کلام

آنکھوں میں نمی اُن کی جب رشکِ گہر ہوگی
اُس دن تیری شنوائی اے دیدۂ تر ہوگی

نرگس نے تیری صورت آنکھوں میں سمو لی ہے
گلشن میں تیری چاہت اے زخمِ جگر ہوگی

روئیدگیٔ سبزہ اور تازگی اس دل کی
سب آپ کی ہی آمد کے زیرِ اثر ہوگی

محفل میں کریں گے وہ "تقسیم" کا جادو کل
جب جسم اِدھر ہوگا پر رُوح اُدھر ہوگی

جب آ کے دَمِ عیسیٰ دُکھ درد مٹا دے گا
دکتوؔر بتا تیری پھر کیسے گزر ہوگی

تم سب کا تڑپنا ہی مطلوب ہے اے تارو!
مٹ جاؤ گے تم سارے تب جا کے سحر ہوگی

مانا کہ وہ خون جو اِن گُل بوٹوں کو سینچے گا
احمد تیرا خوں ہوگا پر کس کو خبر ہوگی

لہ (ڈاکٹر کی عربی)

ظُلم اور جھوٹ کے مقابل

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کے خطبہ فرمودہ ۹ ستمبر ۱۹۷۴ء سے متاثر ہو کر جس میں آپ نے ظُلم اور جھوٹ کے مقابل صبر اور محبت کی تلقین فرمائی۔

پیار کی راہ سے ہر دل میں سماتے جانا
عجز کی راہ سے ہر روک ہٹاتے جانا

غم پہ غم کھاؤ گے غم اپنا ہی رٹتے رٹتے
سُن کے دُکھ غیر کا اپنا مٹاتے جانا

غلغلہ غیر کا کرتا ہے یونہی نیند حرام
ہو کے شب خیز تم اوروں کو سلاتے جانا

ظُلم کی راہ سے گمراہ کرے۔ جھوٹ ہزار
صبر کی راہ سے تم راہ دکھاتے جانا

ہے فضاؤں میں بسا خوف و ہراس دہشت
تم دعاؤں کا سکوں ان میں بساتے جانا

گرچہ طاغوت نے پُرخار کیا ہے مسلک
جن کے ہر خار یہاں پھول اگاتے جانا

تیرے دل میں جو مسیحا نے جلائی احمد
نسل میں اپنی وہی شمع جلاتے جانا

آنکھیں بدل گیا وہ جسے پیار سے پکارا
ساحل جسے بھی سمجھا وہی کر گیا کنارہ

دل میں بسا ہوا ہے ساماں تباہیوں کا
مجھے آرزو نے لُوٹا۔ مجھے خواہشوں نے مارا

مجھے پیار نے گرایا۔ مجھے پیار نے اٹھایا
یہی پیار میری لغزش یہی پیار ہے سہارا

اسی پیار کے صلہ میں نفرت مجھے ملی ہے
پر اس کے ہی بدولت چمکا میرا ستارا

اضدادِ زندگی سے ہے پیار کا سلیقہ
جس نے ہے تجھ کو مارا وہی درد کا ہے چارہ

آدم کے وقت سے ہی ڈھارس یہی ملی ہے
شبِ غم گزارتے ہی دن ہو گا آشکارا

منت کشِ جنوں ہے یہ رسم و راہ میری
رو رو کے شب گزاری، ہنس ہنس کے دن گزارا

اِک محوِ دُنیا داری پھرتا ہے دندناتا
ایمان کا بھکاری پھرتا ہے مارا مارا

تیرے پجاریوں کی ہے اسی میں کج کلاہی
یارب نہ ڈگمگائے ثابت قدم ہمارا

محدود دل سے دل تک احمد تری صدا ہے
نکلی اِدھر جو دل سے۔ دل میں اُدھر اُتارا

مقدس امانت

خلافت خدا کی مقدس امانت
ہے یہ روح کی زندگی کی ضمانت

خدا کی ہدایت کا ہے یہ تسلسل
ہوئی وقتِ آدم سے جاری خلافت

خلافت ہے مرکز اُسی دائرے کا
ہے وابستہ جس سے جہاں کی نظامت

اسی سے تو فکر و عمل میں ہے وحدت
اسی سے اُجاگر ہے حُسنِ امامت

یہی جبکہ تجدیدِ عہدِ خدا ہے
کہاں چھوڑ کر جائیں ہم یہ روایت

جو محروم ہیں نعمتِ ایزدی سے
نہیں اُن کو بھاتی خدا کی جماعت

خدا کی جو رسّی کو تھامے رہے گا
محمدؐ کریں گے اُسی کی شفاعت

امام زمانہ کو پہچان لینا — درایت کی ہے پختگی کی علامت
خلافت سے منہ موڑتے ہیں جو احمد
وہ کھو بیٹھے ہیں جہاں میں وجاہت

جب چاند ہی سدھارا
وفات حضرت خلیفۃ المسیح الثانی

ربوہ کے آسماں پر ٹوٹا میر استارہ
ہائے کدھر گئے وہ کر کے مجھے اشارہ

تاریکیاں غموں کی بڑھنے لگیں فضا میں
اب چاندنی کہاں کی جب چاند ہی سدھارا

پسرِ غلام احمد ۔ فخرِ رُسل کی خاطر
جو خاک میں مِلا تھا آقا تھا وہ ہمارا

اب وہ پہنچ گیا ہے روحانی آسماں پر
نُقطہ وہی ہے جس سے عیسیٰ نبی اتارا

اللہ کی خلافت جاری ہے جو ازل سے
اب بھی رہے گی جاری اُس کا نہیں کنارا

وعدہ کیا جو اس نے ہو کر رہے گا پورا
اللہ کی ہو نصرت ۔ ناصر ہے وہ ہمارا

ٹھہرو نصیر سننا ۔ کوئی پکارتا ہے
آئی صدا کہاں سے کس نے مجھے پکارا

اِک تیرگی مٹا کر آنکھوں میں آ گئے وہ
آنکھوں نے جذب کر کے دل میں اُنہیں اُتارا

جناب حنیف ادیب صاحب راولپنڈی

ہدیہ عقیدت بحضور سرور کائناتؐ

والیِ کون و مکان عالی صفات
مشعلِ نور و ہدایت تیری ذات
تیرے دم سے یہ جہاں مہر و ماہ
تیرے کرم سے یہ نظامِ کائنات
تیرے دم سے زندگی تابندہ تر
تیرے دم سے نور کا حیات
تیرے دم سے رونقِ کون و مکاں
تیرے دم سے بزمِ ہستی کو ثبات
تیری ہستی باعثِ تسکیں جاں
چشمۂ تسنیم و کوثر تیری بات
علم تیرا وہ سمندر ہے اتھاہ
پا نہیں سکتی جسے انساں کی ذات
ہر عمل تیرا ہے بے مثل و نظیر
وجہ فخر انس و جن و شش جہات
یاد تیری باعثِ تسکیں دل
ذکر تیرا خالقِ عرفانِ ذات
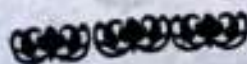
احمد۔ جناب بشیر احمد خاں صاحب لاہور

سخت درد انگیز ہے گو داستانِ اہلِ درد
اہلِ دل ہی کچھ سمجھتے ہیں زبانِ اہلِ درد

تیغ خونِ آشام پر نازاں گروہ اشقیا
نالۂ لب نارسیدہ ہے سنانِ اہلِ درد

شوق سے مشقِ ستم اور شوخ مست کجروی
خود خدا نے دو جہاں سے پاسبانِ اہلِ درد

پھٹ گیا جب دردِ دل پتھر کا ٹکڑہ رہ گیا
درد کیا ہے غافلو! روحِ روانِ اہلِ درد

دردِ دل وہ چیز ہے جس کے محافظ ہیں ملک
لوٹ سکتا ہے کوئی کب کاروانِ اہلِ درد

صحن بستاں جہاں کی ساری رنگ آرائیاں
ہیں رہینِ اشکِ حسرت خونفشانِ اہلِ درد

اُس بت کافر ادا کو جا کے سمجھائے کوئی
رنگ بھرے گی کسی دن یہ فغانِ اہلِ درد

جب وفا کیشی مسلّم ہے تو پھر کیوں جانِ جاں
روز ہوتا ہے تبارک امتحانِ اہلِ درد

جو ملا ابلیس کو آتش بیانی کا صلہ
اس سے کم کیا پائیں گے حاسدانِ اہلِ درد

کب مٹنے گا دردمندوں کی دُعا احمدؔ خدا
ہاتھ جب رنگیں گے پاپ دشمنانِ اہلِ درد

جناب بابو احمد علی صاحب از رزمک

نمونۂ کلام

جماعت مومنین میں حضرت مصلح موعود کی یورپ سے کامیاب مراجعت کا انتظار

روحِ ملت، روشنی چشم لہائے قادیاں
پیشوائے قادیاں، اے رہنمائے قادیاں

صدق دل سے ہے دُعا یہ اس دلِ مجبور کی
ناخدا کشتی کا تیری ہو خدائے قادیاں

جس طرف ہو تیرے قدوم پاک کا
مست کرتی جائے لوگوں کو ہوائے قادیاں

امتیاز حق و باطل ساری دُنیا دیکھ لے
سب صداؤں پر رہے غالب صدائے قادیاں

دیکھ لیں منکر بھی ہوتا شمس مغرب سے طلوع
مغربی ملکوں پہ چھا جائے ضیائے قادیاں

فاتح و منصور یورپ سے تجھے لائے خدا
شاد ہوں دیدار سے پھر دیدہ ہائے قادیاں

پھر وہی تو ہو وہی اہلِ وفائے قادیاں
قادیاں تیرے لئے ہو تو برائے قادیاں

اختر۔ جناب اختر گوبند پوری

نمونہ کلام

مقام محمود

تیری توقیر بڑی ہے تری عظمت کی قسم
میں نے دیکھا ہے تجھے چشم بصیرت کی قسم

تجھ سے باقی ہے بہاروں کا ظہور پُر نور
مُسکراتے ہوئے پھولوں کی لطافت کی قسم

تو وہی جلوۂ موعود ہے دنیا کے لئے
مجھ کو احساسِ درخشاں کی بشارت کی قسم

ہم نے تسلیم کیا تجھ کو بشیر الدولہ
تیرے پھیلے ہوئے گنجینۂ رحمت کی قسم

تجھ پہ صادق ہے بہت فضل عمر کی نسبت
تیرے بشرے کی قسم، تیری شباہت کی قسم

وہ زمین جس پہ گرے تیرے لہو کے قطرے
ذرے کھلاتے ہیں وہاں کے تری رفعت کی قسم

سایہ افگن ترے سر پر ہیں خدا کے انوار
مجھ کو اس راہ میں پھیلی ہوئی رحمت کی قسم

میں نے اس دور میں دیکھی ہے حیات جاوید
مجھ کو اس دور میں بیداری ملت کی قسم

چھین لیں گے ترے افکار کو زندہ کر کے
تیری اُلفت کی قسم اپنی عقیدت کی قسم

نام محمود پہ ہم حرف نہ آنے دیں گے
جراُت دل کی قسم روح شجاعت کی قسم

ہم تری روح کو پھونکیں گے ہر اک پیکر میں
چرخِ تقدیس کے ہر اخترِ عظمت کی قسم

ملاقات کا عالم

طاری ہے ہر اک روح پہ شبہات کا عالم
ایسا تو نہ تھا اُن کے اشارات کا عالم

بے چین سی آنکھوں میں نمی دونوں طرف تھی
رخصت کی وہ ساعت، وہ ملاقات کا عالم

اب تک لبِ محبوب پہ اک بارِ گراں ہے
اے دل ترے خاموش سوالات کا عالم

ہر ذرّے میں اک طرفہ خرابی کا نظارہ
ہر گام پہ اک تلخیِ حالات کا عالم

دل دوز ہے کیوں جذبۂ تکمیلِ محبت
دلچسپ تھا آغازِ ملاقات کا عالم

آئینۂ اظہار ہے اختر کی غزل بھی
ہر شعر میں ہے اُس کے خیالات کا عالم

خدام اپنے آقا کے حضور

اے امیر المومنین، اے صبحِ ہستی کے نکھار
تیرے دم سے زندگی کی ہر فضا ہے تابدار

تو امینِ عظمتِ مگر فلک پرواز ہے
گنبدِ عالم میں نغمہ زن تری آواز ہے

تیرے ذہنِ معرفت میں فکر کی تنویر ہے
درحقیقت تو حقیقت کی حسیں تصویر ہے

تو خلیفہ ہے خلافت پہ تری ایمان ہے
تجھ سے یہ وابستگی بخشش کا اک سامان ہے

تیرا جلوہ گمرہی کی گرد دل سے دھو گیا
آفتاب رونمائی تجھ سے روشنی ہو گیا

ہم تری الفت کے پاکیزہ ترانے گائیں گے
تیری کرنوں کا تقدس ہر طرف پھیلائیں گے

تیری سطوت کے ستاروں کی ضیا رکھتے ہیں ہم
دوپ میں تیرے جمالِ کبریا رکھتے ہیں ہم

ہم خدائے دو جہاں سے کر رہے ہیں یہ دعا　　تیرے افکار درخشاں کا رہے چرچا سدا
ضوفشاں ہر دم رہے تیری نظر کا آفتاب　　تیری تعلیمات سے ہو بزم ہستی فیض یاب

زندگی میں سُرخ روئی کے بہت امکان ہیں
ہے یقیں اخترؔ ہمیں ہم صاحبِ ایمان ہیں

اکرم سرحدی صاحب

نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

دل تجھ پہ فدا ہو تو ہو شیدائے نبی بھی
یارب ہو ترا عشق ۔ تمنائے نبی بھی
توحید کے جلوے تو ہیں ہر سمت نظر میں
دکھلا دے خدا عارض زیبائے نبی بھی
قدرت کی بہاروں ہی کا احسان نہیں مجھ پہ
ہے سایہ فگن دامن رعنائے نبی بھی
ہر سانس ہو میری مجھے اک موج بہاراں
دے تجھ کو سہارا کوئی دریائے نبی بھی
اللہ کا تابع تو ہوں ہر حال میں لیکن
کچھ اپنے لب پاک سے فرمائے نبی بھی
خالق کی عنایت سے تو مسرور ہوں لیکن
اور لطف و کرم مجھ پہ جو برسائے نبی بھی
خیر احمد مختار ہے محبوب خدا کون
یوں آنے کو دنیا میں بہت آئے نبی بھی
ہوشیار نہیں اتنا ہی ہوں مدہوش ہوں جتنا
کیا چیز ہے صہبائے تمنائے نبی بھی
میخوار وحدت کا میں وہ رند ہوں اکرم
ساغر بھی مرے دل میں ہے صہبائے نبی بھی

اکمل جناب عبدالحکیم صاحب

ہدیۂ عقیدت

محمود میری آنکھ کے تارے ہیں آپ ہی
جان و دل و جگر سے پیارے ہیں آپ ہی
پاؤں نہ آپ کو تو مجھے چین ہی کہاں
اب میری زندگی کے سہارے ہیں آپ ہی
دُنیا میں ایک بحر ضلالت ہے موج زن
امن و سلامتی کے کنارے ہیں آپ ہی
دُنیا کے راہبر ہیں تو دین کے امام ہیں
علم و عمل کی نہر کے دھارے ہیں آپ ہی
فہم و ذکاء و نور فراست ہے آشکار
عرفان کے فلک کے ستارے ہیں آپ ہی
"یعلولہ" کی آپ سے پوری ہوئی خبر
احمد کے جس طرف تھے اشارے ہیں آپ ہی
دل کے حلیم اور اسیروں کے رستگار
کام آپ کے خدا نے سنوارے ہیں آپ ہی
ہاں اے شعاع نور ادھر بھی ہو التفات
ظلمت نصیب دل کے سہارے ہیں آپ ہی

جناب اللہ دتہ صاحب از گکھڑ (گجرانوالہ)

نمونہ کلام

حضرت محمود ایدہ اللہ الودود

ہے بہار جانفزا گلزار دین پر آج کل
رشک کھاتا چرخ گرداں ہے زمیں پر آجکل

حضرت محمود احمد سرورِ عالی تبار
بن کے شاہِ دین ہیں بیٹھے تخت دیں پر آجکل

چہرۂ تاباں ہے مثل ماہِ کامل آپ کا
دل ہے قرباں اُن کے موئے عنبریں پر آجکل

دُرۃ التاجِ ولایت قرۃ العین نبی
ابر رحمٰن بن کے برسا باغ دیں پر آجکل

سرزمین قادیاں بھی بن گئی ارضِ حرم
بارشِ فضلِ خدا ہے اس زمین پر آجکل

دِل اُچھلتا ہے خوشی سے نصرتِ حق دیکھ کر
ہے سراسر تازگی جانِ حزیں پر آجکل

مطلعِ دین سے ہوئی کافور ظلمت کی گھٹا
نور کا پرتوہ ہے دینِ مبین پر آجکل

قادیاں کی خاک کا ہر ذرۂ بے مقدرت
ہے چمک میں بڑھ کے سورج سے زمین پر آجکل

کیا بتاؤں اِس مبارک دور کی میں خوبیاں
قدرتِ حق کا تماشا ہے زمین پر آجکل

خدمتِ دین سے ہے قاصر اللہ دتہ اے شہا
کر نظرِ رحمت سے تو اس شرمگیں پر آجکل

جناب تصور حسین صاحب اُویس

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب

غلبہ حق کا نشاں دیتا ہے یاں دین کا امام
طالبان حق ہیں آتے قادیاں میں بیشتر
سایہ رحمت کا وارث خوش سیر محمود ہے
حامی دین حق کے لطف بیکراں میں بیشتر
ہے خدا اُس کا معلّم، وہ خدا کا دوست ہے
ہے نصیب اُس کا فیض آسمان میں بیشتر
اُس کے دل میں ہے تڑپ اسلام کی تائید کی
قرب حق میں سب سے ہے وہ مہرباں میں بیشتر
چاہیئے مومن کو اس کے ہاتھ پر بیعت کرے
ورنہ ہوگا وہ گروہ گمرہاں میں بیشتر
جو بُرا اُس کو کہے گا، خود بُرا ہو جائے گا
آگ لگ جائے گی اُس کی بدزباں میں بیشتر
کیوں نہ ہم پیرو ہو اُس کے جان و دل سے اے اُویسؔ
مرتبہ میں ہے وہ سب سے اِس زماں میں بیشتر

○

احمدؔ۔ جناب بشیر احمد

ابن جناب حقانی مرحوم

○

کیا مزے لے لے کے تڑپاتی ہے فرقت یار کی
یار بن بیٹھا ہے زینت محفل اغیار کی
خون روتے ہیں کبھی حالت کو اپنی دیکھ کر
عرش پر پہنچی ہے اب زاری در و دیوار کی
میں تو سمجھاتا ہوں ناصح پر نہیں دل مانتا
دیکھ لی جب سے جھلک چشم صنم میں پیار کی
ہوں سگ دہلیز جاناں خوب ہوں گو جانتا
کچھ نہیں ہے قدر و قیمت میری جان زار کی
یار کے کوچے کی ذلت پر ہو قرباں لاکھ بار
مہر حسن عزت پہ ہو اغیار کے دربار کی
کوثر و تسنیم کی نہریں چلا دیں سر بسر
مجمع عشاق میں جب اک گھڑی گفتار کی
تو بھی بھر لے چاکلیں احمدؔ اگر ہے خوش نصیب
ہو رہی ہیں آسماں سے بارشیں انوار کی
ہوں نصیب احمدِ مہجور اے مولا کریم
بے حد و غایت یار کے دیدار کی

جناب انور نظامی صاحب

نمونہ کلام

چھیڑ دے اے ہم نشیں پھر داستانِ قادیاں
موجبِ تسکینِ خاطر ہے بیانِ قادیاں
زندگی کی ختم ساری ہوگئیں دلچسپیاں
چھوڑ آنے جب سے ہم دارالامانِ قادیاں
کیوں مرے زخم کہیں پھر سے ہرے ہونے لگے
یاد آئی کیا بہارِ گلستانِ قادیاں
اپنی منزل کی طرف یہ بڑھ رہا ہے روز و شب
قادیاں ٹھہرے گا جا کر کاروانِ قادیاں
میرے دل کی دھڑکنیں کیوں تیز تر ہونے لگیں
چھیڑ دی کیا پھر کسی نے داستانِ قادیاں
دولتِ تسکینِ دل تاراج شد انور تمام
ہر کرشد محروم از امن و امانِ قادیاں

جناب شیخ محمد بشیر صاحب آزاد

آئینہ اسرار

اے کہ تو گمنام تھا، واقف نہ تھا تجھ سے کوئی
بزم عالم میں نہ تھا چرچا ترے افکار کا
کوئی انسان بھی نہیں تھا آشنائے قادیاں
کون کہہ سکتا تھا ہے یہ آئینہ اسرار کا
قدرت خلاق عالم کا کرشمہ دیکھئے
اس پہ ہی لہرایا پرچم احمد مختار کا
باوجودِ اکثریت ہوگئے ناکامیاب
پیش استدلال حق مُنہ سل گیا اغیار کا
ہوگیا گرویدہ و شیدا دل و جاں سے وہی
نعرۂ حق سن لیا جس نے ترے میخوار کا
جو ترے مُنہ آیا اس کو مُنہ کی کھانا پڑی
لفظ تیرے اُن کے حق میں ہیں غضب قہار کا
نغمہ ہائے دلکشِ آزاد سنتے جایئے
عندلیبِ خوشنوا ہے احمدی گلزار کا

جناب خالد آفاقی

میرے دوست

کچھ بھی تھے پھر بھی مرے یار مرے دوست ہی تھے
مجھ کو ہر حال میں درکار مرے دوست ہی تھے

اپنی منزل کی طرف جب بھی بڑھے میرے قدم
جو بنے راہ میں دیوار مرے دوست ہی تھے

میرے افکار کو دیوانے کی بڑ کہتے رہے
میرے فن کے بھی پرستار مرے دوست ہی تھے

عید کا چاند مجھے کہہ کے گلے ملتے رہے
میری صورت سے بھی بیزار مرے دوست ہی تھے

اپنی ہستی کو وہ انمول سمجھنے والے
جو بکے ہیں سر بازار مرے دوست ہی تھے

ترک دنیا کا جب آیا ہے مرے دل میں خیال
تب مرے درپے آزار مرے دوست ہی تھے

فن کی تذلیل ہوئی جن کے قلم سے خالد
حیف صد حیف وہ فنکار مرے دوست ہی تھے

○

جناب فیض اسلم صاحب

نمونہ کلام

نہ سطح آب پہ اے دوست تو حباب بنا
تجھے جو نقش بنانا ہے لاجواب بنا

رضائے دوست کو ہر بات پر مقدم کر
اور اپنی زیست کو دنیا میں کامیاب بنا

نہیں ہے نصرتِ یزداں تو عزم کچھ بھی نہیں
رہ حیات میں اس کو بھی ہمرکاب بنا

ترے ہی غم سے میسر مجھے سکوں تھا کبھی
ترا ہی غم ہے جو اب وجہ اضطراب بنا

نظر ہو مجھ پہ بھی ہلکی سی ایک نورِ ازل
میں ایک ذرہ ہوں تو اس کو آفتاب بنا

حضور فیض کے لب پر وہی سوال ہے پھر
کبھی نہ آپ سے جس کا کوئی جواب بنا

○

احسنؔ ۔ جناب احسن اسمٰعیل صاحب گوجرہ

چمن میں کون ہے یہ نوحہ گر آہستہ آہستہ
مجھے بھی ہم نشیں لے چل اُدھر آہستہ آہستہ

ہجوم رنج و غم سے حال کچھ ایسا ہوا اپنا
کہ بے دم ہو گئے قلب و نظر آہستہ آہستہ

مجھے یاد آ گئی گزرے ہوئے لمحوں کی رنگینی
گلے ملتے تھے جب شام و سحر آہستہ آہستہ

کمال بندگی ہی اصل میں معراج مومن ہے
خدا کو پا ہی لیتا ہے بشر آہستہ آہستہ

شب غم جس طرح ہم نے گزاری آہ کیا کہیے
خوشی رنگ لائے گی مگر آہستہ آہستہ

جنہیں ظلم و ستم پر ناز تھا فرعون کی صورت
وہ ناداں آ رہے ہیں راہ پر آہستہ آہستہ

اندھیری رات تھی، سیل حوادث تھا، قیامت تھی
مگر بڑھتے رہے ہم بے خطر آہستہ آہستہ

چمن والو بہاؤ خون کے آنسو مقدر پہ
کہ رخصت ہو رہے ہیں دیدہ ور آہستہ آہستہ

ہماری ناتوانی پہ جو ہنستے ہیں وہ کیا جانیں
کہ سایہ دار ہوتے ہیں شجر آہستہ آہستہ

حدیث درد و غم سننے کو ترس لی ستاروں نے
بچارے کپکپائے رات بھر آہستہ آہستہ

بچاؤ دوستو تہذیب افرنگی سے دامن کو
یہ طوفاں آ رہا ہے اب ادھر آہستہ آہستہ

بڑھے کا شوکت اسلام کا یہ کارواں ہر دم
ہٹیں گے راستے سے بحر و بر آہستہ آہستہ

صدائیں دے رہا ہوں دوستوں روٹھی بہاروں کو
کہیں ویران نہ ہو جائے یہ گھر آہستہ آہستہ

نظر آنے لگے ہیں اپنی منزل کے نشاں احسنؔ
بہت طے کر لیا ہم نے سفر آہستہ آہستہ

جناب عبدالحمید آصف

نذرانہ عقیدت

خدائے پاک و برتر کا نشاں ہے میرزا ناصر
پاک سرزمیں وہ ہے جہاں ہے میرزا ناصر
نظام دہر کا مرکز خلافت کی ردا اوڑھے
وہ دیکھو مومنوں کے درمیاں ہے میرزا ناصر
غلامانِ محمدؐ کی جماعت ساتھ ہے اس کے
پر سوئے منزل رواں ہے میرزا ناصر
نہیں پہچانتیں قومیں ابھی کون ہے ان کا
ابھی تو ان کی نظروں سے نہاں ہے میرزا ناصر
پڑی ہوں گی یہی قومیں کنارے پر تباہی کے
پھر اُس وقت پوچھیں گی کہاں ہے میرزا ناصر
نہ نفرت ہے نہ کینہ ہے۔ سراپا علم کا پیکر
خدا کی رحمتوں کا اک نشاں ہے میرزا ناصر

جناب انور بنگوی

ہمیں اُلفت ہے بیحد قادیاں سے
دیارِ مہدیٔ آخر زماں سے
نہ ہوگا کام جو برقِ تپاں سے
کریں گے ہم دمِ شعلہ فشاں سے
ندا یہ آ رہی ہے آسماں سے
ملے گا کیا تجھے آہ و فغاں سے
تمہارے ہی لئے سب کچھ کیا ہے
نکلنے میں ہے حکمت قادیاں سے
ہماری حکمتوں کو کون سمجھے
نہیں واقف کوئی رازِ نہاں سے
محبت کو پرکھنا تھا تمہاری
وگرنہ کیا غرض تھی امتحاں سے
مری تائید ہی میں ہو رہے ہیں
نشاں ظاہر زمین و آسماں سے
ہے مقصد اس کا تجدید محبت
نہ گھبراؤ فراقِ قادیاں سے
کوئی دن کی یہ سب باتیں ہیں انور
وہیں پہنچو گے آئے ہو جہاں سے
ملے گا یوسفِ مقصود اک دن
نہیں کچھ دور منزل کارواں سے

ترکی جناب محمد افضل صاحب

نمونہ کلام

غزل

کبھی نالے کبھی فرقت کی آہیں
تری اُلفت میں کس کس سے نباہیں

جہاں دل نے تمھاری آرزو کی
ابھی نمناک ہیں وہ سجدہ گاہیں

خرد راہوں میں حائل ہو گئی ہے
جنوں جب ڈھونڈنے نکلا پناہیں

نہ وہ سجدہ نہ وہ مستی نہ وہ ذوق
پریشاں ہیں جنوں کی خانقاہیں

ہزاروں میکدے شرما گئے ہیں
اُٹھیں محفل میں جب ان کی نگاہیں

تری نظروں کا مرکز تھا کبھی میں
مجھے بھُولی نہیں وہ جلوہ گاہیں

سنبھل کر ترکی ناداں سنبھل کر
بڑی پُر پیچ ہیں اُلفت کی راہیں

انسان حقیقتوں سے گریزاں ہے آج کل
ہاتھوں میں پھر جنوں کے گریباں ہے آج کل

کس کس کے غم کا دوست مداوا کریں یہاں
ہر شخص اس وطن میں پریشان ہے آج کل

انسانیت پھر آج ہے پستی میں جا گری
پھر شیطنیت کی بزم فروزاں ہے آج کل

انجام انبساط ہے پیش نظر مرے
دل اس لئے خوشی سے ہراساں ہے آج کل

ترکی کہ آسمان کا ستارہ کہیں جسے
غربت کی وادیوں میں غزل خواں ہے آج کل

نیرنگِ نظر

بوئے گُل کچھ بھی نہیں صحنِ چمن کچھ بھی نہیں
نکہتِ خلد بریں مُشکِ ختن کچھ بھی نہیں

گردشوں کی کیا ضرورت ہے ستم سے فائدہ
اب تو میرے پاس اے چرخِ کہن کچھ بھی نہیں

ایک نیرنگِ نظر ہے حُسن کہتے ہیں جسے
چشمِ میگوں کچھ نہیں چاہِ ذقن کچھ بھی نہیں

اب یہاں سے کیوں چلے جاتے ہیں ترکِ بھلا
اس جگہ تو مقصد حُبّ وطن کچھ بھی نہیں

عزائم

ہم ظلمتوں میں نور کی شمع جلائیں گے
پروانے اپنی منزلِ مقصود پائیں گے

محمود! تیرے در پہ جو دھونی رمائیں گے
رنگِ بہار بن کے گلستاں پہ چھائیں گے

وہ لوگ جو رواں ہیں مسیحا نفس کے ساتھ
اک روز وہ بہار کا پرچم اُڑائیں گے

ربوہ کو تو نے مرکزِ توحید کر دیا
ہم اس زمین کو رشکِ گلستاں بنائیں گے

کانٹے ہماری راہ میں بوئیں گے جو عدو
وہ پھول بن کے راہ میں آنکھیں بچھائیں گے

قدموں میں رہ کے تیرے مجھے زندگی ملی
ذرّے بھی میری جاں کے خوشیاں منائیں گے

غافل متاعِ نور سے ہویں نہ منحرف
اس نور ہی سے کون و مکاں جگمگائیں گے

حُسنِ عمل کے ساتھ ہو حسنِ یقیں تو دوست
طوفاں ہماری ناؤ سے دامن بچائیں گے

ہم احمدی جوان ہیں فدایانِ مصطفےٰ
مثلِ دینِ حق کے لئے سر کٹائیں گے

حکیم مرزا اللہ یار جوگی

نمونہ کلام

فاتح ادیان

دُنیا میں جا چکے ہیں سپاہی حضور کے
جانیں لڑا چکے ہیں سپاہی حضور کے
ہیبت بٹھا چکے ہیں سپاہی حضور کے
لشکر بھگا چکے ہیں سپاہی حضور کے

ہو فیصلہ کی جنگ یہ شہ کا خیال ہے
میدان معرکہ کی ابھی دیکھ بھال ہے

جس رن میں جا گھسیں تو یہ نکلیں ظفر کے ساتھ
کسرِ صلیب کر دیں یہ ترچھی نظر کے ساتھ
مسجد بنا دیں جارج و قیصر کے گھر کے ساتھ
سرتن سے چھید دیں یہ کلیجا جگر کے ساتھ

جلسے میں سامعین قفس میں نظر پڑیں
سب اہلِ دل خطیب کے لہن میں نظر پڑیں

لندن میں آفتاب رسالت اب آتا ہے
بارش سے پہلے قاعدہ ہے ابر چھاتا ہے
ہر پادری کا دل خوف سے بیٹھا جاتا ہے
روما میں جسم پوپ جرمن تھرتھراتا ہے

دانا اگر ہے عقل و ذہانت سے کام لے
لندن میں آکے سر پہ قدوم امام لے

ورنہ سمجھ لے خوب کہ شامت اب آگئی
تھے جس کے منتظر وہ قیامت اب آگئی
دجال دجل چھوڑ! ہلاکت اب آگئی
تیرے تباہ ہونے کی ساعت اب آگئی

یورپ میں اب قریب ہے وحدت کا راج ہو
ختم الرسلؐ جناب رسالت کا راج ہو

آباد و شاد اور سلامت رہو ہمیشہ
فرمانروائے ملک ولایت رہو ہمیشہ

پہنے ہوئے یہ تاجِ امامت رہو ہمیشہ
زیبندۂ سریرِ خلافت رہو ہمیشہ

ہر ایک رزم و بزم میں اللہ یار ہو
جوگی! ہلالِ احمدیت آشکار ہو

جناب جنید ہاشمی

دولتِ ساقی

راہیں، رہبر، قافلے منزل
ایک محبت لاکھ مراحل

برہم برہم غافل غافل
اب وہ نظر ہے پیار کے قابل

دوست تو پھر بھی دوست ہیں اے دل
دشمن بھی ہیں پیار کے قابل

دھوم ہے میری طوفاں طوفاں
ذکر ہے ان کا ساحل ساحل

عرض تمنا وہ بھی اُن سے
مشکل اور پھر کتنی مشکل

دولتِ ساقی ساغر و مینا
اپنی پونجی لوٹا ہوا دل

سوچئے تو ساحل بھی تلاطم
جانچئے تو طوفاں بھی ساحل

غزلیں ہیں جنیدؔ کی ایسی
سُن سُن کر بھر آتا ہے دل

جناب شیخ حسن شریف از حیدر آباد دکن

عشق تیرا مجھے محمود ہوا خوب ہوا
مجھ کو سودا ترا مسعود ہوا خوب ہوا

کوئی جچتا ہی نہیں دل میں مرے تیرے سوا
تو مری آنکھ میں موجود ہوا خوب ہوا

نام اپنا جو لکھایا تیرے مشتاقوں میں
نظرِ غیر میں مردود ہوا خوب ہوا

رخنہ اندازوں نے اک راہ نکالی تھی وہ لے
کیا ہوا تو ہی تو محمود ہوا خوب ہوا

ہاتھ پر تیرے جو بیعت کا ہوا نعرہ بلند
چشمِ حسّاد میں محسود ہوا خوب ہوا

راہ سے مجھ کو ہٹایا ہی تھا اک ظالم نے
میرا حامی مرا معبود ہوا خوب ہوا

ڈال کر پردہ ترے رُخ کو چھپاتا تھا عدو
پر مرے دل میں تو مشہو ہوا خوب ہوا

ہو مبارک تجھے یہ ملّتِ موعود حسؔن
تیرا مرشد بھی تو موعود ہوا خوب ہوا

جناب حمید الحامد صاحب

مجھ میں ارض وطن کی خوشبو ہے

جانے کس پیرہن کی خوشبو ہے
روح میں تن بدن کی خوشبو ہے

نغمہ وہ دلنواز ہے کتنا
جس میں تیرے سخن کی خوشبو ہے

ہر کلی مست ناز ہے کتنی
کس غنچہ دہن کی خوشبو ہے

آؤ اٹھو گلے لگاؤ مجھے
مجھ میں ارضِ وطن کی خوشبو ہے

کتنا ارزاں ہے آج اپنا لہو
کتنی دار و رسن کی خوشبو ہے

اٹھ گئے وہ کہ جن کی یادوں میں
اک بھری انجمن کی خوشبو ہے

فکر میرا بھی ہے رسا حامدؔ
خود شناسی میں فن کی خوشبو ہے

خاکی۔ جناب ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب بی اے، راولپنڈی

موجودہ عیسائیت

جن کے دل میں خشیت و خوف خداوندی نہیں
دین و دنیا میں انہیں حاصل برومندی نہیں

آج کی عیسائیت مجموعہ اضداد ہے
اُس میں بُرہان و دلائل کی بھی پابندی نہیں

حضرت عیسیٰ کو دینا اپنے جرموں کی سزا
یہ سراسر ظلم ہے حکمِ خداوندی نہیں

اک طرف وہ ابن آدم اک طرف ابن خدا
یہ خیال خام ہے دینِ خداوندی نہیں

یعنی اُس کو بنانا اور ابن اللہ بھی
ان مسیحی اعتقادوں میں خردمندی نہیں

چار دن کا میہمان ہے عیسوی مذہب یہاں
اُس کے حصّے میں تو تائید خداوندی نہیں

آفتاب احمدیت ضوفشاں ہے ہر طرف
ہر وہ گھر روشن ہے اس سے جسکی دربندی نہیں

احمدیت کی صداقت آزمانے کے لئے
کوئی آئے اُس پہ ہرگز کوئی پابندی نہیں

جینا اے خاکی فقط کفارہ کی اُمید پر
خود فریبی ہے یہ کوئی آبرومندی نہیں

جناب کیپٹن خادم حسین صاحب خادم

آگ

جب سے لگی ہے عشق کی میرے بدن میں آگ
رگ رگ میں میرے شعلے ہیں، ہر موئے تن میں آگ

اپنا ہی ہے قصور شکایت کسی کی کیا
خود اپنے ہاتھوں آپ لگائی چمن میں آگ

یہ بھی تو اک کمال بُت شعلہ رو کا ہے
پانی کے بدلے ملتی ہے چاہِ ذقن میں آگ

کہتے ہیں تیری باتوں سے جلتا ہے اپنا دل
خادم بھری ہوئی ہے مرے ہر سخن میں آگ

خوشنود احمد صاحب

حضورِ خدا اپنے سر کو جھکاؤ
اُٹھو رحمتِ حق سے انعام پاؤ
ہے وقتِ سحر خوابِ غفلت سے جاگو
جگاؤ وہ قسمت کہ جو سو رہی ہے

اٹھو پیارے بچو اذاں ہو رہی ہے

سحر کی ضیاؤں سے دامن کو بھر لو
مہکتی فضاؤں سے دامن کو بھر لو
کرم کی ہواؤں سے دامن کو بھر لو
جگاؤ وہ قسمت کہ جو سو رہی ہے

اٹھو پیارے بچو اذاں ہو رہی ہے

اٹھو اٹھ کے دیکھو بہاروں کے منظر
سحر کے درخشاں نظاروں کے منظر
چمکتے ہوئے لالہ زاروں کے منظر
جگاؤ وہ قسمت کہ جو سو رہی ہے

اٹھو پیارے بچو اذاں ہو رہی ہے

جناب عبدالباسط خادمؔ

ترے حُسن کی کوئی قیمت نہ ہوتی

اگر مجھ کو تجھ سے محبت نہ ہوتی
اذیت۔ مصیبت ملامت نہ ہوتی
جگر تیر مژگاں سے گھائل نہ ہوتا
دل بیجاں کی یہ حالت نہ ہوتی
خریدار اوّل اگر میں نہ ہوتا
ترے حُسن کی کوئی قیمت نہ ہوتی
غم و رنج، درد و فغاں، آہ و شیون
جدائی کی شب یہ قیامت نہ ہوتی
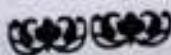
خادمؔ۔ جناب عبدالرحمٰن صاحب گجراتی

حمد

کیا حمد ممکن سکوں میں خدائے کریم کی | ممتاز کل ہے ذات سمیع و علیم کی
طاقت نہیں ہے یہ کسی دانا حکیم کی | رب رحیم کی
تعریف اُس خدا کی میں کیسے بیاں کروں | ہمت کہاں کہ رازِ مشیت عیاں کروں

دیگر

الٰہی ہر جگہ روشن ہے جلوہ تیری قدرت کا | رواں ہے چار سو دریا ترے فیضانِ رحمت کا
نگاہِ لطف ہے یکسر تری ہر دوست دشمن پر | نہیں ملتا کبھی موقعہ کسی کو بھی شکایت کا
تو شاہوں کو گدا کر دے ہے سب کچھ تیری قدرت میں | گداؤں کو تو دے رتبہ جہاں کی بادشاہت کا
عیاں ہیں شش جہت میں ایک لفظ کن کی تاثیریں | نمایاں ہر طرف ہے اک کرشمہ تیری قدرت کا
شہید اس سعی لاحاصل میں لاکھوں ہو گئے لیکن | کھلا عقدہ کسی پر بھی نہ اب تک تیری حکومت کا

تو واقف ظاہر و باطن کا ہے جب اے میرے مولا
تو خادمؔ کیا بتائے تجھ کو اپنی حسرت کا

نعت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

ناقص دماغ میں مرے تاب و تواں کہاں | نعت رسولؐ ہو جو کما حقہٗ بیاں
ذاتِ نبیؐ کہاں، مرا ناچیز منہ کہاں | اللہ خود ہے احمد مرسل کا مدح خواں

مظہر خدا کے نور کا نور ہے
احمدؐ احد میں میم کا پردہ عجیب ہے

مدحت خیر البشرؐ

تمنا ہے دیکھوں جمالِ محمدؐ
رہے دُنیا میں روشن کمال محمدؐ

زبانوں پر توصیف احمد ہے جاری
دلوں پر ہے چھایا جلال محمدؐ

زمانے میں ہمسر نہیں کوئی ان کا
جہاں میں نہیں ہے مثال محمدؐ

بُلایا اُنھیں حق نے معراج کی شب
کھُلا عرش والوں پر جلال محمدؐ

اُنھیں اپنی اُمت کا ہے پاس کتنا
ہے اُمت کی بخشش سوال محمدؐ

دُعا ہے یہ خادم کی مولا سے ہر دم
اسے بھی دکھا دے جمالِ محمدؐ

نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ہر دم ہے میرے سامنے صورت رسولؐ کی
کافی میرے لئے ہے محبت رسولؐ کی

سب انبیاء کے ساتھ رہا نورِ مصطفےٰؐ
ثابت ہے سب پہ یوں بھی فضیلت رسولؐ کی

احمدؐ احد میں میم کا پردہ ہے کیا عجیب
اس سے عیاں ہے صاف حقیقت رسولؐ کی

کر دوں نثار دولتِ کونین اے خدا
گر ہو نصیب مجھ کو زیارت رسول کی

خادم یہی دُعا ہے یہی آرزو مدام
شام و سحر زباں پہ ہو مدحت رسولؐ کی

پیامِ بیداری

عزت و دولت تو ہے دارِ فنا کے واسطے — کیا کیا ہے آپ نے روزِ جزا کے واسطے
کس لئے مدہوش ہو سوتے ہو گہری نیند کیوں — قوم کی کچھ بہتری سوچو خدا کے واسطے
بڑھ رہے ہیں چاروں جانب دشمنانِ دینِ حق — تم بھی اُٹھ بیٹھو محمد مصطفےٰ کے واسطے
جان و دل، جاہ و حشم، عیش و طرب، شان و شکوہ — ہدیۂ ناچیز ہیں دینِ ہدیٰ کے واسطے

بارگاہِ حق میں ہے خادم کی ہر دم التجا
ہو، عمل احساس ہو ہر پُر خطا کے واسطے

غزلیات

پیش آتا ہے وہی لکھا جو ہے تقدیر کا — بس نہیں چلتا قضا کے سامنے تدبیر کا
لن ترانی سن کے بھی ہے آرزو دیدار کی — کتنا محکم نقش ہے دل پر تیری تصویر کا
یوں تو سنتے ہیں کہ ہے شہ رگ سے بھی نزدیک تر — کچھ پتہ چلتا نہیں حسنِ عالمگیر کا

گو میں عاصی ہوں مگر اے رحمتِ ربِ رحیم
کون ہے تیرے سوا اس خادمِ دلگیر کا

کیا بتائیں کہ ترے عشق میں کیا کیا دیکھا — چرخ کا جور مقدر کا بگڑنا دیکھا
مہر پابوس وہیں اٹھا غبارِ مجنوں — وادیٔ نجد میں جب ناقۂ لیلیٰ دیکھا
خوب ہے پردہ نشیں واہ ترا کیا کہنا — جس کو بھی دیکھا ترے حسن پہ شیدا دیکھا
عمر بھر رہتے ہیں ناشاد محبت والے — بزمِ ہستی میں یہ دستور نرالا دیکھا

مٹ گئے تجھ سے محبت میں ہزاروں خادم
ہم نے دنیا میں ہے لاکھوں کا تماشا دیکھا

مری نگاہ شوق کو جلوہ دکھا بھی دے — حائل ہے جو حجاب تعین اٹھا بھی دے
آتی ہے شرم غیر کی منت میں کیا کروں — تو میرا کارساز ہے بگڑی بنا بھی دے
پھر اور کس کا حضرت خادمؔ ہو اعتبار
وہ خود ہی جب دغا بھی کرے اور دغا بھی دے

متفرقات

مجھ سے مقام شانِ محبت نہ پوچھئے — دیکھے ہیں میں نے حسن پہ ہوتے نثار تاج
ان سرپھروں کا کام ہے الفت کا دم بھریں — جن کے لئے حرام ہیں دُنیا کے کام کاج

گناہوں پہ خادمؔ پشیماں ہوں — پشیمانیاں ہیں شفاعت کا راز

عقبیٰ کی فکر یا غمِ دنیا کرے کوئی — اس مختصر سی عمر میں کیا کیا کرے کوئی

رسائی کس طرح منزل پہ ہو کس سے شکایت ہو — کہ راہِ عشق میں جب دل ہی خود ہنگامہ ہو جائے

ہم مردِ مجاہد ہیں کچھ کر کے دکھا دیں گے — یہ کفر کی تاریکی دُنیا سے مٹا دیں گے
ارشادِ خداوندی گھر گھر میں سُنا دیں گے — تبلیغ کا دُنیا میں اک جال بچھا دیں گے

منظومات

جہاں ہو ربط باہم اُس جگہ رحمت برستی ہے — انھیں قوموں کا جینا ہے انھیں قوموں کی ہستی ہے
بلا نوش اس کو کیا سمجھیں کہ یہ ایک راز مستی ہے — نہیں وہ میکشی میں پاکبازی میں جو خوشی ہے
کہاں ہیں آج وہ رہبر جو طے کرتے تھے ہر منزل — کہ پھر سے اک نظر ان کے اشاروں کو ترستی ہے

تیرے شیدائیوں کی اس جہاں سے دور بستی ہے
ہیں آلام جہاں سے بے خبر خطروں سے بیگانہ

میں بیتاب تکلم اور بُت خاموش ہیں خادمؔ
تمہیں انصاف سے کہہ دو یہ کیسی بُت پرستی ہے

احساس ملّی

قوم کی ہر اک بشر کے دل میں اُلفت چاہیے
غم گساری چاہیئے کچھ حسن خدمت چاہیئے

کیوں بدل سکتی نہیں دم بھر میں حالت قوم کی
ہاں مگر افراد میں تھوڑی سی ہمت چاہیئے

اُٹھ قدم زن ہو، کہاں تک دوسروں کا انتظار
نیک کاموں کے لئے ہر وقت سبقت چاہیئے

مفلسی کی قید سے کیونکر رہائی ہو نصیب
اہل ثروت کی غریبوں کو حمایت چاہیئے

مفلسی سے اور خوشحالی سے خادم کیا غرض
قوم کے ہر فرد میں جوش عقیدت چاہیے

دانش ۔ جناب مولوی عبدالقادر صاحب درویش قادیان

آستانِ مسیح

اے خوشا قسمت بہارِ جاوداں تیرے لئے
ایک درویشی کے بدلے دو جہاں تیرے لئے

زینت ہنگامہ بزم جہاں تیرا وجود
دونوں عالم کا تنعّم عزّ و شاں تیرے لئے

ہیں فرشتوں کی زباں پر تیری قربانی کے گیت
نغمہ زن ہے عندلیب خوش بیاں تیرے لئے

تو نے چھوڑا ہے خدا کی راہ میں اک آشیاں
آسماں پر وقف ہیں سو آشیاں تیرے لئے

تیری خدمات جلیلہ کو سراہا جائے گا
بن رہی ہے ایک زرّیں داستاں تیرے لئے

عرش پر تیاریاں ہیں واپسی کے واسطے
اب تو منزل سامنے ہے مہرباں تیرے لئے

تجھ کو دنیا کے مصائب کیسے کر سکتے ہیں زیر
خالق کون و مکاں ہے پاسباں تیرے لئے

جنبش مژگاں سے دیکھی ہیں پلٹتی قسمتیں
ہوتی ہے آراستہ بزم جہاں تیرے لئے

ہے دُعا دانش کی تو عقل و خرد سے کام لے
اور ہو جائے عیاں سود و زیاں تیرے لئے

جناب دامن اباسینی صاحب

سانحہ ارتحال حضرت محمود

گیسوئے روزگار برہم ہیں
گل کی آنکھوں میں اشک شبنم ہیں
آسماں تک اداس ہیں گویا
چاند تارے شریک ماتم ہیں

شور ہے میر کارواں اُٹھا
محرم رازِ کن فکاں اُٹھا
محفلِ ذکر و فکر ویراں ہے
دینِ فطرت کا ترجماں اُٹھا

مئے عشقِ رسول رکھتا تھا
میکشی کے اصول رکھتا تھا
چشمِ اہلِ نظر کا تارا تھا
عامِ حُسن قبول رکھتا تھا

جانشینِ مسیح ثانی تھا
پنجتن پاک کی نشانی تھا
روحِ عزم عمل کا قتویٰ ہے
اک نئے دور کا وہ بانی تھا

ایک دانا فقیر تھا نہ رہا
ایک روشن ضمیر تھا نہ رہا
کارواں کو خدا کے چھوڑ گیا
کارواں کا امیر تھا نہ رہا

رفیعؔ۔ جناب شیخ رفیع الدین احمد صاحب

زخم ہائے جگر

کرے گی التجا کب تک زبانِ ناتواں میری
کبھی تو با اثر ہوگی یہ فریاد و فغاں میری

مری حالت سے ہے روداد رنج و غم عیاں میری
ہے مضمر میرے ہر انداز میں اک داستاں میری

میں پیچھے رہ گیا ہوں پر مجھے امید کامل ہے
کرے گا جستجو اک دن امیر کارواں میری

مری حالت سے اندازہ لگا لے اے مرے ہمدم
بیاں کیونکر کروں تجھ سے کہ عاجز ہے زباں میری

میرے دل کو سکوں ملنا نہیں ممکن زمانے میں
جلائی تو نے کشتِ آرزو برقِ تپاں میری

مرا دل مضطرب آنکھیں میری پُر اشک رہتی ہیں
نمایاں ہیں میرے حالات سے بربادیاں میری

نشیمن جس پہ قائم تھا میری امید و راحت کا
وہ شاخِ آرزو توڑی ہے تو نے باغباں میری

نہ آیا رحم کچھ تجھ کو اجل میرے تڑپنے پر
تیرے ہاتھوں ہوئی برباد امید جواں میری

کسی کو کیا خبر کس کو سناؤں داستاں غم کی
مری بے تابیاں ہی آج کل ہیں رازداں میری

بلا لو اپنے روضہ پر مجھے سلطانِ دو عالم
فدا ہو آپ پر آقا متاعِ قلب و جاں میری

رشیدؔ صاحب

اندھیاروں میں اک دیپ جلا

اک دیپ جلا اندھیاروں میں
ظلمت کے بچھڑے سینوں سے اک چیخ اٹھی اک شور مچا

یہ روپ سروپ اندھیاروں کا برسوں سے قائم دائم ہے
یہ کس کی جرأت کس کا دم یہ کون ہماری نگری میں
ظلمات کے دامن نوچتا ہے صدیوں کی سوئی دھرتی پر
یہ کون اُجالے پھینکتا ہے، بے خوف و خطر چپکے چپکے
تنہا تنہا ـــــ وہ دیپ مگر جلتا ہی رہا

یہ دیکھ کے ظلمت خانوں سے کچھ زہر بھرے اژدھے نکلے
کچھ سانپ سنپولیے در آئے کچھ تند ہوائیں چیخ اٹھیں
کچھ تیز بگولے لہرائے
ظلمات کی ساری سینائیں اک تنہا دیپ پہ ٹوٹ پڑیں
کچھ پروانوں نے اتنے میں اِس دیپ پہ گھیرا ڈال لیا
یہ عشق کے خوگر دیوانے انجام سے بالکل بیگانے
لاچار بھی تھے کمزور و نحیف و زار بھی تھے
پر دیپ کی رکشا کی خاطر
وہ جان ہتھیلی پر رکھ کر طوفان کے منہ میں کود پڑے
کچھ پار لگے کچھ ڈوب گئے یلغار سے پروانوں کی مگر طوفان کے چھکے چھوٹ گئے

ہر اک سمت قدرت کی ہے ضو فشانی گلوں پر چمکتا ہے شبنم کا پانی
بہاروں پہ بکھری ہوئی ہے جوانی جگاؤ وہ قسمت کہ جو سو رہی ہے
اٹھو پیارے بچو اذاں ہو رہی ہے

ڈاکٹر وزیر ریاض

کچھ اس انداز سے دیکھا کسی نے
بلائیں بڑھ کے لیں وارفتگی نے

مسیحِ پاک نے ہم کو سکھائے
ادب گاہِ محبت کے قرینے

بڑی آسان ہیں جنت کی راہیں
کدورت سے اگر ہوں پاک سینے

جہاں آئی ہیں قوموں پہ بلائیں
وہیں ہوتے ہیں رحمت کے دفینے

بپا ہوتا ہے جب طوفانِ عصیاں
بچا لیتے ہیں فضلوں کے سفینے

خرد دم توڑ دے جن مرحلوں پہ
جنوں نے طے کیے اکثر وہ زینے

ہمیں بھولے نہیں فرقت کے وہ دن
کہ جب برسوں میں گزرے تھے مہینے

یہ سورج ہے کہ قندیلِ جہاں تاب
ستارے ہیں کہ گردوں کے نگینے

ریاضؔ اس دہر میں دیکھا ہے اکثر
خرد کو مات دی دیوانگی نے

سرشار۔ جناب سرشار صاحب گورداسپوری
پرانی انارکلی۔ لاہور

السلام اے ساکنانِ خطۂ دارالامان

السلام اے ساکنانِ خطۂ دارالامان
السلام اے پاسبانِ مرقد شاہ زماں

السلام! اے بلبلِ شیدائے باغِ قادیاں
کامیابِ امتحان! اے کامیابِ امتحاں

غلبۂ دنیا تمہیں مرغوب کر سکتا نہیں
ہے تمہارا کافی ناصر خدائے دوجہاں

مسجدیں ویران ہیں سب مشرقی پنجاب کی
گونجتی ہے قادیاں میں اب بھی آوازِ اذاں

ان وعد اللہ حق کی تلاوت کر مدام
قوم کی ہجرت ہے گویا فتح و نصرت کا نشاں

آہ کیسی وہ گھڑی ہوگی کہ با نیل و مرام
باندھیں گے رختِ سفر ہم بھی برائے قادیاں

کارواں کو راستے کی الجھنوں کا خوف کیا
جبکہ ہیں فضل عمر اپنے امیر کارواں

ڈھال کر اذکار کو کردار کے سانچے میں ہم
ذرہ ہائے خاک کو کردیں گے مہر ضوفشاں

ایک بھی زندہ ہے جب تک سلسلے کا آدمی
دہر میں اونچا رہے گا احمدیت کا نشاں

جس نے بھی ناموسِ دینِ مصطفےٰ پر جان دی
ہوگئی حاصل اسے سرشار عمر جاوداں

جناب شیخ سلیم الدین سیف نیاپوری

حضور کا سفر یورپ

تیری صفات نیک میں کیا کیا کروں بیاں
لاکھوں سلام تجھ پہ ہوں اے میر کارواں
تیری جبیں سے نورِ محمدؐ ہے ضو فشاں
بحرِ خلوص و علم و محبت ہے بے کراں
تجھ سے ملی ہے گلشنِ احمد کو پھر بہار
تو آفتابِ حُسن ہے اور ماہِ پُر وقار

یورپ کے آسماں پہ ترا نور ضو فشاں
گونجتا ہے رہگزاروں میں آوازۂ اذاں
تو ناخدائے کشتیِ ملت ہے بیگماں
سینچیں گے اپنے خون سے ہم تیرا گلستاں
تیرے ہی دم سے ملتِ احمدؐ کا ہے وقار
تو آفتابِ حُسن ہے اور ماہِ پُر وقار

تیری ضیا و نور سے روشن ہے کہکشاں
پُر کیف ہے فضا تو منور ہے آسماں
لکھیں گے آبِ زر سے مورخ یہ داستاں
ناصر ترے وجود سے سب کو ملی اماں
ہے سیفؔ تیرے نور کی چاہت میں اشکبار
تو آفتابِ حسن ہے اور ماہِ پُر وقار

وفات حسرت آیات حضرت فضل عمر

دل تڑپ اٹھا مری آنکھوں میں آنسو آ گئے
ساکت و جامد نظاروں میں نظر بھٹکی رہی
آسماں خاموش، ویراں، چاند افسردہ نجوم
روح حیران جسم میں لرزاں رہی اٹکی رہی

گلشنِ اُمید کے گل ہائے رنگیں بے بہا
آنکھ پُر نم اور دل مضطر پریشاں بیقرار
اک غم تھا جو مرے قلب و نظر پر چھا گیا
ایک طوفاں تھا ہوا جس سے فضا میں انتشار

وہ مجاہد جس کے دم سے کارواں آگے بڑھا
ناخدا جس نے لگائی کشتی امید پار
جس کے ہاتھوں سے شفا بیمار و بیکس پا گئے
ذاتِ اقدس جو اسیروں کے لئے تھی رستگار

ہو گئے رخصت جہاں سے رحمتوں کے درمیان
ہو گئے ہم سے جُدا وہ عظمتوں کے درمیان
کتنی بالا شان تھی حور و ملائک ساتھ تھے
جانبِ منزل خدا کی شفقتوں کے درمیان

تیری عظمت بیکراں، تیرے عزائم پُروقار
ساری دُنیا میں ترے افعال کی تشہیر ہے
چاند نے پائی چمک سورج کو رنگینی ملی
جگمگائی جس سے دُنیا وہ تری تنویر ہے

تیرے گلشن میں رہے شام و سحر رنگین بہار
تیرے اہلِ بیت پر ہو مہرباں پروردگار
تا اَبد قائم رہے تیرے جیالوں کا وقار
تیری چاہت میں رہیں آنکھیں ہمیشہ اشکبار

السلام والوداع اے رہبرِ انسانیت
حضرت محمود تیرا نام پائندہ رہے
شمع کی روشن جو تو نے ملتِ اسلام کی
ہے دُعا یہ سیف کی تاحشر تابندہ رہے

جناب ملک سعید احمد

سفرِ افریقہ سے مراجعت پر

اے دینِ محمدؐ کے علمدار مُبارک
اے فوجِ مسیحا کے سپہدار مُبارک

اے آیتِ محمود خوش اطوار مُبارک
اے ناصرِ دیں مطلعِ انوار مُبارک

اِک بار کہوں میں تو ہو سو بار مُبارک

اے نافلہ مہدی معہود مُبارک
لختِ جگرِ مُصلح موعود مُبارک

ہو تجھ کو ترا طالع مسعود مُبارک
اقوال مبارک ترے کردار مُبارک

اِک بار کہوں میں تو ہو سو بار مبارک

اے ابرِ کرم ۔ بحرِ اتم نور کے پیکر
ہر رنگ کی ہر نسل کی تفریق مٹا کر

کی قومِ سیہ فام بھی ایماں سے منور
ہو آپ کو یہ زبدۂ ابرار مُبارک

اِک بار کہوں میں تو ہو سو بار مُبارک

جب قالبِ انسان میں سج جاتا ہے ایمان
تب فضلِ خدا ہوتا ہے ہر لحظہ ہر آن

ہو جاتی ہے انسان کو انسان کی پہچان
اے عظمتِ انسان کے غمخوار مبارک

اِک بار کہوں میں تو ہو سو بار مُبارک

جناب سمیع اللہ عالمگیر صاحب

اے وادی ربوہ

بے آب و گیاہ وادی ربوہ کے نظارے
بے چین مچلتے ہوئے دریا کے کنارے
جا جا کے جہاں بستے ہیں اللہ کے پیارے
بہتے ہیں جہاں دین کے ایمان کے دھارے
اے وادی ربوہ

گونج اٹھتی ہیں اطراف میں ربوہ کی اذانیں
اسلام کے اُس نغمۂ توحید کی تانیں
ہر سمت جہاں پھیلی ہیں پتھریلی چٹانیں
ملتی ہیں چٹانوں ہی میں بس نور کی کانیں
اے وادی ربوہ

سلطان ہارون ملک

چاک گریباں کی کیا پروا چاک گریباں سل جاتا ہے
زخم محبت کا کہتے ہیں درد بعد مشکل جاتا ہے
ساقی خیر تری محفل کی جس کے تصور کی برکت سے
دل کا یہ پژمردہ غنچہ تھوڑی دیر کو کھل جاتا ہے
دل پر چوٹ لگانے والے اب پچھتانے سے کیا حاصل
دل کا زخم پرانا ہو کر اپنے آپ ہی مل جاتا ہے
ترکِ تعلق پر بھی ظالم شام سحر تسکین کہاں ہے
تیری یاد کا ناوک اب بھی چیر ہمارا دل جاتا ہے
یوں تو اُس کی بزم میں اب بھی ہے ہمدردوں کا آنا جانا
لیکن اکثر دل پر رکھ کر اب پتھر کی سل جاتا ہے

جناب سمیع اللہ قریشی

غزل

میری آشفتہ مزاجی کو نہ دینا الزام
عام ہے اب تو ترے حسن مرے پیار کی بات
پھر جنوں ڈھونڈ رہا ہے کسی صحرا میں پناہ
عشق پھر بھول گیا سایۂ دیوار کی بات
کیا مرے شعر بتائیں گے انھیں حالتِ دل
جو نہیں سمجھے مرے دیدۂ خونبار کی بات
پھیل جاتی ہے تری یاد کی خوشبو ہر سو
جب بھی سنتا ہوں کسی سادہ و پرکار کی بات
اے مرے ہم نفسو فکر کی پرواز کو تم
دیکھنا چاہو تو سُن لو کسی بیکار کی بات

حبیب الرحمٰن ساحر

مُفلسی اپنے ہاتھوں کی زنجیر تھی، مفلسی اپنے ہاتھوں کی زنجیر ہے
ہم ہیں مزدور لوح و قلم کے مگر اپنی قسمت ابھی زیرِ تحریر ہے

ہم شہیدانِ فن کی ہے سنت یہی، آج اپنا ہے اوروں کے کل کے لئے
زندگی کی یہی طرزِ تکریم ہے، موت کا بھی یہ اندازِ توقیر ہے

ہم نے ہر دَور میں فصلِ امید کو خونِ دل سے شکوہِ بہاراں کیا
کوئی "بانگِ درا" کوئی "دستِ صبا" نغمۂ قیس ہے قصۂ میر ہے

جو تراشا کئے پتھروں کے صنم، ان کو راس آگئی جگ کی فردوس بھی
ڈھالا خوابوں کو اشعار کے رنگ میں تو زباں زیرِ الزامِ تکفیر ہے

واردات دل و جاں رقم کر گئے لوحِ انسانیت سے گواہی تو لو
اب وہی لوگ پتھر کے بُت بن گئے اب اُنھیں کے عقائد پہ تعزیر ہے

ذہنِ تخلیق کے کوہ کن تو گئے اپنے تیشوں سے اپنے ہی سر پھوڑ کر
وارثانِ چمن اب مناتے رہیں "سالِ اقبال" ہے "عشرۂ میر" ہے

کتنی رنگین تھی داستانِ حرم اب تو آپس میں بھی تم نہ یہ کہہ سکو
ہاں مگر جب بھی تاریخ دہرائے گی وہ حقیقت تو شاید نہ تم سہہ سکو

سالک ۔ جنابِ امین اللہ خاں

عزتِ نفس

بات بھی اور کسی کی نہ سُنے اتنا خود دار بھی انساں نہ بنے
عزتِ نفس بھی لازم ہے مگر عزتِ غیر بھی ملحوظ رہے
خوب ہے صبر و تحمل لیکن وقت پر کوئی نہ خاموش رہے
کام لے فکر و نظر سے انسان یونہی "تہذیب" کی رو میں نہ بہے

لغزشِ پا کا ہے امکاں باقی
آدمی خواہ سنبھل کے بھی چلے

قطعات

ملتی حادثات پر بھی نہیں آہ و شیون سے کوئی کام نہیں
ہر مصیبت پہ مُسکرا اے دوست زندگی رنج و غم کا نام نہیں

ختم ہو جائے گا یہ دورِ خزاں پھر چمن میں بہار آئے گی
زحمتِ امتحاں سے مت گھبرا ساعتِ خوشگوار آئے گی

آپ ہی آپ ٹوٹ جائے گی کفر و ظلمت کی آہنی زنجیر
اب مقدر ہے علیہ السلام اب یہی ہے نوشتۂ تقدیر

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کو ربوہ میں نہ پاکر

دیوار و در اداس ہیں برگ و شجر اداس
تم شہر میں نہیں ہو تو ہے شہر بھر اداس

بیشک نگاہ میں ہے ترا عکس دلربا
یہ کیا ہوا ؟ کہ آج ہے ذوق نظر اداس

پہلو میں بھی راز دروں خانہ حیات
پنہاں سہی مگر ہے دل منتظر اداس

وہ لطف وہ نیابتیں شام و سحر کہاں
تیرے بغیر ہو گئے شام و سحر اداس

آجائیے وہ حسن مداوا لئے ہوئے
دل کہہ رہا ہے عرض تمنا لئے ہوئے

نذرانہ عقیدت

اے حافظ ام الکتب
اے ناصر دین متیں
اے نائب عیسیٰ نفس
حضرت امیر المومنین

اے نازشِ بزم جہاں
اے تو بہار گلستاں
اے راحتِ قلب و نظر
اے شاہِ ملک قدسیاں

اے چشمۂ فیض مدنی
اے مہر و ماہِ زندگی
وجہ نشاطِ بے دلاں
اے باعثِ فرخندگی

اسلام کے لعلِ جلیل
اے پیکر حسن و کمال
اے اشجع عہد رواں
اے صاحب رعب و جلال

جناب عبدالمنان صاحب شاؔد

مقدس سرزمین

قادیاں تو تخت گاہِ احمدِ موعود ہے
تیرے ہر ذرّے میں رحمت کا نشاں موجود ہے
تیرے ہر گوشے میں چلتی ہے ہوا تقدیس کی
زندہ جاوید تجھ سے ہے فضا تقدیس کی
سرزمیں تیری جہاں میں نور کا کاشانہ ہے
اس لئے ہر احمدی تیرے لئے دیوانہ ہے
یاد تیری ہر گھڑی رہتی ہے دل میں موجزن
اے خوشا وہ دن کہ تجھ میں آئیں گے ہم اے وطن
آئیں گے تیری مقدس سرزمیں میں آئیں گے
اور محبوب خدا کی تخت گہ چمکائیں گے
آئیں گے ہم پرچم اسلام لہراتے ہوئے
اور صدائے لاتقنطوا سے خون گرماتے ہوئے

جناب چودھری شریف خالد صاحب ایم اے

درس عمل

تیرا مقصد ہے کوئی تو اس کو رائیگاں نہ کر
روزگار نا مساعد ہیں بھی این و آں نہ کر
کر قناعت اور توکل مت اشاعت سوال
اپنی خودداری مٹا کر خود کو ناتواں نہ کر
کام آتا ہر کسی کے تیرا نصب العین ہو
اپنے دامن کو کبھی شرمندۂ احساں نہ کر
عارضی ہیں سب بہاریں اور یہ سب رنگینیاں
رنگ و بو میں آشیاں اے طائر ناداں نہ کر
کشمکش اور سعی پیہم زندگی کا نام ہے
بن نہ تن آساں تو اور عیش کے ساماں نہ کر
عزم و استقلال سے مشغول ہو ہر کام میں
اپنے مقصد کے لئے اوروں کو تو قرباں نہ کر
ہمت عالی سے ہو کا طے یہ بحر بے کنار
بیم موج و فکر ظلمت اندیشۂ طوفاں نہ کر

جناب شاہد اعظمی صاحب گوجرہ

آقا کی یاد میں

عرفان کی جو شراب پلاتا رہا ہمیں
جنت کی راہ پہ جو چلاتا رہا ہمیں

وہ جس نے علم وفضل کے دریا بہا دیئے
سائل گواہ ہیں کہ خزانے لُٹا دیئے

محمود خود تھے ہم کو بھی محمود کر گئے
گردش میں ہر ستارے کو مسعود کر گئے

ملت سے کفر و شرک کو مفقود کر گئے
باطل کو حق کے سامنے مسجود کر گئے

عالم، ولی، مقرر و زاہد حضور تھے
عشق رسول رکھتے تھے عابد حضور تھے

جس چاند کی ضیاء سے منور تھا اک جہاں
کہتا ہوں سچ کہ اُن دنوں روشن تھا آسماں

اس روشنی میں چلتا تھا اپنا یہ کارواں
محمود کارواں کے ہوتے تھے پاسباں

ڈوبا ہے چاند اپنے ستاروں کو چھوڑ کر
ہم بیکسوں کو درد کے ماروں کو چھوڑ کر

جناب سراج محمد صاحب شمسؔ از قادیان

نمونہ کلام

کشتی اسلام کے اب ناخدا محمود ہیں

دین کو تازہ کرنے والے میرزا محمود ہیں
کشتیِ اسلام کے اب ناخدا محمود ہیں

وعظ میں اُن کے اثر ہے کچھ عجب معجز نشاں
پھونکتے مُردوں میں روحیں پارسا محمود ہیں

نور چہرہ پہ ہے اور دل میں خدا ہے جلوہ گر
سچ یہی ہے اک وجود حق نما محمود ہیں

حُسن و احساں میں مسیحائے محمدؐ کے مثیل
قدرتِ ثانی کے مظہر میرزا محمود ہیں

چھان مارو ساری دُنیا شمسؔ لیکن بیگماں
مُرشدِ کل ہادیٔ راہِ خدا محمود ہیں

جناب شوقؔ جالندھری

نمونہ کلام

سیّدنا المصلح موعود کا سفر حج

محمود ابن مہدی وہ نوجوان ہمارا
ہے مہرباں ہمارا، روحِ رواں ہمارا

تبلیغ حق کو پہنچا وہ مصر کی زمیں پر
ہو کامیاب یارب جادو بیاں ہمارا

یارب مری دعا ہے ہو اس کا تو ہی حامی
ہے وہ سفر میں پیارا شیریں زباں ہمارا

اُس کی سفر میں مولا امداد کرتے رہنا
جاتا ہے سوئے کعبہ وہ خوش نشاں ہمارا

محمود ناخدا ہے اے شوقؔ تجھ کو کیا غم
بیڑا بھی پار ہوگا اب بیگماں ہمارا

صادق۔ جناب مولانا محمد صادق صاحب سماٹری

ہم ترے ہیں اور ترے ساتھ ہیں

برکتیں اُس کی رہیں تجھ پر سدا — رحمتیں ہوتی رہیں بے انتہا
ہو ترا دورِ خلافت الاماں — کامیاب و کامران و دلکشا
غلبۂ اسلام ہو تجھ کو نصیب — اے مرے آقا خدا حافظ ترا
ہم ترے خدام تیرے ساتھ ہیں — ساتھ کیا۔ بازو ہیں تیرے ہاتھ ہیں
جس طرف چاہے لئے جا بے خطر — ہم ترے ہیں اور تیرے ساتھ ہیں
ہے رضا تیری رضائے ذوالجلال — اے مرے آقا خدا حافظ ترا
مال کیا ہے جان کیا، اولاد کیا — ہم کو ہے تیری رضا کی جستجو
جب اشارہ ہو تو حاضر ہیں یہ سب — ہے یہی دل کی مرے بس آرزو
اِس زمانے میں ہے تو سب کا امام — اے مرے آقا خدا ناصر ترا
اے بروزِ مہدیٔ آخر زماں — اُمّتِ اسلام کی روحِ رواں
کشتیٔ اسلام کا تو ناخدا — رہنمائی میں تری امن و اماں

عیب جو حاسد رہیں ناکام سب
ہے دُعا میری یہی تقدیر رب

جناب محمد عثمان صدیقی

معجزہ

عرب آپس میں دشمن ہو رہے تھے بہت ان میں عداوت بڑھ گئی تھی
وہی دشمن بنے پھر بھائی بھائی بہت ان میں اخوت بڑھ گئی تھی

غرض اسلام کے باعث عرب میں
محبت اور عزت بڑھ گئی تھی

طالبؔ ۔ جناب طالب فارسی

جذبات

کیا ہے قوتِ شانِ جمال نے اثر پیدا
کہ پھر اسلام میں ہونے لگے اہلِ نظر پیدا

حسد کی آگ میں جل جل کے مرتے جائیں گے حاسد
کرے گی احمدیت پھر سے خالدؓ اور عمرؓ پیدا

دکھا دیں گے کسی دن اٹھ کے منظر فتحِ مکہ پیدا
کہ ہوگا دردِ دل سے جلوۂ فتح و ظفر پیدا

رہے گی شان ظاہر ہو کے اک دن احمدیت کی
خس و خاشاک سے ہو جائیں گے گل ہائے تر پیدا

کمربستہ رہیں غواصِ بحرِ احمدیت کے
کہ ہوں گے فتنۂ احرار سے لعل و گہر پیدا

خموشی میں ہماری رازِ قدرت کے پنہاں ہیں
وگرنہ اب بھی ہو سکتے ہیں آہوں سے شرر پیدا

یہ گیدڑ بھپکیاں احرار ساری بھول جائیں گے
شبِ ظلمت سے ہوگی جبکہ نورانی سحر پیدا

خدا کی شان ہے وہ رہبرانِ دین بنتے ہیں
کہ جن کی ذات سے اسلام میں ہے شور و شر پیدا

نواسنجی تری طالبؔ بھلا کس کام آئے گی
نہ ہو جب تک زباں میں ابنِ فارس کا اثر پیدا

عارفؔ جناب ڈاکٹر عبد الحی صاحب

پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ پورہ بھاگلپور

دعوت

مسلمانو! بڑا ہی وقتِ بد ہے سر پہ آپہنچا
عذابِ آسمانی ہر طرف سے سر پہ آپہنچا

مٹا ہی چاہتی ہے سربسر اسلام کی دُنیا
کہ قائم ہو چکی ہے دہر میں اوہام کی دُنیا

گھٹا ظلمت کی چھائی ہے اندھیرا ہی اندھیرا ہے
بلاؤں کی طرح ہر مذہبِ باطل نے گھیرا ہے

عدوئے دیں ہیں حملے کر رہے طوفان کی صورت
نظر آتی نہیں کوئی بھی اب ایماں کی صورت

کبھی اسلام پر ایسی بُری ساعت نہ آئی تھی
مسلمانوں پہ ایسی حشر زا آفت نہ آئی تھی

مسلمانو! متاعِ دین و دُنیا کھو چکے ہو تم
وداعِ سابقہ پر اشکِ خوں سے رو چکے ہو تم

ذلیل و خوار آنکھوں میں جہاں کی ہو چکے ہو تم
بہت محراب و منبر آنسوؤں سے دھو چکے ہو تم

تعیش خیز بستر پہ بہت دن سو چکے ہو تم
بہت بار معاصی پُشتِ خم پر ڈھو چکے ہو تم

کئی مصلح یہاں ملّتِ بیضا ہوئے پیدا
جمالِ پیکرِ دنیا نے اُن کو کر لیا شیدا

ترقی کی نہ کوئی آج تک پیدا ہوئی صورت
جہاں تک کی گئی تدبیر گرتی ہی گئی اُمّت

مگر اللہ نے اس حال میں پھر رحم فرمایا
کہ اُس نے نوح کی صورت مسیحِ عصر کو بھیجا

معارف اور حقائق کا سفینہ ساتھ لے آیا
جسے تم کھو چکے تھے وہ خزینہ ساتھ لے آیا

مسلمانو! دخولِ کشتی مامور ہو جاؤ
خدا کے زیرِ سایہ امن میں محصور ہو جاؤ

عاجزؔ۔ سید ادریس احمد صاحب عاجزؔ عظیم آبادی

فضائلِ قرآن

تاریخ کے اوراق یہ دیتے ہیں شہادت
جب تک کہ دلوں میں رہی قرآن کی عظمت

حاصل رہی ہر کام پہ اللہ کی نصرت
مسلم کو ملی کرۂ ارضی کی حکومت

قرآن کی بدولت ملی مومن کو وہ رفعت
خورشید و قمر، کاہکشاں کو بھی تھی حیرت

ہاتھ آگے فرشتوں نے مسلماں سے ملائے
دور اور گریزاں ہے شیطان کے سائے

قرآن سے مومن نے عجب مرتبے پائے
خدمت کے لئے صاحبِ تخت و نگیں آئے

قرآن نے انسان کو انسان بنایا
انسان بنایا اُسے ذی شان بنایا

جناب مولانا عبد العزیز منگلا

جان و مال و آبرو حاضر ہیں تری راہ میں

ناصرِ دینِ محمدؐ مظہرِ نورِ خدا
صد حسینانِ جہاں مستور تیرے چاہ میں

مہدی آخر زماں کے نامور اور سعید
پالیا تو نے مبارک اُس درگاہ میں

پار ہو جاتی ہے افلاک سے تیری دعا
پیدا خالق نے کیا وہ سوز تیری آہ میں

یہ خلافت ایک پاکیزہ امانت ہے عزیزؔ
قدسیوں کو ہم نے دیکھا گرتے اس درگاہ میں

عندلیبِ گلشنِ احمدؐ سے یہ نغمہ سُنا
"جان و مال و آبرو حاضر ہیں تری راہ میں"

علیمؔ ۔ خواجہ عبید اللہ صاحب ۔ کراچی

غزل

غمِ جہاں کے اثر سے چراغ جلتے ہیں
شعور نقد و نظر سے چراغ جلتے ہیں

فریب وقت کی تاریک راہگزاروں میں
خلوص دیدہ تر سے چراغ جلتے ہیں

نجوم و مہر و مہ و کہکشاں کا دھوکہ ہے
ہماری گرد سفر سے چراغ جلتے ہیں

جو ہم بجھے تو بجھے ساری انجمن کے چراغ
جلے تو سوزِ جگر سے چراغ جلتے ہیں

کہیں تو کیسے کہیں بے وفا یہ پروانے
انھیں کی تابِ نظر سے چراغ جلتے ہیں

وہ ایک بات جو اب تک نہ کہہ سکے تم سے
اسی کے جذبِ اثر سے چراغ جلتے ہیں

علیمؔ بھول گئے وہ مگر مرے دل میں
شکستِ حسنِ نظر سے چراغ جلتے ہیں

(۲)

روش اہل چمن ہم نے عجب دیکھی ہے
ساقی و بادہ تو موجود ہیں مینوش نہیں

ہے ازل سے یہی دستور محبت یارو
یہ نئی بات نہیں ہے کہ مجھے ہوش نہیں

صحن میں گھومتی پھرتی ہے بہار پر کیف
اے مرغانِ چمن اب بھی تمھیں ہوش نہیں

کتنے ہنگاموں سے گزرا ہے علیمؔ سرکش
پھر بھی اے گردشِ ایام یہ خاموش نہیں

چلتی ہیں منزلیں خود اپنے کارواں کے لئے

جو ہم بڑھے ہیں کبھی تیرے آستاں کے لئے
چلی ہے گردشِ دوراں بھی امتحاں کے لئے

جنوں کے فیض سے یہ عقدہ حل ہوا ورنہ
زباں نہ تھی مجھے اظہارِ داستاں کے لئے

تصورات کی دُنیا سے روشنی لے کر
بنا رہا ہوں نئے سورج آسماں کے لئے

بہار ہے کہ خزاں نے ہی روپ دھارا ہے
ہر اک سحر ہے نئی شام گلستاں کے لئے

دیارِ یار سے گزرے تو ایک شور اُٹھا
کہ جا رہے ہو کہاں آئے تھے کہاں کے لئے

ہماری سعیِ طلب رائیگاں نہیں یارو
چلی ہیں منزلیں خود اپنے کارواں کے لئے

غمِ حبیب ہو یا ہو غمِ حیات عؔلیم
یہ دو ہی نقش ہیں تزئینِ داستاں کے لئے

جناب عبدالخالق صاحب
(از مظفر گڑھ)

وارثِ تختِ خلافت

وارث تخت خلافت میرزا محمود کو — حق تعالےٰ نے کیا سارے جہاں کو چھوڑ کر
حیف ہے اُن پر جو اُس کے دشمنوں کے ہیں رفیق — نورِ چشمِ مہدی آخر زماں کو چھوڑ کر
کامیابی دین دُنیا کی اسی میں ہے عزیز — ہو نہ روگرداں نبی کے آستاں کو چھوڑ کر

اے امام وقت ہو الطاف کی مجھ پر نظر
آ پڑا ہوں در پہ تیرے میں جہاں کو چھوڑ کر

جناب خواجہ عبدالمومن

دور روحانی

عجب ہے دور روحانی، عجب ہے دورِ رحمانی — خدا کی رحمتوں اور برکتوں کی ہے فراوانی
عجب ہے خاکساری انکساری میرے آقا کی — نظر آتی ہے اُن کی ہر ادا میں ماہ تابانی
وہ جب بھی عظمت مولا کی دیتے ہیں خبر ہم کو — تو ہو جاتے ہیں دل بندوں کے اُسکے خوف سے خالی
وہ جب نعماء جنت کی بہاریں پیش کرتے ہیں — امیدوں کی دلوں میں پیدا ہو جاتی ہے حیرانی
خدا کا شکر ہے مومن خلافت سے ہوں وابستہ — خلافت ہی کی برکت سے ملا ہے مجھ کو روحانی

خدا کی خاص نصرت سے ملے ہیں حضرت ناصر
خدا کے فضل سے ہم پر ہوا ہے فیض سلطانی

جناب حافظ عبیداللہ عابدؔ

درد کا درماں

کوئی گریاں، کوئی حیراں، کوئی نالاں نکلا
تیرے کوچے سے ہر اک اشک بداماں نکلا
میری دیوانگی دکھلائے تماشا کیونکر
تنگ اس کے لئے ہر کوہ و بیاباں نکلا
خوش نصیبی پہ نہ کیوں ناز ہو عابدؔ اپنی
زہر سمجھے تھے جسے درد کا درماں نکلا

جناب عبدالمجید صاحب ٹمبر مرچنٹ از جہلم

مُسدّس در مدح محمود

سُن اے یورپ! ترے گھر آج وہ مہمان آتا ہے
وہ قرآں کو سمجھتا ہے جسے قرآن آتا ہے
فرشتوں میں ہے جس کی قدر وہ انسان آتا ہے
دکھانے اہلِ یورپ کو خدا کی شان آتا ہے
ادب ملحوظ رکھنا اُس کے حسنِ خیر مقدم میں
نہیں کوئی معزز اُس سے بڑھ کر آج کل ہم میں

یہ مُصلح صاحب ارشاد بھی ہے اور ہادی بھی
ہے اس کی وضع تعبیر سلف بھی اور سادی بھی
یہ صبر و حلم کا خوگر بھی ہے طاقت کا عادی بھی
مبلغ بھی یہ ہے اسلام کا دین کا منادی بھی

یہ اپنے خادموں کو چھوڑ کر بیتاب آیا ہے
بنانے اک فسردہ قوم کو شاداب آیا ہے

نہ یہ لینے خطاب اور بے تکے القاب آیا ہے
مگر کرنے کو پیدا زیست کے اسباب آیا ہے

اُٹھو اور اس کے نفس عیسوی سے زندگی لے لو
یہاں وہ وعدہ نہیں ہوتا ہے جو چاہو ابھی لے لو

بشیر الدین ہیں محمود احمد ان کو کہتے ہیں
یہ وہ ہیں اہل دل مخزن وجدان کو کہتے ہیں
امین راز ہائے گنج سرور ان کو کہتے ہیں
امیر کاروانِ خلق بے حد ان کو کہتے ہیں

وہ جلوہ جس کے تھے سب منتظر موجود ان میں ہے
صفاتِ رب اکبر کی جھلک مشہود ان میں ہے

فانیؔ جناب عبدالرحیم صاحب فانیؔ

بھُول

حیف دنیا میں جب آیا تو بشر بھُول گیا
جو اُدھر یاد کیا تھا وہ اِدھر بھُول گیا

دیکھ قرآن کہ کیا تو نے کیا تھا اقرار
پھر تجھے یاد دلاتا ہے اگر بھُول گیا

رحم مادر میں جب ایک گوشت کا مضغہ تھا تو
کون لیتا تھا وہاں تیری خبر بھُول گیا

تیرے آنے سے سبھی خوش تھے مگر تو اُس دن
کتنا رویا تھا ذرا یاد تو کر ٹھول گیا

لذّت و جاہ میں دنیا کی گرا شل مگس
جب پھنسا اس میں تو سب شیر و شکر بھول گیا

کیسا بدلا ہے زمانے کا سراسر نقشہ
پیش سے پیش نظر، زیر و زبر بھُول گیا

اس زمانے سے ملا مخبر صادقؐ کی حدیث
کیا تھا فرمان بھلا کیا تھی خبر بھُول گیا

ہے صدی آخر یہ اس میں نشانات عزیز
جو سُنے تھے وہ گئے سب ہی گزر بھُول گیا

مہدی وقت جب آیا تو فلک کے اُوپر
روشنی شمس، چمک اپنی قمر بھُول گیا

تو نے قرآن میں خاتمؐ کی جگہ صد افسوس
زیر کو یاد رکھا ہائے زبر کو بھُول گیا

مختصر یہ کہ دُنیا کی وجاہت کے لئے
اس کی لذّت میں تو اللہ کا ڈر بھُول گیا

یاد تھے سینکڑوں فن آگئی جب سر پہ اجل
کوئی حکمت نہ چلی سارے ہنر بھُول گیا

قصر تو سر بفلک تو نے بنائے لیکن
جس میں تنہا تجھے رہنا تھا وہ گھر بھُول گیا

دیکھ کر غور نہ ہو اپنے کسب پہ نازاں
کون دیتا ہے زر و سیم و گہر بھول گیا

مال اور جان کی اب کیا ہے حقیقت فانیؔ
آنکھ سے دیکھ! جو گزرا ہے کدھر بھُول گیا

جناب محمود کاشفؔ

نقشِ یادِ رفتگان

سوچتی آنکھوں میں عکس رائیگاں رہ جائے گا
خواب بجھ جائیں گے خوابوں کا دھواں رہ جائے گا

کچھ نہ ہوگا آسماں پر چند چیلوں کے سوا
ساحلِ دریا پہ پاؤں کا نشاں رہ جائے گا

دیر تک دیتا رہوں گا اپنے ہونے کا پتہ
ڈوب جائے گا سفینہ بادباں رہ جائے گا

خواہشیں دیوار بن کر راہ میں آ جائیں گی
فاصلہ یہ میرے تیرے درمیاں رہ جائے گا

آنکھ گم ہو جائے گی کاشف تلاشِ ابر میں
اور دل میں نقشِ یادِ رفتگاں رہ جائے گا

جناب قاصد ظریف صاحب کراچی

نفس نفس ہے پریشان نظر نظر حیران
یہ کیسی آج قیامت گذر گئی ہے یہاں

روش روش ہے فسردہ چمن چمن ویران
گلی گلی ہے یہاں آج جیسے نوحہ کناں

دھواں دھواں نظر آتے ہیں رہگذر کے چراغ
کہاں کہاں کوئی ڈھونڈے گا منزلوں کے نشاں

اداس اداس ہے سارا جہاں نگاہوں میں
ہر ایک شے ہے مرے دل پہ اک بار گراں

حیات موت کی آخر اسیر ہو کے رہی
یہی ہے ریت زمانے کی کیا کرے انساں

کہاں ہے دل کو میسر سکون و صبر و قرار
جو تو نہیں تو مری زندگی ہے ایک فغاں

ترے وجود سے میری ہر ایک فکر جمیل
جو تو نہیں تو مری زندگی ہے ایک فغاں

جناب قدرت اللہ صاحب

بڑا آج فضل خدا ہو رہا ہے

ستاروں میں ہو جس طرح ماہ روشن
یہ رنگ آج صل علیٰ ہو رہا ہے

یہ انبوہ خلقت یہ جوش عقیدت
نہایت ہی راحت فزا ہو رہا ہے

نظر دوستوں کی مزے لوٹتی ہے
کہ منظر بہت خوشنما ہو رہا ہے

جناب عبدالکریم قدسی صاحب

(۱)

اور تو کچھ دوستو مجھ کو پریشانی نہیں
جل رہا ہے میرا گھر لیکن کہیں پانی نہیں

کل تک آنکھوں میں ہزاروں خال و خد محفوظ تھے
آج میں نے اپنی بھی تصویر پہچانی نہیں

حکمرانی کے لئے اُس کا تقرر کیوں کریں
آدمی وہ جس کے دل میں ظرف دربانی نہیں

جسم کے حصے کو خود ہی کاٹ کر مسرور ہوں
سرد ہیں جذبے مری آنکھوں میں طغیانی نہیں

بخش دیتا ہے تجھے قلب و نظر کی وادیاں
تجھ میں سب کچھ ہے مگر ذوقِ نگہبانی نہیں

ظلمتوں کی روشنی ثابت کریں قیمت نہ لیں
بے ضمیروں کی یہاں اتنی بھی ارزانی نہیں

کیسے ڈالے گا فصیل فتح پر قدسی کمند
جس سپہ سالار میں احساسِ قربانی نہیں

(۲)

نکال جتنے بھی ترکش میں تیر باقی ہیں
ابھی قفس میں بہت سے اسیر باقی ہیں

ابھی نہ ہو گی روائے چمن کی نیلامی
ابھی چمن میں کئی باضمیر باقی ہیں

مرے وطن کا علم کیوں نہ سربلند رہے
مرے وطن میں انا کے سفیر باقی ہیں

ابھی ادب پہ مسلط نہیں طرب خیزی
ابھی ادب میں روایاتِ میر باقی ہیں

ہر شخص ہے خیرات مانگنے والا
عجب بات ہے پھر بھی فقیر باقی ہیں

نہ بک سکیں گے جو قدسی کسی بھی قیمت پر
ہم ایسے اور بھی روشن ضمیر باقی ہیں

قطعات

دوستو آؤ زخم تازہ پھر
قاضیٔ شہر کو دکھا آئیں
کوئی فریاد کو سنے نہ سنے
آؤ زنجیر تو ہلا آئیں

سونا چاندی

ایک تاریک غار ہے چاندی
جس نے ہر روشنی چھپائی ہے
ایک زنداں کنواں ہے سونے کا
جس میں انصاف یرغمال ہے

روشنی اُن کی ہو گئی گُل جو
صبح کی تمکنت کے باغی تھے
اے سویروں کے دیوتا ہم بھی
رات کی سلطنت کے باغی تھے

زندہ مردوں کا حال بھی پوچھو
اُجڑے شہروں میں گھومنے والو
تم سے قدرے سوال کرتے ہیں
منھ ستاروں کا چومنے والو

کہیں ویراں ہو نہ میرے بعد
اس کی رونق کا میں سوالی ہوں
کتنی پنجرے کی فکر ہے مجھ کو
کتنا حساس یرغمالی ہوں

قیمتیں سچ کی گر گئیں جب سے
عدل کا اور بڑھ گیا بھاؤ
تم بھی سقراط کی طرح قدسیؔ
زہر کا جام ہنس کے پی جاؤ

جناب قاسم علی خاں صاحب قادیانی رامپوری

نمونہ کلام

حضرت مصلح موعود کے سفر یورپ کے لئے الوداع کے موقعہ پر دہلی ریلوے اسٹیشن پر پیش کی گئی۔

تیرا مرکب ہو وہ اک خاص خدا کی رحمت
کہ عناں فتح ہو جس کی تو رکابیں نصرت

تیرے قدموں سے زمیں پائے فلک پر
مہر بن جائے تری دید سے چشم حیرت

تجھ سے وہ روشنی نام محمد ہو جائے
لوٹ کر آئے تو محمود سے احمد ہو جائے

اب محمد کے چمن میں ہے تو ہی یکتا گل
تو وہ محبوب ہے محبوب خدا فخر رسل

آمد آمد کی خبر تیری عیاں تھی جز و کل
حسن کا تھا کہیں چرچا کہیں احسان کا مل

للہ الحمد کہ آں مہر وفا آمدہ است
او نہ آمد بخدا لطف خدا آمدہ است

تیری پابوسی کو رہتا تھا سمندر بیتاب
گوہر صبر۔ صدف میں بھی ہوا تھا نایاب

تپش شوق سے دریا میں تھی ماہی بے آب
کیوں نہ اٹھ اٹھ کے سلامی ہو تری موج حباب

راہ تکتی تھی ہر اک آنکھ بشوق محمود
شکر ہے آئے بشیر ابن مسیح موعود

ساتھ ہیں تیرے سفر میں جو یہ اصحاب نبی | کچھ بھی درکار نہیں جن کو بجز حق طلبی
نام درکار ہے ان کو نہ کوئی خوش لقبی | معتدل اِن کی ہیں کیفیتیں شہوی عضبی

یہ جو پروانے ہیں سب رحمت رب ہے گویا
ہندی فانوس میں تو شمع عرب ہے گویا

بعد احمد کیا اللہ نے جب تجھ کو امام | حسد و بغض کی دوزخ میں گرا دیوِ بنام
خبثِ باطن کا پتہ دیتے ہیں اس دشنام | ابتدا بد ہو تو تو کس طرح نہ ہو بد انجام

یہ عذاب اُس سے ابد تک نہ کبھی کم ہوگا
عمر بھر اب یہی شیطان کو ماتم ہوگا

اے خدا آقا مرا فاتح و منصور آئے | تیرے فضلوں کے خزانوں سے وہ معمور آئے
جس جگہ جائے یہ پھیلا کے ترا نور آئے | جو تماشائی بھی اُس کا ہو وہ مسرور آئے

قادیانی کے عمل دیکھ نہ اُن کی زشتی
اپنے محمود کی تو پار لگانا کشتی

لائقؔ جناب برکت علی خان صاحب لدھیانوی

نمونۂ کلام

مہرِ خاموشی سراپا ہے بیانِ اہلِ درد
صورتِ دردآشنا ہے ترجمانِ اہلِ درد

آہ اے بیدرد تو ناآشنا ہے درد سے
درد والوں سے ذرا پوچھ شانِ اہلِ درد

جن کے پیکاں والہانہ چوم لیتی ہے قضا
وہ سہامِ الامان رکھتی ہے فغانِ اہلِ درد

چشمِ تر کے آنسوؤں میں آگ کی تاثیر ہے
برق خرمن سوز ہے سیلِ روانِ اہلِ درد

درد ہے زندگانی دردمندوں کے لئے
کھیلتی ہے دردِ دل کے ساتھ جانِ اہلِ درد

عرش کانپے گا زمیں زیر و زبر ہو جائے گی
ہاں نہ لے بیدرد لے تو امتحانِ اہلِ درد

موجِ طوفانِ خیز کی اللہ رے طغیانیاں
بن گئی اُٹھ اُٹھ کے آخر بادبانِ اہلِ درد

آگ سے گھبلائے تڑپا گئے ہیں درد نے
پھول برساتی ہے چشمِ خونچکانِ اہلِ درد

سنگِ خارا کا کلیجہ ہو کے پانی بہہ گیا
درد میں ڈوبی ہوئی ہے داستانِ اہلِ درد

داغ ہائے درد سے کم کش موسم نہیں
رشکِ جنت ہے بہارِ گلستانِ اہلِ درد

ذرّے ذرّے میں چمک تاروں کی پیدا ہو گئی
آفتاب کیمیا ہے آستانِ اہلِ درد

دیر سے ہے تشنۂ مضراب سازِ دردِ دل
چھیڑ دے اس تار کو اے مہربانِ اہلِ درد

نارِ شب گیر و آہِ سرد و چشمِ خونفشاں
درد کے بندو رواں ہے کاروانِ اہلِ درد

قطرے قطرے میں ہیں دریا کی یہاں طغیانیاں
ہو نہ طوفاں خیز بحرِ بیکرانِ اہلِ درد

چوم لیتا ہے لب سوفار کو ہر زخمِ دل
تیر پہ برسائیں تیر ایذا رسانِ اہلِ درد

درد پیدا کر کہ ایذا کوش بھی ہمدرد ہو
بجلیاں آ کر بتائیں آشیانِ اہلِ درد

لے حیاتِ جاوداں، آ درد کی آغوش میں
موت سے آزاد ہے لائقؔ جہانِ اہلِ درد

ایمان بڑھا گئے مرا تکفیر کے مزے

تقریر کے مزے ہیں نہ تحریر کے مزے
غربت میں لٹ گئے کسی دلگیر کے مزے

آ اے خیالِ یار مری بیکسی میں آ
لا ناز اور نیاز کی تقریر کے مزے

آ پیاری پیاری صورتِ زیبا نگاہ میں
لوٹوں شعاعِ حسن کی تحریر کے مزے

قربان ہونے والوں کے قربان جائیے
کیا کیا لئے ہیں برشِ شمشیر کے مزے

ہم بھی کسی کے ابروؤں کو کاش دیکھتے
لبیک کہہ کے لوٹتے تکبیر کے مزے

شوقِ حرم میں جامۂ احرام ہے کفن
الفت کی خاک میں بھی اکسیر کے مزے

یورشِ بتوں کی دیکھ کے سجدے میں گر پڑا
ایمان بڑھا گئے مرا تکفیر کے مزے

لائقؔ طوافِ خانۂ دلبر کہاں نصیب
ہم لے رہے ہیں گردشِ تقدیر کے مزے

مبشّر۔ جناب مبشر احمد صاحب راجیکی مرحوم

حمد باری تعالےٰ

کسی کو نعمت کشفِ حجاب دیتے ہیں
کسی کو دولتِ فضل خطاب دیتے ہیں

نگاہِ لطف سے رہتا نہیں کوئی محروم
وہ سب کو حُسنِ عمل کا ثواب دیتے ہیں

یتیم کو جو بناتے ہیں سرورِ کونین
تو اُمیتوں کو وہ اُم الکتاب دیتے ہیں

گدا نوازی اہلِ کرم کے کیا کہنے
چراغ شب ہی نہیں آفتاب دیتے ہیں

ثنا کرو کہ ثنا رائیگاں نہیں جاتی
دُعا کرو کہ دُعا کا جواب دیتے ہیں

کُشادہ سب کے لئے ہے اگرچہ دستِ کرم
جو مانگتا ہے اُسے بے حساب دیتے ہیں

حضور اپنے مبشّر پہ بھی نگاہ کرم
حضور توشۂ راہ صواب دیتے ہیں

یوں تو ہر موڑ پہ اک غول سگاں ہے یارو
قافلہ پھر بھی اُسی سمت رواں ہے یارو

کس کو ملتا تھا غلامانِ محمد کا مقام
یہ تو سب فیضِ مسیحائے زماں ہے یارو

خم پہ خم اب بھی چلے آتے ہیں میخانے سے
ختم کب سلسلہ کارِ مغاں ہے یارو

سر کا کیا ہے وہ جہاں چاہیں اٹھا کر رکھ دیں
دل کو دیکھو کہ کہاں سجدہ کناں ہے یارو

روحِ مضطر تو لپکتی ہے اُسی کی جانب
یہ الگ بات وہ آنکھوں سے نہاں ہے یارو

اُس کی توحید کے جلوے ہیں اُفق تا بہ اُفق
اُس کی تحمید کراں تا بہ کراں ہے یارو

اُس کے ہاتھوں میں ہے تقدیرِ گلستاں کی زمام
اُس کے دامن میں مداوائے خزاں ہے یارو

اب مناسب ہے کہ دیں بابِ کرم پہ دستک
وہ جو اک صبر کی طاقت تھی کہاں ہے یارو

کتنی ارزاں ہے یہ تاثیرِ دعا کی نعمت
کتنا نزدیک وہ ربِ جہاں ہے یارو

غم نیا ہے نہ مبشّر کا کوئی درد نیا
ہاں نئی ہے تو فقط طرزِ فغاں ہے یارو

مونس جناب محمد ہادی صاحب

خدا والوں کی بستی

چٹانوں کے دامن کی رنگیں فضا میں محبت کا سرچشمہ زندگانی
جہاں عہد رفتہ میں باغ نظر تھا حریر صبا تھا نہ عبیر فشانی

جہاں تھی فقط دھیمی دھیمی سرد اک سسکتی ہوئی زندگی کی نفیری
جہاں کی بیابانیوں میں عیاں تھی نہ عالم فروزی نہ خورشید گیری

جہاں پر بھٹکتا مسافر یہ سوچے کہ ہو جائے کا راکھ ہستی کا جامہ
گماں ہو یہ اس کو کہ خاموش ہونے کو ہے کوئی دم میں یہ روحوں کا

چٹانوں کے سہمے ہوئے سلسلے خوف و دہشت کی تصویر سی بن گئے تھے
کہیں خشک مٹی کے پھیلے ہوئے ڈھیر خوابوں کی تصویر سی بن گئے تھے

جہاں کی فضا تھی پرندوں سے خالی جہاں کے بگولے تھے گرمی کے پالے
تھے وقتاً فوقتاً قدم گاہِ غم میں جواں مردوں کے پُرہول و دلدوز نالے

وہاں پر رُخِ احمدیت کا ہے اب چھلکتا سوز از حسن و جوانی
حسین اور شاداب منظر کی وادی کا ہر عضو اک شیشۂ شادمانی

وہاں پنجوقتہ اذاں کے اثر سے معطر جبیں نظر چار سو ہے
وہاں کے دلوں میں مرے پاک مولا ہمیشہ نظر آ رہا تو ہی تو ہے

وہاں پر ہیں اعجاز قدرت کے جلوے کہ انساں کا جس سے حسرت فزوں ہے
خدا کی محبت سے معمور و پُر نور شمعوں سے مہتاب بھی سرنگوں ہے

حقیقت میں احسان ہے اس کا مونس کہ جس نے محبت کی بستی بسائی
اسی کی حسین اور رنگین بستی کی کچھ داستاں میں نے بھی کہہ سنائی

مظفرؔ۔ جناب قریشی مظفر سمیع اللہ صاحب ایم اے

کہاں کہاں نہ کئے ہم نے سجدہ ہائے نیاز
کہاں کہاں نہ گئے تیری اک نظر کے لئے

حکایتِ غمِ دوراں کا زہر پی لیں گے
مگر حدیثِ جنونِ حسن کے کوئی کیسے جیئے

یہ تلخیاں بھی گوارا یہ رنج و غم بھی قبول
مگر خدا کے لئے کوئی میرے لب نہ سیئے

مری امید کے محلوں میں روشنی کر دو
کہ بجھ چکے ہیں یہاں ایک ایک کر کے دیئے

تمہارے نام کی عظمت کے واسطے ہم نے
ہزار بار قبائے جنوں کے چاک سیئے

میں منتظر ہوں اسی اک نگاہ کا پیارے
وہ اِک نگاہ جو کچھ بھی نہیں ہے تیرے لئے

جناب ڈاکٹر شیخ محمد حسین

کیا نام ہے کہ مایۂ بہبود نام ہے
اب کیا تیرا ہے کہ محمود نام ہے

نور نظر گیا ہے حجازی نگاہ میں
اپنی بھی ساتھ دعائیں ہیں راہ میں

شاید کہ دل کو درد سے وہ آشنا کرے
کعبہ پہنچ کے قوم کے حق میں دُعا کرے

یثرب میں روحِ پاک رسولؐ امیں ملے
درپردہ درسِ ہمت تلقینِ دین ملے

یہ خوشی دل ہو جلسۂ سالانہ پہ ہمیں
آ کر ملے امامِ زماں کا پسر ہمیں

ہم بھی رخِ شریف وہ آئیں تو دیکھ لیں

جناب راجہ منصور احمد

ہم محو نالۂ جرسِ کارواں رہے

ملتا ہے جب ہی پختگی دین کا ثبوت
قربانیوں کا سخت سے سخت امتحاں رہے

اُن کو مٹا کے کیا ملا اے دشمنانِ دیں
جو مٹ کے بھی جہاں میں زندہ نشان رہے

وہ جا بسے ہیں جنتِ فردوس میں مگر
محرم ہو تم خدا کے یہ تم پر عیاں رہے

اللہ کی اُن پہ رحمتیں ہوتی ہیں بے شمار
جو موت دیکھتے ہوئے بھی قادیاں رہے

وہ پی رہے ہیں جامِ شہادت مذاق و شوق
یہ خدا اُن کے دل میں ہمیشہ جواں رہے

ہم قادیان میں حمد کے گاتے رہیں گے گیت
جب تک کہ اس زمین پہ یہ آسماں رہے

سچ ہے وہی جماعتیں ہوتی ہیں کامیاب
جن کے دلوں میں ذوقِ شہادت جوان رہے

جناب محمود احمد مرزا۔ کبیر والا ضلع ملتان

بیادِ محمود

اک ستوں اور گرا دین کے ایوانوں کا
اک چراغ اور بجھا دل کے شبستانوں کا

روح کے عرش کا اک اور ستارہ ٹوٹا
ہو گیا خون مری قوم کے ارمانوں کا

پھول وہ توڑا ہے تقدیر نے گلشن سے کہ بس
اب تصور بھی نہ آئے گا گلستانوں کا

آج قرآن کا وہ ہم سے مفسر چھوٹا
سلسلہ کٹ گیا افسوس اُن عرفانوں کا

منظور۔ جناب ڈاکٹر منظور احمد صاحب بھیروی

ایک احمدی کے مخلصانہ جذبات

بتلاؤ دوائے دلِ بیمار کرے کون
تم ہی نہ کرو تو مرے سرکار کرے کون

ہے کوئی زمانے میں بھلا اور بھی تم جیسا
اے ساقی کوثر مجھے سرشاد کرے کون

جانے نہ میرے درد کو بیدرد زمانہ
یہ رازِ محبت کے ہیں اظہار کرے کون

اُن کی تو سرِ طور وہی جلوہ گری ہے
موسیٰ نہ بنے کوئی تو دیدار کرے کون

ہے حسن تو کیا چیز ہے حیران ہے دُنیا
دیوانہ کرے تو جسے ہشیار کرے کون

تاثیر یہ اس کی میں بھری ہے
میں چاہتا ہوں نار کو گلزار کرے کون

اے احمدی سوتی ہوئی دنیا کو جگا دے
یا تو ہی بتا دے اسے بیدار کرے کون

اپنے بھی ہوئے آج مرے خون کے پیاسے
منظور بھلا شکوہ اغیار کرے کون

محمود۔ جناب عنایت اللہ صاحب (قادیان)

در مدح سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

ہمارا چاند قرآں ہے ہماری جان قرآں ہے
ہمارا دین قرآں ہے خدا کی شان قرآں ہے

محمد فخرِ عالم ہے، حبیبِ ربِ رحماں ہے
وہ سب دنیا کا ہادی ہے ہر اک پر اُس کا احساں ہے

نہ اُس جیسا ہوا پیدا نہ آئندہ کبھی ہوگا
وہ سب مخلوق میں خیر البشر ہے کامل انساں ہے

وہ ہر نیکی میں یکتا ہے، ہر اک خوبی میں کامل ہے
نہ اُس کا کوئی ثانی ہے نہ اُس سا کوئی ذی شاں ہے

وہ بد قسمت ہے جو منکر ہے اُس کی شانِ ارفع کا
سراسر کافر و ملحد ہے وہ اور سخت ناداں ہے

وہ خوش قسمت ہے جو ایمان رکھتا ہے محمد پر
مبارک ہے مقدس ہے جو اُس پر دل سے قرباں ہے

محمد مصطفےٰ کی ہو سکے تعریف نا ممکن
وہ بیشک ایک انساں ہے مگر بے مثل انساں ہے

مثال اُس کی نہیں ملتی، نظیر اُس کی نہیں ممکن
سراپا نور ہے وہ برتر از لعلِ بدخشاں ہے

کلامِ پاک جو نازل ہوا اُس پر وہ رحمت ہے
چمن ہے معرفت کا اور سچائی کا بستاں ہے

مجسّم خیر و خوبی ہے سراپا نور و برکت ہے
وہ سب عیبوں سے خالی ہے سراسر پاک دلماں ہے

عنایت کی نظر ہو یا خدا محمود پر ہردم
نہ اُس کے پاس دولت ہے نہ اسکے پاس ساماں ہے

جناب مبشر طاہر صاحب پسرور ضلع سیالکوٹ

ہر فرد ترے غم سے ہے بادیدۂ پرنم

اے ساقی میخانۂ اخلاص و ترحم
ہر دکھ کی دوا تھا تو ہر اک زخم کا مرہم

تو اُٹھ کے جو اس محفل ہستی سے گیا ہے
ماتم میں سیہ پوش ہیں مہر و مہ و انجم

وہ حشر بپا آج زمانے میں ہوا ہے
شرمانے جسے دیکھ کے صد شورش قلزم

رونق ترے ہونے سے تھی اس بزم طرب کی
میخانے پہ چھایا ہے عجب یاس کا عالم

ہرچند تری ذات تھی مخدوم ملائک
نزدیک ترے خدمت انسان تھی مقدم

طاہر ہی نہیں درد سے بیتاب و پریشاں

(۲)

پھر سے تو شمع خلافت کی لرز اٹھی ہے
پھر سے حافظ ہے خدا شمع کے پروانوں کا

احمدیت کے لئے پھر سے قیامت آئی
امتحاں پھر سے ہے مقصود مسلمانوں کا

پھر خدا کاری احباب کے چرچے ہیں یہاں
پھر سے اک شور ہے عشاق کے افسانوں کا

ہاں ترے تخت خلافت کا ہے ناصر مولا
ہو نگہباں خدا دین کے نگہبانوں کا

میرے محمود ذرا کاش تو آ کر دیکھے
حال خدام کا عشاق کا دیوانوں کا

یوں تو غم خانے یہ آباد رہیں گے محمود
لطف کیا آئے گا بن تیرے غمستانوں کا

جناب ڈاکٹر محمود الحسن محمود امین آبادی

تری تلاش ترا انتظار ہے اب بھی

تری تلاش ترا انتظار ہے اب بھی — کہ بیقرار دل بیقرار ہے اب بھی
وہ مے جو تو نے پلائی تھی اپنے ہاتھوں سے — اُسی کا ذہن میں باقی خمار ہے اب بھی
ترے لبوں سے ہمیشہ جو پھول جھڑتے تھے — انہی سے اپنے چمن میں بہار ہے اب بھی
ترے ہی سوز دروں کا یہ اک کرشمہ ہے — کہ شمع دین ہدیٰ تابدار ہے اب بھی

ترا ہی منتظر دید اے شہ خوباں
ترا غلام سر رہگزار ہے اب بھی

آمد محبوب

(۱)

مسکراتے ہوئے آجائیں آپ — گل کھلاتے ہوئے آجائیں آپ
آپ آئیں تو کھلے دل کی کلی — لب ہلاتے ہوئے آجائیں آپ

(۲)

روح کو دولت تسکین ملے — قلب مضطر کو قرار آجائے
آپ آئیں تو یقیں ہے مجھ کو — میرے گلشن میں بہار آجائے

جناب میجر عبدالحمید صاحب (سابق مبلغ امریکہ)

سفر آخرت

یہ الم انگیز ہے کتنی خبر
ہوش جس نے کر دیئے زیر و زبر

دل دھڑکتا ہے زباں چلتی نہیں
آنسوؤں نے کر دیا ہے تر بہ تر

جو خدا کا نور تھا جاتا رہا
ہو گئے تاریک اب شمس و قمر

چھپ گیا دنیا سے اک بدر منیر
اک رخ روشن ہوا ہے مستقر

نور تھے وہ نور سے جا کر ملے
ہو گئے تاریک سارے بحر و بر

کوئی بس چلتا نہیں میرے خدا
موت سے کوئی نہیں جائے مفر

کام صدیوں میں نہیں جو ہو سکے
کر گئے لمحوں میں وہ عالی گہر

کہہ سکے گا کون "اب منہ سے مرے
بولتا ہے وہ خدائے مقتدر"

مرحبا اے مظہر الحق والعلاء
مرحبا اسلام کے شیریں ثمر

میرے جیسے عاصیوں کو ناز ہے
جو ہوئے خاک درِ فضل عمر

بادشاہوں کو وہ نعمت کب ملی
جس سے ہم جیسے گدا ہیں بہرہ ور

یاد آیا جبکہ ہم بھی تھے ایاز
کر گئے محمود دنیا سے سفر

جناب نصیر احمد صاحب انبالوی

حضرت فضل عمر

خدا کے فضل سے ابہم پہ وہ امام ہوا
کہ جس کا فضل عمر وحیِ حق سے نام ہوا
جو پیشگوئی تھی مہدی کی ہو گئی پوری
کہ اہلِ بیت سے یہ متقی امام ہوا
خدا کا شکر کہ جماعتِ احمد
کہ ابن مہدی دینِ حق سے ہمکلام ہوا
ہمیں تو اُس کی غلامی پہ ناز ہے ہر دم
کہ جس کا مولوی احسن بھی اک غلام ہوا
غلط ہے راہ پہ اُن کی جو لوگ کہتے ہیں
جہاں میں بیعت صادق کا اختتام ہوا
غلط بیانیاں پھیلائیں قوم میں کیا کیا
پیامِ صلح نہیں جنگ کا پیام ہوا
خدا کے خوف سے توبہ کریں اور استغفار
نصیر ابنِ مسیحا کا حکم عام ہوا

جناب عبدالغفار خانصاحب

ناطق از قائم گنج

حضرت مصلح موعودؓ کے سفر یورپ پر روانگی
کے موقعہ پر شاعر کے تاثرات

حل ہوئیں مشکلات فکر عظیم
جس سے تسکین قلب نے پائی
کیا عجب ہے کہ فیضِ حضرت سے
رام ہو جائے قوم عیسائی
ٹوٹ جائے طلسم کفر و صلیب
چاک ہو پردۂ کلیسائی
بول بالا ہو دینِ احمد کا
سرنگوں ہو نشانِ پاپائی
ہاتھ پر تیرے ہو یہ فتح عظیم
ہو عدو کو شکست و رسوائی
احمدی پھر کہیں یہ غیروں سے
کیسی تعبیر خواب کی پائی
مل کے احباب سب کہیں آمین
شعر اگلا پڑھے جو شیدائی
یہ سفر رخصت مبارکباد
یہ سلامت روی و بازآئی

نعیم قدسی بنیرۂ شہزادہ سید عبداللطیف شہید

ربوہ

جگمگاتی ہوئی ماضی کی منور قندیل
میرے افکار پریشاں پہ ابھر آئی ہے
سرمئی شام میں، ویران چناروں کے تلے
میرے شاداب نگر یوں تری یاد آئی ہے

میرے ربوہ! تری مخمور فضاؤں کی قسم
رقص کرتی ہوئی اِن شوخ ہواؤں کی قسم
جن کی بانہوں نے بصد ناز اٹھایا تھا مجھے
گودیوں میں بڑے ارماں سے کھلایا تھا مجھے

ٹھیک ہے وقت کے تیزی سے گزرتے لمحات
عہد رفتہ کا ہر اک نقش مٹا دیتے ہیں
پھر بھی لیکن مرے گزرے ہوئے سجدوں کے نقوش
تیرے چہرے کے تقدس کو ضیا دیتے ہیں
میں نے راہوں پہ ترے گیت جو گائے تھے کبھی
آج بھی وہ انھیں راہوں پہ صدا دیتے ہیں

زخمی یاد

راستے اجنبی سے لگتے ہیں
فکر تعمیرِ نو، جہاں کی تھی
تیرے عارض کی جگمگاہٹ نے
راستے جن پہ ہم نے پہلی بار

راستے جن پہ مدتوں ہم نے
راستے جن کی تیرہ بختی کو
رنگ بخشا تھا روشنی دی تھی
ان روایات کے ستونوں کی

کہنہ زنجیر توڑ ڈالی تھی

راستے جن پہ چلتے چلتے ہم　　پیار کی مملکت میں پہنچے تھے

مملکت وہ کہ جس میں ہم دونوں　　بادشاہوں کی طرح رہتے تھے

اب میں ان راستوں پہ تنہا ہوں

اب نہ تو ہے نہ تیری آہٹ ہے

"مورت"

چاند سے شیتل، پھول سے کومل　　کالی آنکھوں والی

روح کا نغمہ، نیند کی مریم　　مدھ ماتی متوالی

حُسن کی سیتا، عشق کی آذر،　　آوارہ انجان

لیکن پتھر ہونٹوں والی　　بے حس اور بے جان

وسیم جناب وسیم صاحب گورداسپوری

المسجد الاقصیٰ

غیرت مسلم تجھے غیرت دکھانے کا یہ وقت آیا
ہے الفت کس کو آقا سے جتلانے کا یہ وقت آیا

تری غیرت کو للکارا ہے شیطان نے کھلے بندوں
وہ توحید یعنی خود کو مٹانے کا یہ وقت آیا

وہ کبھی قبلہ اوّل بنی جو اہل ایمان کی
اُسے دُشمن کے چنگل سے چھڑانے کا یہ وقت آیا

وہی بیت المقدس جس پہ آقا نے قدم رکھے
اُسی پہ جان کی بازی لگانے کا یہ وقت آیا

اُٹھو اب خواب غفلت سے چلو دشمن کو للکاریں
کہ اب مردانگی اپنی دکھانے کا یہ وقت آیا

وسیم اب بات کرنے کا نہیں موقع عمل کا ہے
عمل سے خلد میں آپ کو سلانے کا یہ وقت آیا

یامینؔ - جناب محمد یامین صاحب

نمونہ کلام

مناجات بحضور ربِ غفور

اے مرے پیارے مرے پروردگار
ہے ترے دربار میں میری پکار
ہے تو ہی سارے جہاں کا شہریار
ساری دُنیا کا ہے تجھ پر انحصار
میری حالت تجھ پہ ہے سب آشکار
رحم فرما مجھ پہ میں ہوں دلفگار
معصیت سے اپنی اب ہوں شرمسار
تیری بخشش کا ہوں میں امیدوار
ہے تو ہی بس مرے دل کا رازدار
ہے سوا ترے جہاں تاریک و تار
کوئی ہے دنیا میں جو کام آسکے
کون ہے جس کا اٹھائے کوئی بار
کون لیتا ہے کسی کی کچھ خبر
کون ہوتا ہے کسی کا غمگسار
کوئی بھی دُنیا میں کام آتا نہیں
چند روزہ ہے یہاں کا کاروبار
ساتھ کچھ جاتا نہیں جُز نیک و بد
بات یہ بھی ہے یہی اے ہوشیار
جُز عمل اپنا نہیں کوئی رفیق
فضل مولا پر ہے سب کچھ انحصار
اپنی حالت دیکھ کر یامینؔ تو
ہر گھڑی مغموم ہے اور دلفگار

خدا کی محبت

بتاؤں کس لئے مسرور ہوں میں — محبت میں خدا کی چُور ہوں میں
مجھے بیکار باتوں سے ہے نفرت — بُرے کاموں سے اکثر دُور ہوں میں
میں جب سے احمدیت میں ہوں داخل — خدا کا ہر گھڑی مشکور ہوں میں
مرے مولا مجھے تو بخش دیجو — گناہوں میں بڑا قصور ہوں میں
مسیح وقت کی بیعت میں آکر — عزیزوں میں بڑا مقہور ہوں میں
وہ دیتے ہیں مجھے لالچ ہزاروں — بنوں غیر احمدی معذور ہوں میں
مجھے وہ جام مولا نے پلایا — کہ جس سے ہر گھڑی مخمور ہوں میں
ہے انکار اعزہ کا مجھے غم — وہ مجھ سے دُور اُن سے دُور ہوں میں
مخالف کرتے ہیں صدہا تدابیر — خدا کے فضل سے منصور ہوں میں
خدا کا شکر ہے یامینؔ بے حد — کہ چشم یار میں منظور ہوں میں

نظم

جان جس کی دینِ احمدؐ پر فدا ہو جائے گی — اُس پہ یارو رحمتِ ربّ الوریٰ ہو جائے گی
قوم جو دشمن ہی ہے آشنا ہو جائے گی — دور دل سے جب تعصب کی بلا ہو جائے گی
اُس کو مل جائے گی دولت دو جہاں کی دوستو — جس کسی پہ یار کی شفقت فدا ہو جائے گی

حق کے پہچانے میں اے یامینؔ مت کرنا دریغ
تیری حالت دیکھنا پھر کیا سے کیا ہو جائے گی

احمدی شاعرات

محترمہ امۃ القدیر ارشاد صاحبہ
ہیڈ مسٹریس فضل عمر جونیئر ماڈل اسکول۔ ربوہ

بیاد فضل عمر

محمود کہ موعود پسر فضل عمر تھا
مخلوق سے منہ موڑ کے خالق سے ملا ہے

اسلام کی خدمت ہی میں عمر اپنی گذاری
دشمن کے ہر اک وار کو سینہ پہ کیا ہے

وہ جس کو سنوارا تھا خداوند نے خود ہی
اُس راہ میں جان دے کے سبق ہم کو دیا ہے

جو حسن میں احسان میں مہدی کا تھا ثانی
ہر نُور محمد کی غلامی سے لیا ہے

افعال میں بے مثل تو افضال میں یکتا
وہ زندہ و تابندہ ہے گو ہم سے جدا ہے

ہر آنکھ ہے نم ہر رُخِ روشن ہے فسردہ
یہ غم ہے کچھ ایسا کہ ہر اک غم سے سوا ہے

پُر شوق نگاہوں کے تصور سے بہت دُور
اے جانِ بہاراں تو کہاں جا کے چھپا ہے

ہر حال میں لازم ہے ہمیں شکر خدا کا
محمود لیا اس نے تو ناصر بھی دیا ہے

لجنہ کی گولڈن جوبلی

خواتین جماعت کی علمبردار ہے لجنہ
جو سچ پوچھو تو قدرت کا حسیں شہکار ہے لجنہ

عزائم اس کے اعلیٰ ہیں مقاصد اس کے ارفع ہیں
نسائیت کا اک اعلیٰ ترین معیار ہے لجنہ

کہیں تعلیم قرآں ہے کہیں تزئین انساں ہے
گلستانِ جہاں میں جوئے نغمہ بہار ہے لجنہ

اصول اس کا ہے پیغام اخوت کی جہانگیری
اسی مقصد کی خاطر برسرِ پیکار ہے لجنہ

اگر پچاس فیصد عورتوں کی کر سکے اصلاح
تو سمجھو کامگار ملتِ بیدار ہے لجنہ

پیاری سیدہ اے واجب الاکرام صدیقہ
تری مشفق قیادت میں ہوئی بیدار ہے لجنہ

مبارک ہم جلیسو آج دورِ خسروی آیا

محترمہ امۃ الباری ناصر صاحبہ

امۃ الباری ناصر محترم عبدالرحیم صاحب دیانت درویش کی بیٹی اور ناصر احمد قریشی کراچی (ریجنل منیجر محکمہ ٹیلیفون) کی اہلیہ ہیں۔ جامعہ نصرت ربوہ اور یونیورسٹی اورنیٹل کالج میں تعلیم پائی۔ کراچی لجنہ کے شعبہ اشاعت کی کارکن ہیں۔ ان کے کلام کا بالاستعاب مطالعہ کرنے پر اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ احمدیت کی گدڑی میں بھی کیسے کیسے لعل پوشیدہ ہیں اور میں بشرح صدر اس حقیقت کا اظہار کرنے پر مجبور ہوا ہوں کہ عزیزہ محترمہ کی شخصیت آسمان شاعری پر ایک تابندہ ستارے کی مانند جگمگ جگمگ کرتی نظر آتی ہے۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے جس پاکیزہ شاعری کی بنیاد ڈالی اور جس کا مقصد حضرت اقدس کے اپنے الفاظ میں یہ تھا کہ ؎

کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلق
اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

اور جس ڈگر پر چل کر حضرت اقدس کے سینکڑوں شیدائیوں نے دنیائے شعر و ادب میں ایک اخلاقی و روحانی انقلاب پیدا کر دیا۔ اُسی پاکیزہ اور افادی شاعری کی جھلک ہمیں عزیزہ محترمہ کے کلام میں نظر آتی ہے۔ وہ ایک درویش باپ کی درویش صفت بیٹی ہیں جن کی شفیق والدہ کی مادرانہ شفقت اور مخلصانہ تربیت نے ان کی زندگی کو سنوارنے اور نکھارنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ماحول کی پاکیزگی اور اخلاقی اقدار کی تطہیر نے ان کو گداز قلب عطا کیا جس کی جھلک اُن کے کلام میں جگہ جگہ نظر آتی ہے۔ وہ پاکیزہ جذبات اور نازک احساسات کی ترجمانی میں بھی کامیاب نظر آتی ہیں۔ ان کے کلام میں جگہ جگہ درد کی کسک اور خون جگر کی جھلکیاں قاری کے احساس کو چھو کے نکلتی ہیں اور غم

کی لذت سے آشنا کر دیتی ہیں۔ اُن کی حسین شاعری پر یہ مصرعہ اپنی پوری معنویت کے ساتھ چسپاں ہوتا اور اُن کے کلام کا ہر شعر زبانِ حال یہ اعلان کرتا نظر آتا ہے کہ ؎

قیاس کن ز گلستانِ من بہارِ مرا

اُمید ہے کہ جیسے جیسے وقت کا دھارا رواں دواں آگے بڑھتا جائے گا عزیزہ محترمہ کی شاعری میں بھی تیزی روانی اور نکھار پیدا ہوتا چلا جائے گا۔

احمدی شاعرات کی صف میں عزیزہ محترمہ ایک ممتاز مقام پر استادہ نظر آتی ہیں۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

نمونہ کلام

نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

دستگیری کے لئے خواہاں ہے اُمت آج بھی ۔۔۔ بحرِ رحمت آپ کا ہے بیکراں مواج بھی

وجہِ تخلیقِ دو عالم حاملِ قرآن بھی ۔۔۔ صاحبِ لولاک بھی ہیں صاحبِ معراج بھی

آپ کا قلبِ مطہر مہبطِ انوارِ حق ۔۔۔ آپ کے سر پر سجا خیر البشر کا تاج بھی

خاک سے افلاک تک پھیلا دیئے انوارِ حق ۔۔۔ کر دیا جھوٹے خداؤں کا فسوں تاراج بھی

مُو بہ مُو۔ نقطہ بہ نقطہ اور ہر نقشِ رسولؐ
اِک چھوٹی سی جماعت بن رہی ہے آج بھی

وہاں شاید کسی کا دل دُکھا تھا ۔۔۔ زمیں تپتی رہی بادل نہ ٹھہرا

گرا تو کتنی پستی میں گرا ہے ۔۔۔ حجاب اُترا تو پھر آنچل نہ ٹھہرا

مسلسل جستجو تھی خوب تر کی ۔۔۔ کہیں پر بھی یہ مَن پاگل نہ ٹھہرا

نہیں انساں کوئی جو مطمئن ہو ۔۔۔ ہے کوئی شہر جو مکمل نہ ٹھہرا

نہ ہو برداشت پھر بھی حوصلہ رکھ ۔۔۔ جو تکا کہہ اُسے مُختل نہ ٹھہرا

بسے ہیں جب سے وہ پردیس جا کر ۔۔۔ کسی کی آنکھ میں کاجل نہ ٹھہرا

کوئی باہر سے آکر اب بچالے — چھتوں سے لوگ دیتے ہیں دہائی
وہ ظلم انساں نے انساں پہ کئے ہیں — بلک اُٹھی ہے اب ساری خدائی
سکون و امن و عافیت تحفظ — ہر اک سائے تک اپنی نارسائی
کہیں زیرِ زمیں ہلچل ہوئی ہے — یہ کیسا شور دیتا ہے سُنائی
گرفت آئی تو پھر بچنا ہے مشکل — زمین و آسماں ہیں اک اِکائی
یہ سب بہروپیے ہیں فن میں کامل — اداکاری ہے ساری پارسائی
عمل دیکھو تو اک کورا ورق ہے — بیاں میں آگہی شعلہ نوائی
تبر جب گھر کی بنیادوں پہ رکھی — ہر اک دشمن نے بڑھ کے دی بدھائی
جو آنکھیں پھیر لے خطرے کو پاکر — وہ احمق خود کو سمجھا ہے رجائی

قیامت تک کبھی یکجا نہ ہوگی
اگر اِک بار بکھری یہ اکائی

مالکِ کونین تیرے نام لیوا ہم بھی ہیں
اک نگاہِ لطف و رحمت دل گرفتہ ہم بھی ہیں
آسماں کو دیکھ کر آنکھوں میں آنسو آگئے
اس بھری دُنیا میں آقا بے سہارا ہم بھی ہیں
اجنبی کیا، آشنا کیا سب نے آنکھیں پھیر لیں
بے کراں گرداب غم میں اب تو تنہا ہم بھی ہیں
یہ گھٹن، یہ بیکسی، یہ کرب یہ آزردگی
صبر کی طاقت کے طالب میرے مولا ہم بھی ہیں

حسینہ بیگم

حسینہ بیگم یوسف زئی پٹھانی تھیں بعہد ۱۸۸۸ء میں رام پور میں پیدا ہوئیں اور ۱۹۴۸ء میں بعمر ۶۰ سال رام پور میں وفات پائی اور وہیں وفات پائی۔ تاریخ بیعت ۱۹۱۲ء ہے۔ بعد وفات بوجہ موصیہ ہونے کے آپ کا کتبہ بہشتی مقبرہ ربوہ میں لگا ہے۔

حسینہ بیگم کے والد احمد شاہ خاں صاحب تھے جو احمدیت کی صداقت پر ایمان رکھتے تھے لیکن ابھی بیعت سے مشرف نہ ہوئے تھے کہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ حسینہ بیگم کی پہلی شادی نواب پور کے خزانچی علی رضا صاحب سے ہوئی تھی۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے بھائی ملا حمید شاہ خاں نے آپ کا دوسرا عقد مولانا عبید اللہ بسمل سے کرا دیا جو فارسی زبان کے قادر الکلام شاعر تھے۔ ملا حمید شاہ خان مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے معتقدین میں سے تھے اور نعتیں لکھ کر مولانا کو سنایا کرتے تھے۔

قبل شادی مولانا عبید اللہ بسمل ان کے گھر گئے اور پس پردہ گفتگو ہوئی تو حسینہ بیگم نے دریافت کیا کہ لوگ آپ کو کافر کیوں کہتے ہیں تو بسمل صاحب نے وضاحت کی کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وفات یافتہ مانتے ہیں اس پر حسینہ بیگم نے کہا کہ ہم تو اپنے پیارے نبی کا وفات نامہ پڑھتے ہیں اگر عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے تو کیا مضائقہ۔

شادی کے کچھ عرصہ بعد جب بسمل صاحب نے ٹونک جانا چاہا تو اُن کی پہلی بیوی جو معذور تھیں وہ اس سفر میں مولانا کا ساتھ نہ دے سکتیں۔ ان بیوی کا نام قادری بیگم تھا۔ لیکن حسینہ بیگم نے بشرح صدر مولانا کے ساتھ ٹونک جانا منظور کیا جہاں ان کی پھوپھی ابراہیم علی خان کے میر منشی کی بیوی تھیں۔ وہاں مولانا چھ ماہ تک مقیم رہے۔ ازاں بعد حضرت مصلح موعود نے مولانا شیر علی صاحب

کو اُن کے لئے ٹونک روانہ کیا اور اس طرح مولانا بسمل قادیان پہنچ گئے۔

قادیان میں جب لجنہ اماء اللہ کا پہلا جلسہ ۱۹۱۵ء میں منعقد ہوا۔ اس میں حسینہ بیگم نے اپنے مندرجہ ذیل اشعار سنائے جو بہت پسند کئے گئے اور بعد ازاں قادیان کے ہفت روزہ اخبار "فاروق" میں شائع ہوئے۔ تاریخ لجنہ اماء اللہ کی پہلی جلد میں یہ واقعہ درج ہے۔ یہ نظم "فاروق" قادیان مورخہ ۲۰ جنوری ۱۹۱۶ء کے صفحہ ۱۱ سے یہاں نقل کی جاتی ہے۔ مقطع میں حسینہ بیگم کا تخلص موجود ہے۔

نظم

"یہ نظم اہلیہ صاحبہ مولوی عبید اللہ صاحب بسمل امرتسری حال قادیان نے جلسہ سالانہ مستورات میں سنائی تھی۔"

در مسیح پہ ہے یہ سیاہ کار آیا — کہ جس کو بن ترے مطلق نہیں قرار آیا
ہزاروں تیری طرف سے خیال تھے دل میں — خطا معاف کرانے گناہ گار آیا
اُمید ہے ترے در سے پھرے نہ اب مایوس — اسی اُمید سے ہو کر یہ غم گسار آیا
گلابی ہو گئے دو پھول نرگس شہلا — چڑھانے ہار یہ تربت پہ جاں نثار آیا
نہ چین بن ترے در کے پڑی اس عاصی کو — تو جان و دل سے یہ ہو ہو کے بیقرار آیا

اب کی جا ہے حسینہ تو چلیو سر کے بل
مسیحِ پاک کا وہ سامنے مزار آیا

محترمہ حمیدہ عفت صاحبہ

حضرت مصلح موعود اور احمدی خاتون

احمدی خاتون کو زندہ کیا
مصلح موعود پیارے مرحبا

تو نے ہی بخشا اسے سوز دروں
تیرے آگے کفر دیکھا سرنگوں

تو نے یورپ میں بنائیں مسجدیں
مومنوں سے پھر بسائیں مسجدیں

ذرّے ذرّے کو بنایا آفتاب
کارنامہ ہے یہ تیرا لاجواب

احمدی خاتون شانِ اولیاء
اس نے پیدا کاروانِ اولیاء

تجھ کو بخشی زندگی محمود نے
ابنِ مہدی مصلح موعود نے

جس کی زوجہ ایک ہے ام متین
جو ہے لجنہ کے لئے ماہ مبین

اُس کے سینے میں نہاں قرآں ہے
واقعی وہ صاحب عرفان ہے

وہ ہے بستانِ محمدؐ کی کلی
وہ ہے مریم وہ ہے اک سچی ولی

تو نے دیکھی دین کی جو بیکسی
وقف کر دی تو نے اپنی زندگی

دین کی روحِ رواں ہے آج تو
دین کی ہے آبرو اور لاج تو

قادیان کی یاد

گذارا میں نے اپنا سارا بچپن جس کے دامن میں
چھپا لیتی تھی جو بستی مجھے اپنے نشیمن میں

گزاری تھی جہاں میں نے کبھی ساون کی برساتیں
جہاں پُرکیف دن تھے بھیگی بھیگی چاندنی راتیں

ہوا کرتی تھی جو بستی کبھی رندوں کا کاشانہ
وہ دیوانوں کی بستی بادہ خواروں کا تھا میخانہ

وہ بستی جس کے میدانوں سے محمودِ زماں گزرا
وہ محبوبِ مسیح و مہدیٔ آخر زماں گزرا

وہ بستی جس جگہ کالی گھٹائیں گھر کے آتی تھیں
جہاں پہ قمریاں باغوں میں دلکش گیت گاتی تھیں

زمینِ قادیاں تیری فضائیں یاد آتی ہیں
تری رنگینیاں میرے تصوّر کو سجاتی ہیں

ہمارے خون کے قطرے ترے ذرّوں پہ قرباں ہوں
ہماری آنکھیں تیرے آستاں پر اشک افشاں ہوں

تری تاریخ کو قومیں ہمیشہ یاد رکھیں گی
تجھے شاداب رکھیں گی تجھے آباد رکھیں گی

محترمہ خاور افشاں صاحبہ

دامن میں تیرے پھول تھے کچھ سوگوار سے
دل خوش ہوا ہے راہ کو پُرخار دیکھ کر

آنکھیں بھی اشکبار ہیں دل بھی ہے داغ داغ
دیتا کچھ اور غم مرے دلدار دیکھ کر

خاور جہاں میں حُسن کا جادو بھی خوب ہے
آتا ہے دل تو سیرت و کردار دیکھ کر

محترمہ رفعت شہناز ایم اے

سکونِ زیست

سکونِ زیست اب پاؤں کہاں سے
دلِ مضطر کو بہلاؤں کہاں سے

بصد کاوش بنایا تھا نشیمن
گری بجلی اچانک آسماں سے

بظاہر مسکراہٹ ہے لبوں پر
مگر بے چین ہوں دردِ نہاں سے

تری بزمِ طرب ہے خوب ساقی
ہمیں فرصت کہاں آہ و فغاں سے

تغافل ہی دعاؤں کا صلہ ہے
کوئی شکوہ نہیں اس مہرباں سے

محترمہ رضیہ درد صاحبہ

آنکھ سے اوجھل یکایک چاند اپنا ہوگیا
سارے عالم میں اندھیرا ہی اندھیرا ہوگیا

جس کے دم سے تھی یہ دُنیا خوب تر رخصت ہوا
وہ مسیح پاک کا نورِ نظر رخصت ہوا

ہیں عنادل مضمحل افسردگی ہے اب یہاں
آنکھ سے اوجھل ہوا ہے وہ گل رعنا کہاں

صبر کر اے درد اس پر جو خدا نے ہے کیا
جو تجھے منظور تھا وہ ہی خدایا ہوگیا

محترمہ راشدہ مبارکہ صاحبہ

ایامِ فراق

فرقت یار میں کس طرح سے یہ دن گذرے
کتنی مشکل سے یہ ایام ہیں گن گن گذرے

کون کہتا ہے کہ گزرے ہیں طمانیت سے
رات بھر جاگتے خوں روتے روتے گذرے

حال جو اپنا ہے کافر کا نہ ہو محشر میں
ہم پہ گزری ہے قیامت بھی مگر بن گذرے

کاش ہو جائے دُعائے دلِ مضطر قبول
جیسا ظاہر ہے مرا ویسا ہی باطن گذرے

گذرے ہیں شامتِ اعمال سے جو جو صدمات
ہم نے چاہا تھا کہ ٹل جائیں و لیکن گذرے

ہوئیں گم تاب ندارد نہیں حسرت کوئی
موت اک باقی ہے اب دیکھیے کس دن گذرے

محترمہ سنجیدہ ثروت صاحبہ شاہجہانپوری

نمونہ کلام

ہمارا خلیفہ

ہمیں جان و دل سے ہے پیارا خلیفہ — مبارک ہو ہم کو ہمارا خلیفہ
وہ ابنِ خلیفہ مسیحا کا پوتا — وہی ہاں وہی ہے ہمارا خلیفہ
خدایا خضر جیسی وہ عمر پائے — ہو موسیٰ سا عالم ہمارا خلیفہ
زمانے سے افضل زمانے سے اعلیٰ — ہمارا خلیفہ، ہمارا خلیفہ

دعا ہے یہی ثروت بے نوا کی
بڑی عمر پائے ہمارا خلیفہ

محترمہ سعیدہ بیگم صاحبہ

اہلیہ جناب مولانا شمس مرحوم

یادِ رفتگاں

دن گزر جاتا ہے میرا سوزشِ آلام میں — آنسوؤں کے موتیوں کو رولتی ہوں رات بھر
کس لئے یہ تلخیاں، یہ رنج ہیں میرے لئے — اور پھر خاموش ہو جاتی ہوں یہ سب سوچ کر

موت کی ہنگامہ آرائی سے بچ سکتا ہے کون
گور کی بے درد تنہائی سے بچ سکتا ہے کون

ابتدا سے زندگی کا بس یہی معمول ہے
چار دن کی زندگی اور پھر لحد کی دھول ہے

آپ کو بھی اس سفر پہ لے گیا میرا خدا
میں اگر شکوہ کروں تو یہ بھی میری بھول ہے

زندگی کردار ہے کردار تو فانی نہیں
جو شگفتہ ہی رہے ہر دم یہی وہ پھول ہے

آپ کے کردار کی عظمت کو بھولیں ہم کبھی
یہ ہماری ہی نہیں انسانیت کی بھول ہے

سچ نہیں گر ہم تو زندہ ہیں فقط اس کے لئے
آپ کی اقدار کی یادوں میں دل مشغول ہے

میرے سورج[1] کی شعاعیں پھولتی پھلتی رہیں
رحمتوں اور برکتوں کی گود میں پلتی رہیں

[1] مراد حضرت مولانا شمس مرحوم

محترمہ امۃ الحفیظ شمیم صاحبہ

اچھوت اقوام کی حالتِ زار

کائناتِ دہر پر یکساں ہے سورج کی چمک
کوہ و صحرا بحر و بر اور شرق سے لے کر غرب تک

مہرِ عالمتاب ضو افگندہ رہتا ہے مدام
کرتا ہے خورد و کلاں کو یہ ہمیشہ شاد کام

آسماں کا سائباں قدرت نے سب کو دے دیا
یہ زمیں کا فرش بھی سب کے لئے قائم کیا

مالکِ فطرت نے سب اسباب پیدا کر دیئے
اور سازِ زندگی میں سارے نغمے بھر دیئے

آہ شودر! تو مگر ہر عیش سے محروم ہے
تیری ہستی ہی فقط ہر دور میں مغموم ہے

تو بھی انساں ہے اور انسانوں کا سا رکھتا ہے دل
اُف تری تقدیر میں پھر کیوں ہے رہنا منفعل

صبحِ سیمیں کے حسیں جلوے تڑپتے ہیں یہاں
ارتقا کے نور میں ڈوبا ہے پھر ہندوستاں

ساغرِ رنگیں نظر آتا ہے جامِ زندگی
اور ہے ہر چیز والا شاد کامِ زندگی

ہائے شودر تو مگر وقفِ غم و آلام ہے
زندگی تیری نشانِ ہستیِ ناکام ہے

تیرا پیکر ہے سراپا ہم و غم کی داستاں
سر زمینِ ہند میں تیرے لئے خوشیاں کہاں

تیرے ان حالات سے میرا پھٹا جاتا ہے دل
میں ہی کیا ہر اہلِ حق ہے دل میں مشغول

تیری جانِ ناتواں اُف ہر گھڑی غمگین ہے
تجھ پہ اُونچی ذات کا پنجہ بہت سنگین ہے

اُس کو اپنے عیش میں مطلق نہیں تیرا خیال
اور تری تکلیف سے اُس کو نہیں کوئی ملال

تیری پامالی سے دل میں ہو رہے ہیں شاد شاد
عیش میں انسانیت کی اُن کو کب آتی ہے یاد

اپنی راحت کے لئے درماندہ تجھ کو یوں کیا
نام رکھا کا تیرا شودر حسرتوں کا خون کیا

آہ اے مظلوم تیرے غم میں میں سیماب ہوں
تیری رفعت دیکھنے کے واسطے بیتاب ہوں

تجھ کو میں امداد دینے کے لئے تیار ہوں
اُونچی جاتی* کے میں ان افعال سے بیزار ہوں

شاکرہ محترمہ شاکرہ لطیف الرحمٰن صاحب لکھنوی

آپ ۱۹۱۹ء میں شہر لکھنو محلہ بشیر الدولہ گنج المعروف بشیرت گنج میں پیدا ہوئیں۔ آپ پیدائشی احمدی ہیں۔ آپ کے والد ماجد صوبیدار ڈاکٹر لعل محمد صاحب فوج میں ملازم تھے لیکن انہوں نے اپنے بڑے صاحبزادے کے ولایت چلے جانے کے بعد اہل خانہ کی نگرانی کے خیال سے قبل از وقت ملازمت سے سبکدوشی حاصل کر لی تھی۔ شاکرہ صاحبہ سے بڑی چار بہنیں اور ان سے بڑے دو بھائی تھے۔ آپ کی چاروں بہنیں اور ایک بھائی اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ اور ایک بھائی شیخ محمود الحسن صاحب ریٹائرڈ آئی سی ایس ستارہ پاکستان ہیں۔

تعلیم

آپ نے محلہ نشاط گنج لکھنو کے مسلم گرلز انٹرمیڈیٹ کالج (جو بعد میں ڈگری کالج ہو کر کرامت حسین کالج کہلایا) سے میٹرک کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔ اسی کالج کے ملحقہ اسکول میں شاکرہ صاحبہ اور آپ کی تین بہنیں بھی اولاً داخل ہو کر زیر تعلیم رہیں۔ آپ نے مڈل اور میٹرک کے امتحانات میں وظیفہ حاصل کیا۔ آپ زمانہ طالب علمی میں ایک بہت ذہین طالبہ رہی ہیں۔ اسکول کے ماہوار، سہ ماہی اور سالانہ امتحانات میں ہمیشہ پہلی پوزیشن لینے میں کامیاب رہیں۔ آپ کی ذات آپ کی ہم جماعت طالبات میں مقبول بھی تھی اور محسود بھی۔ آپ کے تمام انعامات کا ذخیرہ تقسیم ملک کے وقت قادیان ہی میں رہ گیا۔ لکھنو کے جس اسکول اور کالج میں آپ نے تعلیم پائی وہ ایک ایسا ادارہ تھا جہاں یوروپین استانیاں اور لیکچرر تعلیم دیتی تھیں۔ اردو فارسی اور دینیات کے مضامین مسلمان استانیاں پڑھاتی تھیں۔ معیار تعلیم بہت بلند تھا۔ نظم و نسق بہت اعلیٰ اور مثالی

تھا۔ پرنسپل ہمیشہ انگریز ہوا کرتی تھی لیکن اس کے باوجود اسلامی شعار یعنی پردہ اور نماز و روزہ کی سخت پابندی تھی۔ آمد و رفت کے لئے کالج کی اپنی بسیں تھیں۔ بورڈنگ ہاؤس کا انتظام بھی معیاری تھا۔ شاکرہ صاحبہ ایک سال بورڈنگ میں بھی رہیں۔ ذریعہ تعلیم انگریزی تھا۔ یہاں تک کہ نویں دسویں جماعت میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی کتاب TEACHING OF ISLAM پڑھائی جاتی تھی۔ اسکول کے اوقات میں تمام بات چیت انگریزی زبان میں ہوتی تھی۔ یہ اسکول اور کالج گورنمنٹ سے منظور شدہ تھا۔ اس کے بانی کرامت حسین مرحوم تھے۔ کالج کو مخلص اور معزز مسلمانوں کا ایک بورڈ چلاتا تھا۔ اسکول میں بدنی سزا ممنوع تھی۔ لکھنے کی یا مطالعہ کی سزا ملتی تھی۔ شاکرہ صاحبہ نے دینیات پڑھنے اور سمجھنے کے شوق میں فارسی زبان بھی حاصل کی اور فزیالوجی اس لئے منتخب کی کہ اپنے والد ماجد کی طرح ڈاکٹر بن جائیں۔ لیکن المیہ یہ ہوا کہ اسی دوران ان کے والد صاحب لکھنؤ سے ترک سکونت کر کے قادیان آگئے جہاں کوئی کالج نہ تھا۔ آپ کو ڈاکٹر بننے کی حسرت ہی رہی۔ اسی دوران ایف اے اور بی اے کا کورس بھی پڑھا لیکن امتحان میں بیٹھنے کی نوبت نہ آئی

آپ کو بچپن ہی سے مطالعہ کا شوق تھا۔ ابتداء میں اسکول کی لائبریری سے کتابیں حاصل ہوتی رہیں۔ بعد ازاں گھر میں بڑے بھائی بہنوں کی کتابیں زیرِ مطالعہ رہیں۔ مقدمہ شعر و شاعری اتنی بار پڑھا کہ ازبر ہو گیا۔ قصہ چہار درویش، فسانۂ عجائب اور آبِ حیات وغیرہ کتابیں بھی بصد شوق زیرِ مطالعہ رہیں۔ علاوہ ازیں اُن کے والد صاحب نے گھر میں سلسلہ احمدیہ کے لٹریچر اور مذہبی کتابوں کی لائبریری قائم کی ہوئی تھی۔ اگر دوپہر کو کوئی سہیلی کھیلنے کے لئے نہ ملتی تو اکثر مردانہ مکان میں جا کر والد صاحب کی لائبریری سے استفادہ کرتیں۔ صحیح بخاری کی کئی جلدوں کو آپ نے اس طرح مطالعہ کیا کہ اکثر احادیث مع ترجمہ یاد ہو گئیں۔ قرآن شریف کی مختلف سورتیں اور بعض مقامات حفظ کئے۔ باقاعدہ ترجمہ قرآن انھوں نے اپنے شوہر لطف الرحمٰن صاحب سے پڑھا۔

قادیان میں آپ حضرت مصلح موعود کے درسِ قرآن کے دوسرے دور میں شامل ہوتی رہیں جس کے نتیجہ میں فہمِ قرآن کی دولت آپ کو نصیب ہوئی۔ آپ کے والد ماجد تعطیلات میں احمدیت کا لٹریچر سبقاً سبقاً پڑھاتے تھے۔ متنازعہ مسائل کے حوالہ جات قرآن سے نکال کر بتاتے تھے۔ ایک غلطی کا ازالہ

اور ازالہ اوہام تھوڑا تھوڑا کر کے سب بہنوں کو پڑھایا۔ تعطیلات کے ختم ہونے پر امتحان لیتے اور انعامات سے نوازتے۔ دینی مضامین تحریر کرتے، مشق بھی کرواتے تھے۔ اسلام اور احمدیت کی تعلیم سے بہت کچھ روشناس کرا دیا۔

والد صاحب کا ذوق سخن اور شعر گوئی

شاکرہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ میرے والد صاحب کو شعر و سخن کا شوق کب سے اور کس طرح شروع ہوا یہ تو مجھے معلوم نہیں لیکن خود ان کے والد صاحب کا قول ہے کہ اُن کی نظمیں "الفضل" اور سلسلہ کے دوسرے اخبارات میں شائع ہوتی رہیں لیکن عدیم الفرصتی کی وجہ سے یہ سلسلہ زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا۔ آپ طویل نظمیں ٹریکٹ کی صورت میں چھپوا کر لکھنؤ اور قرب و جوار کے دوسرے شہروں میں تقسیم کرواتے تھے۔ ایک منظوم ٹریکٹ جس میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی چند پیشگوئیاں درج تھیں اور ایک منظوم "نوحۂ مولوی" کے عنوان سے چھپوا کر تقسیم کرایا۔

گھر کا ماحول

شاکرہ صاحبہ کے گھر کا ماحول کٹر مذہبی اور علمی تھا۔ ان کے والد صاحب یا تو تبلیغ کا چرچا رکھتے تھے یا تعلیم و تعلم کا۔ سینما، تھیٹر، گراموفون وغیرہ کا گھر میں کوئی ذکر نہ تھا۔ ان کے چچا جان نے حضرت مصلح موعود کی نظم "نونہالان جماعت ....." فریم کرا کر بیٹھک میں آویزاں کر دی تھی اس کو سب بچے یاد کرتے رہتے تھے۔ شاکرہ صاحبہ کی نظم "عجب تو زیست در جان محمد" کے چند اشعار شاہد منصور صاحب کو جو اس وقت بچے تھے یاد کرائے تھے۔ شاہد صاحب آج کل کراچی میں ہیں ان کا شمار خوش گو شعراء میں ہوتا ہے۔

شاعری کی طرف میلان

شاعری کی طرف میلان کی اصل وجہ والد صاحب کی حوصلہ افزائی تھی جس نے آگے چل کر آپ

کو شاعرات کی صف اول میں لا کھڑا کیا ۔ آپ کے زمانہ طالب علمی میں انگریزی نظم کی طرف بھی توجہ کی اور بعض منظومات تو بہت ہی اعلیٰ پایہ کی ہیں۔ آپ نے فارسی میں بھی مشق سخن کی ہے۔ آپ کا تخلص مضروب تھا۔

مشورہ سخن

آپ نے اپنے والد صاحب اور بڑے بھائی سے مشورہ سخن عرصہ تک جاری رکھا اور یہی دونوں ہستیاں فن شعر میں آپ کے اُستاد کہلانے کی مستحق ہیں۔ اولاً آپ مصباح میں اپنی نظمیں بھیجتی رہیں اور مولوی محمد یعقوب صاحب طاہر ان کو جرائد کالموں میں شائع کرتے رہے۔ بعض منظومات حسن رہتاسی مرحوم کو بھی دکھائیں ۔

بعض دیگر خاندانی حالات

آپ کی شادی لطیف الرحمٰن سے ہوئی جو حضرت الرحمٰن صاحب کے صاحبزادے ہیں۔ شیخ صاحب کو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے مریدان باصفا میں شمولیت کا شرف حاصل ہے۔ ان کے والد ماجد حضرت میاں حبیب الرحمٰن بھی اسی شرف کے حامل تھے۔ شاکرہ صاحبہ کے شوہر لطیف الرحمٰن صاحب کے نانا حضرت منشی ظفر احمد صاحب تھے۔ شادی کے بعد شاکرہ صاحبہ کی خوش دامن نے ان کو "سلطان دلہن" کا خطاب دیا تھا۔ ان کے شوہر لطیف الرحمٰن صاحب نے لاہور سے بی اے اور ایس۔ اے۔ وی پاس کیا تھا لیکن ملازمت گورنمنٹ کے دیگر دفاتر میں کرتے رہے۔ آپ شادی کے بعد جس ماحول سے دوچار ہوئیں وہ زیادہ تعلیمی نہ تھا۔ خاندانی روایات حادی تھیں۔ لڑکیوں کا اسکولوں میں انگریزی کی تعلیم پانا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ تمدنی اور لسانی فرق بھی موجود تھا لیکن شاکرہ صاحبہ نے اول دن سے اس ماحول کو اپنانے کی کوشش کی جس میں وہ بہرحال کامیاب رہیں ؎

تجھے اے جگر مبارک یہ شکست فاتحانہ

آپ کو دینی و دنیوی معاملات میں اپنے محترم شوہر کا بھرپور تعاون حاصل رہا۔ وہ شاعری کو پسند کو پسند کرتے اور شعر گوئی کو بُرا نہیں سمجھتے تھے۔

آپ کے پسندیدہ شاعر

شاکرہ صاحبہ کو "درثمین" اور "کلام محمود" کے اشعار زبانی یاد تھے اور سب سے زیادہ وہ انہی بزرگانِ دین کے کلام سے متاثر ہیں۔ علاوہ ازیں حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نوراللہ مرقدہٗ اور حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ کے کلام بلاغت نظام نے بھی آپ کو حد درجہ متاثر کیا۔ محترم شیخ محمد احمد صاحب مظہر کے کلام کی بھی آپ مداح ہیں۔

آپ کے مشاغل

خانہ داری، قسما قسم کے اچار، چٹنیاں، مربہ جات اور حلوے وغیرہ تیار کرنا۔ ہومیو پیتھک علاج خود اپنے اوپر آزمانا اور بطورِ خدمت خلق دوسروں کو تجویز کرنا۔ اس کے لٹریچر میں دلچسپی لینا۔ دینی و دنیوی کتب اور رسائل و اخبار کا مطالعہ، باغبانی۔ لیکن سب سے زیادہ شغف آپ کو شعبہ ناصرات الاحمدیہ سے ہے۔ آپ کے بقول ہر چند کہ دینی خدمت کی توفیق مشاغل میں داخل نہیں مگر انہیں سب سے زیادہ دلچسپی اسی شعبہ سے ہے۔

تقسیم برصغیر کے بعد ۱۹۸۱ء تک آپ لاہور میں رہیں اور وہاں محلہ دھرم پورہ (مصطفیٰ آباد) میں بطور سیکرٹری ناصرات لاہور خدمات کی توفیق ملی۔ بعد ازاں مرکز میں سیکرٹری ناصرات الاحمدیہ کے عہدہ پر خدمات بجالانے کی توفیق پاتی رہیں۔

نمونہ کلام

زندگی کے رنگ ڈھنگ میں کھو گیا وہ دلربا
عہد طفلی کا وہ روٹھا مہمان یاد آگیا

گود میں جس کی پلے سایہ تلے جس کے رہے
وہ زمین یاد آگئی۔ وہ آسمان یاد آگیا

حالِ دل کہہ دیا ارے ناداں
محفلِ ارض میں یوں گویا

وہ تو رسماً ہی مسکرائے تھے
بن بلائے ہوئے ہی آئے تھے

چھوڑا نہ دل نے ساتھ کبھی صبر کا مگر
کشتی کو بحرِ غم میں ڈبونا پڑا مجھے

خود صبر کر گیا ہے کنارا کبھی کبھی
غرقاب ہو گیا جو کنارا کبھی کبھی

سورج تو نہیں ہاں دل میرا ہے شام و سحر کا پیمانہ
ڈوبے تو اندھیرا ہوتا ہے ابھرے تو اجالا ہوتا ہے

ابھی سجدے کئے جا تو حریمِ عشق کے اندر
ترا عشاق میں ہوگا شمار آہستہ آہستہ

کشمکش میں رنج و راحت کی اگر دل بچ رہے
گر نہ ہو عشقِ خدا، عشقِ رسول اور عشقِ دیں

پھر حیاتِ نو، حیاتِ جاوداں ہے زندگی
پھر تو یا حسرت ہے یا خوابِ گراں ہے زندگی

تنہائی کے ساتھ چلی میں مڑ کے نہ دیکھوں پیچھے
میرے ارماں بھولے بھالے بھاگے آئیں پیچھے

آپ نے ہندی زبان میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

رین اندھیری موج گھنیری بادل گھر گھر آئے
ٹھہر نہ پائے نیا موری ساحل سے ٹکرائے

میرے آگے چکر کھائے دنیا کا یہ گیند
اے ری سکھی میں کیسے روکوں ہاتھ نہ مورے آئے

سانچ کھوں پہیلی سی لاگے تو نے عمر گنوائی
پتیم جس رستے سے آئے تو اُس سے کترائے

شاکرہ صاحبہ نے حمد، نعت، غزل، سہرا، رخصتی، لوری، ترانہ تمام اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے اور اپنی جودتِ طبع کے جوہر دکھائے ہیں لیکن ابھی تک آپ کا کوئی مجموعۂ کلام شائع نہیں ہوا۔

غیر مقدمی نغمہ

وہ جس کے منتظر سب تھے وہ جانِ انتظار آیا
خوشا وقتے سوئے مرکز امام کامگار آیا

خدا نے جس کو جلوہ حسن کا ہر روز دکھلایا
وہ جنت سے کے نظروں میں لیے عز و وقار آیا

لی حسبِ "نافذ" کر سلطنت ابنِ مسیحا سے
تو دے کر سب کو روحانی خزائن تاجدار آیا

سبق انسانیت کا دے کر سب اقوام عالم کو
وطن کی سمت واپس وہ ہمارا غمگسار آیا

اُڑا کر پرچم اسلام دنیا کے کناروں تک
کچلتا روندتا "تثلیث" کو وہ شہسوار آیا

وہ جس سے سر پہ آوروں نے برکت لی ہے جھک جھک کے
اُنھیں دے کر سکونِ قلب وہ عالی وقار آیا

پلا کر تشنہ روحوں کو بقاؤ وصل کا شربت
چھڑا کر غم کے پھندوں سے امام رستگار آیا

جو افریقہ کے تپتے ریگزاروں تک بھی جا پہنچا
وہاں کے رہنے والوں کی بھی قسمت کو سنوار آیا

ترستے رہ گئے ہیں تاج ہفت اقلیم کے لیکن
ہمارا تھا ہمارے پاس وہ دُرِّ شاہوار آیا

ذوق نغمگی

زمین و آسمان ہر ایک میں کیا قدرت عیاں رکھ دی
فنا تو نے یہاں رکھ دی، بقا تو نے وہاں رکھ دی

دیا بلبل کو ذوق نغمگی اور دولتِ اُلفت
تو گُل کی تازگی میں اک ادائے دلستاں رکھ دی

نہیں ممکن رسائی ہو مری یارِ یگانہ تک
جبین تیرے ہی اُوپر میں نے سنگِ آستاں رکھ دی

بہت برتا تغافل ہم سے حیرت ہے یہی آخر
ہماری یاد تم نے کس جگہ اے مہرباں رکھ دی

ترقی خوب آزادی میں کی مغرب کی بیٹی نے
چھپا کر شرم اور غیرت خدا جانے کہاں رکھ دی
کلامِ شاکرہ سے وجد میں آتی ہے ہر محفل
دہن میں اُس کے خالق نے زبان جادو بیاں رکھ دی

محترمہ بیگم شمیمہ صاحبہ بیگم ڈاکٹر گوہرالدین مرحوم

نمونہ کلام

خوش آمدی

اے ہمارے پیشوا خوش آمدی — اے امام اتقیاء خوش آمدی
رونقِ بستان احمد مرحبا — زینتِ دارالشفا خوش آمدی
تیری آمد لائی پیغام سرور — مرحبا صلِّ علیٰ خوش آمدی
خادمِ دینِ محمدِ مصطفےٰ — جان و دل تجھ پر فدا خوش آمدی

عمر و صحت روز افزوں ہو تیری
ہے شمیمہ کی دعا خوش آمدی

شاکرہ۔ محترمہ مطلوبہ خاتون صاحبہ

قادیان کی یاد میں

دل مرا مغموم ہے اے قادیاں تیرے بغیر
نیم بسمل کی طرح ہوں نیم جاں تیرے بغیر

دل میں تیری یاد نے برپا کیا ہے ایک حشر
ہر خوشی دل پہ ہے اک رنج گراں تیرے بغیر

تیری فرقت میں مری جاں اس قدر غمناک ہے
ساری خوشیاں مٹ گئی ہیں میری جاں تیرے بغیر

قادیاں کی پاک بستی میں مگن تھا میرا دل
اب تو دل گھبرا گیا ہے مہرباں تیرے بغیر

دیدۂ و دل دید سے تیری منور تھے مگر
سر بسر تاریک ہے سارا جہاں تیرے بغیر

چھوٹنا تیرا ہے کیا سارا زمانہ چھٹ گیا
پھر رہے ہیں بے وطن بے خانماں تیرے بغیر

شاکرہ شکر خدا ہر حال میں واجب تو ہے
پس زبان شکر بھی ہے بے زباں تیرے بغیر

محترمہ صولت کیفی صاحبہ

نخل آرزو

کبھی تو ہوگا مرا نخل آرزو سرسبز
مرے خدا کو مرا بھی خیال آئے گا

کبھی تو جان تمنا بھی روبرو ہوں گے
پڑے ہوئے ہیں جو بے جان انھیں اٹھائے گا

یہ دور رنج و غم و درد جانگسل ہی سہی
پھر اس کے بعد مسرت کا دور آئے گا

وہ بڑھ کے تھام ہی لیں گے اپنی صولت کو
کوئی جو دشمن جاں پھر اُسے ستائے گا

محترمہ صفیہ سحر صاحبہ

جفاؤں کا دھواں

گلشن میں بھی صحرا کا سماں لگنے لگا ہے • ہر نغمہ مجھے آہ و فغاں لگنے لگا ہے
کچھ اتنی زمانے کی لگیں ٹھوکریں دل پر • اب اس پہ بھی پتھر کا گماں ہونے لگا ہے
ہر سمت ہیں بکھرے ہوئے پتھر کے ہوئے • یہ شہر بھی اب شہر بتاں لگنے لگا ہے

لو آنکھ سے آنسو بھی نکل آئے صفیہ
آنکھوں میں جفاؤں کا دھواں لگنے لگا ہے

سیدہ طیبہ سروش

نام سیدہ طیبہ، تخلص سروش ضلع فیصل آباد کے ایک دور افتادہ گاؤں میں پیدا ہوئیں۔
ابتدائی تعلیم گاؤں ہی میں پائی۔ آپ کے والد صاحب کو اردو، عربی اور فارسی علوم سے بہت دلچسپی ہے
اور وہ صاحب ذوق ہیں اس لئے سیدہ سروش کو ذوق ادب ورثہ میں ملا ہے۔ ابتدائی تعلیم کے
دوران غالب اور اقبال کا کلام زیر مطالعہ آیا تو شعر ان کی زندگی کا حصہ بن گیا۔ آپ نے تیرہ سال کی عمر
میں پہلی غزل کہی۔ والد محترم کی صحبت کے علاوہ گاؤں میں علمی و ادبی ماحول موجود نہ تھا اس لئے جذبہ شعر و
شاعری کچھ زیادہ آگے نہ بڑھ سکا۔ آپ جب اعلیٰ تعلیم کے سلسلے میں لاہور آئیں تو یہاں کے علمی اور
ادبی ماحول نے ان کی شعری صلاحیتوں کو پوری شدت سے ابھارا اور آپ خوب شعر کہنے لگیں۔
آپ ہر صنف شاعری میں مشق سخن کرتی ہیں اور ہر صنف میں کامیاب ہیں۔ منظر کشی، ماحول کی
عکاسی، فاقہ کشی، غریب طبقہ کی زندگی پر تاسف و بے تابی آپ کی نظم کے خصائص ہیں۔
لاہور آنے کے بعد جناب عبدالرشید تبسم ایم اے کی رہنمائی اور توجہ نے ان کے ذوق شعری
کو دوبارہ زندگی دی اور ان کی شاعری ایک نئے دور میں داخل ہو گئی اور ان کا جوہر شاعری اور بھی زیادہ
داخل ہو گیا۔
شعر کہنے کے علاوہ آپ افسانے بھی لکھتی ہیں۔ افسانوں میں فضا کی منظر کشی اور کردار کے ارتقاء
پر زیادہ زور دیتی ہیں۔ آپ کے کلام کی طرح بے شمار افسانے بھی رسائل میں شائع ہو کر قبولیت عام
کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ دنیائے شعر و ادب میں آپ کا مستقبل بہت روشن ہے۔ اردو، فارسی
اور عربی پر بڑا عبور ہے۔

نمونۂ کلام

ہر چند کی خرد نے گریباں کی احتیاط
پر کر سکی نہ غم سے دل و جاں کی احتیاط

اہلِ جنوں پہ تنگ ہے یہ وسعتِ زمیں
وحشت وہ کیا ہو جس کو بیاباں کی احتیاط

ہے آمدِ بہار جو اہلِ قفس سے پھر
صیاد کو ہے روزنِ زنداں کی احتیاط

کرتی ہے اُس سے ناز مگر کھولتی نہیں
ہے کیا صبا کو زلفِ پریشاں کی احتیاط

ہے برقرار نورِ وفا دل سے اہلِ دل
لازم ہے اس چراغِ فروزاں کی احتیاط

وہ جو حیا سے نظریں جھکائے ہیں اس میں کچھ
شامل ہے اپنے دشنۂ مژگاں کی احتیاط

جاتے کو اس کے سامنے جائیں مگر سروش
ہوگی نہ دل سے جذبۂ پنہاں کی احتیاط

غوغائے کفر سے نہیں دبتی نوائے حق
گونجی ہے آسماں سے زمیں تک ندائے حق

سر ہے وہی جو کہ نوک پر بلند ہو
جان وہ جو سب سے ہو گئی پہلے ادائے حق

جس سرزمیں پہ خونِ حمیت گرے وہاں
آباد کوئی ہو نہیں سکتا سوائے حق

جو خود کو فخرِ قیصر و جم جانتے تھے آج
تھرا رہے ہیں سن کے دُور ہر سو ندائے حق

وہ صبحِ زندگی ہو کہ شامِ اجل ہو دوست
راضی ہیں ہم اُسی میں ہے جس میں رضائے حق

بے پردہ ہم کو کر نہیں سکتا کبھی عدو
سر پہ ہمارے سایہ فگن ہے ردائے حق

کس درجہ خوش نصیب تھے وہ لوگ اے سروش
ہو کر شہید ہو گئے جو آشنائے حق

راہیں جدا جدا ہیں تو منزل الگ الگ
دُنیا میں ہر کسی کا ہے حاصل الگ الگ

اے دوست لاجواب ہے ہر زخم دیکھنا
تاثیرِ زخمِ خنجرِ قاتل الگ الگ

محروم التفات تھے اک ہم ہی بزم میں — یوں تو رہے ہر اک پہ وہ مائل الگ الگ
شیخ و فقیہہ و محتسب اکثر بوقت سحر — ہم میکشوں میں ہوتے ہیں شامل الگ الگ

پھر کوئی گل کھلا ہے گلستاں میں اے سروش
ہیں نوحہ خواں قفس میں عنادل الگ الگ

یوں جو افسانے گل و بلبل کے دہراتا ہے دل — فصل گل آئی ہے پھر زنداں میں گھبراتا ہے دل
زرد ہوئی شمع کی لو دیکھئے وقت سحر — جس طرح بادِ سموم غم میں تھراتا ہے دل
آئینے کو ملتی ہے زنگار سے جلوہ گری — جس طرح غم کی کثافت سے جلا پاتا ہے دل
باز کیوں رکھتے ہو صحرا نوردی سے اسے — جب کوئی سودا نہ ہو بیمار ہو جاتا ہے دل
آہ میں اُس دلبستاں کی دلبری کو کیا کہوں — جب دھڑکتا ہے اُسی کا نام دہراتا ہے دل
چارہ کر اُس کے بُلانے کی کوئی تدبیر کر — ڈوبتی جاتی ہیں نبضیں بیٹھا جاتا ہے دل

کیا کہوں میں اُس کی تنہائی کا عالم اے سروش
اپنی دھڑکن کی صدا بھی سن کے گھبراتا ہے دل

اپنے دل کو عبث فگار کیا — ہائے کیوں عشق اختیار کیا
بوئے گل ساتھ لاکے تونے صبا — ہم اسیروں کو بے قرار کیا
تونے ہر بار عہد شکنی کی — ہم نے ہر بار اعتبار کیا
زخم دل کے طفیل زنداں میں — ہم نے نظارہ بہار کیا

جذبۂ عشق ہے کہ جس نے سروش
ہم کو مانوسِ رسم دار کیا

درد پیہم ہی شفا ہو جیسے ۔۔۔ اک یہی دل کی دوا ہو جیسے
اُن کی ہر بات گلہ ہو جیسے ۔۔۔ میرا شکوہ بھی دعا ہو جیسے
دل کو یوں درد ہوا ہے محبوب ۔۔۔ یہ بھی اک تیری ادا ہو جیسے
پر فشاں نکلا ہے پیکاں ان کا ۔۔۔ تنگیٔ دل کا گلہ ہو جیسے
یادِ خدا ہے کس کو ۔۔۔ ناخدا یوں ہے خدا ہو جیسے
بڑھ گئیں وسعتیں روز و شب کی ۔۔۔ زندگی پا بہ حنا ہو جیسے

رخصتِ صبحِ مسرت بھی سروشؔ
آمدِ شام بلا ہو جیسے

حُسن جب پیشِ نظر ہو تو غزل ہوتی ہے ۔۔۔ اُن کی قربت میں بسر ہو تو غزل ہوتی ہے
سامنے آکے مقابل سے چُرا کر پہلو ۔۔۔ اُن کا شرما کے گزر ہو تو غزل ہوتی ہے
بعد مدت کے کھُلا راز کہ ہر دم دل میں ۔۔۔ ضو فشاں غم کا شرر ہو تو غزل ہوتی ہے
کسی کافر کی بس اک جنبشِ مژگاں سے ندیم ۔۔۔ زندگی زیر و زبر ہو تو غزل ہوتی ہے
یہ حقیقت ہے بُرا مان نہ اے جانِ وفا ۔۔۔ میرا زانو ترا سر ہو تو غزل ہوتی ہے

اجنبی راہوں سے ہم دونوں چلیں اور سروشؔ
ایک ہی سمت سفر ہو تو غزل ہوتی ہے

قطعات

غالباً دل میں چشمِ ساقی کا ۔۔۔ تیر پیوست ہو کے ٹوٹ گیا
کس نے شوخی سے جھوم کر دیکھا ۔۔۔ آئینہ مست ہو کے ٹوٹ گیا

تیرا عکسِ جمال کیا کہیے ۔۔۔ مسکراتا ہوا سویرا ہے
میرا دل ہے مزارِ حسرت کا ۔۔۔ جس کے چاروں طرف اندھیرا ہے

اندھیرے

یہ پائلوں کی بکھیری ہیں کس نے جھنکاریں
مرے خیال کی ویران شاہراہوں میں

یہ کس نے لی ہے شبِ غم میں شوخ انگڑائی
لجا کے ڈوب گیا چاند کس کی باہوں میں

ترے جمال کے جلوے ترے وصال کے دن
سمٹ کے لمحوں میں پھر کھو گئے سویروں میں

شب وفا سے رہے تیرے تذکرے برسوں
شب وفا سے چلی بات پھر سویروں میں

مگر یہ حال ہے اب نا اُمیدی دل کا
کلام شب سے نہ ہے گفتگو سویروں سے

اُجالے آئے گھڑی بھر کو ہو گئے رخصت
کٹی ہے خوب تری یاد کی اندھیروں سے

عرشیؔ - محترمہ ارشاد عرشی ملک صاحبہ

آپ نے اسکول اور کالج کے زمانے سے ہی تک بندی شروع کر دی تھی۔ کالج کے زمانے میں بین الکلیاتی مشاعروں میں بہت حصہ لیا۔ طرحی مصرعوں پر غزلیں لکھیں اور بہت انعامات جیتے۔
آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے صحافت میں ایم اے کیا۔ آپ کے ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید صاحب نے " یونیورسٹی کی قاضی نذر الاسلام " کا خطاب دے رکھا تھا۔ اس زمانے میں آپ انقلابی شاعری کیا کرتی تھیں۔ اور آپ کا کلام فنون، نقوش، سیپ، اوراق، تخلیق نیرنگ خیال وغیرہ میں اکثر چھپا کرتا تھا۔
آپ کی شادی راحت نسیم ملک صاحب سے ہوئی جو پیشے کے لحاظ سے انکم ٹیکس کمشنر تھے لیکن ایک اچھے شاعر، دانشور اور ڈرامہ نگار تھے۔ شادی کے بعد لکھنا لکھانا چھوٹ گیا اور ایک عرصے تک آپ علمی اور ادبی حلقوں سے کثی رہیں اور پوری توجہ بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت پر دی۔
سن ۲۰۰۰ء سے اللہ تعالیٰ نے پھر شاعری کی طرف طبیعت راغب کی اور یہ تینوں مجموعے۔ "تیرے در کے فقیر ہیں مولا" "پل صراط پر ایک قدم" " فریاد درد " سن ۲۰۰۱ء سے ۲۰۰۵ء تک کی پیداوار ہیں۔ آپ نے اپنی زندگی کے بہت سے سال اپنی ہی تلاش میں گزارے ہیں جس کا اظہار آپ کے اس شعر سے ملتا ہے۔

سر کو سفید کر دیا، چہرہ سوال کر دیا
عرشی مری تلاش نے مجھ کو نڈھال کر دیا

یہ تینوں مجموعے اسی تلاش کا سفر ہیں۔

اس کے علاوہ بہت غزلیں اور نظمیں ادبی پرچوں میں شائع ہوتی رہیں لیکن مجموعے کی صورت میں شائع نہیں ہوئیں۔ اب آپ اُن ایام کی شاعری کو ایام جاہلیت کی شاعری ہی کہتی ہیں۔ آپ فرماتی ہیں کہ اُس زمانے میں میرا اللہ تعالیٰ سے تعارف نہیں ہوا تھا۔ اور جب تعارف ہوا تو پھر اتنے سالوں میں جو کچھ سوچا، بنایا اور لکھا تھا سب کو منہدم کرنا پڑا۔

جو لیسا رکھا تھا گھر زیر و زبر کرنا ہی تھا
عشق کی ٹھانی تو خود کو در بدر کرنا ہی تھا

اپنے ہاتھوں اپنی دیوار انا مسمار کی
بے ہنر برسوں رہے پھر کچھ ہُنر کرنا ہی تھا

کب لُبھا پاتی مرے دل کو وہ سطحی آب و تاب
مجھ کو گہرے پانیوں کا یہ سفر کرنا ہی تھا

گھپ اندھیرا چار جانب وہ مرا تنہا سفر
کام مشکل تھا بہت، عرشی مگر کرنا ہی تھا

آپ ان ایام جاہلیت کی شاعری کے بارے میں فرماتی ہیں کہ اب تو بس ندامت ہی باقی ہے کہ

روتے دھوتے گرتے پڑتے تیرے در تک آ پہنچے
برسوں پہلے جو کرنا تھا اتنی مدت بعد کیا

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے ان کے نام اپنے ایک خط میں ان کے کلام پر یوں تبصرہ فرمایا تھا۔

"بہت ہی پُر اثر کلام ہے اور بہت سے شعروں پر تو دل عش عش کر اُٹھا۔ نظموں کا انداز دوسرے شعراء سے نرالا ہے۔ اس کتاب سے مجھ پر یہ تأثر پڑتا ہے کہ کسی بُت کی بے وفائی نے آپ کو خدا دے دیا ہے۔ اللہ کی محبت میں گندھا ہوا کلام دل کی گہرائی سے نکلا ہے اور دل کی گہرائی پر اُترتا ہے۔"

نمونہ کلام

اس ہار سنگھار کو آگ لگے

ترے عشق میں سُدھ بُدھ کھو بیٹھوں جو چشم ہشیار کو آگ لگے
غارت ہوں یہ دھندے دُنیا کے اس کاروبار کو آگ لگے
بیکار عبادت عرشیؔ جی گر چاہ نہیں اخلاص نہیں
جو دل نہ پیا کا جیت سکے اس ہار سنگھار کو آگ لگے

نسخۂ کیمیا

سُرمہ ہے میری آنکھ کا مُرشد کی خاک پا
اکسیر ہے یہ نسخہ اسے تو بھی آزما
پہلے پہل تو آنکھ میں لگتا ہے یہ ذرا
کرتا ہے پھر یہ تیز بصارت بلاشبہ
عجز و فروتنی ہے ہر ایک درد کی دَوا
عرشیؔ جو آدمی کو بناتی ہے کیمیا

محترمہ عابدہ روشن صاحبہ

مذاکرہ زر و آہن

سنو مجھ سے تم ایک حکایت عجیب
ہوئی آہن و زر میں جنگ غریب
کہے سونا میں شاہ ہوں تو غلام
مناسب ہے کہ مجھ کو جھک کر سلام
ہے سب کو میری رتی رتی عزیز
ترا سیر اور من نہیں کوئی چیز

جواب آہن

خبردار "سونے" ذکر تو غرور
کہ دھوکہ ہوا ہے تجھے کچھ ضرور
تجھے کوٹتا ہوں میں شام و سحر
ہتھوڑا مرا اور تیرا ہے سر
جو چاہوں بناؤں میں زیور تیرا
میرے بن نہیں ہے گذارا تیرا
حفاظت کو تیری میں صندوق ہوں
لگے قفل ہوں، گاہے بندوق ہوں
تجوری میں محفوظ ہے چور سے
مری بات سُننا بڑے غور سے
جو ظاہر میں کمتر ہیں جوہر سے پُر
رہے یاد روشن تجھے بھی یہ گر

محترمہ فضل بیگم صاحبہ

بیوہ کی عید

عید آئی اور خوشی ہے چار سو پھیلی ہوئی
ہر کس و ناکس کے چہرے سے عیاں ہے تازگی

ہے کوئی کپڑے بدلتا اور نہاتا ہے کوئی
عید ملنے کے لئے یاروں سے جاتا ہے کوئی

ننھے بچے بن سنور کر پھرتے ہیں گلیوں میں سب
پر مرے معصوم اک کونے میں بیٹھے مضطرب

ماؤں اور بہنوں نے بچوں کو سنوارا شوق سے
اور سویاں ویں پکا کر کھاتے ہیں جو ذوق سے

عید پڑھنے جا رہے ہیں ہو کے سلے باغ باغ
ایک میں ہوں جس کا سینہ ہے غموں سے داغ داغ

نیند میٹھی سونے والے تجھ کو بھی ہے کچھ خبر
رو رہی ہوں دیر سے بیٹھی میں تیری قبر پر

آج دن ہے عید کا اُٹھ ساتھ میرے گھر کو چل
اور نہا دھو کر ذرا تو بھی نئے کپڑے بدل

مضطرب ہیں تیرے بچے راہ تکتے ہیں تری
ہو رہی ہے تیرے بن برباد اِن کی زندگی

کون دے عیدی انہیں اور سیر کو لے جائے کون
اور ان کے واسطے کپڑے نئے سلوائے کون

بھولے پن سے کہتے ہیں جب تک ابا آئیں گے
عید پڑھنے کے لئے ہم بھی نہ ہرگز جائیں گے

تیرے بن اے جانِ جاں حالت ہوئی ابتر مری
کٹ رہی ہے بے بسی بیچارگی میں زندگی

اپنی آمد سے منور کر سیہ خانہ مرا
بخش دے بہرِ خدا جو ہو گئی مجھ سے خطا

جو کدورت ہے ترے دل میں اسے اب دُور کر
رحم کیوں آتا نہیں میرے دلِ رنجور پر

مان جا او روٹھنے والے خدا کے واسطے
عرض سن میری محمد مصطفےٰ کے واسطے

بے خبر بچوں کی اور اس بیوۂ ناشاد کی
جان نکلنے کے قریب ہے خانماں برباد کی

التجاؤں کا دیا میری نہ کچھ تم نے جواب
بڑھ گیا ہے جس سے اے جاں اور میرا اضطراب

تم کو گر آنا نہیں منظور میرے پاس اب
مجھ کو ہی بلوا لو تا مٹ جائے یہ رنج و قلق۔

محترمہ فرخندہ اختر صاحبہ

مناجات بدرگاہِ قاضی الحاجات

نہ چاہت مال و دولت کی نہ ساماں بادشاہی کا
عطا کر میرے مولا مجھ کو جامہ پارسائی کا

نہ ہو مجھ سے خطا سرزد گناہوں سے بچا ہر دم
رہے سجدے میں پیشانی رہیں آنکھیں سدا پُرنم

محمد مصطفٰے پر جان و دل قربان کر جاؤں
مسیحائے محمد نے جو فرمایا بجا لاؤں

کہیں دنیا کی ظلمت میں نہ میرا دل بھٹک جائے
ترے نورِ مجسم سے ہمیشہ روشنی پائے

سیّد۔ سیّدہ فریحہ ظہیر

آپ کا نام سیّدہ فریحہ ظہور جو کہ شادی کے بعد سیدہ فریحہ ظہیر ہو گیا۔ آپ سیّد تخلص کرتی ہیں اور اپنے تخلص پر ناز کرتی ہیں۔ آپ زرعی ترقیاتی بینک پاکستان کے ڈپٹی ڈائریکٹر سیّد ظہور احمد شاہ صاحب مرحوم اور مشہور احمدی شاعرہ سیدہ منیرہ ظہور مرحومہ کی بیٹی ہیں۔

آپ ہومیوپیتھک ڈاکٹر ہیں اور مختلف جماعتوں میں خدمات بجا لانے کی سعادت حاصل کرتی رہی ہیں۔ آپ ۴ جولائی ۱۹۷۶ء کو گوجرانوالہ میں پیدا ہوئیں۔ آپ چھوٹی عمر سے ہی لکھنے کا شوق رکھتی تھیں۔ گیارہ برس کی عمر میں آپ نے پہلے مشاعرے میں شرکت کی اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ آپ کا کلام شروع سے ہی رسائل کی زینت بننے لگا۔ آپ نے کچھ عرصہ افسانہ نگاری بھی کی لیکن پھر اسے مصروفیات کی بناء پر عارضی طور پر ترک کر دیا۔ البتہ منظوم کلام باقاعدگی سے جماعتی رسائل کی زینت بنتا رہتا ہے۔ آپ صاحب طرز شاعرہ ہیں اور شاعری کی ہر صنف پر عبور رکھتی ہیں۔ آپ نے سات سال مختلف جماعتوں میں بطور نائب صدر لجنہ، سیکرٹری تعلیم، سیکرٹری تربیت اور سیکرٹری وقفِ نو کے طور پر خدمات انجام دیں۔ ۱۹۹۶ء میں آپ کی والدہ کی وفات ہوئی جس نے آپ کی زندگی کو مکمل بدل ڈالا اور شاعری کا رنگ بھی بدل کر رہ گیا۔

۲۳ مارچ ۱۹۹۷ء کو آپ کی شادی مربی سلسلہ ظہیر احمد باجوہ سے ہوئی اور اب آپ ایک مطمئن اور مصروف زندگی گزار رہی ہیں۔ آپ کی شاعری میں یاسیت اور موت کا رنگ پایا جاتا ہے۔ آپ نے اپنی زندگی میں ہی اپنی موت کے بارے میں بہت لکھا ہے اور آپ کا سفر طویل ہے منزل دور مگر حوصلہ جوان ہے اور یہ بھی آپ کا کہنا ہے کہ ؎

باقی باتیں چھوڑو سیّد باقی باتیں جھوٹی ہیں
ہم سے یہ پوچھو کہ تم بن کیسے عمر گزاری ہے

حمد

یہ درد کا کانٹا جو میرے دل میں چھپا ہے
مرہم ہے کوئی اِس کا تو بس میرا خدا ہے
اِک بار جو قدموں میں مجھے اپنے جگہ دے
سر پھر نہ اُٹھاؤں گا یہ تاعمر جُھکا ہے
یہ زندگی جینا کوئی مشکل نہیں لیکن
دُوری ہے جو تجھ سے تو بڑی سخت سزا ہے
رحمت تیری ڈھانپے ہے مجھے کپڑے کی مانند
اور تیری عبادت ہی میرے دل کی غذا ہے
اُس سے کوئی پردہ نہیں، کیا اُس سے چھپا ہے؟
وہ روح کے اندر بھی کہیں جھانک رہا ہے
خود ہاتھ سے اپنے میرا کردار سنوارا
میرا تو وجود اُس کے ہی سانچے میں ڈھلا ہے
اِس خوں میں گھُلی جاتی ہے قرآں کی حلاوت
فرماں تیرا روح میں یوں گونج رہا ہے

خلیفۃ المسیح الرابع حضرت مرزا طاہر احمد صاحب کے نام چند اشعار

کبھی کبھی جو زمانے کی دھوپ تیز ہوئی — تیرے دھیان کے سائے میں آ کے بیٹھ گئے
ہمیں جو چھت نہ میسر ہوئی تو چپکے سے — ہم آسمان کے سائے میں آ کے بیٹھ گئے
تمہارے بعد خدا کا حصار کافی تھا
اُسی امان کے سائے میں آ کے بیٹھ گئے

فہمیدہ۔ جناب ڈاکٹر فہمیدہ عظمت صاحبہ آف کراچی

فہمیدہ بنت چودھری عظمت اللہ ، جائے پیدائش کراچی۔ نام فہمیدہ عظمت تخلص فہمیدہ
آپ نے میٹرک تک تعلیم کراچی میں حاصل کی۔ وَن یونٹ کی تشکیل کے بعد پنجاب چلی گئیں اور فاطمہ
جناح میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس کیا اور ہاؤس جاب مکمل کرنے کے بعد جولائی ۱۹۶۵ء میں
حضرت مصلح موعود کی خواہش کے احترام میں آپ ربوہ تشریف لے آئیں اور اس وقت سے
اب تک فضل عمر ہسپتال میں بطور لیڈی ڈاکٹر خدمات انجام دے رہی ہیں۔

شاعری کی ابتدا اور اس کے محرکات

آپ کی شاعری آپ کے زمانہ طالب علمی سے شروع ہوئی اور اس کی محرک آپکی اُردو اور
فارسی کی استانیاں تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فہمیدہ صاحبہ کے اندر سخن سنجی کا مادہ وافر مقدار میں رکھا ہے
اسکول میں مختلف شعراء کے اشعار کی جو تشریحات آپ اپنی ذہانت اور جودت طبع سے کرتی تھیں
اُس سے آپ کی استانیاں بہت متاثر ہوتی تھیں اور انہیں یہ اندازہ لگانے میں کوئی وقت محسوس نہ
ہوئی کہ آپ کی جبلت میں شاعری کا عنصر موجود ہے اور آپ تھوڑی توجہ سے شاعری میں اپنا مقام
پیدا کر سکتی ہیں۔ آپ نے اپنی پہلی نظم اُردو کی استانی کو لکھ کر دکھائی انھوں نے حوصلہ افزائی فرمائی
لیکن اب اس نظم کا ایک بھی شعر فہمیدہ صاحبہ کو یاد نہیں۔ نویں جماعت سے ایف ایس سی تک
کا زمانہ بڑا مصروف گزرا۔ کبھی کبھی "المصلح" کراچی میں کوئی نظم آجاتی تھی۔ راجہ نذیر احمد ظفر (ربوہ) صاحب
سے آپ کو قلمی تعارف حاصل تھا اور آپ کی تخلیقات ان کی نظر اصلاح سے گزر کر اشاعت
پذیر ہوتی رہیں۔ لاہور میں آپ نے جناب ثاقب زیروی مُدیر "لاہور" سے بھی قلمی سعادت حاصل

کی۔ ثاقب صاحب نے بھی حوصلہ افزائی کی اور مشورہ دیا کہ مشق سخن جاری رہے لیکن اشاعت کے چکر میں نہ پڑیں وہ وقت انشاءاللہ آہستہ آہستہ چل کر خود ہی آپ کے پاس آئے گا۔

آپ پر ایک ایسا دور بھی آیا کہ اگر کوئی تخلیق طبیعت کو بھاتی تو محفوظ کر لی ورنہ ضائع کر دی۔ آپ کی پیشہ ورانہ مصروفیت بھی آپ کو موقعہ نہیں دیتی کہ سکون سے کچھ تحریر کر سکیں اور اپنے تخیلات کو نظم کا لباس مہیا کر سکیں۔ حضرت امام جماعت احمدیہ حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کی وفات کے چند روز بعد آپ نے "جدائی" اور "نوید" کے عنوان سے دو نظمیں کہیں جن میں جذبات کی عکاسی بدرجہ اتم موجود تھی۔ یہ منظومات آپ نے حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع کی خدمت میں بھجوا دیئے۔ حضور نے حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے ایک خط میں فہمیدہ صاحبہ کو اظہار خوشنودی سے نوازا اور دو نظمیں اپنے ریمارکس کے ساتھ "الفضل" کو بغرض اشاعت بھجوا دیں۔ حضور کے خط کا متن یہ ہے۔

عزیزہ مکرمہ ڈاکٹر فہمیدہ ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آنسوؤں کی لڑی میں پروئے ہوئے آپ کے دو خلوص کے پھولوں کے ہار ملے۔ اس سے بہتر تحفہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں تو بعض دفعہ ایک آنسو کی اتنی قیمت پڑ جاتی ہے کہ انسان کی ساری زندگی اور اس کے ماحصل سے بڑھ کر وہ آنسو قدر کے لائق ہو جاتا ہے۔ فجزاکم اللہ احسن الجزاء۔

نظمیں پڑھتے ہوئے حیرت اور تعجب سے میں یہ سوچ رہا کہ علم و ادب کا یہ جوہر آپ نے آج تک کیسے چھپائے رکھا۔ میرے تو وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ آپ ماشاءاللہ اتنا اعلیٰ پایہ کا ادبی ذوق رکھتی ہیں۔ اللھم زد فزد۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہو۔ صحت و عافیت والی خوشیوں سے معمور زندگی عطا فرمائے اور پہلے سے بڑھ کر خلوص اور پیار سے بنی نوع انسان کی خدمت کی توفیق عطا فرماتا رہے۔ آپ کی ساری اولاد کو نیک بخت اور نیک انجام کرے اور اعلیٰ ترقیات سے نوازتا رہے۔ آمین

والسلام خاکسار مرزا طاہر احمد

فہمیدہ صاحبہ کی جولانی طبع کے لیئے یہ خلاف توقع پذیرائی مہمیز کا کام دے گئی حضور کی دعاؤں سے شاعرہ کے وجدان نے جلا پائی اور معجزانہ طور سے جذب کی کیفیات میں اضافہ ہوا۔

ادبی خدمات اور قبول عام

۱۹۶۲ء میں آپ کی ایک نظم میڈیکل کالج کے جریدہ" دین گارڈ " میں شائع ہوئی جس کا عنوان تھا "سکون دل" ۔ اس پر رشید کامل صاحب نے جو تنقید فرمائی اس کا ایک اقتباس یہاں درج کیا جاتا ہے جس سے فہمیدہ صاحبہ کی جودت طبع اور جذبات نگاری کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ تنقید کا عنوان ہے کچھ" سکون دل" کے بارے میں۔

" دین گارڈ مجلہ اسٹوڈنٹس یونین فاطمہ جناح میڈیکل کالج لاہور ۹۱-۱۹۶۰ء کا اردو پورشن میرے سامنے ہے۔ کوئی بھی اخبار، رسالہ یا مجلہ ہو میری نگاہیں پہلے منظومات کی تلاش کرتی ہیں کیونکہ شعر و نغمہ سے فطری لگاؤ ہے۔ مذکورہ مجلہ میں (قطع نظر آزاد نظموں کے) جو اشعار نظر سے گزرے طبیعت کو نہایت مایوسی ہوئی۔ بلند و پست غزل و نظم تو ایک الگ بات ہے۔ اس میں تو یکے بعد دیگرے "بے بحرے" اور "بے وزن" اشعار بڑے حسن اہتمام سے چھپے ہوئے تھے۔ جن پر ذہن ایک لمحہ کو تو چکرا کر رہ گیا۔ یہاں یہ کہنا غیر مناسب نہ ہوگا۔ کہ کسی پرچے کے تمام مضامین نظم و نثر کی تمام ذمہ داری اُس کے مدیر یا مدیرہ پر عائد ہوتی ہے۔ البتہ صفحہ ۹۵ پر محترمہ فہمیدہ عظمت صاحبہ کی نظم "سکون دل" پر نگاہیں جم کر رہ گئیں۔ اگرچہ شعر و سخن کی بساط پر یہ نام نیا معلوم ہوتا ہے لیکن اشعار بتاتے ہیں کہ موصوفہ عرصے سے شعر کہہ رہی ہیں کیونکہ شعر میں سب سے پہلی تنقیدی کسوٹی اُس کے اوزان اور بحور کو پرکھتی ہے باقی تمام بعد کی باتیں ہیں اور اس نظم میں ہر شعر اپنی جگہ پر اوزان و بحور کا دامن تھامے ہوئے ہے۔ مذکورہ نظم "سکون دل" میں شدت جذبات نمایاں ہے شعریت پوری طرح موجزن ہے۔ بہر نوع اس مجلہ میں جہاں "سکون دل" ایک عمدہ

مرصع اور مقبول نظم ہے۔ وہاں اس نظم کی خوبصورتی نے دیگر اردو کی فرسودہ اور بے کار منظومات پر بھی پردہ ڈال دیا ہے۔ میں اسے صرف اچھی کوشش کہہ کر ٹال دینا مصنف کے ساتھ زیادتی اور نا انصافی سمجھتا ہوں۔ اس کامیاب نظم کی روشنی میں موصوفہ کے تیور بتلاتے ہیں کہ اگر ان کی کوششیں جاری رہیں اور وہ اپنی اہم اسٹڈی کے ساتھ ساتھ ذرا سی مزید توجہ اس فن کی طرف مبذول کر دیں تو وہ مستقبل قریب میں آسمانِ شعر وادب پر ایک ماہ پارے کی طرح بصد آب و تاب درخشندہ نظر آئیں گی کیونکہ اس جامع اور پُر از جذبات نظم کے اشعار اس بات کی غمازی کر رہے ہیں۔"

پسندیدہ شعراء

نعیمہ صاحبہ جدید شعراء میں سے فیض احمد فیض، احمد ندیم قاسمی، ساحر لدھیانوی اور دیگر ہمعصر شعراء کو سنتی رہی ہیں اور ہو سکتا ہے کہ لاشعوری طور سے ان میں سے کسی کے کلام سے متاثر بھی ہوئی ہوں لیکن شعوری طور سے ان کا اعتراف مشکل ہے۔ جہاں تک احمدی شعراء کا تعلق ہے وہ ثاقب زیروی سے کافی حد تک متاثر نظر آتی ہیں۔ لیکن آپ کے بقول آپ کو احمدی حلقہ شعراء میں متعارف کرانے میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی حوصلہ افزائی اور قدردانی کارفرما نظر آتی ہے۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے پاکیزہ کلام، کلام محمود اور حضرت نواب مبارکہ بیگم کے شیریں کلام نے لاشعوری طور سے آپ کو متاثر کیا، جذبہ شاعری کو ابھارا، سنوارا اور ایک بلند مقام تک رہنمائی کی۔ آپ نے ان بزرگان سلسلہ کے کلام میں تغزل بھی پایا، ترنم بھی محسوس کیا اور تہذیب واخلاق کی پُر بہار وادی کی سیر بھی کی۔

سلسلہ کے نامور بزرگ اور مایہ ناز شاعر حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب مختار شاہجہانپوریؒ کے علمی وشعری مقام کی آپ تہِ دل سے معترف ہیں اور جب سے آپ نے ضیاء اللہ صاحب مبشر کا مقالہ حضرت حافظ صاحبؒ کی حیات اور کلام پر جامعہ کی لائبریری سے حاصل کر کے مطالعہ کیا

ہے۔ آپ کی شخصیت سے اور بھی زیادہ عقیدت پیدا ہو گئی ہے۔ اِس مقالہ کے مطالعہ کی طرف توجہ راقم الحروف نے دلائی تھی جس کے لئے فہمیدہ صاحبہ بیحد ممنون ہیں۔

پیشہ ورانہ مصروفیات، مرکز میں قیام اور اُس کی ذمہ داریاں پھر گھریلو ذمہ داریوں میں گھری ہوئی فہمیدہ صاحبہ کی شخصیت دیگر خواتین کے لئے ایک مثال ہے۔ اگر جذبہ کی سچائی زندہ ہے تو ہزار رکاوٹیں بھی رستہ راہ نہیں بن سکتیں۔ بقول شاعر ے

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں
جسے خیال ہو آئے کرے شکار مجھے

نمونہ کلام

حمد

تیری قدرت کے جلوے ہر طرف بکھرے ہیں اے مولیٰ
تیری اُلفت کے جذبے ہر طرف بکھرے ہیں اے مولیٰ

کوئی ساعت تیری تسبیح سے خالی نہیں رہتی
محبت کے انوکھے رنگ کچھ نکھرے ہیں اے مولیٰ

تیری صنعت پہ موجوات عالم خود گواہ ٹھہرے
تیری وحدت کے ڈنکے شش جہت پھیلے ہیں اے مولیٰ

تیری ہر اک عنایت پر صدائے شکر سنتے ہیں
برائے کفر میرے کان تو بہرے ہیں اے مولیٰ

رموزِ عشق و اسرارِ محبت کا سبق پڑھنے
جبینِ دھر پہ یہ نقش سب اُبھرے ہیں اے مولیٰ

عبادت کے لئے گردش میں ہیں شمس و قمر تارے
گھڑی بھر بھی نہ دم لینے کو یہ ٹھہرے ہیں اے مولیٰ

تیری شانِ کریمی کی جھلک ابنائے عالم میں
سبق تخلیقِ آدم میں بہت گہرے ہیں اے مولیٰ

تیری یادوں سے غافل ایک پل عظمت نہیں رہتی
کوئی دم بھی تیرے احسان کب بھولے ہیں اے مولیٰ

غزل

آؤ حُسنِ یار کی باتیں کریں
مطلعِ انوار کی باتیں کریں

اب سنبھلتے ہیں نہیں آتا یہ دل
کس سے کوئے یار کی باتیں کریں

خامشی کا ضبط کا یارا نہیں
برملا اظہار کی باتیں کریں

وہ میرا چاکِ گریباں دیکھ کر
گُل سے نوکِ خار کی باتیں کریں

زخم پر اپنوں نے جب چھڑکا نمک
کیوں نہ پھر اغیار کی باتیں کریں

پھر بڑھایا ہے تپش نے سوزِ غم
گیسوئے خمدار کی باتیں کریں

بادباں پتوار لنگر توڑ کر
ناخدا منجدھار کی باتیں کریں

جانتے ہیں جرمِ اُلفت کی سزا
پھر بھی یہ اقرار کی باتیں کریں

دیکھ دیوانوں کے دل کا حوصلہ
کفر سے انکار کی باتیں کریں

پھول دامن میں لیے ہیں منتظر
وہ مرے سنگسار کی باتیں کریں

مردِ حق کی بات دل کو بھا گئی
اپنے رب سے پیار کی باتیں کریں

صبر کا دامن پکڑ کر چُپ رہیں
عظمتِ کردار کی باتیں کریں

محترمہ صادقہ قمر صاحبہ ایم اے

بیادِ محمود

تھی جن سے روشنی وہ ستارے چلے گئے
غم خوار و غمگسار چلے گئے

ٹوٹا وہ گُل جو زینتِ باغِ جہان تھا
نصرت جہاں کے راج دلارے چلے گئے

بیواؤں بیکسوں کا سدا رکھتے تھے خیال
بیواؤں بیکسوں کے سہارے چلے گئے

بُلبل خموش پھول پریشان چمن اُداس
گلشن کا رنگ روپ نظارے چلے گئے

آنکھوں میں اشک لب پہ دُعا دل میں درد ہے
تربت پہ ماں کی اُن کو پکارے چلے گئے

اشکوں نے غم کی آگ لگا دی جہاں میں
آہوں کے آسماں پہ شرارے چلے گئے

چھائی ہوئی ہے عالمِ ہستی پہ تیرگی
روشن ہوئے جو چاند ستارے چلے گئے

یادِ فراق میں آج تڑپتے ہیں سوگوار
جانے کہاں وہ جان سے پیارے چلے گئے

اے شمع بجھ گئی ہے جو کر کے ہیں گداز
پروانے تیرے ہجر کے مارے چلے گئے

اشکوں میں ڈھل گئی ہے متاعِ دلِ قمرؔ
ایک ایک کر کے آنکھ کے تارے چلے گئے

محترمہ مومنہ فرحت صاحبہ

بنت چودھری عبد القادر صاحب ایگزیکٹو انجنیئر تونسہ بیراج

دامن کرم

اے دل تو قصۂ غم سارا انھیں سنا دے
آنکھوں میں اشک جتنے پوشیدہ ہیں بہا دے

تیری طویل چپ پر دل بجھ گیا ہے میرا
کاش اس دل حزیں کو ایک بار پھر ہنسا دے

اس دور میں دلوں کا ایمان سو گیا ہے
ان کو نشاں دکھا کر اب خواب سے جگا دے

وحدانیت کا سارے جگ میں ہو بول بالا
تثلیث کا جہاں سے نام و نشاں مٹا دے

ساری خطائیں میری تو معاف کر کے مولا
اپنے کرم کا دامن میری طرف بڑھا دے

سیّدہ منیرہ ظہور صاحبہ

آپ کا مکمل نام سیدہ منیرہ بخاری تھا جو کہ شادی کے بعد سیدہ منیرہ ظہور ہو گیا آپ ۲۰ جولائی ۱۹۳۰ء کو امرتسر میں پیدا ہوئیں۔ آپ کے والد کا نام سید عنایت حسین شاہ صاحب تھا اور آپ اپنے خاندان میں احمدی ہونے والے پہلے شخص تھے۔ سید عنایت حسین شاہ صاحب کے قبولِ احمدیت کے بعد آپ کے خاندان نے آپ سے قطع تعلق کر لیا۔ سیدہ منیرہ ظہور کی والدہ سیدہ عصمت آرا بیگم صاحبہ ایک نہایت مخلص رفیق حضرت مسیح موعود حضرت حافظ محمد الدین صاحب کی بیٹی تھیں اور سید عنایت حسین شاہ صاحب سے رشتے کی بنیاد بھی محض احمدیت ہی تھی۔ سیدہ منیرہ ظہور کے والد اور والدہ دونوں تدریس کے پیشے سے وابستہ تھے اور آپ نے خود بھی یہی پیشہ اختیار کیا۔ آپ نے بالترتیب اردو، عربی اور فارسی میں ایم اے کئے اور مدرسۃ البنات اسکول اور حمیدہ کالج لاہور میں پڑھایا اس کے علاوہ بھی آپ نے مختلف کالجوں، سیمینارز اور اجلاسات میں لوگوں کو اپنے علم و فن سے مستفید کیا۔

آپ نے بہت چھوٹی عمر سے ہی لکھنا شروع کر دیا تھا اور نظم و نثر دونوں پر یکساں عبور رکھتی ہیں۔ مشہور احمدی شاعر پروفیسر عبدالرشید تبسم سے بھی آپ نے ایک عرصہ صحبت کا فیض حاصل کیا۔ آپ کا کلام مختلف اخبارات و رسائل میں چھپتا رہا۔ جن میں عوام اخبار فیصل آباد، ماہنامہ "مسلم" لاہور، ماہنامہ "محفل" لاہور، ماہنامہ "جہاں نما" لاہور، پندرہ روزہ "نیا راستہ" لاہور، روزنامہ "ہلالِ پاکستان" لاہور، روزنامہ "نوائے وقت" لاہور، ماہنامہ "بانو" لاہور، ماہنامہ رسالہ القرآن، روزنامہ "سعادت" لاہور، ماہنامہ امداد باہمی وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

آپ ایک معروف رفیق حضرت مسیح موعود حضرت ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب تھیں۔ آپ کی شادی ۱۹ جولائی ۱۹۷۰ء کو سید ظہور احمد شاہ صاحب (جو کہ زرعی ترقیاتی بینک کے ڈپٹی ڈائریکٹر تھے) سے ہوئی اور آپ کی واحد اولاد سیدہ فریحہ ظہیر ۴ جولائی ۱۹۷۶ء کو پیدا ہوئی جو کہ خود بھی ایک صاحب طرز شاعرہ ہیں۔ آپ نے جماعتی طور پر بہت سی قلمی خدمات بجا لانے کی توفیق پائی۔ کئی مقالے، مضامین اور منظوم کلام جماعت کو پیش کیا جو کہ وقتاً فوقتاً الفضل مصباح خالد، تشحیذ الاذہان اور دوسرے کئی جماعتی جریدوں میں چھپتا رہا ہے۔ ۱۹۹۶ء میں ایم ٹی اے کے لئے آپ کا انٹرویو ریکارڈ کیا گیا جو کہ کئی بار ایم ٹی اے پر دکھایا جا چکا ہے اور ان سے محبت کرنے والوں کے لئے ویڈیو پر بھی دستیاب ہے۔ آپ نے جماعتی خدمت کے دوران بزرگانِ دین اور معزز جماعتی عہدے داران سے بھی صحبت کا فیضان حاصل کیا۔ آپ شوگر اور بلڈ پریشر کی مریضہ تھیں۔ آخری گیارہ دن میں آپ کے دل بڑھ جانے کی بھی نشان دہی کی گئی اور آپ نہایت فعال اور نافع الناس زندگی گزار کر صرف گیارہ دن بیمار رہ کر ۴ اکتوبر ۱۹۹۶ء کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملیں۔

"ہم کو جلدی نے موت کی مارا
اور جیتے تو اور غم سہتے!"

نمونۂ کلام

نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

تیرے عشق کا ہم کو دعوا ہے آقا ۔۔۔ محبت پہ تیری بھروسہ ہے آقا
ترے فضل سے احمدیت ملی ہے ۔۔۔ اِک عاجز پہ انعام تیرا ہے آقا
زمانے نے فتوے دیئے کیسے کیسے ۔۔۔ کہ مومن کو کافر پکارا ہے آقا
کسے زخمِ دل کے دکھائیں یہاں پر ۔۔۔ تمہارے سوا کون سنتا ہے آقا
مرا سر عقیدت سے جھکتا گیا ہے ۔۔۔ ترا نام لب پہ جو آیا ہے آقا

تیرا نام احمد ہے ہم احمدی ہیں یہی فخر سرمایہ اپنا ہے آقاؐ
ہزاروں درود و سلام آپ پہ ہوں زباں پہ یہی ورد رہتا ہے آقاؐ

گناہ گار ہوں میں اخطا کار ہوں میں
تیرے عشق کا پھر بھی دعویٰ ہے آقاؐ

ہدیۂ عقیدت حضرت آپا مریم صدیقہ کے لئے

تو وہ دیا ہے جس سے ہے روشن شب حیات
تو وہ کرن ہے جس سے فروزاں ہے کائنات
تیری ہی کاوشوں سے اُگے رنگ رنگ پھول
تیری ہی کوششوں سے مخالف ہوئے ہیں مات
احساں ہے تیرا حلقۂ نسواں پہ بے حساب
نازل ہوں تجھ پہ رحمتیں اے رہبرِ بنات
لجنہ کے قافلے کی ہیں سالارِ کارواں !
گونج اُٹھی تیرے نام سے دنیائے شش جہات
موجود ہیں جو تم سی حیادار و باوقار
دن ہی رہے گا دین پہ آئے گی اب نہ رات
تو مصلحِ موعود کا پر تو ہے ہو بہو
میری کہاں مجال کہ لکھوں تیری صفات
چپ ہے زبان رعب سے اُٹھتی نہیں نظر
کیسے کہوں منیرہ وہاں دل کی واردات

غزل

آ بھی جاؤ کہ آنکھوں میں دم ہو گیا
زندگی کا فسانہ عدم ہو گیا

نہ کوئی راہنما نہ کوئی ہم سفر
اک خدا بن گیا اک صنم ہو گیا

جو تمہاری محبت میں رسوا ہوا
بادشاہ بن گیا، محترم ہو گیا

کس کا نقشِ پا نظر آ گیا
آنکھ تر ہو گئی سر بھی خم ہو گیا

مجھ سے محشر میں ملنے کا وعدہ کیا
لو گنہ گار پر بھی کرم ہو گیا

کیا کہیں جذبِ دل میں کمی آ گئی
نیند آنے لگی درد کم ہو گیا

کیوں منیرہ فضا ماتمی سی لگے ؟
کیا کوئی شخص پھر آج کم ہو گیا ؟

تیرے کوچے میں جو عشاق کو موت آئے گی
زندگی نہ سہی عقبیٰ تو سنور جائے گی

اب ہی سوچ کے بے حال ہوئے جاتے ہیں
ہم نہ ہوں گے تو شبِ ہجر کدھر جائے گی

سرحدِ کون و مکاں توڑ کے نکلے گا شعور
صحرا صحرا تجھے پانے کو نظر جائے گی

سینۂ زیست میں رہنے دو تمنا بے تاب
کوئی امید نہ پائے گی تو مر جائے گی

دل کی لہروں پہ لرزتی ہوئی کشتی اک دن
موت کے گہرے سمندر میں اتر جائے گی

کون اڑتے ہوئے لمحات کو روکے گا بھلا
گرد اڑتی ہوئی تا حدِ نظر جائے گی

چاند کا دل جب صحرا میں گھبراتا ہے
درد کہانی مجھے سنانے آتا ہے

اچھے لوگوں کو نہ بیٹھ کے کوسا کر
چاند کا تھوکا اپنے منہ پر آتا ہے

بھر لے کچھ اعمال کے موتی دامن میں
جاگ رے غافل! وقت گزرتا جاتا ہے

حضور کا پیغام

روح افروز ہے ترا پیغام
زندگی بخشتا ہے تیرا نام

تیرے عزم جواں کی ہیبت سے
ہر مخالف ہے لرزہ بر اندام

تیری ہستی پہ ہے زمین نازاں
قدسیوں کے لبوں پہ تیرا نام

تو کلام خدا کا شیدائی
اس کی تفسیر ہے ترا کام

اس جہاں میں تیری مثال کہاں
ناصر الدین جب ہے تیرا نام

ہے بلند ان سبھوں سے تیری اڑان
ہر طرف گو بچھے ہوئے ہیں دام

تو نے توحید کی صراحی سے
آج بھر بھر کے دیئے ہیں جام

ہو خدا تیرا حافظ و ناصر
اس کی تائید ساتھ ہیں ہر گام

خادموں کی تمہے دعا ہے یہی
تیرے حاسد رہیں سدا ناکام

ہر طرف نور ہو اُجالا ہو
احمدیت کا بول بالا ہو

محترمہ سیدہ منصورہ تحسین صاحبہ

دختر شاہ زمان علی صاحب لاہور

نورِ چشم مہدی آخر زماں تجھ کو سلام

نورِ چشم مہدی آخر زماں تجھ کو سلام
قوم کے اے پاسبانِ مہرباں تجھ کو سلام
تو ہمیشہ کے لئے نظروں سے اوجھل ہو گیا
گویا دنیا کا چراغ زندگی گل ہو گیا
اے شہنشاہ زماں جانِ جہاں تجھ کو سلام

تجھ پہ ہو رحمت خدا کی دینِ حق کے پاسباں
حامی و ناصر ہمارا بھی ہو ربِ دو جہاں
ہم کو وہ بخشے سدا حفظ و اماں تجھ کو سلام

مریمؔ - محترمہ مبارکہ مریم صاحبہ بریلوی

مبارکہ مریم نام - مریمؔ تخلص - آپ قریشی محمد طاہر صاحب بریلوی مرحوم کی صاحبزادی اور ڈاکٹر محمد عابد قریشی شاہجہانپوری کی زوجہ محترمہ ہیں۔ پیدائشی احمدی اور بریلی کے ایک متمول تاجر گھرانے کی چشم و چراغ ہیں۔ آپ نے اردو اور اکنامکس میں ایم اے کیا ہے اور پی ایچ ڈی کی تیاریوں میں مشغول ہیں۔ صاحب اولاد ہونے اور مکمل طور پر ایک خوشحال گھرانے کی ذمہ داریاں باحسن وجوہ پوری کرنے کے ساتھ ہی ساتھ اپنی مصروفیات کے لئے وقت نکال لینا اور اپنی شعری تخلیقات کو منظر عام پر لے آنا اِن کی بھرپور صلاحیتوں اور پابندی وقت و تقسیم کار کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

شاعری کا شوق آپ کو اُردو رسائل کے مطالعہ سے پیدا ہوا جو آگے چل کر خود ہی رہنمائی کے فرائض انجام دینے لگا۔ آپ کی پہلی غزل ماہنامہ "بیسویں صدی" نئی دہلی میں شائع ہوئی جس نے حوصلہ اور عزم کو پرِ پرواز عطا کئے اور یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ بعدازاں رسالہ "شمع" دہلی اور "نسب رنگ" میں بھی آپ کی غزلیات اشاعت پذیر ہوتی رہیں۔

آپ نے زیادہ تر زور غزل پر دیا ہے جو سادہ اور آسان ہونے کے باوجود جذبات نگاری کی حامل ہوتی ہے اور بعض اشعار تو چونکا دینے والی حد تک اثر انگیز ہوتے ہیں۔ اگر مشق سخن جاری رہی تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ زبانِ شعر کے ذریعہ ملک و ملّت کی اہم تربیتی اور اصلاحی مہم میں اپنا نمایاں کردار ادا نہ کر سکیں۔

بج اٹھا دل کا ہر اک تار ارمانوں کی طرح
اِک نظر اُس کی اُٹھی لاکھ حجابوں کی طرح

مختصر ویسے تو ہے لفظ محبت کا سبق
پڑھنے والے اسے پڑھتے ہیں کتابوں کی طرح

اُن کی آمد کی خبر سُن کے جو دل دھڑکا ہے
رنگ چہرہ کا نکھر آیا گلابوں کی طرح

ایک وہ مے جو نگاہوں سے پلا دی تم نے
نشہ ہے اُس میں گھلا لاکھ شرابوں کی طرح

دل بیتاب نے رہ رہ کے کئے کتنے سوال
اُن کی نظروں کے اشارے تھے جوابوں کی طرح

آ پھر سے اِن آنکھوں میں سمانے کے لئے آ
پیغام وفا دل کو سنانے کے لئے آ

پلکوں پہ کوئی خواب سجانے کے لئے آ
کچھ درد نئے دل میں جگانے کے لئے آ

تسکیں کا طالب نہیں یہ درد محبت
بے چینیٔ دل اور بڑھانے کے لئے آ

چھیڑا ہے مری روح کے ہر تار کو جس نے
وہ نغمۂ پُر کیف سنانے کے لئے آ

دزدیدہ نگاہوں کے وہ مبہم سے اشارے
پھر تشنگیٔ شوق بڑھانے کے لئے آ

کس طرح گزرتے رہے لمحاتِ جدائی
سننے کے لئے آ وہ سنانے کے لئے آ

چُن لے مری آنکھوں سے چھلکتے ہوئے تارے
آ دامنِ دل اُن سے سجانے کے لئے آ

ویرانیٔ دل حد سے بڑھی جاتی ہے اب تو
واپس نہ کبھی لوٹ کے جانے کے لئے آ

دیں آخری دم تک جو محبت کی گواہی
اس دل میں وہی شمعیں جلانے کے لئے آ

اب تجھ پہ یقیں وعدہ فردا نہ کریں گے
ہم اپنی تمناؤں کا سودا نہ کریں گے

کچھ غم نہیں وہ غم کا مداوا نہ کریں گے
ہم اُن سے کرم کا تقاضا نہ کریں گے

ہنس ہنس کے سہے جائیں گے اس دل کے ستم ہم
اے دردِ محبت تجھے رسوا نہ کریں گے

اک لمحہ بھی دل سے نہ بھُلا پائے اُسے ہم
جس بات کو سوچا تھا کہ سوچا نہ کریں گے

آجاتے ہیں ماضی کے اندھیروں کے ستم یاد
آئینے کی جانب کبھی دیکھا نہ کریں گے

تم خوش رہو کافی ہے ہمارے لئے اتنا
کچھ یاد دلا کر تمھیں رسوا نہ کریں گے

مریمؔ جو سلوک اُن کا ہے ہو ان کو مُبارک
ہم بھول کر اُن سے کبھی شکوہ نہ کریں گے

درد دل کا اور رہ رہ کر سوا ہونے لگا
تم تو سمجھانے کو بیٹھے تھے یہ کیا ہونے لگا

کس جگہ سے آئی ہے یہ شوق کی وارفتگی
درد دل ہی رفتہ رفتہ اب دوا ہونے لگا

منتظر ہے کوئی کب سے آپ اب تو آئیے
دھندلا دھندلا راہ کا ہر نقشِ پا ہونے لگا

وحشتِ دل بڑھتی جاتی ہے الٰہی خیر ہو
ذکر اب تو فصلِ گُل کا جابجا ہونے لگا

کون مریمؔ آگیا بزمِ تصور میں تری
ہر دریچہ خود بخود کیوں دل کا وا ہونے لگا

محترمہ سیّدہ منصورہ بیگم صاحبہ

قادیان دارالامان کی یاد میں

ہر برگ و شاخ ہر گل رنگیں اداس ہے
ہر دل زدورِ دوریِ مامن اداس ہے

اے ارضِ پاک دارالامان خطۂ حرم
واللہ کہ تیرے ہجر میں جیون اداس ہے

اے پیارے قادیان یہ مری چشم منتظر
جب سے ہوئے نہیں ترے درشن اداس ہے

ہاں جب سے چھٹ گیا ہے ترا گوشۂ نشاط
بلبل ہے دلفگار نشیمن اداس ہے

مضطر ہے تو بھی اپنے مکینوں کی یاد میں
محفل تری اداس ہے گلشن اداس ہے

جو زینتِ چمن تھے وہ گل دور جا بسے
رنگینیٔ بہار کا جوبن اداس ہے

مرغانِ خوشنوا کی وہ تسبیح جانفزا
وہ جس کی یاد میں ترا گلشن اداس ہے

اب طائرانِ قدس کے اُن زمزموں بغیر
لالہ اداس، نرگس نرگس و سوسن اداس ہے

یعقوب کے ہیں راج دلارے جو تجھ سے دُور
اِس غم میں تو یہ گریہ و شیون اداس ہے

یوسف بھی اشکبار ہیں کنعان کی یاد میں
کنعان زدوری مہ روشن اداس ہے

آرام گاہِ مہدیِ دوراں سے دُور ہیں
اِس غم میں آج ہر دلِ مونس اداس ہے

دیدار کوئے یار پہ پابندیاں ہیں کیوں
دل اس خلش سے کیوں ہے یہ تن من اداس ہے

ہاں تجھ سے دُور اور تری انجمن سے دُور
پھیکا یہ رنگِ زیست ہے تن من اداس ہے

ہر ذرّہ کہہ رہا ہے کہ سیماب وار ہوں
موسیٰ بغیر وادیٔ ایمن اداس ہے

محترمہ مومنہ فرحت صاحبہ

حضور کی قیادت

یہ کیا ہوا کہ ناگہاں سب اہلِ دل سنبھل گئے
یہ کس کا فیضِ عام تھا کہ غم خوشی میں ڈھل گئے
یہ کون آگیا کہ اپنے روز و شب بدل گئے
قدم قدم پہ ہر طرف ہزاروں دیپ جل گئے

ہیں سنگ و خشت راہ میں مگر ہے مائلِ سفر
نگر نگر، شہر شہر ہے عزم اس کا مشتہر
جو تھک کے پھر پلٹ پڑے نہیں ہے وہ اس کی نظر
ہے اس کی جراتوں کا ذکر عرش اور فرش پر

پروفیسر سیّدہ منیرہ بخاری

آپ کا وطن چک ۲۰۸/۳ ج ب ضلع فیصل آباد ہے۔ ۱۹۳۶ء میں آپ وہاں ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ آپ کے والدِ محترم سید عنایت حسین شاہ عربی، فارسی، اردو ادبیات پر عبور کامل رکھتے تھے۔ وہ ایک صاحبِ ذوق اور متدین بزرگ ہیں۔ اس لئے سیّدہ منیرہ بخاری کو بچپن ہی سے جہاں ایک طرف ادبی و شعری ماحول میسر آگیا دوسری طرف دینی تعلیم کا اہتمام بھی گھر ہی میں ہوگیا۔ چنانچہ آپ نے شعر و سخن کا آغاز صغر سنی میں اسی ماحول کے تحت کیا اور عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کرنے لگیں۔ عربی فاضل اور فارسی فاضل کے امتحانات پاس کر لینے کے بعد اُس ماحول میں گنجائش نہ رہی کہ آپ علم کی مزید منازل اعلیٰ طے کر سکیں اس لئے ۱۹۶۱ء میں لاہور آگئیں۔

لاہور کی علمی اور ادبی فضا نے آپ کے دل و دماغ پر بڑا خوشگوار اثر ڈالا۔ یہاں اعلیٰ امتحانوں کی تیاری کے ساتھ ساتھ ادبی و شعری تخلیقات بھی ہونے لگیں۔ دو سال آپ مجلس فکر و نظر میں شریک ہوتی اور اس کی سرگرمیوں میں حصہ لیتی رہیں۔ اُس کے بعد ۱۹۶۳ء سے انجمن ترقی ادب ماڈل ٹاؤن سے وابستہ ہو کر اس کے طرحی مشاعروں میں حصہ لینے لگیں اور یہ سلسلہ مدت تک جاری رہا۔ آپ نے اس انجمن کی چند ادبی صحبتوں میں شریک ہو کر محسوس کیا کہ اس کی پُرخلوص، سنجیدہ مگر زندگی سے بھرپور فضا فطری ذوق کو جلا بخشنے کے لئے بہت سازگار ہے چنانچہ آپ باقاعدہ طرحی غزلیں کہنے اور انجمن کی سرگرمیوں میں بڑی دلچسپی لینے لگیں۔ آپ اس انجمن کی مجلس انتظامیہ کی ممبر بھی رہیں۔ اُن دنوں لاہور کے ایک زنانہ کالج میں پروفیسر رہیں۔

سیّدہ منیرہ بخاری کو اسلامی فلسفہ سے گہرا لگاؤ ہے۔ اس میں آپ کا مطالعہ بہت وسیع

ہے۔ اسلامی فلسفہ پر آپ نے کئی مقالات لکھے ہیں جس میں سے بعض رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ افسانے بھی لکھتی ہیں، عربی، فارسی اور انگریزی ادبیات پر آپ کو پورا عبور حاصل ہے۔ زبان سادہ، بندشِ الفاظ چست اور شعر پُرسوز ہوتا ہے

نمونہ کلام

تربیت عشق سے ہی پاتا ہے انساں کا مزاج — لے کے آیا ہے ازل ہی سے یہ طوفاں کا مزاج
دامنِ دشت میں لب کھولنے والی کلیو — کون پوچھے گا بیاباں میں بہاراں کا مزاج
آگئی گر کہیں پیمانے کی زد پر ساقی — ہم بھی پوچھیں گے کبھی گردشِ دوراں کا مزاج
بے رخی اس کی ہے تلقینِ خموشی لیکن — بلبلِ زار نہ سمجھی گلِ خنداں کا مزاج
دل میں لیتا ہے مگر آنکھ سے پوشیدہ ہے — کس قدر شوخ و طرحدار ہے یزداں کا مزاج
سیر کے واسطے آؤ نہ چمن میں لوگو — آج ناساز سا ہے نرگسِ حیراں کا مزاج
جل کے گرتے ہوئے پروانے نے شعلے سے کہا — آج معلوم ہوا شمعِ فروزاں کا مزاج

میرے مرنے پہ میتزو کہا رو کر اُس نے
کون سمجھے گا ترے بعد گلستاں کا مزاج

نہ ہوا یہ کسی طرح آباد — دل کہ ناشاد تھا رہا ناشاد
جب بھی آئی ہے بن گئی ہے غزل — کتنی بے ساختہ ہے تیری یاد
باغباں مل گیا ہے گلچیں سے — کون سنتا ہے پھول کی فریاد
جل گیا تھا بہار میں سب کچھ — اتنی ہی داستاں ہے اپنی یاد
ہم سے کہہ کہہ کے داستانِ بہار — دل نہ اب اس طرح جلا صیاد
دل پہ جینا حرام ہو جائے — ہو اگر دامِ زلف سے آزاد
دیکھ لے گر کہیں ترے قد کو — سر اٹھائے نہ شرم سے شمشاد

وہ منیرہ سے ہو کے بیگانہ
رہ سکیں گے نہ ایک دن بھی شاد

کشتی ہوئی تھی غرق یوں ساحل پہ آن کر
ٹکرا گئے تھے موج سے اٹھتے ہوئے بھنور

یادِ بہار، یادِ چمن، یادِ آشیاں
یادوں کا شہر ہے یہ مرا سوختہ جگر

بجھنے لگی ہے شمعِ شبستانِ آرزو
دیکھیں شبِ فراق کی ہوتی ہے کب سحر

دل مٹ گیا تو نخلِ تمنا ہوا ہرا
طوفان سے گزر کے یہ قطرہ ہوا گہر

یہ جانِ مضطرب ہے تیری دید کے لئے
یہ دل ہے آج تک تری یادوں کی رہ گزر

میرے ہی درد کا یہ فسانہ ہے چار سو
میری ہی داستاں کے عناصر ہیں بحر و بر

اب میری آنکھ میں کوئی آنسو نہیں رہا
اب میری آہ میں نہیں باقی کوئی اثر

کل کہہ رہا تھا کوئی منیرہ سے کر نہ غم
شاید وہ رفتہ رفتہ ہی آجائے راہ پر

ربط پھولوں سے ہے نہ خار کا ہوش
اب خزاں کا نہ ہے بہار کا ہوش

محملِ شوق ہے نظر میں بسی
جستجو میں کسے غبار کا ہوش

مجھ کو مست خمار رہنے دے
ہوش کھوتا ہے بار بار کا ہوش

آخری سانس تک رہا قائم
کب گیا تیرے جاں نثار کا ہوش

پوچھتے ہو مرے گنہ کا حساب
بے خودی میں تھا کب شمار کا ہوش

تجھ سے کھو کر یہ اپنی حالت ہے
جیت کی آرزو نہ ہار کا ہوش

داستانِ فراق سن کے میری
اڑ گیا میرے غم گسار کا ہوش

وہ بلائیں اگر منیرہ کو
آن کیسی، کیسے وقار کا ہوش

یوں جلا صلح و آشتی کا چراغ
بجھ کے رہ جائے بت گری کا چراغ

بندگی شرطِ آدمیت ہے
رکھ فروزاں یہ بندگی کا چراغ

دردِ دل کے طفیل زندہ ہیں
غم سے روشن ہے زندگی کا چراغ

میں تو زندہ ہوں ہمدمو جب تک
ہے فروزاں ہے یہ بے خودی کا چراغ

کس نے رخ سے نقاب اُٹھی ہے
گل ہوا پھول کی ہنسی کا چراغ

بجلیوں نے جلا دیا گھر کو
آندھیاں لے اڑیں خوشی کا چراغ

شاعروں ہی کے دم سے روشن ہے
دہر میں رسمِ عاشقی کا چراغ

دل کو ایمان سے منور رکھ
دل منیرؔ ہے راستی کا چراغ

بُت کدے ویران کر دے گی یہ بُرہاں کی چمک
معجزے دکھلائے گی یوں میرے قرآں کی چمک

دل کے آئینے میں جلوہ ریز ہے کس کا جمال
چشمِ بینا میں ہے کس کے روئے تاباں کی چمک

جس طرح خورشید کی آمد سے شبنم کا وجود
لے اُڑی یوں ہوش چشمِ فتنہ ساماں کی چمک

ظلمتِ باطل سے گھبرانا نہ میرے غازیو!
راستہ دکھلائے گی خود نورِ ایماں کی چمک

آج تک ہے طور کی وادی سراپا انتظار
دیکھ لی تھی اُس نے اک دن روئے جاناں کی چمک

کر نہیں سکتی ہراساں میرے شیروں کو کبھی
کافروں کے جگمگاتے سازو ساماں کی چمک

یہ سحر ترے تبسم کی ہے اک ادنیٰ جھلک
شب کی دلہن نے چرالی میرے افشاں کی چمک

وقتِ رخصت جو سرِ مژگاں اٹک کر رہ گیا
آج تک ہے ضوفگن اُس اشکِ تاباں کی چمک

ہے پتنگے کے دلِ جذبات کی آئینہ دار
کانپتی جلتی تڑپتی شمعِ سوزاں کی چمک

دیکھ کر مجھ کو منیرؔ و قید خانے میں اسیر
منہ چڑاتی ہے مرا صبحِ بہاراں کی چمک

نجمہ عبدالرزاق

نجمہ عبدالرزاق مرادآباد (انڈیا) میں ۱۹۴۳ء میں پیدا ہوئیں۔ آپ "شعرائے احمدیت" کے مرتب سلیم شاہجہانپوری کی دختر ہیں۔ آپ نے ابتدائی تعلیم سندھ کے شہر نواب شاہ میں حاصل کی۔ سندھ یونیورسٹی سے اردو میں ایم اے کیا۔ مقالہ "علمائے اسلام کی اردو شاعری" کی وجہ سے انہوں نے ایم اے میں فرسٹ کلاس حاصل کی۔ شاعری کا فطری عطیہ انہیں اپنے والد سے ورثے میں ملا ہے۔

نمونہ کلام

فضائلِ قرآں

قرآں میری ہستی کا وہ واحد ہے سہارا
جس نے میری کشتی کو دکھایا ہے کنارا

ہر لفظ ہر ایک حرف ہر اک نکتہ قرآں
تاریکی میں جیسے ہو چمکتا ہوا تارا

ہر ایک دعا اس کی میرے وردِ زباں ہے
برکات نے اس کی میری ہستی کو سنوارا

پڑھتی رہوں پڑھتی رہوں پڑھتی رہوں ہر دم
دل بھرتا نہیں یہ مجھے جان سے بھی پیارا

مشکل ہوئی آسان میری پڑھنے سے اس کے
قرآں کے ذریعے سے ہی خالق کو پکارا

قرآں سے منور ہوا ہر گوشۂ عالم
مشرق کا وہ کونہ ہو کہ مغرب کا کنارا

قرآں کے حکموں کو اگر ہم نے بھلایا
دنیا کا کوئی فرد بھی ہوگا نہ ہمارا

قرآں کے وسیلے سے خدا ملتا ہے سب کو
محتاج ہو کوئی کہ سکندر ہو کہ دارا

دنیا میں تلاوت سے سکوں ملتا ہے اس کی
عقبیٰ میں بھی بخشش کا ہے قرآں ہی سہارا

احکام پہ قرآں کے عمل کرتے رہو تم
گر چاہو کہ مقصود ملے تم کو تمہارا

تہذیبِ نو

مغربی قوم کی تہذیب پہ مٹنے والو
یہ یہی طرز تو ہے باعثِ بربادیٔ قوم
نئی تہذیب میں آرائشِ راحت ہے بہت
غیر سے لی ہوئی تہذیب کے اے متوالو
یہی تعلیم ہے اسلاف تھے جن پر نازاں
ذہن کے ساتھ ہوا جسم بھی سب کا عریاں
نہیں اسلاف کے کردار کو اپنا سکتے
کاش اس اونچے مقاصد کو بھی پا سکتے تم

میں نے مانا یہ تمہیں دین سے بھی پیاری ہے
یہی وہ راستہ ہے جس میں بڑی خواری ہے
کوئی پابندی نہیں دنیوی لذت ہے بہت
کیا یہ اسلام کے حکموں سے وفاداری ہے
جو سکھاتی ہے تمہیں نت نئے انداز بیاں
حوصلہ پست ہوئے اور نہ رہی جسم میں جان
اگر اس خول اناسے نہیں باہر آتے
جن کی فتح نئی تہذیب سے بیزاری ہے

اپنے پیارے آقا کی نذر

میرے امام میری زندگی سے پیارے امام
ترا پیام ہر اک دل میں یوں اترتا ہے
تری نصیحتیں کرتی ہیں اثر دل پر
میرے حضور سے آنگن میں تو نظر آئے
میں تجھ کو کیسے بتاؤں اے میرے پیارے امام
کچھ اس طرح سے تیرا وجود دنیا میں
میرے امام تو دے مجھ کو کچھ دعا ایسی

ہے روشنی سے مبرا تیرا امن کا پیغام
کہ جیسے کوئی فرشتہ پلا رہا ہو جام
کہ جیسے میرے گناہوں کی ہو یہ آخری شام
تو میری سانسوں میں ہو تیری زندگی کو سلام
تیری دعاؤں سے ہے میری زیست خوش انجام
کہ جس سے فیض اٹھاتے ہیں خاص و عام
ہو کامیاب میری زیست اور بخیر انجام

محترمہ نزہت آرا بیگم

بنت جناب حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری

تضمین (بر اشعار حضرت سیدہ مبارکہ بیگم صاحبہ مدظلہا)

جہادِ نفس و دعا و فغاں میں رہتے ہو ۔۔۔ ہر ایک لحظہ اک امتحاں میں رہتے ہو
اگرچہ نرغۂ تیر و سناں میں رہتے ہو ۔۔۔ خوش نصیب کہ تم قادیاں میں رہتے ہو

دیارِ مہدیٔ آخر زماں میں رہتے ہو

ہماری آنکھیں ہیں جن کے لئے سدا پُرنم ۔۔۔ ہے جس کے ہجر کا سینے میں داغ درد و الم
ہے تخت گاہِ رسالت وہیں خدا کی قسم ۔۔۔ قدم مسیح کے جس کو بنا چکے ہیں حرم

تم اُس زمینِ کرامت نشاں میں رہتے ہو

نظر میں ہیچ تمہارے جہاں کی سلطانی ۔۔۔ گدائی شان بھی ہے رشک فرِ خاقانی
ہزار شکر کہ در عہدِ قدرتِ ثانی ۔۔۔ خدا نے بخشی ہے "الدار" کی نگہبانی

تم اُس کے حفظ میں اُس کی اماں میں رہتے ہو

کرم خدا نے کیا عجز و خاکساری پر ۔۔۔ مبارک ہو تمہیں ایسی نامداری پر
ہزاروں سجدے ہوں اس فخر و کامگاری پہ ۔۔۔ فرشتے ناز کریں جس کی پہرہ داری پہ

ہم اُس سے دُور تم اُس مکاں میں بستے ہو

جہاں ہے سارا منور منارِ بیضا سے ۔۔۔ تم اُس کے جلوہ کو جا پوچھو طورِ موسیٰ سے
حیاتِ دائمی ملتی ہے اب اسی جا سے ۔۔۔ فضا ہے جس کی معطر نفوسِ عیسیٰ سے

اُسی مقام فلک آستاں میں رہتے ہو

جہاں کہ لذتِ ایماں ضرور حاصل ہو — ہے دل ہو جہاں دُور نور حاصل ہو
جہاں پہ عشق خدا کا شعور حاصل ہو — نہ کیوں دلوں کو سکون و سرور حاصل ہو

کہ قربِ خطۂ رشک جناں میں رہتے ہو

دکھایا تم نے نمونہ ہے مہر و الفت کا — ادا کیا بخوشی ابتلا میں حق وفا
بہشتی مقبرہ پہنچے مسجد اقصیٰ — تمہیں سلام و دعا ہے نصیب صبح و مسا

جوارِ مرقدِ شاہِ جہاں میں رہتے ہو

محترمہ طیبہ صدیقہ صاحبہ

جامعہ نصرت۔ ربوہ

ارض ربوہ اب تمہاری یاد میں ہے سوگوار

آٹھ نومبر کا دن اب بن گیا ہے یادگار — یاد جس کی آ کے کر دیتی ہے ہم کو سوگوار

ہر طرف اک اضطراب اور مضمحل تھی چاندنی — رات کے پردے میں پوشیدہ ہیں چند آہیں مری

چاندنی بھی افسردگی سے جھانکتا تھا کرب سے — روشنی تاروں کی مدھم پڑ رہی تھی کرب سے

آفتاب اُس روز بھی نکلا تھا پر اتنا اداس — کوئی افسردہ سی بیوہ ٹوٹ جائے جس کی آس

روٹھ کر جانے لگا اُس وقت وہ فضل عمر — جس کے جانے کی خدا نے پہلے سے دی تھی خبر

اُس نے اپنے عہد کو کس شان سے پورا کیا — عمر بھر وہ دوسروں کے درد میں شامل رہا

درد دل سے تو نے جتنی خدمت اسلام کی — ہم بھلا سکتے نہیں تیرے کسی بھی کام کو

ہر طرف افسردگی ہے ہر طرف ہے اضطراب — ارض ربوہ اب تمہاری یاد میں ہے سوگوار

چشم پُرنم ڈھونڈتی ہے تجھ کو اے فضل عمر — جستجو میں تیری بھٹکی ہر طرف میری نظر

موت نے چھینا ہے ہم سے جسم خاکی بالیقیں — چھین لے وہ یاد بھی تیری یہ ممکن ہی نہیں

تیرے جانے سے تری یادیں تو جا سکتی نہیں — کارنامے اب تو تاریخیں بھلا سکتی نہیں

اے خدا محمود کو تو قرب سے اپنے نواز — روح اس کی رحمتوں سے اپنی تو کر سرفراز

اب عمل کی اور ہم کو صبر کی توفیق دے
درد کے ماروں کو دل پہ جبر کی توفیق دے

تھے جس کے قافلہ سالار امیر مینائی — وہ قافلہ تو گیا اب غبار باقی ہے

سلیم داخلِ جنت ہوئے ولی و مختار — اب انکے بعد یہی خاکسار باقی ہے

سوانحی خاکہ

نام	سید محمد میاں
تخلص	سلیم شاہجہانپوری
مولد	شاہجہانپور یو-پی (انڈیا)
تاریخ ولادت	۲۰ اپریل ۱۹[illegible]ء
تعلیم	انٹرمیڈیٹ تک (انگریزی) ادیب فاضل (اردو) منشی کامل (فارسی)
تلمذ	فاضلِ عصر حضرت علامہ مختار شاہجہانپوری (اعتبار الملک حضرت ولی شاہجہانپوری جانشین حضرت امیر مینائی علیہ الرحمت)

ادبی سرگرمیاں

۱. بانی و سیکرٹری ینگ مین لٹریری ایسوسی ایشن شاہجہانپور

۲. سابق مدیر اعزازی ماہنامہ "مسرت" راولپنڈی

۳. بانی و صدر بزمِ اربابِ قلم۔ نواب شاہ

۴. بانی و صدر، بزم احباب نوابشاہ سندھ

تصنیفات و تالیفات

۱. بکھرے ہوئے موتی (منتخب اشعار کا مجموعہ)

۲. شہرِ دعا (مجموعہ نعت)

۳. نوائے درد

۴. شکستِ یاس (دیوان غزلیات و منظومات قطعات و رباعیات)

۵. حیات علامہ حضرت مختار شاہجہانپوری

۶. کاروانِ حیات

۷. شعرائے احمدیت (۱۸۰ شعراء اور ۴۳ شاعرات کے حالات و نمونہ کلام)

۸. امام المہدیؑ وغیرہ وغیرہ